المحصول

الجامع لشروح ثلاثة الأصول

د. فهد بن بادي المرشدي

الترجمة الأردية

المحصـــــــــــــول

الجامع لشروح ثلاثة الأصول

المحصـــــــــول

الجامع لشروح ثلاثة الأصول

رسالة "ثلاثة الأصول وأدلتها" کی تحقیق وشرح

الإمام المصلح المجدد الشيخ محمد بن عبد الوهاب رحمه الله -

اس کتاب کے لکھنے میں اس رسالہ کی پچاس سے زیادہ شروحات کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔

تأليف:

د. فهد بن بادي المرشدي

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

مقدمہ 43

باب اوّل: کتابچہ کے مصنف رحمہ اللہ کا مختصر ترجمہ.............. 50

باب دوم: "ثلاثۃ الأصول" نامی کتابچہ کا مختصر تعارف 55

کتابچہ کا نام: 55

کتابچہ کی اہمیت:... 60

کتابچہ کا مختصر تعارف: 64

کتابچہ کے موضوع کا تعارف: 68

کتابچہ کی چند اہم خصوصیات: 72

(۱) آسان اسلوب:... 72

(۲)بہترین طرز تالیف: 73

(۳)بہترین ترتیب:... 74

(۴)مخاطب کے ساتھ تلطف،ان پر شفقت اور اس کے لئے دعاء: 75

(۵) کثرت سے دلیلوں کا ذکر: 75

علماء کی اس کتابچہ (ثلاثۃ الاصول) پر خدمات 77

1- ثلاثۃ الأصول کی شرحیں: 77

2- ثلاثۃ الأصول کی منظومات: 84

3- ثلاثۃ الأصول کے مختصرات: 84

4- ثلاثۃ الأصول کو متعدد لوگوں نے سوال وجواب کی شکل دی ہے۔ 85

5- ثلاثۃ الأصول سے متعلق چند اور کتابیں: 86

باب سوم: اس کتابچہ کی شرح و تحقیق کا منہج اور اس کا طریقہ کار۔ .. 87

(۱) فصل اوّل: ثلاثۃ الأصول کے متن کی تحقیق: 87

(۲) فصل دوم: کتابچہ کی شرح: 89

ثلاثۃ الأصول کا متن 95

پہلا موضوع: 95

دوسرا موضوع: 98

تیسرا موضوع: 102

پہلا اصول: بندہ کی اپنے رب کے بارے میں معرفت۔............104
دوسرا اصول: بندہ کی دلیلوں کی بنیاد پر دین اسلام کی معرفت 116
پہلا مرتبہ: اسلام 117
دوسرا مرتبہ: ایمان۔ 121
تیسرا مرتبہ: احسان۔..123
تیسرا اصول: ہمارے نبی محمد ﷺ کی معرفت..........................129
خاتمہ 137
تینوں اصولوں سے پہلے مذکور تین رسالوں میں سے پہلے رسالہ کی شرح
144...
پہلا موضوع:..144
پہلا مسألۃ: مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں (اعلم) اچھی طرح جان لو، یقین کرلو:
149...
دوسرا مسئلہ: مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں (رحمک اللہ) 151
تیسرا مسئلہ: مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں یجب علینا تعلم أربع مسائل۔...........155

چوتھا مسئلہ: مصنفؒ فرماتے ہیں (تعلم اربع مسائل) چار مسئلوں کا علم حاصل کرنا۔ 156

پانچواں مسئلہ: چاروں مسائل سے متعلق علم حاصل کرنے کا وجوب۔ 159

پہلا مسئلہ: تفسیر العلم الواجب تعلمہ: (اس علم کی وضاحت جس کا حاصل کرناواجب ہے۔) 165

تیسرا مسئلہ: مصنف کے اس قول کے بارے میں کہ "الاولیٰ العلم" پہلا مسئلہ علم ہے۔ 170

شریعت کے علم کی دو قسمیں ہیں: 171

چوتھا مسئلہ: مصنفؒ کی علم کی تفسیر معرفت سے کرنے کی وجہ۔ 175

پانچواں مسألۃ: مصنفؒ فرماتے ہیں "وھو معرفۃ اللہ" وہ اللہ کی معرفت ہے۔ 182

چھٹا مسألۃ: مصنفؒ فرماتے ہیں "ومعرفۃ دین الاسلام بالأدلۃ" اور دلیلوں کی بنیاد پر دین اسلام کی معرفت۔ 184

ساتواں مسألۃ: عقیدہ کے باب میں تقلید: 190

آٹھواں مسألة: مصنف ؒ کی ذکر کردہ باتوں کا خلاصہ۔ 202

۱) اجمالی معرفت: 204

۲) تفصیلی معرفت: 204

پہلا مسألة: عمل اور اس کی اہمیت۔ 206

دوسرا مسئلہ: مصنف ؒ کے قول "العمل بہ" میں ضمیر کی وضاحت۔
209..

تیسرا مسئلہ: علم پر عمل نہ کرنا۔ 211

پہلا مسألة: دعوت سے کیا مراد ہے۔ 214

دوسرا مسألة: مصنف ؒ کے قول الدعوة الیہ میں ضمیر کی وضاحت۔
216..

پہلا مسألة: صبر کی اہمیت۔ 220

دوسرا مسألة: الصبر علی الأذی فیہ میں ضمیر کی وضاحت۔......222

پہلا مسئلہ: والعصر کی تفصیل 225

دوسرا مسألة: "إن الإنسان لفي خسر" کی تفسیر: 230

تیسرا مسئلہ: {إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ} کی تفسیر: 231

(۱) پہلی صفت: 232

(۲) دوسری صفت: 233

(۳) تیسری صفت: 235

(۴) چوتھی صفت: 236

چوتھا مسألة: اس آیت سے چاروں مسائل کے سیکھنے کے وجوب کے حکم کی دلیل۔ 237

پہلا مسئلہ: ان کے قول لكفتهم (تو یہ ان کیلئے کافی ہوتا) کا مطلب: 241

پہلا قول: 241

دوسرا قول: 242

دوسرا مسألة: مصنف ؒ کا امام شافعیؒ کے قول نقل کرنے کا مقصد۔ 244

پہلا مسألة: امام بخاری کے اس قول کی وضاحت کے باب: العلم قبل القول والعمل۔ 250

دوسرا مسئلہ : امام بخاریؒ کے اس قول کی وضاحت کہ " قول و عمل سے پہلے علم سے شروعات کی"۔..................................252

تیسرا مسألۃ: چاروں مسائل کے مابین ترتیب پر استدلال۔ 253

تینوں اصولوں سے پہلے مذکور تین رسالوں میں دوسرے رسالہ کی شرح۔ 258

دوسرا موضوع:..258

(۱) اللہ ہی نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ 258

(۲) اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے کہ اس کی عبادتوں میں کسی کو اس کا ساتھی اور شریک ٹھہرایا جائے۔..................................259

(۳) جس نے اللہ کی توحید کا اقرار کیا اور رسول کی اطاعت کی اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس شخص سے محبت کرے، موالاۃ قائم کرے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہو۔....................................260

پہلا مسئلہ: ان تینوں مسائل کی اہمیت۔ 263

دوسرا مسألۃ: ان تینوں مسائل سے مقصود کی وضاحت: 265

پہلا مسئلہ: مذکورہ بات کی وضاحت۔..................................270

دوسرا مسألۃ: مصنف ؒ کی اس بات کی وضاحت کہ جس نے ان کی اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگیا اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ جہنم میں داخل ہوگیا۔ 272

پہلا مسئلہ: مذکورہ مسئلۃ کی وضاحت۔ 280

دوسرا مسألۃ: "أن الله لا یرضی أن یشرک معه" کی وضاحت۔ 282

تیسرا مسألۃ: "أن یشرک معه أحد" کی وضاحت۔ 283

چوتھا مسألۃ: "لا ملک مقرب، ولا نبی مرسل" کی وضاحت۔ 284

پانچواں مسألۃ: فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے سے ممانعت۔ .286

پہلا مسألۃ: اس آیت کی تفسیر۔ 290

دوسرا مسألۃ: آیت میں مذکور مساجد کی وضاحت۔ 291

(۱) پہلا قول: 291

(۲) دوسرا قول: 292

(۳) تیسرا قول: 292

تیسرا مسألۃ: مذکورہ آیت سے وجہ دلالت کی توضیح۔ 293

چوتھا مسألۃ: اس مسألۃ میں مصنف ؒ کے مراد و مقصود کی وضاحت۔ 295

پہلا مسألۃ: اس (تیسرے) مسألۃ کیا اہمیت۔ 299

دوسرا مسألۃ: "لا يجوز له موالاة من حاد الله ورسوله" اس کی وضاحت۔ 301

تیسرا مسألۃ: اس موالاۃ کی وضاحت جس سے منع کیا گیا ہے۔ 303

چوتھا مسألۃ: موالاۃ اور تولی میں فرق۔ 309

پانچواں مسألۃ: مصنف ؒ نے جن مسائل کا ذکر کیا ہے ان کے درمیان آپس میں تعلق۔ 310

پہلا مسألۃ: اس آیت سے استدلال کی وضاحت۔ 314

دوسرا مسألۃ: الولاء والبراء کی واجبی مقدار کی توضیح۔ 320

تیسرا مسألۃ: کفار سے موالاۃ کے درجات کی وضاحت۔ 322

(۱) پہلا مرتبہ: 322

(۲) دوسرا مرتبہ: 328

(۳) تیسرا مرتبہ: 329

چوتھا مسئلہ: دنیوی مقاصد کے لیے مسلمانوں کے مقابلہ میں مشرکین کی
مدد کرنے کی وضاحت۔ 337
(۱)پہلا قول: 338
(2)دوسرا قول: 342
(۳)تیسرا قول: 353
مظاہرت اور اعانت: 354
تین اصولوں سے پہلے مذکور تین رسالوں میں سے تیسرے رسالہ کی شرح
.... 359
تیسرا موضوع: 359
پہلا مسألۃ: "اعلم أرشدك الله لطاعته" کی وضاحت۔ 363
دوسرا مسألۃ: انَّ الحنيفية ملت ابراہیم کی وضاحت۔ 363
تیسرا مسألۃ: لغت و شریعت میں حنیفیۃ کا مطلب و مراد۔ 366
چوتھا مسألۃ: مصنفؒ کی حنیف کی تفسیر: 370
پہلا مسألۃ: اس مسألۃ کی وضاحت اور اس پر استدلال۔ 374

دوسرا مسألة: جس آیت سے مصنف ؒ نے استدلال کیا ہے متکلمین کے اس پر اشکالات۔ 377

تیسرا مسألة: وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کی تفسیر۔ 379

چوتھا مسألة: ''مصنف ؒ کے قول ومعنی یعبدون: یوحدون'' اس کی وضاحت: 381

پہلا مسئلہ: توحید کی اہمیت۔ 385

دوسرا مسئلہ: توحید کی تعریف۔ 388

1۔عام معنی: 388

2۔خاص معنی: 389

تیسرا مسئلہ: شرک کی تعریف۔ 391

شریعت میں شرک دو معنوں کے لئے آتا ہے: 391

1۔عام معنی: 391

2۔خاص معنی: 393

چوتھا مسئلہ: "شرک یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور کو پکارا جائے" کی توضیح۔ 397

پہلا مسئلہ: آیت کی تفسیر۔ 399

دوسرا مسئلہ: آیت سے وجہ استدلال۔ 400

پہلا اصول: بندہ کی اپنے رب کے بارے میں معرفت۔ 405

پہلا مسئلہ: رسالہ "ثلاثہ الاصول" کا آغاز: 418

دوسرا مسئلہ: اصول ثلاثہ کا بیان: 419

تیسرا مسئلہ: اصول ثلاثہ کی معرفت کا وجوب: 421

چوتھا مسئلہ: جب تم سے یہ دریافت کیا جائے کہ اصول ثلاثہ کیا ہیں؟ 423

پانچواں مسئلہ: اصول ثلاثہ کے دلائل: 425

پہلی دلیل: 425

دوسری دلیل: 426

تیسری دلیل: 426

چوتھی دلیل: 427

چھٹا مسئلہ: دلائل کے ساتھ اصول ثلاثہ کی معرفت کی اہمیت۔ 429

پہلا مسئلہ: جب تم سے کہا جائے: تمہارا رب کون ہے؟ 436

دوسرا مسئلہ: اس نے میری اور سارے انسانوں کی اپنی ظاہری و باطنی نعمت سے تربیت کی۔ 439
پہلی قسم ہے: 439
دوسری قسم ہے: 439
تیسرا مسئلہ: وہی میرا معبود ہے۔اس کے علاوہ کوئی میرا معبود نہیں ہے۔ 440
چوتھا مسئلہ: رب کی معرفت: 441
پہلا مسئلہ: آیت اللہ تعالی کی معرفت کے اصول پر مشتمل ہے: 444
دوسرا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ! 446
پہلا مسئلہ: اللہ کے سوا ہر چیز عالم ہے۔ 448
دوسرا مسئلہ: اللہ کے علاوہ ہر چیز عالم ہے: 450
پہلا مسئلہ: رب کی معرفت کی رہنما دلیل: 456
آیات کونیہ خلقیہ: 458
آیات شریعہ قولیہ: 458

دوسرا مسئلہ: آیات اور مخلوقات کے درمیان تفریق: 460
تیسرا مسئلہ: آیات، صاف طور پر رب کی معرفت کی دلیل ہیں۔
463...
پہلا مسئلہ: پہلی آیت کی دلیل کی وجہ: 469
دوسرا مسئلہ: دوسری آیت کی دلیل کی وجہ! 470
پہلا مسئلہ: رب ہی عبادت کا مستحق ہے۔ 471
دوسرا مسئلہ: رب ہی معبود ہے کا مفہوم و معنی: 472
تیسرا مسئلہ: ربوبیت اور الوہیت: 477
پہلا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ: 482
دوسرا مسئلہ: آیت کی اس کلمہ کی تفسیر: 483
پہلا مسئلہ: عبادت کی اقسام کا ذکر: 487
دوسرا مسئلہ: عبادات کے وہ اصول جو عبادت کی اقسام کے لئے مرجع
ہیں: 488
پہلا مسئلہ: دعاء کے معنی اور اس کے اقسام: 491
(ا) عام: 491

(۲)خاص: 493

دوسرامسئلہ: دعاءِ عبادت کی اہمیت: 494

تیسرامسئلہ: (ومنہ: الدعاء): شارحین کا"منہ" کی ضمیر کے لوٹنے
میں اختلاف ہے۔.. 496

چوتھامسئلہ: (الدعاء)۔.. 498

پانچواں مسئلہ: دعاءالمسألة اور دعاءالعبادة میں تعلق: 499

پہلامسئلہ: لغوی و شرعی اعتبار سے عبادت کامفہوم: 508

اللہ کی عبادت کے شرعاً دو معنی ہیں: 508

(۱)عام: 508

(۲)خاص: 510

عبادت کا اطلاق دو چیزوں پر کیا جاتا ہے: 513

(۱)تعبُّد: 513

(۲)مُتَعَبَّدٌ بِہٖ: 514

دوسرامسئلہ: عبادت کا ضابطہ: 515

تیسرا مسئلہ: مصنف کے قول کلھا للہ تعالیٰ کی وضاحت۔ 517

پہلا مسئلہ: لفظ المساجد کی تفسیر۔......................................519

دوسرا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ: 521

تیسرا مسئلہ: آیت ودعا کی دونوں قسموں پر مشتمل ہے۔..................522

چوتھا مسئلہ: آیت عبادت کی ہر قسم کو شامل ہے۔.....................523

پہلا مسئلہ: غیر اللہ کے لئے عبادت کرنے کا حکم: 525

تیسرا مسئلہ: کفر و شرک کے درمیان فرق: 528

چوتھا مسئلہ: ان لوگوں کی تکفیر جس نے غیر اللہ کے لئے کوئی عبادت کی۔ 537

پہلا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ! 540

دوسرا مسئلہ: آیت دعاء کی دونوں قسموں (المسألة والعبادة) پر مشتمل ہے۔ 541

تیسرا مسئلہ: "لَا بُرْهَانَ لَهُ" کی وضاحت: 543

پہلا مسئلہ: دعاء کے عبادت ہونے کا حدیث میں اشارہ: 546

دوسرا مسئلہ: "الدعاء مخ العبادة" کی وضاحت۔ 548

پہلا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ: 551

دوسرا مسئلہ: آیت دعاء کی دونوں قسموں پر مشتمل ہے:..................551

تیسرا مسئلہ: شرکیہ دعاء کی صورتیں: 552

عبادت الدعاء میں شرک کی صورتیں: 553

چوتھا مسئلہ: دعاء کی جائز صورتیں:.................................555

پہلا مسئلہ: مختلف دلائل جو مصنف اس باب میں پیش کریں گے۔
557..

دوسرا مسئلہ: خوف کا معنیٰ: 559

تیسرا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ: 560

چوتھا مسئلہ: خوف العبادة: 561

پہلا مسئلہ: رجاء کا مفہوم۔..570

دوسرا مسئلہ: آیت کی روشنی میں طریقہ استدلال: 572

تیسرا مسئلہ: رجاء العبادة: 573

چوتھا مسئلہ: طلب الرجاء الجائز: 575

پانچواں مسئلہ: کسی کا یہ کہنا "لک خالص الرجاء" ۔ 576

پہلا مسئلہ: توکل کا معنی ومفہوم۔.................................... 579

لغت کے اعتبار سے:.. 579

اصطلاح میں:.. 579

شرعاً:... 579

توکل دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔............................ 580

دوسرا مسئلہ: توکل کے عبادت ہونے کے دلائل۔.................... 581

پہلی دلیل:.. 582

دوسری دلیل:.. 583

اور دلیل یہاں استدلال کی ان دونوں قسموں سے مرکب ہے جس کا بیان پہلے ہوا ہے اور وہ یہ ہیں:............................ 585

١۔عام استدلال:.. 585

٢۔خاص استدلال:.. 585

تیسرا مسئلہ: عقیدۃً اور لفظاً توکل کے باب میں اللہ تعالیٰ کا اکیلا اور تنہا ہونا۔.. 586

چوتھا مسئلہ: توکل اور توکیل میں فرق۔ 591

پہلا مسئلہ: رغبت کا معنی۔ 593

دوسرا مسئلہ: رہبت کا معنی۔ 595

تیسرا مسئلہ: رغبت ورہبت کے درمیان فرق۔ 597

چوتھا مسئلہ: خشوع کا معنی۔ 597

خشوع شرعی: 599

خشوع شرکی: 599

پانچواں مسئلہ: مذکورہ باتوں کے عبادات شرعیہ ہونے کی دلیل۔ .599

پہلا مسئلہ: خشیت کا معنی۔ 603

دوسرا مسئلہ: خشیت، رہبت اور خشوع کے درمیان فرق۔ 606

تیسرا مسئلہ: طریقۂ استدلال۔ 607

چوتھا مسئلہ: شرکیہ خشیت۔ 607

خشیت شرکیہ یہ ہے: 607

پہلا مسئلہ: انابت کا معنی۔ 609

انابت شرعی یہ ہے کہ: 610

دوسرا مسئلہ: انابت اور توبہ کے درمیان فرق۔ 611

تیسرا مسئلہ: طریقۂ استدلال آیت کریمہ کی روشنی میں۔ 612

چوتھا مسئلہ: خاص دلیل کہ انابت عبادت ہے۔ 614

پانچواں مسئلہ: شرکیہ انابت۔ 614

چھٹا مسئلہ: دیگر قلبی عبادات اور انابت کے درمیان ربط و تعلق۔ ... 615

پہلا مسئلہ: استعانت کا مفہوم۔ 618

استعانت شرعیہ: 618

دوسرا مسئلہ: ارشاد باری {إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (5)} کی وضاحت: 619

استعانت کے عبادت ہونے پر استدلال آیت کریمہ کی روشنی میں

تین طریقے سے: 620

تیسرا مسئلہ: حدیث سے دلیل "إذا استعنت فاستعن بالله" کی وضاحت:

621 ....

چوتھا مسئلہ: استعانت کے عبادت ہونے کی عام دلیل۔ 622

پانچواں مسئلہ: شرکیہ استعانت۔..............................623

چھٹا مسئلہ: استعانت کا طلب کرنا جائز ہے۔...........................624

پہلا مسئلہ: استعاذہ کا معنی۔..626

دوسرا مسئلہ: استعاذہ کے عبادت ہونے کی دلیل۔.................628

تیسرا مسئلہ: استعاذہ شرکیہ۔..................................628

پہلا مسئلہ: استغاثہ کا معنی۔.......................................636

دوسرا مسئلہ: استغاثہ کے عبادت ہونے کی دلیل۔...........637

تیسرا مسئلہ: استغاثہ اور ربوبیت۔................................639

چوتھا مسئلہ: استغاثہ شرکیہ۔.....................................640

پہلا مسئلہ: ذبح کا معنی۔..645

دوسرا مسئلہ: ذبح کی عبادت کی اہمیت۔...........................646

تیسرا مسئلہ: ذبح کے عبادت ہونے پر آیت کریمہ کے دلیل ہونے کی وجہ۔...647

چوتھا مسئلہ: ذبح، عبادت ہے۔....................................649

اس طرح اس کی چار صورتیں ہوتی ہیں: 651
پانچواں مسئلہ: جائز ذبح۔ 651
پہلا مسئلہ: حدیث میں لعنت سے مراد۔ 653
دوسرا مسئلہ: ذبح کے عبادت ہونے پر حدیث سے استدلال کی وجہ۔ 654
پہلا مسئلہ: نذر کا معنی۔ 656
دوسرا مسئلہ: نذر کے عبادت ہونے کی دلیل۔ 657
تیسرا مسئلہ: نذر کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ 658
چوتھا مسئلہ: نذر کی ممانعت۔ 659
پہلی قسم: نذر مطلق: 660
دوسری قسم: نذر مقید: 660
پانچواں مسئلہ: معرفت رب: اصل اول پر کلام کا خاتمہ۔ 662
دوسرا أصول: دلائل کے ذریعے دین اسلام کی معرفت 667
پہلا مرتبہ: اسلام 668
دوسرا مرتبہ: ایمان۔ 672

تیسرا مرتبہ: احسان۔ 674

پہلا مسئلہ: دین کا معنی۔ 682

دوسرا مسئلہ: دلائل کی روشنی میں دین اسلام کی معرفت۔ 683

پہلا مسئلہ: اصطلاح "اسلام"۔ 686

دوسرا مسئلہ: توحید کے ساتھ اللہ کا فرماں بردار ہونا۔ 687

اور اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہونے کے دو مفہوم ہیں: 688

پہلا مفہوم ہے: 688

دوسرا مفہوم ہے: 688

تیسرا مسئلہ: طاعت کے ساتھ اللہ کی فرماں برداری کرنا۔ 690

چوتھا مسئلہ: شرک اور اہل شرک سے بے زاری۔ 692

پہلا: براءت قلبی: 693

دوسرا: براءت قولی: 694

تیسرا: براءت فعلی: 694

براءت کی متعدد تفسیر کی گئی ہے: 695

پانچواں مسئلہ: اسلام کی تعریف عام معنی کے اعتبار سے۔............. 697

پہلا مسئلہ: دین کی اجمالی و تفصیلی معرفت۔........................... 699

مصنف کے بیان کے مطابق دین کی معرفت دو باتوں کو شامل ہے۔699

۱۔دین کی اجمالی تعریف: 699

۲۔دین کی تفصیلی معرفت: 700

دوسرا مسئلہ: دین اسلام خصوصی معنی کے اعتبار سے ۔................. 700

دین اسلام جس کے ساتھ محمد ﷺ مبعوث کیے گئے، اس کے تین مرتبے ہیں: 701

تیسرا مسئلہ: دین اسلام کے تینوں مراتب کو جاننا واجب ہے۔........ 702

۱۔اعتقاد: 702

۲۔فعل: 703

۳۔ترک: 703

پہلا مسئلہ: ارکان کا معنی۔... 706

دوسرا مسئلہ: اسلام کے ارکان خمسہ۔................................. 708

تیسرا مسئلہ: شہادتین کو ایک رکن قرار دینے کی وجہ۔ 709

چوتھا مسئلہ: اسلام کے پانچوں ارکان کی معرفت۔ 709

پانچواں مسئلہ: دین اسلام کی دلیل اس کے خصوصی معنی کے اعتبار سے۔ 710

پہلا مسئلہ: شہادت کا معنی۔ 714

شہادت اسی وقت ہوتی ہے جب اس میں تین مرتبے ہوں۔ 715

دوسرا مسئلہ: اللہ تعالیٰ کی شہادت کے وجوب کی دلیل۔ 716

تیسرا مسئلہ: شہادت "اعتقاد" کی وضاحت۔......................718

پہلا مسئلہ: الٰہ ہی معبود ہے۔...719

دوسرا مسئلہ: معبود بر حق، صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ 723

تیسرا مسئلہ: مصنف کے قول: "بحق" کی وضاحت: 727

پہلا مسئلہ : توحید کی شہادت نفی اور اثبات دونوں کو شامل ہے۔
729..

دوسرا مسئلہ : جیسے اللہ کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں ہے، ویسے ہی
اس کی عبادت میں کوئی شریک نہیں ہے۔.....................730

پہلا مسئلہ: آیت کی تفسیر توحید کی شہادت کے لیے۔ 733

دوسرا مسئلہ: توحید کی شہادت، شرک اور اہل شرک سے بے زاری کے لیے لازم ہے۔ 735
پہلا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ۔ 738
دوسرا مسئلہ: اس آیت کی عظمت۔ 739
تیسرا مسئلہ: مصنف کا دونوں دلیل سے مقصود۔ 740
پہلا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ۔ 742
دوسرا مسئلہ: دونوں شہادتیں واجب ہیں۔ 743
پہلا مسئلہ: محمد رسول اللہ کے اقرار کا معنی ومفہوم۔ 746
دوسرا مسئلہ: محمد رسول اللہ کے اقرار کے تقاضے۔ 747
پہلی بات: 747
دوسری بات: 748
تیسری بات: 749
چوتھی بات: 750

تیسرا مسئلہ : اسلام کے پہلے رکن میں جن باتوں کی معرفت بندے پر لازمی ہے اس کی وضاحت۔.. 752

پہلا مسئلہ : مصنف رحمہ اللہ کا پہلے رکن کی حقیقت بیان کرنے پر اکتفاء: 754

دوسرا مسئلہ: جس امر وبیان پر آیت مشتمل ہے اس کی وضاحت۔ ..755

تیسرا مسئلہ: مقام توحید کا اہتمام۔.................................. 756

پہلا مسئلہ: روزہ اور حج کی تعریف۔ 759

دوسرا مسئلہ: روزہ اور حج کے دلائل۔ 759

پہلا مسئلہ: ایمان کے لغوی معنی۔..................................... 761

دوسرا مسئلہ: ایمان کی شرعی تعریف۔................................ 763

تیسرا مسئلہ: ایمان کے شعبے۔ 767

چوتھا مسئلہ: ایمان قول و عمل کا نام ہے۔ 770

شرعی ایمان: 770

ایمان چار چیزوں پر مشتمل ہے: 771

پہلا مسئلہ: ایمان اپنے خاص معنی میں۔ 772
دوسرا مسئلہ: ایمان کے ارکان چھ ہیں۔ 773
تیسرا مسئلہ: اللہ پر ایمان۔ 775
اللہ پر ایمان کی تین قسمیں ہیں: 775
پہلی قسم: 775
دوسری قسم: 775
تیسری قسم: 775
پہلا مسئلہ: ملائکہ کی تعریف۔ 777
دوسرا مسئلہ: فرشتوں پر اجمالی بیان۔ 779
تیسرا مسئلہ: فرشتوں پر تفصیلی ایمان۔ 780
پہلی بات: 780
دوسری بات: 780
تیسری بات: 781
چوتھی بات: 782

پہلا مسئلہ: کتابوں پر اجمالی ایمان۔ 786
دوسرا مسئلہ: کتابوں پر تفصیلی ایمان۔ 787
پہلا مسئلہ: رسل سے مراد۔ 791
رسول اور نبی میں فرق: 792
دوسرا مسئلہ: رسولوں پر اجمالی ایمان۔ 793
تیسرا مسئلہ: رسولوں پر تفصیلی ایمان۔ 794
یہ ایمان چار باتوں پر مشتمل ہے۔ 795
چوتھا مسئلہ: رسولوں اور نبیوں پر ایمان۔ 799
پہلا مسئلہ: یوم آخر سے مراد۔ 800
دوسرا مسئلہ: آخرت پر اجمالی ایمان۔ 801
اجمالی ایمان تین باتوں سے مکمل ہوتا ہے۔ 802
تیسرا مسئلہ: آخرت پر تفصیلی ایمان۔ 803
پہلا مسئلہ: قدر کے معنی۔ 805
دوسرا مسئلہ: تقدیر پر اجمالی ایمان۔ 810

تیسرا مسئلہ: تقدیر پر تفصیلی ایمان۔ 812

تقدیر پر ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ چار چیزوں پر مشتمل ہے۔ .. 818

چوتھا مسئلہ: خلاصہ کلام۔ 820

پہلا مسئلہ: ایمان کے ارکان میں سے پہلے پانچ ارکان کی دلیل۔ 823

دوسرا مسئلہ: آخری رکن ایمان بالقدر کی دلیل۔ 825

پہلا مسئلہ: احسان کے لغوی معنی۔ 826

دوسرا مسئلہ: احسان کی اصطلاحی تعریف۔ 828

تیسرا مسئلہ: مرتبہ اُحسان کی اہمیت۔ 829

چوتھا مسئلہ: احسان ایک رکن ہے۔ 830

پانچواں مسئلہ: مراتب احسان۔ 832

چھٹا مسئلہ: مراتب احسان کے درمیان تعلق۔ 835

ساتواں مسئلہ: احسان کا کس قدر ہونا کافی ہے: 837

پہلا مرتبہ: مرتبہ اُحسان کی پہلی دلیل۔ 841

دوسرا مسئلہ: مرتبہ اُحسان کی دوسری دلیل۔ 842

تیسرا مسئلہ: مرتبۂ احسان کی تیسری دلیل۔.......................... 843

چوتھا مسئلہ: مذکورہ دلائل کی روشنی میں استدلال کے اقسام۔....... 843

پہلا مسئلہ: ان مراتب پر سنت سے دلیل۔.................................. 848

دوسرا مسئلہ: قرآن میں ان مراتب کی دلیل۔............................ 849

تیسرا اصول: ہمارے نبی محمد ﷺ کی معرفت 851

پہلا مسئلہ: نبی ﷺ کی معرفت سے مراد۔................................ 859

دوسرا مسئلہ: نبی ﷺ کی معرفت کے اصول۔.............................. 860

پہلا مسئلہ: محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب۔........................... 863

دوسرا مسئلہ: نبی کریم ﷺ کے أسمائے گرامی۔.......................... 863

تیسرا مسئلہ: ہاشم قریش سے ہیں اور قریش عرب سے ہیں۔...... 864

چوتھا مسئلہ: عرب اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں
۔.. 865

پہلا مسئلہ: نبی ﷺ کی زندگی اور سیرت۔............................... 867

دوسرا مسئلہ: عمر اور بعثت۔... 869

تیسرا مسئلہ: نبوت ورسالت۔ 870

پہلا مسئلہ: نبی ﷺ کی معرفت کس قدر ضروری ہے؟ 874

ہر فرد پر جس کا جاننا ضروری ہے، وہ چار باتیں ہیں۔ 875

دوسرا مسئلہ: جس مقصد کے لیے مبعوث کیے گئے، اس کی معرفت۔
879 ....

تیسرا مسئلہ: "قُمْ فَأَنذِرْ" کی تفسیر۔ 880

چوتھا مسئلہ: "وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ" کی تفسیر۔ 881

پانچواں مسئلہ: "وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" کی تفسیر۔ 885

چھٹا مسئلہ: "وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ" کی تفسیر۔ 887

اللہ کے سوا معبودوں سے دوری چار بنیادوں پر ثابت ہوتی ہے: 888

پہلا مسئلہ: اسی نہج پر دس سال توحید کی دعوت دیتے رہے۔ 890

دوسرا مسئلہ: دس سال کے بعد معراج کا سفر ہوا۔ 892

تیسرا مسئلہ: آپ پر پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی۔ 894

چوتھا مسئلہ: مکہ میں نماز اور ہجرت کا حکم۔ 895

پہلا مسئلہ: ہجرت کا معنی۔ 898

دوسرا مسئلہ: ملک کفر اور ملک اسلام کی تحدید۔................899
علماء کا ان دونوں کی تحدید و تعریف میں اختلاف ہے۔.........899
چنانچہ بلد شرک وہ ہے:.......................................900
ملک اسلام وہ ہے:...900
تیسرا مسئلہ: ہجرت کی فرضیت۔..............................902
ملک شرک سے ملک اسلام کی طرف ہجرت دو شرطوں کے ساتھ واجب ہے:..................................903
چوتھا مسئلہ: ہجرت کی اقسام۔..................................905
۱۔ پہلی قسم:..905
۲۔ دوسری قسم:..905
۳۔ تیسری قسم:..905
پانچواں مسئلہ: اظہار دین۔.......................................906
اظہار دین کے حصول کے سلسلے میں علماء کے دو اقوال ہیں:............906
چھٹا مسئلہ: ہجرت قیامت تک باقی ہے۔........................914

پہلا مسئلہ: ہجرت کے وجوب پر قرآن سے دلیل۔ 919

دوسرا مسئلہ: ہجرت کے وجوب پر قرآن سے دوسری دلیل۔ ... 922

تیسرا مسئلہ: ہجرت کے وجوب پر سنت سے دلیل۔ 924

سابقہ بحثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ: 926

پہلا مسئلہ: جب مدینہ میں قیام پذیر ہوئے تو بقیہ شرائع اسلام کا حکم دیا گیا۔ 929

دوسرا مسئلہ: زکوٰۃ، روزہ، حج، اذان اور جہاد کی فرضیت۔ 932

تیسرا مسئلہ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ 935

پہلا مسئلہ: بقائے دین۔ 938

دوسرا مسئلہ: اپنی امت پر آپ ﷺ کی شفقت ورحمت۔ 940

تیسرا مسئلہ: توحید ہر خیر کا سرچشمہ اور شرک ہر شر کی جڑ ہے۔ 942

پہلا مسئلہ: آپ ﷺ کی بعثت کا عموم۔ 946

دوسرا مسئلہ: کمال دین۔ 948

تیسرا مسئلہ: آپ ﷺ کی وفات۔ 951

خاتمہ..954

پہلا مسئلہ : لوگ جب مر جائیں گے تو انھیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔
962..

دوسرا مسئلہ: دونوں آیتوں سے استدلال کی وجہ ۔........................964

پہلا مسئلہ: قبروں سے اٹھنے کے بعد حساب لیا جائے گا اور اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔...967

دوسرا مسئلہ: قبروں سے اٹھنے کے بعد حساب لیا جائے گا۔...968

۱ ۔آسان حساب:...969

۲ ۔ سخت حساب :..970

تیسرا مسئلہ: حساب پر استدلال۔....................................971

چوتھا مسئلہ: کفار کا حساب۔...971

پہلا مسئلہ: جس نے بعث کو جھٹلایا، اس نے کفر کیا۔........976

دوسرا مسئلہ: اس شخص کے کافر ہونے کی دلیل جس نے بعث کو جھٹلایا۔
976..

تیسرا مسئلہ: بعث کے وقوع کے دلائل.................................977

پہلا مسئلہ : اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ 983

چنانچہ رسولوں کی بعثت دو باتوں پر مشتمل ہے: 984

دوسرا مسئلہ: پہلے اور آخری رسول۔ 984

تیسرا مسئلہ: ہر امت کی طرف اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجا۔ 988

چوتھا مسئلہ: رسولوں پر ایمان۔ 990

پہلا مسئلہ: طاغوت کا انکار اور اللہ پر ایمان۔ 993

دوسرا مسئلہ: طاغوت کا انکار، اللہ پر ایمان۔ 995

تیسرا مسئلہ: ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک طاغوت کی تعریف۔ 997

چوتھا مسئلہ: طاغوت کے معنی۔ 1003

اصطلاح میں طاغوت کے دو معنی ہیں۔ 1004

پہلا مسئلہ: "طاغوت بہت ہیں" اس کی وضاحت۔ 1008

دوسرا مسئلہ : ان کے سردار پانچ ہیں۔ پہلا ابلیس ہے، اللہ کی اس پر لعنت ہو۔ 1008

تیسرا مسئلہ: جس کی عبادت کی جائے اور وہ راضی ہو۔............1009
چوتھا مسئلہ: جس نے لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دی۔.......1010
پانچواں مسئلہ: جس نے علم غیب کا دعویٰ کیا۔..................1011
غیب نسبی: 1012
چھٹا مسئلہ: جس نے قانون الٰہی کے خلاف فیصلہ کیا۔..........1013
پہلا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ...........................1016
دوسرا مسئلہ: مصنف کے قول "یہ لا الٰہ الا اللہ کا معنی ومفہوم ہے" کی وضاحت۔
1018...
پہلا مسئلہ: رأس الأمر اسلام ہے۔.............................1020
دوسرا مسئلہ : رسالے کے خاتمے میں اس حدیث کو لانے کی
وجہ۔..1021
تیسرا مسئلہ: رسالہ کا خاتمہ۔.................................1025
خاتمہ..1027

مقدمہ

تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، ہم اسی کی حمد وثناء بیان کرتے ہیں، اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے برے اعمال اور اپنے نفس کے شرور وآفات سے پناہ مانگتے ہیں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ ان پر اللہ کی ڈھیروں رحمتیں اور سلامتی ہو۔

حمد وصلاۃ کے بعد :

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں کو اسی لئے بنایا ہے تاکہ وہ صرف اس کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس نے تمام رسولوں کو صرف اسی مقصد کے لئے بھیجا تاکہ وہ اس بات کی دعوت دیں اور ہر اس چیز کی وضاحت کردیں جو اس کے متنافی ہو، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید اور اس کے علاوہ تمام قسم کے شرک سے دور رہنا دین کا سب سے اہم فریضہ ہے، یہی اصل دین ہے اور اولین فریضہ ہے، یہی تمام انبیاء اور رسولوں کی

اولین دعوت ہے اور توحید ہی اول تا آخر تمام رسولوں کا دین ہے۔ جس کے سوا اللہ تعالیٰ کوئی دوسرا دین قبول نہیں کرے گا۔[1]

---

1) ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جو شخص بھی اپنی بھلائی چاہتا ہو اور دنیا و آخرت میں اپنے کو سعادت مندی اور کامیابی سے ہمکنار کرنا چاہتا ہو اس کو چاہئے کہ اپنے علم و عمل اور اپنے حالات سے مکمل طور سے توحید کے باب میں چوکنا رہے اور یہ اس کے نزدیک سب سے اہم چیز ہونی چاہئے۔ توحید کا علم سب سے اہم علم اور اس سے متعلق اعمال سب سے اہم اعمال ہونے چاہئے، کیونکہ کامیابی و کامرانی کا پورا دارومدار اسی پر ہے اور اسی کے بارے میں قیامت کے دن سب سے پہلے سوال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (92) عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ} [الحجر:92،93] ترجمہ: "قسم ہے تیرے رب کی! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے، ہر اس چیز کی جو وہ کرتے تھے۔" بیشتر اسلاف نے کہا ہے کہ وہ باز پرس کلمہ لاالہ الا اللہ کے بارے میں ہوگی اور یہی حق ہے، چنانچہ ساری باز پرس اسی کلمہ کے بارے میں ہوگی۔ اس کلمہ کے احکامات کے بارے میں، اس کے حقوق اور واجبات کے بارے میں، اس کے لوازمات کے بارے میں چنانچہ تمام لوگوں سے انہیں باتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ دو باتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اول تا آخر تمام انسانوں سے باز پرس ہوگی۔ پہلی بات یہ کہ تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ اور دوسری یہ کہ رسولوں کی کن باتوں کو تم نے مانا؟ ان کو کیا جواب دیا؟ چنانچہ "تم کس کی عبادت کرتے تھے" یہ سوال تو بذاتِ خود عبادت ہی کے بارے میں ہے اور دوسرا سوال ان وسائل و ذرائع کے بارے میں ہے جو اللہ کی عبادت تک پہنچنے کا راستہ

چونکہ اللہ کی توحید سب سے اہم کام ہے اور سب سے عظیم فریضہ ہے اور اس کا علم سب سے اشرف اور افضل علم ہے اور اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اس کو تفصیل سے بیان کیا جائے کیونکہ لوگ اس کی اہمیت سے غافل ہیں اور اسی چیز سے کنارہ کش ہیں جس کے لئے ان کو بنایا گیا ہے۔ اور ان کی تخلیق کی گئی ہے۔ چنانچہ اس بات کو دیکھتے ہوئے علماء دین نے توحید جیسے اہم معاملہ کی تفصیلات بیان کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور ان داعیوں اور مصلحوں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس دین کے دفاع اور اس کی حفاظت کرنے اور صحیح عقیدہ بیان کرنے کی توفیق دی، شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ بھی تھے، اللہ نے ان کو تصنیف وتالیف اور بہترین الفاظ اور پیرائے میں مضبوط دلیلوں کے ساتھ اپنی بات کہنے کی

ہیں۔ گویا اس کا تعلق بھی اللہ کی عبادت سے ہے چنانچہ جس مسأئلۃ کا یہ معاملہ ہے تو ہمیں چاہئے کہ ہم اس کو مضبوطی سے تھام لیں اور ہر طرح کے حالات میں اس پر پوری مضبوطی اور استقامت کے ساتھ ڈٹے رہیں کہ کہیں سے اس میں کوئی خلل نہ پیدا ہو جائے اور اس کا حصول ہمارا سب سے اہم اور سب سے عظیم مقصد ہو۔ باقی چیزیں ثانوی درجہ میں ہوں، اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اس کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں (طریق الھجرتین وباب السعادتین، ابن القیم الجوزیۃ ۲۹۷)

صلاحیت دی تھی۔دین کے اصولوں کو بیان کرنے کے لئے جوانہوں نے کتابیں لکھیں ان میں سب سے زیادہ مفید اور اہم کتاب **"ثلاثۃ الاصول وأدلتھا"** ہے۔ یہ اپنے موضوع پر مکمل اور شامل کتاب ہے۔ اس کتاب میں بندہ کو اپنے رب کی معرفت جیسے اہم اصولوں سے لے کر ان عبادتوں کا بھی ذکر ہے جس کا اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے۔ بندہ کو اپنے دین کی معرفت، دین کے مراتب، ہر مرتبہ کے ارکان، پیارے نبی ﷺ کی مختصر حیات، ان کی بعثت کی حکمت، دوبارہ زندہ کئے جانے اور حساب کتاب پر ایمان جیسے اہم موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے اور توحید کے دونوں ارکان پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ پہلا تمام طرح کے طاغوت سے انکار اور دوسرا اللہ رب العزت پر ایمان[2]، چنانچہ اس کتاب کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے طلبہ اور عوام الناس سبھی نے اس کتاب کو یاد کرنے، پڑھنے اور سمجھنے پر خوب توجہ دی۔ مؤلف کے پوتے شیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں کہا کہ "ہدایت کے طلبگاروں کے لئے یہ کتابچہ مختصر ہونے کے بعد بھی انتہائی اہم اور نفع بخش ہے"[3]۔

---

2) دیکھیں: تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الاصول، د عبدالمحسن بن محمد القاسم (7) دوسرا ایڈیشن ۱۴۲۹ھ۔

3) الدرر السنیۃ، جمع: عبدالرحمٰن بن محمد القاسم (۳۳۸/۴)، پانچواں ایڈیشن، ۱۴۱۳ھ۔

چنانچہ اس کتاب کی اہمیت وافادیت کو دیکھتے ہوئے میرے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں اس کتابچہ کی مفصل شروحات میں سے ایک ایسا انتخاب تیار کروں جو اس کے مسائل کو حل کردے، اس کی دلیلوں کو واضح کردے۔ اس کے مقاصد پر پورا اترے اور ایک متوسط حجم کی کتاب میں یہ ساری چیزیں یکجا ہو جائیں۔

میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور اس کام کو کرنے کا مکمل عزم کرلیا۔ اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہ وہ مجھے اس نیک کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق دے۔ نیک کاموں میں اخلاص کی توفیق دے۔ مسئلوں کو واضح طور سے بیان کرنے اور صحیح راستہ پر چلنے کی ہدایت دے۔ اللہ رب العزت کے سوا کوئی طاقت و قوت نہیں، وہی مجھے توفیق دینے والا ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف پلٹا ہوں[4]۔

---

4) مقدمة شرح العمدة، شیخ الاسلام أحمد بن تیمیة (3/1)، تحقیق: محمد أجمل الإصلاحي، ناشر: دار عالم الفوائد، پانچواں ایڈیشن، 1436ھ، مطبوعات مجمع الفقہ الاسلامی، جدۃ۔

میں نے کتابچہ کی اس شرح کا نام "**المحصول الجامع لشروح ثلاثۃ الأصول**" رکھا ہے اور اس کتابچہ کی تمام مطبوعہ شروح کو جمع کیا ہے جو کہ پچاس سے زائد ہیں[5]، اور پھر ان شروحات میں سے اس کا انتخاب کیا جس سے اس کتابچہ کے الفاظ و مصطلحات واضح ہو جائیں، جو دلیلیں ہیں ان کی وضاحت ہو جائے اور کچھ مزید اضافہ اپنی طرف سے بھی کیا ہے تاکہ مصنف کی بات واضح ہو جائے اور ضرورت پڑنے پر علماء کے اقوال کا بھی ذکر کیا ہے۔

شرح کرنے سے پہلے میں نے ایک تمہید کا اضافہ کیا ہے جو تین ابواب پر مشتمل ہے:

باب اوّل: مصنف رحمہ اللہ کا مختصر ترجمہ۔

باب دوم: ثلاثۃ الاصول نامی کتابچہ کا مختصر تعارف اور اس میں چھ چیزیں ہیں :

1) کتابچہ کا نام۔

2) کتابچہ کی اہمیت۔

3) کتابچہ کا مختصر تعارف۔

---

5) ان شروحات کا ذکر آگے آئے گا۔ ان میں سے کچھ کتابوں کی شکل میں مطبوع ہیں، کچھ مکتوب لیکچرس کی شکل میں ہیں۔

4) کتابچہ کے موضوع کا تعارف۔

5) کتابچہ کی چند اہم خصوصیات۔

6) علماء کی اس کتابچہ پر خدمات۔

باب سوم: اس کتابچہ کی شرح و تحقیق کا منہج اور طریقہ کار۔

میں اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ وہ اپنے احسان و کرم اور اپنی توفیق سے مجھے نیک نیتی کی توفیق دے۔ حق تک رسائی میرے لئے آسان کردے۔ مجھ سے اور تمام مسلمانوں سے ان کے نیک اعمال قبول کرلے۔ وہ بہتر علم رکھنے والا ہے۔ اسی سے مدد کی درخواست ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔ اللہ رب العزت کے سوا کوئی طاقت نہیں، کوئی قوت نہیں۔

اس کتاب کو جمع کیا ہے۔

اپنے رب کی مغفرت کے خواستگار اور اس کے طالب نے

فہد بن بادی المرشدی

fahad-badi@hotmail.com

باب اوّل: کتابچہ کے مصنف رحمہ اللہ[6] کا مختصر ترجمہ

ان کا نام محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان بن علی المشرفی الوہیبی التمیمی النجدی الحنبلی تھا۔آپ رحمہ اللہ ''عیینۃ'' نامی جگہ میں ۱۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ عیینۃ ریاض کے قریب ایک گاؤں ہے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی اور پھر علم کے حصول کے لئے حجاز، یمن اور بصرہ کی طرف سفر کیا اور وہاں جاکر خوب علم حاصل کیا اور بہت سارے علمی کتابچہ یاد کئے۔آپ دعوتی کاموں میں اور اس کے اسلوب سے اور توحید کے باب میں امام المفسرین محمد بن جریر الطبری سے بہت متاثر ہوئے اور التفسیر بالماثور میں ان کے طریقہ کو اختیار کیا[7]. شیخ الاسلام احمد بن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد شمس الدین ابن القیمؒ کی بہت ساری کتابیں حاصل کیں اور ان سے استفادہ کیا۔ حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان میں سے بیشتر

---

6) دیکھیں: عنوان المجد فی تاریخ نجد، تحقیق: د، محمد بن ناصر الشثری (۱/۱۹۸-۲۰۳)۔ مطابع الحمیضی، الریاض، تیسرا ایڈیشن ۱۴۳۳ھ۔

7) الاجوبۃ والبحوث والمدارسات المشتملۃ علیھا الدروس العلمیۃ، شیخ صالح بن عبدالعزیز آل شیخ (۴۱۵/۶) اس کو جمع کیا ہے: عادل مرسی رفاعی نے، ناشر: مکتبۃ دار الحجاز، پہلا ایڈیشن، ۱۴۳۶ھ۔

کتابوں کی اجازۃ (سند) حاصل کی۔آپ کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرتے اور سبحان اللہ والحمدللہ ولاإلہ الااللہ واللہ اکبر پڑھتے ان کی زبان نہ تھکتی۔

آپ طلبہ محتاج اور ضرورت مندوں کے لئے بڑے نرم دل تھے۔آپ ایک علمی گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کے آباء واجداد، چچا اور چچیرے بھائی سب عالم دین تھے اور یہ علم آپ کے بعد آپ کے بچوں اور پوتوں تک گیا۔ان کے محاسن ان گنت اور بیشمار ہیں۔ان کی فضیلت اور شرف کے لئے یہ کافی ہے کہ آپ کے دروس کے ذریعہ دین کی تجدید کا کام ہوا اور شرک کا قلعہ قمع ہو گیا۔

آپ رحمہ اللہ دنیا داری اور شہرت کی طلب سے کوسوں دور تھے۔آپ دعوتی سرگرمیوں میں مصروف رہتے۔اس لئے ان کی خواہش ہوتی کہ ان کی کتابیں عوام الناس کے فائدہ کے لئے ہوں۔چنانچہ آپ طویل اور مفصل کتابیں نہ لکھتے کیونکہ ان کی دعوت تو توحید کی طرف تھی اور یہ علم چند خاص قسم کے لوگوں کے لئے نہیں ہے۔اس لئے آپ مختصر طور سے کتاب وسنت کی روشنی میں توحید کو ثابت کرتے تاکہ جن لوگوں تک یہ بات

پہنچے ان کو کتاب وسنت سے اس کی دلیل بھی معلوم ہو اور اتنی تفصیل نہ ہو کہ اصل دلیل اور اس کی قوت کمزور پڑ جائے[8]۔

آپ نے توحید پر متعدد کتابیں لکھیں اور اپنی تمام کتابوں میں توحید کے اثبات پر اور شرک سے آگاہ کرنے پر توجہ دی۔ ان کی مفید کتابوں میں سے چند یہ ہیں: **کتاب التوحید، ثلاثۃ الأصول** (جس کی شرح اس کتاب میں کی گئی ہے)، **کشف الشبہات، اصول الایمان، مسائل الجاہلیۃ۔**

ان کی فقہ، تفسیر، حدیث اور سیرت پر بھی کتابیں ہیں جس کو جامعۃ الِامام محمد بن سعود الِاسلامیہ نے جمع کرکے بارہ مجلد میں چھاپا ہے اور تین جلدیں اس کے علاوہ ہیں جو فہرست پر مشتمل ہیں۔

آپؒ نے اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: "میں آپ سب کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اللہ کے شکر سے میرا عقیدہ اور میرا دین جس کو میں مانتا ہوں۔ وہ اہل السنت والجماعت کا دین اور ان کا مذہب ہے۔ جو ائمہ أربعہ کے ساتھ تمام اماموں اور قیامت کی صبح تک ان کے ماننے والوں کا مذہب ہے۔ میں نے تو صرف لوگوں کے سامنے اتنا واضح کر دیا

---

8) پچھلا مصدر دیکھیں (506/6)۔

ہے کہ دین کو اللہ کے لئے خالص کر دو۔ میں نے ان کو انبیاء کو اور ان نیک لوگوں کو پکارنے سے منع کیا ہے جن کا انتقال ہو چکا ہے اور ان چیزوں میں شرک کرنے سے منع کیا ہے جو صرف اور صرف اللہ کے لئے ہیں، جن سے صرف اللہ کی عبادت کی جاتی ہے۔ جیسے قربانی کرنا، نذر ماننا، توکل کرنا، سجدہ کرنا اور ان جیسی دوسری عبادتیں جو صرف اللہ کا حق ہے۔ جن میں اس کا کوئی شریک اور ساجھے دار نہیں۔ نہ تو کوئی مقرب فرشتہ اور نہ کوئی بھیجا گیا نبی اور یہی وہ دعوت ہے جس کی طرف اول تا آخر تمام رسولوں نے لوگوں کو بلایا اور یہی وہ دین ہے جو اہل السنت والجماعت کا دین ہے[9]۔

سن 1206ھ کے آخر میں ۹۲ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ آخری عمر میں آپ کافی بھاری ہو گئے تھے۔ چنانچہ دو لوگوں کی مدد سے نماز باجماعت کے لئے جاتے اور وہ ان کو صف میں کھڑا کر دیتے۔ ان کا انتقال ہوا تو آپ نے نہ کوئی درہم چھوڑا نہ دینار، نہ کوئی وراثت تقسیم ہوئی نہ حصے لگائے گئے۔[10]

---

9) الدرر السنية في الأجوبة النجدية، جمع: عبد الرحمن بن محمد بن قاسم (64/1)۔

10) دیکھیں: عقيدة محمد بن عبد الوهاب السلفية وأثرها في العالم الإسلامي، صالح بن عبد الله العبود (1/211)، ناشر: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، المدينة المنورة، دوسرا ایڈیشن 1424۔

اللہ کی رحمتیں نازل ہوں آپ پر اور اللہ توحید اور اہل توحید کی طرف سے آپ کو بہترین اور مکمل جزاء دے۔

باب دوم: "ثلاثۃ الأصول" نامی کتابچہ کا مختصر تعارف

کتابچہ کا نام:

یہ کتابچہ ایک بار "ثلاثۃ الأصول" کے نام سے، دوسری بار "ثلاثۃ الاصول وأدلتھا" کے نام سے تیسری بار "الأصول الثلاثۃ" کے نام سے چھپا، لیکن پہلا عنوان "ثلاثۃ الأصول" وہ ہے جس سے سب سے پہلا ایڈیشن چھپا۔اس کتاب کا عیسیٰ بن رمیح نے سن ۱۳۳۸ھ میں اس کو ایک مجموعہ کے ضمن میں شائع کیا۔سن ۱۳۴۰ھ میں مطبعۃ المنار سے اور سن ۱۳۴۵ھ میں قاھرۃ کے مطبعۃ السلفیۃ سے اسی عنوان کے ساتھ چھپا[11]۔اس لئے اس کا یہی نام "ثلاثۃ الاصول" زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔اس کی مندرجہ ذیل وجوہات بھی ہیں۔

---

11) عقيدة محمد بن عبد الوهاب السلفية وأثرها في العالم الإسلامي، صالح بن عبد الله العبود (211/1)، ناشر: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، مدينة منورة، ط:2، 1424ھ۔

1) مؤلف ؒ کی کتابوں کو جمع کرنے کے لئے جو کمیٹی بنی تھی اس نے یہی نام اختیار کیا تھا۔[12]

2) چند مؤرخین نے بھی اس کتابچہ کو یہی نام دیا ہے جن میں ابن بشر بھی ہیں۔[13]

چند نامور علماء نے بھی اس کتابچہ کا یہی نام اختیار کیا جن میں شیخ عبدالرحمٰن بن حسن[14]، شیخ سلیمان بن سحمان[15] اور شیخ عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم[16] بھی شامل ہیں[17]

---

12) مؤلفات الشیخ الامام محمد بن عبدالوھاب (183/1)، اس کی تصحیح کی ہے ان مشائخ نے: ناصر الطریم، سعود البشر، وعبدالکریم اللاحم، ناشر: جامعۃ الإمام محمد بن سعود الاسلامیۃ۔

13) عنوان المجد في تاریخ نجد، تحقیق: د. محمد بن ناصر الشثري (201/1)۔

14) المطلب الحمید في بیان مقاصد التوحید، عبدالرحمن بن حسن بن محمد بن عبدالوھاب التمیمي (252) ناشر: دار الھدایۃ للطباعۃ والنشر والترجمۃ، ط:1، 1411ھ۔

15) منھاج أھل الحق والاتباع في مخالفۃ أھل الجھل والابتداع: تألیف: سلیمان بن سحمان: تحقیق: عبدالسلام بن برجس العبدالکریم (95/1)، ناشر: مکتبۃ الفرقان، ط.3، 1422ھ۔

16) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول: عبدالرحمن بن محمد بن قاسم (7)، ط:7، 1417ھ۔

مصنفؒ کا ایک دوسرا کتابچہ بھی ہے۔"الأصول الثلاثۃ" کے نام سے، وہ اس کتابچہ سے مختصر بھی ہے اور اس کا رتبہ علمی لحاظ سے بھی اس سے کم ہے کیونکہ وہ چھوٹے بچوں کے لئے تیار کیا گیا تھا[18] چنانچہ دونوں کتابچوں میں فرق ہے۔ اگرچہ ان کے موضوعات میں کافی یکسانیت ہے اور دونوں کا مقصد بھی ایک ہے لیکن ان میں سے "الأصول الثلاثۃ" نامی کتابچہ نہایت مختصر ہے اور "ثلاثۃ الأصول" اس سے زیادہ طویل بھی ہے اور اس میں دلائل بھی زیادہ ہیں[19]۔ اگرچہ اس کتابچہ کو بھی الأصول الثلاثۃ کہا جاتا ہے لیکن اس کا معروف نام ثلاثۃ الاصول و أدلتھا یا ثلاثۃ الأصول ہے[20]، اور یہ نام اتنا معروف ہو گیا کہ یہ کتابچہ اسی نام سے موسوم ہو گیا۔

---

17) مشاہیر علماء نجد وغیرھم، تالیف: عبد الرحمن بن عبد اللطیف بن عبد اللہ بن عبد الوھاب (24)، ناشر: دار الیمامۃ للبحث والترجمۃ والنشر، الریاض، ط: 1، 1392ھ۔

18) شرح ثلاثۃ الأصول: صالح بن عبد العزیز آل الشیخ، تحقیق: عادل بن محمد رفاعی (11)، ناشر: مکتبۃ دار الحجاز، ط: 1، 1435ھ۔

19) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (46)۔

20) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (11)۔

اور یہ ترکیب "ثلاثۃالاصول" بالکل صحیح اور فصیح ہے۔[21] مبرد نے کہا ہے کہ "تمہارا یہ کہنا کہ ھذہ ثلاثۃ أثواب ویسا ہی ہے جیسا کہ اگر تم یہ کہو کہ ھذا صاحب ثوب، اگر تم اس کو معرفہ کرنا چاہو تو کہو گے کہ ھذہ ثلاثۃالأثواب جیسا کہ یہ کہو گے کہ ھذا صاحب الأثواب، کیونکہ مضاف کو اس کا مضاب الیہ معارفہ بنا دیتا ہے اس لئے جہاں یہ کہنا غلط ہو گا کہ ھذہ الثلاثۃ الأثواب وہیں یہ کہنا بھی غلط ہو گا کہ ھذا الصاحب الأثواب اور یہ ہر طرح سے غلط ہے۔ ذاالرمۃ کو جب معرفہ کرنا ہوا تو اس نے کہا

أمنزلتی منی سلام علیکما   ھل الأزمن اللائی مضین رواجع

وھل یرجع التسلیم أو یدفع ا لبکا   ثلاث الأثافی والرسوم البلاقع

اور فرزدق نے کہا:

مازال مذ عقدت یداہ ازارہ   ودنا فأدرک خمسۃ الأشبار

چنانچہ اس استعمال کو اس کے علاوہ کوئی صحیح نہیں گردانتا۔[22]

---

21)شرح ثلاثۃ الأصول وأدلتھا، عبدالعزیز بن داخل المطیري (27)۔

22)المقتضب، المؤلف: محمد بن یزید الثمالي الأزدي، أبوالعباس، المعروف بالمبرد (175/2)۔

حریری نے اپنی کتاب ''أوھام الخواص'' میں ذکر کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں "مافعلت الثلاثۃ الأثواب'' چنانچہ وہ دونوں اسم کو معرفہ کردیتے ہیں اور پہلے کی اضافت دوسرے کی طرف کردیتے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ ہر مضاف عدد کو دوسرا اسم معرفہ کردیتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے ''مافعلت ثلاثۃ الأثواب، اور جو مضاف ہوتا ہے اس کو اس طرح "ثلاثمائۃ الدرھم "[23]

اور مصنفؒ نے ثلاثۃ الاصول ایک بار نہیں لکھی تھی بلکہ کئی بار اس کتابچہ کی تصنیف کی۔ الدرر السنیۃ نامی کتاب میں یہ کتابچہ ''ثلاثۃ الأصول'' چار جگہوں پر آیا ہے۔

پہلی جگہ (1/125-136) یہاں پورا کتابچہ مذکور ہے اور یہ وہی کتابچہ ہے جو ثلاثۃ الاصول کے نام سے چھپا اور مشہور ہوا اور اس کے علاوہ تمام کتابچوں میں تینوں مقدمات نہیں ہیں۔ جن میں سے پہلا مقدمہ علم، عمل، دعوت اور صبر کے موضوعات پر ہے۔ دوسرا اور تیسرا التوحید سے متعلق اہم اصولوں پر مبنی ہے۔

دوسری جگہ: (1/137-143) اور یہ پہلے کتابچہ سے مختصر ہے اور مشہور و معروف رسالہ کے بہ نسبت اس میں کچھ کمی بیشی بھی ہے۔ اس میں توحید کی دونوں اقسام

---

23) درۃ الغواص في أوھام الخواص، المؤلف: القاسم بن علي بن محمد بن عثمان، أبو محمد الحریري البصري (1/111)۔

(الربوبیت اور الٲلوہیت) کا مختصر اضاف ہے اور اس میں عبادتوں کی اقسام و انواع کی دلیلیں، طاغوت سے متعلق مباحث، ہجرت اور قیامت کے دن اٹھائے جانے اور حساب کتاب کا ذکر نہیں ہے۔

تیسری جگہ: (151-147/1) یہ کتابچہ انہوں نے بعد میں 'درعیۃ'' کے امیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود رحمہ اللہ کے کہنے پر لکھا۔ جب انہوں نے مصنف سے دین کے أصولوں پر ایک مختصر کتابچہ لکھنے کی گزارش کی چنانچہ مصنف نے یہ مختصر سا کتابچہ لکھا جو صرف تینوں اصولوں پر مبنی تھا اور امیر عبدالعزیز نے اس کتابچہ کو ہر طرف بھیج دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس کا مطالعہ کریں اور ان اصولوں کو سیکھیں۔

چوتھی جگہ: (158-151/1) اور یہ کافی مختصر ہے۔ جس کی شروعات اس طرح ہوتی ہے: ''اگر تم سے پوچھا جائے کہ تمہارا رب و پروردگار کون ہے؟

کتابچہ کی اہمیت:

اس کتابچہ کو مصنف نے عام مسلمانوں کے لئے لکھا تھا کیونکہ اس کو سیکھنا ہر مسلمان فرد کے لئے ضروری ہے۔ مصنف نے اس میں صرف ان باتوں پر اکتفاء کیا ہے جس کا جاننا ہر مسلمان کے لئے واجب ہے۔ اس میں مصنف نے ہر مسألۃ پر قرآن اور صحیح سنت سے

دلیلیں بھی پیش کی ہیں اور اس کا اسلوب بہت آسان اور ہر طرح کے قاری کے لئے مناسب ہے اور دلیلوں کے باب میں صرف ان دلیلوں کو پیش کیا ہے جو بہت واضح ہیں اور ہر شخص اس کو سمجھ سکتا ہے، چونکہ یہ کتابچہ عقیدہ کے اصول پر مبنی ہے۔[24] اس لئے مصنف تمام طلبہ اور عوام الناس کو اس بات کی تلقین کرتے تھے کہ وہ اس کتاب کو پڑھیں اور یاد کرلیں تاکہ ان کے دل ودماغ میں یہ باتیں نقش ہو جائیں اور تمام شہروں اور اطراف کے لوگوں سے کہتے تھے کہ وہ عوام الناس سے مسجدوں میں ہر دن فجر کی نماز کے بعد اور مغرب سے عشاء کے اوقات میں لوگوں سے ثلاثۃ الاصول کے بارے میں پوچھیں۔ ان سے اللہ کی معرفت اور دین اسلام کی معرفت اور اس کی قرآن سے دلیلوں کے بارے میں پوچھیں، محمد ﷺ ان کے حسب ونسب ان کی بعثت وہجرت کے بارے میں پوچھیں، ان

---

24) شرح ثلاثۃ الأصول: شیخ عبد العزیز بن باز (21) اس پر کام کیا ہے: علي بن صالح المري، اور أحمد بن عبد العزیز بن بازنے، ناشر: دار الفتح، المدینۃ النمورۃ، ط: 1، 1416ھ۔

سے شہادت توحید لاالہ الا اللہ اور اس کے معنی کے بارے میں پوچھیں جو انبیاء کی سب سے پہلی دعوت تھی۔لوگوں کو حسب استطاعت ان باتوں کو سیکھنے کے لئے پابند کریں۔[25]

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن محمد بن عبدالوہابؒ نے امام فیصل بن ترکیؒ کو ایک خط لکھااور ان کو یاد دلایا کہ اسلاف کا کیا طریقہ کار تھااور بتایا کہ داعیوں کو مختلف شہروں اور گاؤں میں بھیجتے تھے تاکہ وہ دین کی تجدید کرتے رہیں۔لوگوں سے ثلاثۃالاصول،اس کے قواعداور دوسری اصولوں پر مبنی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے رہیں۔[26]

شیخ الٓالوسیؒ فرماتے ہیں کہ "شیخ محمد بن عبدالوہاب ان علماء میں سے تھے جو نیکی کا حکم دیتے تھے، برائیوں سے روکتے ہیں، وہ لوگوں کو نماز، اس کے احکامات اور دین کے تمام ارکان اور باجماعت نماز ادا کرنے کے بارے میں بتاتے تھے۔لوگوں کی تعلیم دینے کی کوشش کرتے اور اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری پر اکساتے تھے۔لوگوں کو اسلام کے اصولوں، اس کی شرطوں، نماز کے احکامات اس کے ارکان وواجبات اور سنتوں اور دین کے

----

25)عقیدۃ محمد بن عبدالوھاب السلفیۃ وأثرھا في العالم الإسلامي، صالح بن عبداللہ العبود(891/2)، ناشر: عمادۃ البحث العلمي بالجامعۃ الإسلامیۃ، المدینۃ المنورۃ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ۔

26)المطلب الحمید في بیان مقاصد التوحید، عبدالرحمن بن حسن بن محمد بن عبدالوھاب التمیمي(252)۔

تمام احکامات سکھاتے تھے۔ انہوں نے لوگوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ تمام مساجد میں ہر دن فجر کی نماز کے بعد اور مغرب سے عشاء کے درمیان بیٹھ کر دین کی معلومات حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں دین اسلام کے بارے میں اس کے ارکان اور دلیلوں کے بارے میں پیارے نبی محمد ﷺ اور ان کے حسب و نسب، بعث و ہجرت اور اس چیز کے بارے میں علم حاصل کریں جس کی سب سے پہلے انہوں نے دعوت دی تھی ،اور ہر اس عبادت کے بارے میں علم حاصل کریں جو اللہ کے علاوہ کسی کے لئے کرنا جائز نہیں۔ خاص کر دعاء، قربانی، نذر، خوف، امید، خشت و رغبت، توکل اور انابت وغیرہ کے بارے میں۔

چنانچہ نجد کے پورے علاقے میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو دین اسلام کے احکامات کے بارے میں نہ جانتا ہو بلکہ تمام لوگوں نے ان باتوں کو سیکھا، جبکہ پہلے صرف چند خاص لوگ ہی اس کے بارے میں جانتے تھے اور یہ سلسلہ آج تک قائم ہے چنانچہ اس

طرح لوگوں کو بہت فائدہ ہوا۔[27] یہ کتابچہ ثلاثۃ الاصول شیخ محمد بن ابراہیمؒ کے سامنے ہر دن پڑھا جاتا تھا اور وہ اس کی شرح کرتے تھے۔[28]

کتابچہ کا مختصر تعارف :

اس کتابچہ کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم میں ثلاثۃ الاصول کا مقدمہ ہے جس میں تین باتوں پر گفتگو ہوئی۔ دوسری قسم کتابچہ کے اصل موضوع کی ہے۔ جس میں تین اصولوں پر گفتگو کی گئی ہے۔ تیسری قسم خاتمہ پر مبنی ہے جس میں قیامت کے دن کے بارے میں اور چند دوسرے مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔

سب سے پہلے مقدمہ ہے اور اس میں تین اہم باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ہر بات مصنف کے اس قول سے شروع ہوتی ہے "اعلم رحمک اللہ" یہ بات جان لو اللہ کی رحمتیں ہوں تم پر۔

پہلی بات: چار چیزیں سیکھنا ان کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور وہ یہ ہیں:

---

27) تاریخ نجد، محمود شکري الألوسي (114)، تحقیق: محمد بھجة، ناشر: مکتبة مدبولي، القاھرة۔

28) فتاوی الشیخ محمد بن إبراھیم (12/1)، جمع: محمد بن عبدالرحمن ابن قاسم: ناشر: مطبعة الحکومة بمکة المکرمة، ط:1، 1399ھ۔

1. علم حاصل کرنا،۔
2. اس پر عمل کرنا۔
3. اس کو پھیلانا۔
4. اس راستہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر کرنا۔

دوسری بات: تین چیزوں کے بارے میں علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے اور وہ یہ ہیں:

1. پہلی یہ کہ رسول کی اطاعت واجب ہے۔
2. دوسری یہ کہ اللہ رب العزت کی توحید واجب ہے۔
3. تیسری چیز الولاء والبراء ہے۔

تیسری بات:

1. حضرت ابراہیمؑ کی ملت کے بارے میں، درود و سلامتی ہو حضرت ابراہیم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔
2. توحید اور اس کی اہمیت کے بارے میں۔
3. توحید کی منافی چیزوں کے بارے میں۔

دوسرے نمبر پر کتابچہ کا اصل موضوع ہے: اور وہ ان تینوں اصولوں کے بارے میں ہے جس کا علم رکھنا ہر انسان پر واجب ہے اور وہ تینوں اصول یہ ہیں:

1) بندہ کا اپنے رب کے بارے میں جاننا۔

2) اپنے دین کے بارے میں جاننا۔

3) اپنے نبی محمد ﷺ کے بارے میں جاننا۔

مصنف نے واضح کردیا ہے کہ ان تینوں اصولوں کا علم حاصل کرنا ہر انسان پر فرض ہے اور علم عمل سے پہلے اور اس پر مقدم ہے۔ علم سے ان کی مراد ہے ان چیزوں کا علم جس کو کرنے کا اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے اور ان چیزوں کا علم جس کو کرنے سے منع کیا ہے یعنی اللہ کی معرفت اس کے نبی محمد ﷺ کی معرفت، دین اسلام اور اس کی دلیلوں کی معرفت اور ان تمام معرفتوں، ان تمام باتوں پر عمل اور علم کی چابی ان تمام مسائل میں دلیل ہے۔ اسی طرح انہوں نے ان باتوں کو واضح کیا جن کو جاننا ضروری ہے۔ جن کا تعلق اللہ رب العزت سے ہے، جیسے اللہ کی معرفت، اس کی نشانیوں اور اس کی مخلوقات کی معرفت جو اس کی ربوبیت و الوہیت کی دلیلیں ہیں۔ جیسے سورج، چاند، تارے، دن و رات، زمین و آسمان کے درمیان بادل وغیرہ، اور قرآن مجید سے ان باتوں کی دلیلیں، اسلام کے معنی کی معرفت کہ وہ مکمل طور سے

اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دینے کا نام ہے۔اس کی منع کردہ چیزوں سے دور رہنے کا نام ہے۔اسی طرح اسلام کے پانچوں ارکان کی معرفت جس پر اسلام کی منزل تعمیر ہوتی ہے اور قرآن سے اس کی دلیلیں، پیارے نبی ﷺ ان کے نام حسب و نسب بعثت، ہجرت کی معرفت، اس کلمہ کی معرفت جس کی طرف انہوں نے سب سے پہلے دعوت دی۔یعنی کلمہ ''لاالہ الااللہ'' کی معرفت۔

مصنف نے کثرت سے دلیلوں کا ذکر کیا ہے تاکہ یہ بات بالکل واضح ہو جائے کہ جس کی طرف وہ دعوت دے رہے ہیں وہ قرآن و سنت سے ماخوذ ہے۔[29]

تیسرے نمبر پر کتاب کا خاتمہ ہے: اس کے تحت مصنف نے یوم آخرت پر ایمان سے متعلق مسائل پر گفتگو کی ہے جیسے: دوبارہ پیدا کئے جانے اور حساب کتاب پر ایمان اور اس بات کی وضاحت کہ جس نے اس کا انکار کیا یا اس سے متعلق شک میں پڑا وہ کافر ہو گیا۔ پھر ایک انتہائی اہم بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ کہ طاغوت کا انکار کرنا واجب ہے اور طاغوت کے معنیٰ ذکر کرتے ہوئے اس کی پانچوں اقسام پر گفتگو کی ہے۔

---

29) عقیدۃ محمد بن عبد الوھاب السلفیۃ و أثرھا في العالم الِاسلامی، صالح بن عبد اللہ العبود (280/1)(815/2)،

وکتاب: مشاھیر علماء نجد وغیرھم: عبد الرحمن بن عبد اللطیف بن عبد اللہ بن عبد الوھاب (24)۔

کتابچہ کے موضوع کا تعارف:[30]

اس کتابچہ کا موضوع وہ تینوں سوالات ہیں جن کے بارے میں بندہ سے قبر میں پوچھا جائے گا اور وہ سوالات یہ ہیں:

1) تمہارا رب کون ہے؟

2) تمہارا دین کیا ہے؟

3) تمہارے نبی کون ہیں؟

مصنفؒ نے ان تینوں سوالوں کے ذریعہ توحید کو واضح کیا ہے۔ جس نے ان تینوں باتوں پر غور کیا اس کو معلوم ہوگا کہ ان کے درمیان ایک موضوع مشترک ہے اور وہ یہ کہ توحید اُلوہیت کا اثبات اور دین سے متعلق انتہائی اہم باتوں کی تعلیم، چنانچہ اس کتابچہ کا مشترک موضوع توحید کو ثابت کرنا اور واضح کرنا ہے۔

پہلے سوال (بندہ کی اپنے رب سے معرفت) کا کتابچہ کے مشترک موضوع سے یہ تعلق ہے کہ مخاطبین توحید ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں۔ اس لئے مصنفؒ نے اس کو ثابت کرنے سے

---

30) یہ بحث تصرف واضافہ کی ساتھ: المدخل لشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ بن سعد بن محمد أبا حسین سے مأخوذ ہے (15-16، 20-23)، اس کتاب کو نشر کرنے کے لیے تیار کیا ہے: عبدالحق الجزائري نے، ط: 1، 1429ھ۔

اس کاآغاز کیاہے اوراس کو توحیدالوہیت کی دلیل ثابت کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ثابت کیا کہ معبود برحق وہی ہے جواس کائنات کاپروردگار ہے۔ خالق اوررزق دینے والاہے۔ زندگی اور موت دینے والا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ کا قول نقل کرتے ہوئے انہوں نے کہا "اس کائنات کابنانے والاہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے" اوراپنے دوسرے رسائل میں انہوں نے کہاکہ "یہ بات اچھی طرح جان لو کہ وہ سب سے اہم چیزیں جو اللہ نے بندوں پر فرض کی ہیں وہ یہ ہیں کہ بندہ جان لے کہ اللہ ہی ہر چیز کاپروردگار ہے۔ مالک ہے اوراپنے ارادہ کے ذریعہ تدبیر کرنے والا ہے، اوراگر تم یہ بات جان لو تو سمجھ جاؤ گے کہ جس کی یہ صفات ہیں اس کی عبادت کرنے کا کیا حق ہے، اس کی محبت کے ساتھ اس کی اجلال وتعظیم کے ساتھ، خوف اورامید کے ساتھ، ایسی عبادت جس میں خضوع وخشوع ہو، مکمل طور سے اس کے اوامر و نواہی پر جھک جانا ہو، اور یہ بات نماز اور زکاۃ کے فرض ہونے سے پہلے مطلوب ہے۔ اس لئے وہ اپنی ربوبیت ثابت کرکے بندوں کو بتادینا چاہتاہے، تاکہ اس کے ذریعہ وہ توحیدالوہیت تک پہنچ سکیں۔ اس کو جان سکیں جو کہ تمام

عبادتوں کا مرکز اور اصل ہے۔ چاہے اس کا تعلق نفی سے ہو یا اثبات سے۔ علم سے ہو یا عمل سے مجمل طور پر ہو یا مفصل طور پر۔[31]

مصنفؒ اس کتابچہ میں توحید ربوبیت ثابت کرنے کے بعد اس کو توحید الوہیت کی دلیل بناتے ہیں اور توحید الوہیت کے ضمن میں عبادتوں کی انواع واقسام کا ذکر کرتے ہیں جیسے دعاء قربانی، استغاثہ (مدد طلب کرنا)، ڈرنا، امید کرنا اور ان مذکورہ عبادتوں میں سے ہر بات کو اس بات کی دلیل بناتے ہیں کہ اللہ کی وحدانیت ہر انسان پر واجب ہے۔

دوسرا سوال جو بندہ سے کیا جائے گا اس کے دین کے بارے میں، تو اس کی وضاحت کرتے ہوئے مصنفؒ لکھتے ہیں کہ وہ دین اسلام ہے اور اسلام کا مطلب ہے کہ اللہ رب العزت کی توحید کو مکمل طور سے ماننا، اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا، مشرکین اور ان کے شرک سے براءت کا اعلان کرنا، توحید کو اللہ رب العزت کے لئے خاص کرنے اور اسی کے لئے توحید کا اقرار کرنے میں توحید الوہیت، توحید ربوبیت اور اس کے اسماء وصفات میں بھی اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا شامل ہے اور ان تینوں میں سے سب سے اہم توحید الوہیت اور توحید عبادت ہے کیونکہ اصل مسألہ اسی میں پیدا ہوا اور مذکورہ تعریف سے اس دوسرے

----

31) الدرر السنية (119/1)۔

سوال کا کتابچہ کے اصل اور مشترک موضوع کا تعلق بھی واضح ہو جاتا ہے۔اس سوال کے ضمن میں جب بات کلمہ شہادت (لاالہ الااللہ) کی آتی ہے تو مصنفؒ اس پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔ یہ ثابت کرتے ہوئے کہ کلمہ شہادت اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ وہ اس کلمہ کے معانی بھی بیان کرتے ہیں جس سے اسلام کی حقیقت بالکل کھل کر عیاں ہو جاتی ہے۔

تیسرا سوال جو کہ بندہ سے اس کے نبی کے بارے میں ہو گا۔اس کا کتابچہ کے اصل موضوع سے تعلق مصنف کی اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اس لئے مبعوث کیا تا کہ وہ لوگوں کو شرک کے انجام سے آگاہ کر دیں اور توحید کی دعوت دیں۔ دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں نبی نے امت کو ہر اس چیز کی طرف ابھارا جس میں خیر و بھلائی تھی اور ہر اس چیز سے آگاہ کیا جس میں ان کے لئے تباہی و بربادی تھی۔ چنانچہ جس خبر کی طرف انہوں نے دعوت دی وہ اللہ کی توحید کا اقرار اور ہر اس چیز کا خیال کرنا تھا جو اللہ رب العزت کو پسند ہے اور جس تباہی و بربادی سے امت کو آگاہ کیا وہ شرک اور وہ چیزیں تھیں جن کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔ کتابچہ کے ایک نسخہ میں مصنفؒ رسولوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "سب سے اہم اور عظیم بات جس کا رسولوں نے حکم دیا وہ یہ تھا کہ عبادتوں کو صرف اور صرف اللہ کے لئے خاص کر دیں جو تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور

عبادتوں میں اخلاص پیدا کریں اور سب سے اہم اور عظیم بات جس سے رسولوں نے لوگوں کو آگاہ کیا اور دور رہنے کو کہا وہ یہ تھی کہ عبادتوں میں شرک کرنے سے بچیں"[32]

مصنفؒ اپنے بعض رسائل میں لکھتے ہیں کہ "یہ بات تم کو اچھی طرح معلوم ہونی چاہئے کہ سب سے اہم اور سب سے اول بات وہ ہے جس کی طرف اول تا آخر تمام تر رسولوں نے دعوت دی اور وہ یہ ہے کہ صرف اور صرف اللہ کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔اس کے علاوہ کسی کی بھی عبادت نہ کرو۔[33]

کتابچہ کی چند اہم خصوصیات:[34]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے امام محمد بن عبدالوہاب کو زبردست تحریری صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ دلیلیں پیش کرنے اور ان کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ پیش کرنے کا ملکہ عطا کیا تھا۔چنانچہ اس کتابچہ کی چند اہم خصوصیات اس طرح ہیں:

(ا) آسان اسلوب:

---

32) الدرر السنية (61/1)۔

33) الدرر السنية (143/1)۔

34) عون الرب الوهاب في شرح ثلاثة الأصول، إيهاب بن عبد الجليل بن عباس (4)۔

اس کتابچہ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کا اسلوب بہت واضح ہے۔ چنانچہ اس کو شرح کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لئے یہ کتابچہ مسجدوں میں عوام الناس کے سامنے پڑھا جاتا تھا اور وہ بغیر کسی شرح کے اس کو سمجھ لیتے تھے۔ مصنفؒ نے اس کو اپنے دعوتی کاموں کی ابتداء میں لکھا تھا تاکہ وہ لوگوں کو بھلائی کا راستہ دکھا سکیں۔ ان کے حالات تبدیل کر سکیں اور ان پر رحمتوں کی بارش کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے بہت مشکل زبان اور پیچیدہ عبارتوں کا استعمال نہیں کیا اور ایسا اسلوب اختیار کیا جو مختلف طرح کے مخاطبین کے لئے مناسب ہو، چنانچہ اس کتابچہ کو ہر وہ شخص سمجھ گیا جس نے اس کو پڑھا یا سنا یا اس کو پڑھایا گیا اور اگر وہ حق کا طلبگار ہوا تو اس نے اس کتابچہ میں مذکور توحید اور اسلام سے متعلق باتوں کو فوراً مان لیا[35]۔

(۲) بہترین طرز تالیف:

اس میں دو چیزیں خاص کر قابل ملاحظہ ہیں:

❖ **پہلے مختصراً بیان کرنا پھر اس کی تفصیل پیش کرنا:** مصنفؒ باتوں کو پہلے مختصر الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں پھر اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے

---

35) شرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ بن سعد بن محمد أبا حسین (6)۔

لکھا: "اگر تم سے کہا جائے کہ وہ کون سے تین اصول ہیں جن کا جاننا واجب ہے؟ تو کہہ دو بندہ کو اپنے رب کی معرفت اپنے دین اور اپنے نبی کی معرفت" پھر ان تینوں اصولوں کو مختصر طور پر بیان کرتے ہیں، پھر ایک ایک کرکے اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں کیونکہ انسان جب کسی بات کو مختصر طور پر جان لیتا ہے تو اس کے اندر شوق پیدا ہوتا ہے اس کے بارے میں مزید تفصیل جاننے کا اور یہ علمی طرزِ کتابت کا بہترین اسلوب ہے۔

❖ **باتوں کو سوال و جواب کے انداز میں پیش کرنا:** معلومات ذہن نشین کرانے کا یہ بہترین اور نفع بخش طریقہ ہے اور یہی وہ اسلوب ہے جو مصنفؒ نے اپنے بہت سے کتابچوں میں اختیار کیا۔ یہ طریقہ معلومات کو ذہن نشین کرانے کے لئے بہت کارگر ہے کیونکہ مخاطب کے سامنے جب کوئی سوال آتا ہے تو وہ جواب کے لئے اپنے آپ کو بالکل تیار کرلیتا ہے اور یہ طریقہ مصنفؒ نے پیارے نبیؐ سے أخذ کیا کیونکہ آپ بھی صحابہؓ سے سوال کرتے تھے تاکہ وہ جواب سننے کے لئے بالکل تیار ہوجائیں اور پھر جواب دیتے تھے۔

(۳) بہترین ترتیب:

یہ خصوصیت پورے کتابچہ میں بالکل واضح طور سے ملے گی۔ چنانچہ وہ چاروں مسائل کو بالترتیب ذکر کرتے ہیں۔ پہلے علم پھر عمل پھر دعوت اوراس کے بعد دعوت کی راہ میں آنے والی مصیبتوں اور پریشانیوں پر صبر، موضوعات کی بہترین ترتیب میں سے ایک بات یہ ہے کہ مصنفؒ نے پہلے خشیت کا ذکر کیااس کے بعد انابت کا ذکر کیا کیونکہ جس کے دل میں اللہ کے لئے خشیت پیدا ہو جائے گی وہ لازماًاس کی پکڑ سے اوراس کی سزا سے ڈرے گا۔

(۴) مخاطب کے ساتھ تلطف، ان پر شفقت اوراس کے لئے دعاء:

مصنفؒ بیشتر جگہ مخاطب کو مسائل سمجھانے کے ساتھ اس کے لئے دعائیہ کلمات بھی ادا کرتے ہیں اور یہ ان کے بہترین اُسلوب، ان کی محبت اور مسلمانوں کے لئے ان کے دل میں رحم کی علامت ہے، چنانچہ بارہا کہتے ہیں "اللہ کی رحمتیں نازل ہوں تم پر یہ بات اچھی طرح جان لو"، "اللہ تم کو اپنی اطاعت کرنے کی توفیق دے، اس مسألة کو اچھی طرح سمجھ لو"، اور جب وہ شرک سے آگاہ کرتے ہیں تو ان کی عبارتوں سے محبت، نرمی اور شفقت ٹپکتی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں "دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر گز اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ عبادتوں میں کسی کو اس کا شریک بنایا جائے، چاہے وہ کوئی مقرب فرشتہ یا بھیجا گیا نبی ہی کیوں نہ ہو"۔

(۵) کثرت سے دلیلوں کا ذکر:

مصنفؒ ہمیشہ ہر بات تفصیل سے اور ہر مسئلہ کی دلیل پیش کرتے ہیں،اور یہ صفت مصنفؒ کی ہر کتاب میں دیکھنے کو ملے گی اور خاص کر اس کتابچہ میں مصنف کا تعلیمی اور دعوتی اسلوب یہ ہے کہ دلیلوں کی بنیاد پر معرفت حاصل ہو جائے اور پورا کتابچہ اسی اسلوب پر مبنی ہے۔ چنانچہ اس چھوٹے سے کتابچہ میں سات جگہ کتاب وسنت سے عبارتیں بطور دلیل نقل کی گئی ہیں اور چھ جگہ علماء اور اماموں کے اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ سورہ عصر کی تفسیر کے دوران امام شافعیؒ کا قول، قول اور عمل سے پہلے علم ہونے کے باب میں امام بخاریؒ کا قول، **"إلا ليعبدون"** کی تفسیر کرتے ہوئے ابن عباسؓ کا قول، لیکن ان کی طرف خصوصی اشارہ نہیں کیا ہے۔ اسی طرح "والرب ہو المعبود "(پروردگار ہی معبود ہے) اس کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ کا قول، ہجرت پر گفتگو کرتے ہوئے امام بغویؒ کا قول اور طاغوت کی تعریف کرتے ہوئے امام ابن القیمؒ کا قول نقل کیا ہے[36]۔

---

36) المدخل لشرح ثلاثة الأصول، عبداللہ بن سعد بن محمد أبا حسين، (36)۔

علماء کی اس کتابچہ (ثلاثۃ الاصول) پر خدمات

1- ثلاثۃ الأصول کی شرحیں:

اس کتابچہ کو علماء نے بہت اہمیت دی، چنانچہ اس کی بہت ساری شرحیں لکھی گئیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

1) سلم الوصول إلى الثلاثة الأصول، تأليف الشيخ: عبدالهادي بن محمد بن عبدالهادي رحمه الله تعالى، تحقيق: د. حسن بن علي عواجي، ناشر: مدار القبس للنشر والتوزيع، الرياض، ط. الأولى: 1439ھ۔

2) شرح ثلاثة الأصول، من تقريرات سماحة الشيخ محمد بن إبراهيم آل الشيخ رحمه الله تعالى، كتبه: فضيلة الشيخ محمد بن عبدالرحمن بن قاسم رحمه الله تعالى، وحققه ابنه: د. عبدالمحسن بن محمد القاسم، ط. الأولى: 1440ھ۔

3) حاشية ثلاثة الأصول، تأليف الشيخ المحقق: عبدالرحمن بن محمد بن قاسم الحنبلي النجدي رحمه الله تعالى، ط. السابعة: 1417ھ۔

4) شرح ثلاثة الأصول، لسماحة الشيخ العلامة: عبدالعزيز بن باز رحمه الله تعالى، اعتنى به: علي بن صالح المري، وأحمد بن عبدالعزيز بن باز، ناشر: دار الفتح، المدينة المنورة، ط. الأولى: 1416ھ۔

5) شرح ثلاثة الأصول، للشيخ العلامة: محمد بن صالح العثيمين رحمه الله تعالى، إعداد:

فهد بن ناصر السليمان، ناشر: دار الثريا، الرياض، ط. الثانية: 1426هـ.
6) شرح ثلاثة الأصول، للشيخ الدكتور: محمد أمان الجامي رحمه الله تعالى، اعتنى به: محمود بن إبراهيم الطرابلسي، ناشر: دار النصيحة، المدينة المنورة، ط. الأولى: 1428هـ.
7) شرح الأصول الثلاثة، لمعالي الشيخ الدكتور: صالح بن فوزان الفوزان، اعتنى به: عبد السلام بن عبد الله السليمان، ناشر: مؤسسة الرسالة، ط. الأولى: 1427هـ.
8) المحصول من شرح ثلاثة الأصول، للشيخ: عبد الله بن محمد الغنيمان، ناشر: دار ابن الأثير، ط. الأولى: 1429هـ.
9) شرح الأصول الثلاثة، للشيخ: عبد الرحمن بن ناصر البراك، راجعه: عبد الرحمن بن صالح السديس، ناشر: دار التدمرية، الرياض، ط. الخامسة: 1435هـ.
10) شرح الأصول الثلاثة، للشيخ: عبد العزيز بن عبد الله الراجحي، ناشر: مدار الوطن للنشر، ط. الثانية: 1434هـ.
11) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، للشيخ: عبد الله بن صالح الفوزان، ناشر: مكتبة الرشد، ط. الأولى: 1420هـ.
12) إفادة المسئول عن ثلاثة الأصول، للشيخ: عبد الله بن صالح القصير، ناشر: مدار الوطن للنشر، ط. الأولى: 1428هـ.
13) شرح ثلاثة الأصول، لمعالي الشيخ: صالح بن عبد العزيز بن محمد آل الشيخ، عناية: عادل بن محمد مرسي رفاعي، ناشر: مكتبة دار الحجاز، ط. الأولى: 1435هـ.

14) تيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبدالمحسن بن محمد القاسم، ناشر: بدون، ط. الثانية: 1429هـ.

15) اتحاف العقول بشرح الثلاثة الأصول، للشيخ: عبيد بن عبدالله الجابري، ناشر: دار الميراث النبوي، الجزائر، ط. الثالثة: 1436هـ.

16) شرح ثلاثة الأصول، للشيخ: عبدالله بن إبراهيم القرعاوي، ناشر: دار الصميعي، ط. الأولى: 1434هـ.

17) بلوغ المأمول بشرح الثلاثة الأصول، لأبي نجيد عصام بن أحمد بن مامى، ناشر: دار اللؤلؤة، بيروت، ط. الأولى: 1434هـ.

18) تقريب الوصول إلى ثلاثة الأصول، تأليف: د. منصور بن محمد الصقعوب، ناشر: دار العقيدة، ط. 1436هـ.

19) جنى الحقول من شرح ثلاثة الأصول، تأليف: منصور بن صالح الجاسر، ناشر: دار أصداء المجتمع، القصيم، ط. الثانية: 1435هـ.

20) التعليقات البهية على الرسائل العقدية، تأليف: الشيخ: أحمد بن يحيى النجمي، تحقيق: حسن الدغريري، ناشر: منارة الإسلام، القاهرة، ط. الأولى: 1431هـ.

21) شرح الأصول الثلاثة وأدلتها، تأليف: د. حمد بن إبراهيم العثمان، ناشر: غراس للنشر والتوزيع، ط. الأولى: 1436هـ.

22) شرح الأصول الثلاثة، محمد حسان، ناشر: مكتبة فياض، المنصورة، ط. 1429هـ.

23) الشرح المأمول على ثلاثة الأصول، خالد بن محمود الجهني، منشور ضمن كتابه: الركيزة في شروح متن العقيدة، ناشر: دار التقوى، مصر.

24) الشرح الممتع على ثلاثة الأصول، شرح وتحقيق: سمير بن بشير البرايجي. الجزائري، منشور على الشبكة العنكبوتية.

25) الإجازة في شرح الأصول الثلاثة، تأليف: محمد عبدالمقصود بقية، ناشر: دار الفوائد، ط. الأولى: 1428ه.

26) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، هيثم بن محمد سرحان، ناشر: دار النصيحة، المدينة النبوية، ط. الثانية: 1437ه.

27) تنبيه العقول إلى كنوز ثلاثة أصول، تأليف: د. عبدالرحمن بن سليمان الشمسان، ناشر: دار العقيدة، ط. الأولى: 1437هـ.

28) التعليق المأمول على ثلاثة الأصول، إعداد: أ.د. عبدالرحمن بن عبدالعزيز السديس، ناشر: دار المأثور، ط. الأولى: 1438هـ.

29) شرح الأصول الثلاثة، تأليف: أحمد بن محمد الصقعوب، ناشر: دار العقيدة، ط. الأولى: 1439هـ.

30) سبيل الوصول إلى مقاصد ثلاثة الأصول، تأليف: عبدالله الشهراني، وعلي

القحطاني، ناشر: دار القبس، الرياض، ط. الأولى: 1439هـ.

31) شرح الأصول الثلاثة، تأليف: خالد بن عبدالله باحميد الأنصاري، ناشر: دار الاعتصام للنشر، ط. الأولى: 1423هـ.

32) طريق الوصول إلى إيضاح الثلاثة الأصول، تأليف: زيد بن محمد بن هادي المدخلي رحمه الله تعالى، ناشر: دار الميراث النبوي، ط. الثانية: 1440هـ.

33) شرح الأصول الثلاثة وأدلتها، محمد بن مبارك الشرافي، ناشر: دار العقيدة للنشر والتوزيع، الرياض، ط. الأولى: 1441هـ.

34) شرح ثلاثة الأصول، شرحها: عبدالرزاق بن عبدالمحسن البدر، اعتنى بها: عبدالعزيز الجزائري، ناشر: دار الفرقان، ط. الأولى: 1441هـ.

35) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبدالله المصلح، منشور في موقع الشارح على الشبكة العنكبوتية.

36) تعليقات على ثلاثة الأصول وأدلتها، للشيخ/ صالح بن عبدالله العصيمي، النسخة الإلكترونية الخامسة، منشور على الشبكة العنكبوتية.

37) شرح ثلاثة الأصول، عبدالله بن سعد أبا حسين، منشور على الشبكة العنكبوتية.

38) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن سعد السحيمي، منشور على الشبكة العنكبوتية.

39) الأصول في شرح ثلاثة الأصول، عبدالله المحمد اليحيى، منشور على الشبكة

العنكبوتية.

40) الشرح المأمول لثلاثة الأصول، محمد بن أحمد العماري، منشور على الشبكة العنكبوتية.

41) شرح الأصول الثلاثة، سليمان بن محمد اللهيميد، منشور على الشبكة العنكبوتية.

42) عون الرب الوهاب في شرح ثلاثة الأصول لمحمد بن عبدالوهاب، أعده: إيهاب بن عبدالجليل بن عباس، منشور على الشبكة العنكبوتية.

43) شرح ثلاثة الأصول، د. عبدالعزيز بن ريس الريس، منشور في موقع الشارح على الشبكة العنكبوتية.

44) شرح ثلاثة الأصول، خالد بن عبدالعزيز الباتلي، منشور في موقع الشارح على الشبكة العنكبوتية، النشرة الثالثة (مزيدة ومنقحة)، شعبان، 1438هـ، نسخة معتمدة من الشارح.

45) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، عبدالعزيز بن داخل المطيري، منشور على الشبكة العنكبوتية.

46) تيسير الوصول إلى شرح ثلاثة الأصول، الشيخ/ عبدالله بن حمود الفريح، منشور على الشبكة العنكبوتية.

47) شرح الأصول الثلاثة، فهد بن محمد الغفيلي، منشور على الشبكة العنكبوتية.

48) شرح متن الأصول الثلاثة، مصطفى بن محمد مبرم، منشور على الشبكة العنكبوتية.

49) إتحاف العقول بشرح ثلاثة الأصول، د. محمد بن أحمد الحضي، أعده: سعود عبده دغريري، منشور على الشبكة العنكبوتية.

50) شرح الشيخ د. عبدالله بن عبدالعزيز العنقري على ثلاثة الأصول وأدلتها، ضمن برنامج التعليم الميسر المستوى الأول لعام: 1436هـــــــ، منشور على الشبكة العنكبوتية، والشيخ لم يراجع التفريغ.

51) فوائد من تقريرات الشيخ صالح بن عبدالله العصيمي، على شرح ثلاثة الأصول، للعلامة الشيخ عبدالعزيز ابن باز رحمه الله، مفرغٌ ومنشور على الشبكة العنكبوتية.

52) شرح ثلاثة الأصول، حمد بن عبدالله الحمد، منشور في موقع الشيخ على الشبكة العنكبوتية.

53) شرح ثلاثة الأصول، سليمان الرحيلي، شرح مفرغ منشور على الشبكة العنكبوتية، أعده: أبو عمر عبدالصمد بن الحسن.

54) حاشية على رسالة ثلاثة أصول، كتبها: أبو عبد العزيز طالب بن عمر بن ح-يدرة الك-ثيري، منشور على الشبكة العنكبوتية.

55) المحصول في شرح ثلاثة الأصول، للشيخ: عبدالله بن محمد الجهني، منشور على الشبكة العنكبوتية، آخر نسخة 1438ھ۔

2-ثلاثۃ الأصول کی منظومات:

متعدد لوگوں نے اس کتابچہ کو منظوم شکل دی ہے اور پورا کتابچہ اشعار میں بدل دیا ہے، ان منظومات میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

1) الشیخ: عمر بن إبراھیم البري المدني، وسماہ: تسهيل الحفظ والوصول نظم الثلاثة الأصول، اعتنی بہ: مجد بن أحمد مكي، ناشر: دار البشائر الإسلامية، ط. الأولی: 1419ھ۔

2) الشیخ: سعود بن إبراھیم الشریم، وسماہ: إسراج الخيول في نظم القواعد الأربع والثلاثة الأصول، ناشر: دار الوطن، ط. الأولی: 1420ھ۔

3) محمد بن مطهر كليب، وسماہ: الخير المأمول في نظم الثلاثة الأصول، ناشر: مكتبة الإمام النسائي، مملكة البحرين، ط. الأولی: 1439ھ۔

3- ثلاثۃ الأصول کے مختصرات:

متعدد لوگوں نے اس کتابچہ کے مختصرات تیار کئے ہیں، جس میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

1) المصنف نفسه في رسالة سُميت بـــــ"الأصول الثلاثة الواجب على كل مسلم ومسلمة تعلمها".
2) الشيخ: عبد العزيز بن محمد الشثري، وقد طُبعت بدار العاصمة بالرياض، 1410هـ، وعليها حاشية حفيد المؤلف، د. سعد بن ناصر الشثري، بعنوان: "المصقول في التعليق على مختصر ثلاثة الأصول".

4- ثلاثۃ الأصول کو متعدد لوگوں نے سوال وجواب کی شکل دی ہے۔

ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

1) تسهيل الوصول إلى الثلاثة الأصول، للشيخ محمد الطيب بن إسحاق الأنصاري، حيث رتبها على طريقة السؤال والجواب، اعتنى به: مجد بن أحمد مكي، ناشر: دار البشائر الإسلامية، ط. الأولى: 1419هـ.
2) القول السديد فيما يجب لله على العبيد، الشيخ: محمد بن عبد العزيز بن مانع، حيث وضع على متن ثلاثة الأصول أسئلة وأجوبة بسيطة، ناشر: مكتبة الرشد، ط. الأولى: 1420هـ.
3) تيسير الوصول إلى معرفة الثلاثة الأصول في سؤال وجواب، خليل بن إبراهيم العراقي الأثري، منشور على الشبكة العنكبوتية.

4) إتحاف الطلاب بتسهيل شرح الأصول الثلاثة في سؤال وجواب، إعداد: إبراهيم ابن الفقيه السريحی، منشور على الشبكة العنكبوتية.

5- ثلاثۃ الاصول سے متعلق چند اور کتابیں:

1) كشاف تحليلي لشروح ثلاثة الأصول وأدلتها، عبد العزيز الداخل.

2) المدخل لشرح ثلاثة الأصول، عبد الله بن سعد بن محمد أبا حسين، أعده للنشر: عبد الحق آل أحمد الجزائري، ط. الأولى: 1429هـ.

باب سوم: اس کتابچہ کی شرح و تحقیق کا منہج اور اس کا طریقہ کار۔

(ا) فصل اوّل: ثلاثۃ الأصول کے متن کی تحقیق:

اس کتابچہ کے متن کی تحقیق میں میں نے اس نسخہ پر اعتماد کیا ہے جس کی تحقیق عبدالمحسن بن محمد القاسم نے اپنی کتاب "متون طالب العلم"[37] میں کی ہے۔ اس نسخہ کو میں نے اصل کا درجہ دیا ہے۔ بقیہ نسخوں سے اس کی مطابقت کرتے ہوئے اور حاشیہ میں فرق کا ذکر کیا ہے جو اس اصل نسخہ اور بقیہ نسخوں کے درمیان ہے اور وہ نسخے جن کو میں نے سامنے رکھا ہے۔ اصل نسخہ سے مطابقت کرتے وقت وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1) نسخۃ "ثلاثۃ الأصول"، محقق: سمیر بن بشیر البرابجی الجزائري، اپنی کتاب: الشرح

---

37) متن کی ضبط و تحقیق میں انہوں نے پانچ خطی نسخوں کو سامنے رکھا تھا: نسخۃ خطیۃ بمرکز الملک فیصل، رقم (5258)، تاریخ نسخ: 1307ھ، نسخۃ خطیۃ بمرکز الملک فیصل، رقم (5265)، تاریخ نسخ: 1338ھ، نسخۃ خطیۃ بجامعۃ الملک سعود، رقم (2328)، نسخۃ خطیۃ بجامعۃ الملک سعود، رقم (3979)، نسخۃ خطیۃ بمکتبۃ الشیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدي، قصیم۔

الممتع علی ثلاثة الأصول میں، انہوں نے اپنی تحقیق میں اعتماد کیا ہے: واضح خط وکتابت کے مخطوطة سے، میں نے اس کے لیے (خ) سے اشارہ کیا ہے۔

2) نسخة "ثلاثة الأصول"، جو مؤلفات الشیخ محمد بن عبدالوهاب کے ضمن میں چھپا ہے- رحمہ اللہ تعالی-(1/183-196)، اور اس کی تصحیح متعدد نسخوں سے ہوی ہے جن میں المخطوطة 86/269، المکتبة السعودية بالرياض خاص کر قابل ذکر ہے ، میں نے اس کے لیے (م) سے اشارہ کیا ہے۔

3) نسخة "ثلاثة الأصول"، جو "الدرر السنية" کے ضمن میں چھپا ہے (1/125-136)، میں نے اس کے لیے (د) سے اشارہ کیا ہے۔

4) نسخة "ثلاثة الأصول"، جو "مقررات برنامج مهمات العلم" کے ضمن میں چھپا ہے، للشیخ: صالح بن عبداللہ العصيمي، اس کا متن اسناد کے ساتھ ہے جس کو وہ اپنے شیخ کی اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں ان کے سامنے پڑھ کر۔ جو عبدالعزیز بن صالح بن مرشد- رحمہ اللہ تعالی- ہیں، وہ کہتے ہیں : أخبرنا: عبداللہ بن عبداللطيف بن عبدالرحمن بن حسن بن محمد بن عبدالوهاب، عن جده إجازة إن لم يكن سماعاً، عن جده المصنف -رحمہ اللہ تعالی-، میں نے اس کے لیے (ص) سے اشارہ کیا ہے۔

5) نسخة "ثلاثة الأصول"، جو حاشية ثلاثة الأصول کے ضمن میں چھپا ہے، للشیخ المحقق عبدالرحمن بن محمد بن قاسم -رحمہ اللہ تعالی-۔

6) نسخة "ثلاثة الأصول"، جس کی تحقیق کی ہے: ناصر بن عبداللہ أبو غزالة نے، اپنی

کتاب: ثلاثة الأصول وأدلتها میں، اور متن کی تحقیق میں انہوں نے اعتماد کیا ہے پانچ خطی نسخوں پر، جن میں خاص کر: نسخة مكتبة عنيزة الوطنية، رقم (129) ہے، یہ وہ واحد نسخہ تھا جو ان کو مکمل شکل میں ملا تھا، اسی لیے انہوں نے اس کو اصل بنایا، یہ واضح خط میں لکھا ہوا تھا، اس پر نسخ کی تاریخ نہیں ہے، میں نے اس کے لیے (ن) سے اشارہ کیا ہے۔

(۲) فصل دوم: کتابچہ کی شرح:

کتابچہ کی شرح کرتے ہوئے میں نے مندرجہ ذیل طریقہ اختیار کیا ہے:

(۱) میں نے اس کتابچہ کو چند حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصہ میں مصنف کی وہ عبارتیں نقل کی ہیں جن کی شرح مقصود ہے اور اس کی شروعات اس طرح کی ہے: "قال المصنف": (مصنف نے کہا/مصنف لکھتے ہیں)

(۲) پہلے میں نے اختصار کے ساتھ مصنف کی عبارتوں کی شرح کی تاکہ مصنف کی بات کا ایک اجمالی خاکہ سامنے آجائے۔

(۳) مختصر شرح کرنے کے بعد میں نے مصنف کی عبارتوں کی مفصل انداز میں شرح کی ہے، مسائل کی شکل میں، جس میں میں نے متن میں مذکور بعض الفاظ کی تحقیق و تشریح کی ہے اور مشکل الفاظ کو تفصیل سے واضح کیا ہے۔

(۴) قرآنی آیات کا ذکر حاشیہ میں سورہ کے نام اور آیتوں کے نمبر کے ساتھ کیا ہے۔

(۵)احادیث کی تخریج معتمد مصادر سے کی ہے۔کتاب کے نام، مخرج کے نام، باب اور حدیث کے نمبر کے ساتھ اور اس پر اکتفاء کرتے ہوئے جلدوں اور صفحات کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(٦)اس بات کی کوشش کی ہے کہ ہر حدیث کا درجہ بھی ذکر کروں، حدیث اگر صحیحین یا ان میں سے کسی ایک میں موجود ہے تو میں نے اس پر اکتفاء کیا ہے۔پہلے بخاری اور پھر مسلم کا ذکر کرتے ہوئے اور اگر حدیث ان دونوں کتابوں میں سے کسی میں نہ ہو تو میں نے اس کا درجہ بھی ذکر کیا ہے۔اہل علم کے اقوال اور ان کی آراء سے استفادہ کرتے ہوئے۔

(۷)اس کتابچہ کی شرح میں مذکور تمام نصوص کی توثیق کی ہے اور دوسرے شارحین کے نقل کئے ہوئے بھی تمام نصوص کی توثیق کی ہے۔اگر نص من وعن نقل کیا گیا ہے تو میں نے حاشیہ میں اس کا ذکر بغیر (انظر) لکھے کیا ہے اور اگر مقصود کسی کتاب کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے تو حاشیہ میں اس کا ذکر (انظر) لکھنے کے بعد کیا ہے۔

(۸)اگر مجھے نقل کئے گئے نصوص میں ٹائپنگ کی غلطی ملتی ہے تو میں اس کو صحیح کر دیتا ہوں اور حاشیہ میں اس کا ذکر کر دیتا ہوں۔

(۹)کسی کتاب کا ذکر جب حاشیہ میں پہلی بار آتا ہے تو میں اس کی تمام تفصیلیں لکھتا ہوں اور پھر اگلی بار صرف کتاب اور مصنف کا نام ذکر کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

(۱۰)میں نے اس کتابچہ کی شرح لکھتے ہوئے صرف اس قدر لکھنے پر اکتفاء کیا ہے جس میں مصنف کی بات واضح ہو جائے۔اس کے معانی آسان ہو جائیں کیوں کہ کسی بھی کتاب کی شرح لکھنے کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کے الفاظ و معانی بالکل واضح ہو جائیں اور مسائل سمجھ میں آجائیں اور جو باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بغیر بھی مسائل و معانی واضح ہو جائیں تو وہ شرح کی تکمیلی حیثیت رکھتی ہیں،نہ کہ اصل شرح کی اور شریعت کا علم اس وقت قابل تعریف و تحسین ہوتا ہے جب اس کا مقصد خود فائدہ حاصل کرنا اور لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہو،نہ کہ طویل اور مفصل انداز میں بیان کرنا ہو، یہ کتابچہ مختصر اور چھوٹا ہونے کے باوجود انتہائی اہم اور عظیم اصولوں پر مبنی ہے جن کو ہر قاری کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔اس لئے یہ زیادہ مناسب ہے کہ لوگوں کے لئے تینوں چیزوں کی معرفت سے متعلق اہم اصولوں کو واضح کیا جائے اور ان کے لئے اس کتابچہ کو سمجھنا آسان بنایا جائے۔ اس کے برعکس کہ ان باتوں اور ان تفصیلات پر وقت ضائع کیا جائے جو اصل مقصد سے پرے ہیں۔اگرچہ متاخرین میں اکثر لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ معانی اور ان کے حقائق پر توجہ دینے کے بجائے ظاہری الفاظ پر زیادہ توجہ صرف کرتے ہیں[38]۔

---

38)تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول،صالح بن عبداللہ العصیمي(40)۔

اس کے بعد آخر میں قارئین سے، اس کتاب کو پڑھنے اور سمجھنے والوں سے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ جس نے اس کتاب کو تیار کیا ہے اس کے سلسلہ میں حسن ظن سے کام لیں۔ اگرچہ وہ اس فن کا ماہر نہیں ہے، اس کتاب میں جو فوائد ہیں جو بھی اچھی باتیں ہیں وہ آپ کے لئے ہیں اور جو اس کے علاوہ ہے وہ میرا نقصان اور میری ناکامی ہے۔ چنانچہ اگر آپ کو حق بات، کوئی صحیح بات ملے تو اس کو یہ دیکھے بغیر قبول کرلیں کہ یہ بات کس نے کہی ہے۔ آپ اس پر توجہ دیں کہ کیا بات کہی گئی ہے، اس پر توجہ نہ دیں کہ کس نے کہا اور اگر آپ کو اس کتاب میں کوئی غلطی دکھے تو یہ جان لیں کہ اس کتاب کو تیار کرنے والے نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ہے بلکہ اللہ تعالی کا یہ فیصلہ ہے کہ مکمل کمال صرف اسی کے لئے ہو[39] اور اس کی کتاب کے علاوہ کوئی بھی دوسری کتاب غلطیوں سے پاک اور معصوم نہ ہو۔ چنانچہ اگر کسی کو کوئی ایسی بات نظر آئے جس کو لکھنے میں میرے قلم سے غلطی ہوگئی ہو یا میری عقل کی کوتاہی ہو تو ان سے گزارش ہے کہ وہ مجھے صحیح اور حق بات کی طرف رہنمائی کریں اور اس کمزور انسان کی کوتاہیوں کو معاف کردیں۔ یہ بات جان لیں کہ انسان علم کی

---

39) مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبد وإیاک نستعین، ابن القیم الجوزیة (482/3)، خاتمة کتاب غذاء الألباب في شرح منظومة الآداب، محمد بن أحمد بن سالم السفارینی (603/2)، ناشر: مؤسسة قرطبة، مصر، ط:2، 1414ھ۔

کسی بھی اونچائی پر پہنچنے کے بعد بھی غلطی کر سکتا ہے۔اس سے بھول ہو سکتی ہے۔اس کے کاموں میں نقص اور خلل واقع ہو سکتا ہے[40] اور انصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ انسان بہت ساری صحیح باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ غلطیوں پر معاف کردے اور عفو در گزر سے کام لے۔[41]

کریم انسان کی یہ علامت ہے کہ وہ غلطیوں کے سامنے اچھائیوں اور نیکیوں پر بھی نظر رکھتا ہے اور ہر انسان پر اس کے احوال و ظروف کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کرتا ہے۔[42] خاص کر کہ جب اس کتاب کو تیار کرنے والے کا سب سے پہلا مقصد یہ ہے کہ وہ اس کتاب سے خود کو فائدہ پہنچائے، خود سیکھے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی فائدہ پہنچائے تاکہ وہ اپنے رب کو جان سکیں۔اس کے حقوق کو جان سکیں اور اس کی اس طرح عبادت کریں جس طرح اس کا حق ہے عبادت کئے جانے کا۔ وہ اپنے پیارے نبی ﷺ کے بارے میں جان سکیں ان کے کیا حقوق ہم پر واجب ہوتے ہیں وہ جان

---

40)موسوعة فقه القلوب، محمد بن إبراهيم بن عبد الله التويجري (30/1)۔

41)القواعد، ابن رجب (3/1)۔

42)خاتمة كتاب غذاء الألباب في شرح منظومة الآداب، محمد بن أحمد بن سالم السفاريني (603/2)۔

سکیں۔ان کی اطاعت وفرمانبرداری کر سکیں اوراپنے دین کے بارے میں جان سکیں تاکہ وہ صراط مستقیم پر چل سکیں اور اللہ سبحانہ وتعالٰی کی رضااور خوشنودی حاصل کر سکیں اوراب وقت آگیاہے کہ اللہ سبحانہ وتعالٰی کی مدداوراس کی نصرت کے ساتھ اس قیمتی کتابچہ کی شرح کاآغاز کیاجائے۔

ثلاثۃ الاصول کا متن

پہلا موضوع:

مصنفؒ فرماتے ہیں :

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ[43]---[44]

تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ایک بات اچھی طرح جان لو کہ مندرجہ ذیل چار مسائل کو جاننا ہمارے اوپر واجب ہے۔

(۱) العلم: اللہ رب العزت اور اس کے نبی کی معرفت کا علم،اور دلیلوں کی بنیاد پر اسلام کی معرفت کا علم۔

(۲)مندرجہ بالا چیزوں پر عمل کرنا۔

(۳)ان کو لوگوں تک پہنچانا اور اس کی طرف دعوت دینا۔

---

43)في(خ):زيادة:(وبه نستعين)۔

44)في(ن)زيادة:(اعلم رحمك الله: أن طلب العلم فريضة وأنه شفاء للقلوب المريضة. ومن أهم ما عليك معرفة دينك الذي معرفته والعمل به سبب لدخول الجنة، والجهل به وإضاعته سبب لدخول النار أعاذنا الله والمسلمين من ذلك۔

(۴)اس راہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر کرنا اور اس بات کی دلیل قرآن مجید میں اس طرح ہے: بسم الله الرحمن الرحيم {وَالْعَصْرِ (1) إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ (2) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (3)}[45]

ترجمہ: زمانے کی قسم۔ انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے۔ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ’’اگر اللہ رب العزت نے بندوں پر حجت قائم کرنے کے لئے صرف یہ سورہ (سورہ عصر) نازل کی ہوتی تو بھی اتمام حجت کے لئے کافی تھا۔[46]

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: "باب العلم قبل القول والعمل" (علم قول اور عمل سے پہلے ضروری ہے) اور اس کی دلیل اللہ کا ارشاد ہے: {فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

----

45) سورة العصر: (1-3)۔

46) في (خ، ص): (هذه السورة لو ما أنزل الله حجة على خلقه إلا هي لكفتهم)۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ}[47] ، ترجمہ: پس اے نبیؐ، خوب جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے،اور معافی مانگو اپنے قصور کے لیے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قول اور عمل سے پہلے علم کا ذکر کیا، علم ہی سے آغاز کیا۔

---

47)سورۃ محمد:19۔

دوسراموضوع:

تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں، ایک بات اچھی طرح جان لو کہ مسلمان مرد اور عورت پر مندرجہ ذیل تین باتوں[48] کو جاننااور اس پر عمل کرناواجب ہے۔[49]

(۱) اللہ ہی نے ہمیں پیدا کیا ہے۔[50] وہی ہمیں رزق دیتا ہے[51] اور پیدا کرکے ہمیں یوں ہی نہیں چھوڑ دیا، بلکہ ہمارے پاس اپنے رسول بھیجے،[52] چنانچہ جس نے ان کی اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گیااور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ جہنم کا مستحق ہو گیا۔اس بات کی دلیل فرمانِ الٰہی ہے: {إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا

---

48) في (ن): (أن الله أوجب)۔

49) في (د): (تعلم هذه المسائل) ورجح الشيخ عبد الله بن صالح الفوزان في كتابه: حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول (27): أن العبارة الأوضح (تعلم هذه المسائل الثلاث)۔

50) في (ن) زيادة (لعبادته)۔

51) ليست في (ن)۔

52) في (خ،ن) (وأرسل)۔

أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا (15) فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا (16) }[53]

ترجمہ: تم لوگوں کے پاس ہم نے اُسی طرح ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ (پھر دیکھ لو کہ جب) فرعون نے اُس رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اس کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے کہ اس کی عبادتوں میں کسی کو اس کا ساتھی اور شریک ٹھہرایا جائے۔[54] چاہے وہ کوئی مقرب فرشتہ یا بھیجا گیا نبی ہی کیوں نہ ہو۔[55] --[56] اس

---

53) سورۃ المزمل: 16،15۔

54) في (خ،ن) (أن يشرك معه في عبادته أحد)۔

55) في (خ): (لا نبي مرسل، ولا ملك مقرب)۔

56) في (د) زيادة: (فضلا عن غيرهما) وفي (ص): زيادة: (ولا غيرهما)۔

بات کی دلیل فرمان الٰہی ہے: {وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (18)}[57]

ترجمہ: اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں، لہٰذا اُن میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

(۳) جس نے اللہ کی توحید کا اقرار کیا اور رسول کی اطاعت کی اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس شخص سے محبت کرے، موالاۃ قائم کرے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہو، چاہے وہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے: {لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (22)}[58]

---

57) سورۃ الجن: 18۔

58)) سورۃ المجادلۃ: 22۔

ترجمہ: تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ اُن کے باپ ہوں، یا اُن کے بیٹے، یا اُن کے بھائی یا اُن کے اہل خاندان یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں خبردار رہو، اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔

تیسرا موضوع:

اللہ تمہیں اپنی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کی توفیق دے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ حنیفیۃ (ابراہیمؑ کی ملت کا طریقہ اوران کا مذہب) یہ ہے کہ تم صرف اور صرف اللہ کی عبادت کرو، دین کو اس کے لئے خاص کردو اور یہی وہ کام ہے جس کے لئے اللہ رب العزت نے مخلوق کو پیدا کیا اور اسی بات کا حکم دیا۔[59] ارشاد باری ہے: {وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (56)}[60]-

ترجمہ: میں نے جن اور انسانوں کو اِس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

اور یعبدون کا مطلب ہے اس کی توحید کا اقرار کرنا۔

وہ سب سے عظیم کام جس کا اللہ رب العزت نے بندوں کو حکم دیا وہ توحید ہے اور توحید کا مطلب ہے عبادتوں کو صرف اللہ ہی کے لئے خاص کر دینا۔

---

59) هذه الزيادة ليست موجودة في (خ)۔

60) سورة الذاريات: 56۔

اور وہ سب سے اہم چیز جس سے اللہ رب العزت نے بندوں کو منع کیا وہ شرک ہے اور شرک کا مطلب ہے اس کے ساتھ کسی دوسرے کو پکارنا۔ ارشاد باری ہے: {وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا}[61]

ترجمہ: اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

---

61) سورۃ النساء: 36۔

پہلا اصول: بندہ کی اپنے رب کے بارے میں معرفت۔

اگر تم سے کہا جائے وہ کون سے تین اصول ہیں جن کا جاننا ہر انسان پر واجب ہے؟[62] تو کہہ دو کہ بندہ کی اپنے رب کے بارے میں معرفت، اپنے دین اور اپنے نبی محمد ﷺ کی معرفت[63]۔

اور اگر تم سے پوچھا جائے کہ تمہارا رب کون ہے؟

تو کہہ دو کہ میرا رب میرا پروردگار اللہ ہے۔ جس نے میری اور تمام مخلوقات کی اپنی نعمتوں[64] کے سایہ میں پرورش کی، وہی میرا معبود ہے۔ اس کے علاوہ میرا کوئی معبود نہیں۔ اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے {الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (2)}[65]

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔

---

(62) في (خ): (الذي)۔

(63) قوله: (محمدا) هذه زيادة ليست موجودة في (ن)۔

(64) في (خ، ص، ن): (بنعمته)۔

(65) سورة الفاتحة: 1۔

اوراللہ رب العزت کے علاوہ تمام چیزیں ساری مخلوقات اس کے بنائے ہوئے جہان کا حصہ ہیں۔[66]

اگرتم سے کہا جائے[67] کہ تمہیں اللہ کی معرفت کیسے حاصل ہوئی؟

تو کہہ دو کہ اس کی نشانیوں اوراس کی مخلوقات کے ذریعہ.[68]

اس[69] کی نشانیوں میں رات اور دن ہیں۔ سورج اور چاند ہیں اور اس کی مخلوقات میں ساتوں آسمان وزمین ہیں[70]۔اس پر رہنے والے لوگ اوران کے درمیان موجود تمام چیزیں ہیں۔[71] اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے: {وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ

---

66)في(ص)،وحاشيةابن قاسم(26):(وكل من)۔

67)في(خ،د،ن):(وإذا)۔

68)في(د):زيادة:(أعرفه)۔

69)في(خ):(فمن)۔

70)في(ص،د)زيادة:(ومن فيهنّ)وفي(خ،ن):(وما فيهنّ)۔

71)في(م)وحاشيةابن قاسم(28):(وما فيهنّ)۔

وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (37)}[72]

ترجمہ: اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اُس خدا کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے اگر فی الواقع تم اُسی کی عبادت کرنے والے ہو۔

{إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (54)}[73]

ترجمہ: در حقیقت تمہارارب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر اپنے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کیے سب اس کے فرمان کے تابع

----

72)سورۃ فصلت:37۔

73)سورۃ الأعراف:54۔

ہیں خبردار رہو! اُسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔ بڑا بابرکت ہے اللہ، سارے جہانوں کا مالک وپروردگار ہے۔

اور رب (پروردگار) ہی اصل معبود ہے۔اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے۔[74] { يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (21) الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (22)}[75]

ترجمہ: لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں اُن سب کا خالق ہے، تمہارے بچنے کی توقع اِسی صورت ہو سکتی ہے۔ وہی تو ہے جِس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اوپر سے پانی برسایا اور اس کے

---

74) في (خ) زيادة: (والدليل)۔

75) سورۃ البقرۃ: 21، 22۔

ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق بہم پہنچایا پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان تمام چیزوں کا خالق ان کو بنانے والا ہی عبادت کئے جانے کا مستحق ہے۔

وہ مختلف عبادتیں جن کا اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے جیسے اسلام، ایمان اور احسان، ان عبادتوں میں دعاء، خوف اور امید، توکل، رغبت ورہبت، خشوع اور خشیت اس کی طرف پلٹنا، اسی سے مدد طلب کرنا، اس کی پناہ میں آنا، اسی سے نصرت طلب کرنا، قربانی اور نذر[76] کو اسی کے لئے خاص کرنا بھی شامل ہے اور ان عبادتوں کے علاوہ بھی بہت ساری عبادتیں[77] ہیں جس کا اس نے ہمیں حکم دیا ہے اور ساری عبادتیں صرف اسی کے لئے خاص کرنے کا حکم دیا۔ اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (18)}[78]

---

76) في (خ) زيادة: (والتوبة)۔

77) قوله: (أنواع) هذه الزيادة ليست موجودة في (خ، ن)۔

78) سورة الجن: 18۔

ترجمہ: اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں، لہٰذا اُن میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

چنانچہ اگر کسی نے ان عبادتوں میں سے ایک عبادت کو بھی[79] اللہ[80] کے علاوہ کسی کے لئے ادا کیا تو وہ مشرک اور کافر ہو گیا۔ اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ (117)}[81]

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے، جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے ایسے کافر کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

حدیث میں آتا ہے[82] کہ اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا: "الدعاء مخ العبادة"[83]

ترجمہ: دعا عبادت کا مغز ہے۔

---

79) في (خ، ن) (فمن صرف من هذه الأشياء). وفي (د): (فمن صرف من ذلك شيئا)۔

80) في (خ، ن) زيادة: (تعالى)۔

81) سورة المؤمنون: 117۔

82) كلمة (في الحديث) هذه الزيادة ليست موجودة في (ن)۔

بطور دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے {وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (60)}[84]

ترجمہ: تمہارا رب کہتا ہے "مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، جو لوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، ضرور وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے"۔

خوف کی دلیل کے طور پر اللہ کا ارشاد ہے: {فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (175)}[85]

ترجمہ: لہٰذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحب ایمان ہو۔

رجاء (امید) کی دلیل کے طور پر اللہ کا ارشاد ہے: { فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (110) }[86]

---

83) سنن الترمذي، رقم الحديث: 3371۔

84) سورة غافر: 60۔

85) سورة آل عمران: 175۔

ترجمہ: پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔

توکل کی دلیل کے طور پر ارشاد باری ہے {وَعَلَى اللهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (23)}[87] ـــ[88]

ترجمہ: اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو۔

{وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ}[89]

ترجمہ: جو اللہ پر بھروسا کرے اس کے لیے وہ کافی ہے۔

---

86) سورۃ الکھف:110۔

87) سورۃ المائدۃ:23۔

88) كلمة (وقوله تعالى) هذه الزيادة ليست موجودة في (ن)۔

89) سورۃ الطلاق:3۔

رغبت ورھبت اور خشوع کی دلیل کے طور پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: {إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ (90)}[90]

ترجمہ: یہ لوگ نیکی کے کاموں میں دَوڑ دھوپ کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے، اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔

خشیت کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: { فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي }[91]

ترجمہ: تو اُن سے تم نہ ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو۔

اِنابت کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: {وَأَنِيبُوا إِلَى رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ}[92]

ترجمہ: پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور مطیع بن جاؤ اُس کے۔

استعانہ کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: {إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (5)}[93]

---

90) سورۃ الأنبیاء: 90۔

91) سورۃ البقرۃ: 150۔

92) سورۃ الزمر: 54۔

ترجمہ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

اور حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إذا استعنت فاستعن بالله[94]" ترجمہ: اگر تم مدد مانگو تو صرف اللہ ہی سے مانگو۔[95]

استعاذہ کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: {قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (1)}[96]---[97]

ترجمہ: کہو، میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی۔

{قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ (1)}[98]

ترجمہ: کہو، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی۔

---

93) سورۃ الفاتحۃ: 5۔

94) سنن الترمذي: رقم 2516۔

95) سقط من (خ، ن)۔

96) سورۃ الفلق: 1۔

97) سقطت من (خ، ن)۔

98) سورۃ الناس: 1۔

استغاثہ کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: {إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ}[99]

ترجمہ: اور وہ موقع یاد کرو جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے جواب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کرتا ہوں۔

ذبح (قربانی) کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: { قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (162) لَا شَرِيكَ لَهُ}[100]

ترجمہ: کہو، میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔

اور سنت سے اس کی دلیل یہ حدیث ہے "لعن الله من ذبح لغير الله"[101]

---

99) سورۃ الأنفال: 9۔

100) سورۃ الأنعام: 162و163۔

101) صحیح مسلم، رقم 44-(1978)۔

نذر کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: {يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا (7)}[102]۔[103]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہونگے جو (دنیا میں) نذر پوری کرتے ہیں، اور اُس دن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہر طرف پھیلی ہوئی ہو گی۔

---

102) سورۃ الإنسان:7۔

103) في (خ): زيادة: (ودليل التوبة قوله تعالى: {وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (31)} [النور:31]۔

دوسرا اصول: بندہ کی دلیلوں کی بنیاد پر دین اسلام کی معرفت

اسلام نام ہے توحید کا اقرار کرتے ہوئے اللہ کے آگے مکمل طور سے جھک جانے کا، مکمل طور سے اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کا، مشرکین اور ان کے شرک سے برأت کا اعلان کرنے کا[104]۔

اور اس کے تین مراتب ہیں: اسلام، ایمان اور احسان اور ہر مرتبہ کے اپنے ارکان ہیں جن پر وہ مشتمل ہے۔

اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔[105] اس بات کی گواہی (شہادت) دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ نماز ادا کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزہ رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا، شہادت کی دلیل کے طور پر اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

---

104) في (خ، ن): (والخلوص من الشرک)، وفي (ص): (والبراءة والخلوص من الشرک وأهله)۔

105) في نسخة (خ، ص، د، ن) زيادة: (والدليل من السنة: حديث ابن عمر: قال: قال رسول الله...: **بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ**، وحج البيت.) وزاد في (ص) و(د) بعده: (والدليل قوله تعالى: ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وهو في الآخرة من الخسرين.) وزاد في (ص): والدليل قوله تعالى: (إن الدين عند الله الاسلام) "سورة آل عمران: 85و19"۔

{شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (18)}[106]

ترجمہ: اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، اور (یہی شہادت) فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے وہ انصاف پر قائم ہے اُس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔

اوراس کا مطلب ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں۔[107]

پہلا مرتبہ: اسلام

[108] چنانچہ لاالہ (اللہ کے علاوہ تمام دوسرے معبودوں کا انکار ہے اور الا اللہ تمام عبادتوں کو صرف اور صرف اللہ کے لئے خاص کردینے کا اقرار ہے۔ جس کا اس کی عبادتوں میں کوئی شریک نہیں۔ جیسا کہ اس کی بادشاہت میں کوئی اس کا شریک اور ساجھے دار نہیں۔[109]

---

106) سورۃ آل عمران: 18۔

107) في (د): زيادة: (وحد النفي من الاثبات)۔

108) في (خ، ن): زيادة (و)۔

109) في (د، م)، وحاشية ابن قاسم (52): (كما أنه لا شريك في ملكه)۔

اس بات کی مزید وضاحت اللہ رب العزت کے اس فرمان سے ہوتی ہے: { وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ (26) إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ (27) وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (28)} [110]

ترجمہ: یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ "تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا تعلق صرف اُس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی کرے گا۔ اور ابراہیمؑ یہی کلمہ اپنے پیچھے اپنی اولاد میں چھوڑ گیا تاکہ وہ اِس کی طرف رجوع کریں۔

{قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (64) }[111]

---

110)سورۃالزخرف:26-28۔

111)سورۃآل عمران:64۔

ترجمہ: کہو، "اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے" اس دعوت کو قبول کرنے سے اگروہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی و اطاعت کرنے والے) ہیں۔

اس بات کی شہادت[112] کی دلیل کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، ارشاد باری ہے: {لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (128)}[113]

ترجمہ: دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔

---

(112) قوله: (شهادة) هذه الزيادة ليست موجودة في (ن)۔

(113) سورة التوبة: 128۔

اس بات کی شہادت کا مطلب کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں یہ ہے کہ انہوں نے جواحکامات دیئے ہیں ان پر عمل کیا جائے،انہوں نے جو باتیں بتائی ہیں،ان کی تصدیق کی جائے۔جن چیزوں نے انہوں نے منع کیاہے اور دور رہنے کو کہاہے اس کے قریب بھی نہ بھٹکا جائےاوراللہ کی عبادت اسی طرح کی جائے جس طرح اس نے بتایاہے۔

نماز وزکوۃ کی دلیل اور توحید کی وضاحت کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (5)}[114]

ترجمہ:اوراُن کواِس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کواُس کے لیے خالص کرکے، بالکل یکسو ہوکر،اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں یہی نہایت صحیح و درست دین ہے۔

روزہ[115] کی دلیل کے طور پر ارشادِ باری ہے: {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (183)}[116]

---

(114)سورة البينة:5۔

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیا کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔

حج کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: {وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (97)}[117]

ترجمہ: لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

دوسرا مرتبہ: ایمان۔

---

115) في (خ): (الصوم)۔

116) سورۃ البقرۃ: 183۔

117) سورۃ آل عمران: 97۔

ایمان کے ستر سے زائد مراتب ہیں۔ سب سے اعلیٰ مرتبہ [118] لاالہ الا اللہ کا اقرار ہے اور سب سے ادنیٰ مرتبہ نقصان اور تکلیف پہنچانے والی چیز کو راستہ سے ہٹا دینا ہے اور شرم وحیاء ایمان کا حصہ ہے۔

ایمان کے چھ ارکان ہیں: اللہ پر ایمان لانا، اس کے فرشتوں پر ایمان لانا، اس کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانا، اس کے بھیجے گئے رسولوں پر ایمان لانا، قیامت کے دن پر ایمان لانا، قضاء وقدر پر ایمان لانا چاہے وہ اچھی ہو یا بری۔ [119] ــــ [120]

ان ارکان کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ} [121]

---

(118) في (خ،م،ن): (فأعلاها). وكذا في حاشية ابن قاسم (61)۔

(119) في (م) وحاشية ابن قاسم (63): (وتؤمن بالقدر خيره وشره)؛ وفي (ن): (وبالقدر)۔

(120) في (خ،ص،د،ن): زيادة: (كله من الله)۔

(121) سورة البقرة: 177۔

ترجمہ: نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے

اور قضاء وقدر پر ایمان لانے کی دلیل ارشاد باری ہے: { إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (49) }[122]

ترجمہ: ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

تیسرا مرتبہ: احسان۔

اس مرتبہ کا صرف ایک رکن ہے[123] اور وہ یہ کہ "أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك"[124]۔۔۔[125] ترجمہ: تم اللہ تعالی کی عبادت ایسے کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو لازما دیکھ رہا ہے۔

----

122) سورۃ القمر: 49۔

123) في (ن): (وهو ركن واحد، والدليل قوله تعالى: ومن يسلم وجهه إلى الله وهو محسن)۔

124) صحيح البخاري، رقم: 50۔

اس بات کی دلیل فرمان الٰہی ہے:[126] {إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (128)}[127] ۔۔۔[128]

ترجمہ: اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔

اور { وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (217) الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ (218) وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (219) إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (220)}[129]

ترجمہ: اور اُس زبردست اور رحیم پر توکل کرو۔ جو تمہیں اس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم اٹھتے ہو۔ اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہاری نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

---

(125) في (ن): زيادة: (وحده)۔

(126) في (خ، ص، د): زيادة: (والدليل: قوله تعالى: ومن يسلم وجهه إلى الله وهو محسن)"لقمان: 22"۔

(127) سورة النحل: 128۔

(128) في (ص): زيادة: (وقوله تعالى: ومن يتوكل على الله فهو حسبه)"الطلاق: 3"۔

(129) سورة الشعراء: 217-220۔

اور{ وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ}[130]

ترجمہ: اے نبیؐ، تم جس حال میں بھی ہوتے ہو اور قرآن میں سے جو کچھ بھی سُناتے ہو، اور لوگو، تم بھی جو کچھ کرتے ہو اُس سب کے دوران میں ہم تم کو دیکھتے رہتے ہیں۔

سنت سے ان باتوں کی دلیل وہ حدیث ہے جو حدیث جبرئیل[131] کے نام سے مشہور ہے۔ عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ "بينما نحن[132] عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم[133] إذ طلع علينا رجل شديد بياض الثياب، شديد سواد الشعر، لا يرى عليه أثر السفر، ولا يعرفه منا أحد، حتى جلس إلى النبي صلى الله عليه وسلم،[134] فأسند ركبتيه إلى

---

(130)سورة يونس: 61۔

(131)في (ص، م) وحاشية ابن قاسم (68): (جبرائيل)۔

(132)في (خ، ص، م، ن)، وحاشية ابن قاسم (68): زيادة: (جلوس)۔

(133)في (خ، ن) (عند النبي صلى الله عليه وآله وسلم)۔

(134)في (خ، ن) (ولا يعرفه منا أحد فجلس إلى النبي صلى الله عليه وآله وسلم)۔

ركبتيه، ووضع كفيه على فخذيه، وقال: يا محمد أخبرني عن الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «الإسلام[135] أن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله صلى الله عليه وسلم، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتصوم رمضان، وتحج البيت إن استطعت إليه سبيلا»، قال: صدقت، قال: فعجبنا له يسأله، ويصدقه، قال: فأخبرني[136] عن الإيمان، قال: «أن تؤمن بالله، وملائكته، وكتبه، ورسله، واليوم الآخر، وتؤمن بالقدر[137] خيره وشره»[138] قال صدقت[139] قال فأخبرني[140] عن الإحسان، قال: «أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك»

---

(135) قوله: (الإسلام) هذه الزيادة ليست موجودة في (خ،ن).

(136) في (خ،ن): (أخبرني).

(137) في (خ): (واليوم الآخر والقدر)، وفي (ص،ن): (واليوم الآخر وبالقدر خيره وشره).

(138) قوله (خيره وشره): هذه الزيادة ليست موجودة في (خ).

(139) قوله (صدقت) ليست موجودة في (خ،ن).

(140) في (ن): (أخبرني).

[141]قال فأخبرني[142] عن الساعة، قال: «ما المسئول عنها بأعلم من السائل» قال: فأخبرني[143] عن أمارتها، قال: «أن تلد الأمة ربتها، وأن ترى الحفاة العراة العالة رعاء الشاء يتطاولون في البنيان»، قال: ثم انطلق فلبثت مليا،[144] ثم قال لي[145] يا عمر أتدري[146] من السائل؟» قلت[147]: الله ورسوله أعلم، قال: «فإنه جبريل أتاكم يعلمكم دينكم[148]»

---

(141) في (ص): زيادة: (قال صدقت).

(142) في (ن) أخبرني.

(143) في (ن) أخبرني.

(144) في (خ،م،ن): وحاشية ابن قاسم (73) (قال: فمضى فلبث مليا).

(145) في (خ،ن): (فقال).

(146) في (خ،ن): (أتدرون).

(147) في (خ،ن): قلنا.

(148) في (م) وحاشية ابن قاسم (74): (قال: هذا جبرائيل أتاكم يعلمكم أمر دينكم)، وفي (خ،ن): (قال: هذا جبريل أتاكم يعلمكم أمر دينكم).

یہ حدیث جبریل ہے جس کے راوی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی ہمارے پاس آئے جن کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی کالے تھے۔ان پر سفر کا اثر نہیں تھا، نہ ہم میں سے کوئی پہچانتا تھا، یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھ گئے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنی دونوں ران پر رکھا۔ فرمایا" اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا" اسلام یہ ہے کہ آپ اس کا اقرار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، رمضان کا روزہ رکھیں اور خانہ کعبہ آنے جانے کی صلاحیت ہو توحج کریں۔" فرمایا" آپ نے سچ کہا۔" ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ سوال بھی اور تصدیق بھی۔ فرمایا" ایمان کے بارے میں بتایئے۔" فرمایا" اللہ پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر، رسولوں پر، آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائیں۔" فرمایا" آپ نے سچ کہا۔" فرمایا" مجھے احسان کے بارے میں بتایئے۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " اللہ کی عبادت اس شان کے ساتھ کریں کہ آپ اللہ کو دیکھ رہے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو یہ خیال کریں کہ اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔" فرمایا" قیامت کے بارے میں بتایئے۔" فرمایا" جن سے پوچھا جارہا ہے، ان سے زیادہ پوچھنے والا جانتا ہے۔" فرمایا" اس کی علامت کے بارے میں بتایئے۔" فرمایا" باندی آقا جنے، ننگے پائوں، ننگے بدن والے اونچی اونچی عمارتوں

میں رہنے لگیں، بکریوں کے چرواہے عمارتوں پر فخر کرنے لگیں۔‘‘فرمایا’’پھر وہ چلے گئے۔ ہم لوگ کچھ دیر ٹھہرے رہے۔ پھر مجھ سے کہا،اے عمر! سائل کو جانتے ہو؟ میں نے کہا، اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا، یہ جبریلؑ تھے جو تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔‘‘

تیسرا اصول: ہمارے نبی محمد ﷺ کی معرفت[149]

آپ ﷺ کا نام مبارک محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم تھا۔ہاشم کا تعلق قریش سے تھااور قریش عرب کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ ہےاور عرب اسماعیل بن ابراہیم الخلیلؑ کی ذریت میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیم واسماعیلؑ اور ہمارے نبی محمد ﷺ پر درود وسلامتی ہو،انہوں نے ٦٣(ترسٹھ)سال کی عمر پائی، چالیس سال نبوت سے پہلے اور ٢٣(تیئس) سال نبوت ملنے کے بعد بطور نبی اور رسول۔

(اقرا) کے ذریعہ انہیں نبی بنایا گیااور (المدثر) کے ذریعہ رسول بنایا گیا۔ان کا شہر مکہ مکرمہ تھااور مدینہ کی طرف انہوں نے ہجرت کی تھی۔[150] اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو

---

(149) في(ن):(معرفة نبيكم ﷺ)۔

توحید کی طرف دعوت دینے اور شرک سے آگاہ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (1) قُمْ فَأَنْذِرْ (2) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (3) وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (4) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (5) وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (6) وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (7)}[151]

ترجمہ: اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے۔ اٹھو اور خبردار کرو۔ اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور گندگی سے دور رہو۔ اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔

"قُمْ فَأَنْذِرْ" کا مطلب ہے کہ شرک سے آگاہ کردو اور توحید کی دعوت دو۔ "وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ" کا مطلب ہے توحید کا اقرار کر کے اس کی عظمت بیان کرو "وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" کا مطلب ہے کہ اپنے اعمال کو شرک سے پاک کردو[152]۔ "وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ" رجز کہتے

---

150) قوله: (وهاجر إلى المدينة) هذه الزيادة ليست موجودة في (خ،ن)۔

151) سورة المدثر: 1-7۔

152) في (خ،ن): (من الشرك)۔

ہیں بتوں کو اور اس سے ہجر کا مطلب ہے اس کو بالکل ترک کردو، چھوڑ دو، بتوں سے اور بتوں کو پوجنے والوں سے برأت کا اعلان کردو۔[153]

چنانچہ وہ دس سال تک لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دیتے رہے اور دس سال کے بعد آپ ﷺ کو آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی، چنانچہ آپ ﷺ نے تین سال مکہ میں نماز ادا کی اور اس کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ملا۔[154]

ہجرت کہتے ہیں ایسی جگہ سے جہاں شرک کا رواج ہو جہاں شرک عام ہو ایسی جگہ منتقل ہو جانے کو جہاں اسلام اور اس کا نظام قائم ہو[155] اور ہجرت اس امت پر فرض ہے اور فریضہ قیامت کی صبح تک باقی رہے گا۔ اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے: {إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ

---

153) في (خ، ص) زيادة: (وعداوتها وأهلها وفراقها وأهلها)۔

154) قوله: (إلى المدينة) هذه الزيادة ليست موجودة في (ن). وفي (خ): (أُمر بالهجرة في المدينة) ولعله: تصحيف۔

155) قوله: (والهجرة: فريضة على هذه الأمة... إلى بلد الإسلام): هذه الزيادة ليست موجودة في (خ، ن)۔

جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (97) إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا (98) فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا (99)}[156]

ترجمہ: جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے اُن کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے فرشتوں نے کہا، کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے۔ ہاں جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے۔ بعید نہیں کہ اللہ انہیں معاف کردے، اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔

اور{ يَاعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ (56) }[157]

ترجمہ: اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو، میری زمین وسیع ہے، پس تم میری بندگی بجا لاؤ۔

---

156) سورۃ النساء: 97-99۔

157) سورۃ العنکبوت: 56، 57۔

بغویؒ فرماتے ہیں: "اس آیت کا سبب نزول مکہ کے وہ مسلمان تھے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی چنانچہ اللہ رب العزت نے ان کو ایمان کے حوالے سے پکارا۔

سنت سے ہجرت کی دلیل آپ ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "لا تنقطع الهجرةُ حتى تنقطعَ التوبةُ، ولا تنقطعُ التوبةُ حتى تطلعَ الشمسُ من مَغرِبِها[158]"

ترجمہ: ہجرت ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ توبہ کا سلسلہ ختم ہو جائے، اور توبہ ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج پچھم سے نکل آئے۔

اور جب آپ ﷺ کو مدینہ میں استقرار حاصل ہو گیا تو اسلام کے باقی احکامات کا حکم نازل ہوا[159] جیسے زکوٰۃ ادا کرنے، روزہ رکھنے، حج کرنے، اذان دینے،[160] اللہ کی راہ میں جہاد کرنے،[161] نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے اور دوسرے مختلف اسلامی احکامات کا حکم

---

(158) سنن أبي داود، رقم 2479۔

(159) في (ص): زيادة (فيها)۔

(160) كلمة (والأذان) هذه الزيادة ليست موجودة في (ن)۔

(161) في (خ): (والجهاد والأذان)۔

نازل ہوا[162] اور یہ عرصہ دس سالوں پر مشتمل رہا اور اس کے بعد[163] آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ آپ پر ڈھیروں درود و سلام ہو۔[164] آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا لیکن آپ جو دین لے کر آئے تھے وہ آج بھی باقی ہے اور یہ وہ دین ہے جس نے ہر قسم کے خیر اور اچھائی کی طرف لوگوں کو ابھارا اور ہر قسم کے نشہ اور برائیوں سے لوگوں کو آگاہ کیا[165] جس خیر کی طرف اس نے ابھارا[166] وہ اللہ کی توحید کا اقرار ہے اور ہر اس کام[167] کو کرنے کی ترغیب ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو پسند ہے اور جس شر سے لوگوں کو آگاہ کیا[168] وہ شرک[169] ہے اور ہر وہ کام

---

162) كلمة (وغير ذلك من شرائع الإسلام) هذه الزيادة ليست موجودة في (خ، ن).

163) كلمة (بعدها) هذه الزيادة ليست موجودة في (خ، ن).

164) في (خ، ص، م، ن)، وحاشية ابن قاسم (87): (صلوات).

165) في (خ، ص، ن): (عنه).

166) في (خ، ن): (دلها).

167) كلمة (وجميع) هذه الزيادة ليست موجودة في (خ، ن).

168) في (د، ن): (حذّر عنه). وفي (ص): (حذّر ها عنه). وفي (خ): (حذّر الله منه).

169) في (د): زيادة (بالله).

جس کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کے لئے [170] بھیجا اور آپ ﷺ کی اطاعت تمام انسانوں اور جنوں پر فرض کی۔ [171] اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے: { قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا} [172]

ترجمہ: اے محمدؐ، کہو دو کہ اے انسانو، میں تم سب کی طرف خدا کا پیغمبر ہوں۔

آپ ﷺ کے ذریعہ اللہ نے دین کو مکمل کر دیا۔ [173] اس بات کی دلیل فرمانِ الٰہی ہے: { الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا} [174]

ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

---

(170) في (خ): (في).

(171) في (خ، د، م، ن) وحاشية ابن قاسم (89): زيادة لفظ: (الله).

(172) سورة الأعراف: 158.

(173) في (خ، ص، ن): (وأكمل الله به).

(174) سورة المائدة: 3.

اوراس بات کی دلیل کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: { إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (30) ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ (31) }[175]

ترجمہ: (اے نبیؐ) تمہیں بھی مرنا ہے اور اِن لوگوں کو بھی مرنا ہے۔ آخر کار قیامت کے روز تم سب اپنے رب کے حضور اپنا اپنا مقدمہ پیش کرو گے۔

---

175) سورۃ الزمر: 30،31۔

خاتمہ

تمام لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا فرمان ہے: {مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى (55)}[176]

ترجمہ: اِسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے، اِسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔

اور { وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا (17) ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا (18)}[177]

ترجمہ: اور اللہ نے تم کو زمین سے عجیب طرح اگایا۔ پھر وہ تمہیں اِسی زمین میں واپس لے جائے گا اور اِس سے یکایک تم کو نکال کھڑا کرے گا۔

---

(176)سورۃ طٰہٰ:55۔

(177)سورۃ نوح:17و18۔

دوبارہ پیدا کرنے کے بعد لوگوں کا حساب کتاب ہوگا اور ان کو ان کے اعمال کا صلہ دیا جائے گا۔[178] اس بات کی دلیل فرمان الٰہی ہے: { وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى (31)}[179]

ترجمہ: اور زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا مالک اللہ ہی ہے تاکہ اللہ برائی کرنے والوں کو ان کے عمل کا بدلہ دے اور اُن لوگوں کو اچھی جزا سے نوازے جنہوں نے نیک رویہ اختیار کیا ہے۔

اور جس نے دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کیا اور اس کو جھٹلایا وہ کافر ہوگا۔ اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (7)}[180]

---

(178) في (د): زيادة: (إن خيرًا فخير، وإن شرًا فشر)۔

(179) سورۃ النجم: 31۔

(180) سورۃ التغابن: 7۔

ترجمہ: منکرین نے بڑے دعوے سے کہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد ہر گز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے ان سے کہو "نہیں، میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر ضرور تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے (دنیا میں) کیا کچھ کیا ہے، اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے"۔

تمام رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا تھا کہ تاکہ وہ لوگوں کو خوشخبریاں بھی سنا دیں اور آگاہ بھی کر دیں۔ اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ}[181]---[182]

ترجمہ: یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ اُن کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے۔

ان میں سب سے پہلے حضرت نوحؑ آئے اور آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آئے۔ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس بات کی دلیل

---

181) سورۃ النساء: 165۔

182) قولہ: (والدلیل: قولہ تعالیٰ: رسلاً مبشرین ومنذرین) ھذہ الزیادۃ لیست موجودۃ في (ن)۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: { مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ}[183]

ترجمہ: (لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

اور اس بات کی دلیل کے ان میں سب سے پہلے نوحؑ آئے[184] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ}[185]

ترجمہ: اے محمدؐ! ہم نے تمہاری طرف اُسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔

نوحؑ سے محمد ﷺ تک ہر امت کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے رسول بھیجے[186] تاکہ وہ لوگوں کو صرف اور صرف اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیں[187] اور طاغوت کی عبادت سے

---

183) سورۃ الأحزاب: 40۔

184) في (ص، ن) (والدليل على أن نوحًا أول الرسل)۔

185) سورۃ النساء: 163۔

منع کریں۔اس بات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے{وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ}[188]

ترجمہ: ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اُس کے ذریعہ سے سب کو خبر دار کر دیا کہ "اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

چنانچہ تمام بندوں میں اللہ تعالیٰ نے طاغوت سے کفر کرنے اور اللہ پر ایمان لانے کو فرض قرار کر دیا۔[189]

ابن القیمؒ فرماتے ہیں:[190] طاغوت کا مطلب ہے کہ بندہ اپنی حدود سے تجاوز کر جائے، ایک معبود کی حیثیت سے یا متبوع یا مطاع کی حیثیت سے۔

---

186)في(ن):(بعث الله إليها)۔

187)في(ن):زيادة:(لا شريك له)۔

188)سورة النحل:36۔

189)في(خ):(أن يكفروا بالطاغوت، ويؤمنوا بالله تعالى)۔

190)في(ن)زيادة:(العلامة)۔

طاغوت بہت سارے ہیں[191] جن میں پانچ سب سے بڑے طاغوت ہیں۔ پہلا ابلیس اللہ کی لعنت ہو اس پر، وہ شخص جس کی عبادت کی جائے اور وہ اس سے راضی ہو۔ وہ شخص جو لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کی دعوت دینے پر ابھارے۔ وہ شخص جو غیبی امور میں سے کسی چیز کو جاننے اور علم رکھنے کا دعویٰ کرے[192] اور وہ شخص جو اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلہ نہ کرے۔ اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا فرمان ہے: {لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (256)}[193]

ترجمہ: دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے اب جو کوئی طاغوت کا انکار کرکے اللہ پر ایمان لے آیا، اُس نے

---

(191) في (ص): (كثيرون)۔

(192) في (خ، ن): (ومن ادعى شيئاً من علم الغيب، ومن دعا الناس إلى عبادة نفسه)۔

(193) سورة البقرة: 256۔

ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

اور یہی[194] معنی ہے لا الہ الا اللہ کا۔

حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " رأس الأمر الإسلام، وعموده الصلاة، وذروة سنامه الجهاد في سبيل الله "[195]

ترجمہ: دین کی اصل اسلام ہے، اور اس کا ستون (عمود) نماز ہے، اور اس کی چوٹی اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔

والله أعلم وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم۔[196]

---

(194) في (خ، ن): زيادة: (هو)۔

(195) سنن الترمذي، رقم: 2616۔

(196) في (خ، ن): زيادة: (تمت ثلاثة الأصول)، وفي (خ): (والحمد لله رب العالمين، وسلم تسليمًا كثيرا)۔

تینوں اصولوں سے پہلے مذکور تین رسالوں میں سے پہلے رسالہ کی شرح

پہلا موضوع:

مصنفؒ فرماتے ہیں :

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ [197]---[198]

تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ایک بات اچھی طرح جان لو کہ مندرجہ ذیل چار مسائل کو جاننا ہمارے اوپر واجب ہے۔

(۱) العلم: اللہ رب العزت اور اس کے نبی کی معرفت کا علم،اور دلیلوں کی بنیاد پر اسلام کی معرفت کا علم۔

(۲)مندرجہ بالا چیزوں پر عمل کرنا۔

---

197)في(خ): زيادة:(وبه نستعين)۔

198)في(ن)زيادة:(اعلم رحمك الله: أن طلب اعلم فريضة وأنه شفاء للقلوب المريضة. ومن أهم ما عليك معرفة دينك الذي معرفته والعمل به سبب لدخول الجنة، والجهل به وإضاعته سبب لدخول النار أعاذنا الله والمسلمين من ذلك۔

(۳)ان کولوگوں تک پہنچانااوراس کی طرف دعوت دینا۔

(۴)اس راہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر کرنااوراس بات کی دلیل قرآن مجید میں اس طرح ہے: بسم الله الرحمن الرحيم {وَالْعَصْرِ (1) إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ (2) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (3)}[199]

ترجمہ: زمانے کی قسم۔انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے۔سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "اگراللہ رب العزت نے بندوں پر حجت قائم کرنے کے لئے صرف یہ سورہ(سورہ عصر)نازل کی ہوتی تو بھی اتمام حجت کے لئے کافی تھا۔[200]

---

(199)سورۃ العصر:(1-3)۔

(200)في(خ،ص):(هذه السورة لو ما أنزل الله حجة على خلقه إلا هي لكفتهم)۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: "باب العلم قبل القول والعمل" (علم قول اور عمل سے پہلے ضروری ہے) اور اس کی دلیل اللہ کا ارشاد ہے: {فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ}[201]، ترجمہ: پس اے نبیؐ، خوب جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور معافی مانگو اپنے قصور کے لیے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قول اور عمل سے پہلے علم کا ذکر کیا، علم ہی سے آغاز کیا۔

مصنفؒ فرماتے ہیں: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اس کتابچہ کا آغاز مصنفؒ نے اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتے ہوئے اور اس کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے یہ کہہ کر کیا ہے کہ میں اپنی کتاب کی شروعات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کرتا ہوں (میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے)[202]

---

201) سورۃ محمد: 19۔

202) تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبدالمحسن بن محمد القاسم (10)۔

چنانچہ مصنفؒ نے اللہ کی کتاب قرآن مجید کے طریقہ کو اپناتے ہوئے بسم اللہ سے اس مبارک کتابچہ کا آغاز کیا[203] اور یہی طریقہ پیارے نبی ﷺ کا بھی تھا۔ کیوں کہ آپ بھی اپنے ان خطوط کو جو مختلف بادشاہوں کے پاس بھیجتے تھے اس کو بسم اللہ ہی سے شروع کرتے تھے[204][205] اور علماء کا بھی یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنی کتابوں کو بسم اللہ کی برکت حاصل کرتے ہوئے کرتے تھے۔[206]

مصنفؒ نے حمد و ثناء کے باب میں صرف بسم اللہ ہی پر اکتفاء کیا کیونکہ یہ سب سے عظیم حمد و ثناء ہے۔ بسم اللہ کی تفصیلات اور اس کے معانی بہت مشہور و معروف ہیں۔

----

203) سورۃ توبۃ کے علاوۃ تمام سورتیں قرآن میں بسملۃ ہی سے شروع ہوئی ہیں۔

204) جیساکے ہرقل کے خط میں اور صلح حدیبیۃ کے رسالہ میں تھا۔

205) شرح ثلاثۃ الأصول وأدلتها، أملاہ فضیلۃ الشیخ صالح بن عبداللہ العصیمي (8)، دوسری کتاب: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي، 1436ھ۔

206) ینظر: حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن محمد بن قاسم (9)۔

کاموں کی شروعات بسم اللہ سے اللہ کی برکت حاصل کرنے اور اس کی مدد طلب کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔[207]

مصنفؒ فرماتے ہیں ''تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں، ایک بات اچھی طرح جان لو کہ چار مسائل کو جاننا ہمارے اوپر واجب ہے۔

یہ ان تین رسالوں میں سے پہلا رسالہ ہے جس کا ذکر ''ثلاثۃ الاصول'' کے مقدمہ میں کیا گیا ہے اور اس سے پہلے رسالہ میں ان چار مسائل کا ذکر ہے جو ہمارے اوپر واجب ہیں اور وہ یہ ہیں: علم حاصل کرنا، اس پر عمل کرنا اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا، اس راہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر کرنا۔

اس رسالہ کا آغاز مصنفؒ نے (اعلم) سے کیا ہے۔ یعنی اچھی طرح سمجھ لو، یقین کرلو، کسی طرح کے شک وشبہ میں نہ پڑو،[208] دین کے احکامات کا علم حاصل کرو۔ اس معاملہ میں اپنی لاعلمی کو دور کرو اور میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں کہ (رحمک اللہ) اللہ کی رحمتیں نازل ہوں تم پر، یعنی میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہارے اوپر اپنی

---

(207) المصدر السابق۔

(208) شرح الأصول الثلاثة: عبدالعزيز بن عبدالله الراجحي (9). ناشر: مدار الوطن. ط:2، 1434ھ۔

رحمتیں نازل کرے تاکہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤاور تمام رکاوٹیں تمہارے راستہ سے ہٹ جائیں[209] (أنہ یجب علینا) یعنی ہم مسلمانوں پر واجب ہے (تعلم) سیکھنا اور علم حاصل کرنا (اربع مسائل) چار مسئلوں کے بارے میں جو دین میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور پورے دین پر مشتمل ہیں۔[210]

مصنفؒ کی مذکورہ بالا باتوں میں مندرجہ ذیل مسائل ہیں :

پہلا مسألۃ: مصنفؒ فرماتے ہیں (اعلم) اچھی طرح جان لو، یقین کرلو:

اس کتابچہ کا آغاز مصنفؒ نے علم کی اہمیت بتاتے ہوئے کیاہے چنانچہ آپ کہتے ہیں (اعلم) اور یہ علم سے امر کا صیغہ ہے اور علم کہتے ہیں کسی چیز سے متعلق اس کی حقیقت جاننے کو جس پر مکمل یقین ہو اور شک وشبہ کی اس میں کوئی گنجائش نہ ہو،[211] چنانچہ علم اس کو

---

209) تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبدالمحسن بن محمد القاسم (10)۔

210) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (10) تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبدالمحسن بن محمد القاسم (11)۔

211) ینظر: التعریفات، للشریف الجرجاني (155)۔

کہتے ہیں جس پر انسان کو مکمل یقین ہو[212] اور اس سلسلہ میں دلیلیں بھی موجود ہوں اور نفع بخش علم وہی ہے جو اللہ کے رسول ﷺ لے کر آئے۔[213] چنانچہ علم کہتے ہیں ہدایت کی راہ کو دلیلوں کی بنیاد پر جان لینے کو اور جو علم ان صفات سے خارج ہے وہ بلاشبہ جہل اور گمراہی کے ضمن میں آتا ہے۔[214]

مصنفؒ کے اس کلمہ سے آغاز کرنے سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے۔[215]

1. ہم اچھی طرح جان لیں کہ اس کتابچہ میں جن باتوں کا ذکر کیا گیا ہے اس پر مکمل یقین کرنا واجب ہے۔ ایسا یقین جس میں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔
2. مصنفؒ یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں اس کتابچہ میں مذکور باتوں کی اہمیت کا احساس دلائیں کیوں کہ اعلم کا استعمال اس بات کے لئے کیا جاتا ہے جو کہ بہت اہم ہو، اور

---

212) شرح الأصول الثلاثة، عبدالعزیز بن عبداللہ الراجحي۔

213) مجموع الفتاوی، لابن تیمیة (388/6)۔

214) الدرر السنية في الأجوبة النجدية (147/11)۔

215) شرح ثلاثة الأصول، سليمان الرحيلي، شرح مفرغ منشور على الشبكة العنكبوتية، أعده: أبو عمر عبدالصمد بن الحسن۔

سامنے والے کے لئے ضروری ہو کہ وہ ان باتوں کو بہت غور سے سنے۔ اعلم کا استعمال کسی بات کی طرف متوجہ کرنے اور سامع کو بہت غور سے سننے کے لئے کیا جاتا ہے چنانچہ وہ اس بات کا حکم ہوتا ہے کہ جو باتیں بتائی جانے والی ہیں ان کو سیکھنے اور سمجھنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور مصنفؒ نے دین کے اصولوں سے متعلق جن باتوں اور مسئلوں کا ذکر اس رسالہ میں کیا ہے وہ اس بات کے لائق ہیں کہ ان کو اہتمام سے سنا جائے، ان پر مکمل توجہ دی جائے اور ان پر غور کیا جائے[216] اور اس بات سے کتابچہ کی اہمیت اور اس کو خود بھی سمجھنے اور دوسروں تک پہنچانے کی اہمیت پر توجہ دلائی گئی ہے اور ایک اور انتہائی اہم بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ علم کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کر دیا جائے جس کا خلاصہ تین چیزوں کا علم ہے: اللہ اس کے رسول اور دلیلوں کی بنیاد پر دین اسلام کا علم اور معرفت ہے۔

دوسرا مسئلہ: مصنفؒ فرماتے ہیں (رحمک اللہ)

---

(216) حاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن محمد بن قاسم (9) وشرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (47)، كتبه: محمد بن قاسم وحققه ابنه: د. عبد المحسن القاسم. ط. الأولى 1440 هجريا۔

تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں یہ جملہ خبر یہ ہے اس کا مقصود دعا ہے [217] یعنی تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ جس سے تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ اور رکاوٹیں تمہارے راستہ سے ہٹ جائیں [218] (رحمک اللہ) کا مطلب ہے کہ اللہ تمہارے تمام گزشتہ گناہوں کو معاف کردے، تم کو توفیق دے اور مستقبل میں گناہوں سے محفوظ رکھے۔ (رحمت) کا ذکر اکیلے آتا ہے تو یہ مطلب ہوتا ہے اس کا لیکن جب رحمت کا ذکر مغفرت کے ساتھ آتا ہے تو مغفرت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گزشتہ گناہوں کو معاف کردے اور رحمت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم کو بھلائیوں اور نیکیوں کی توفیق دے اور مستقبل میں گناہوں سے محفوظ رکھے۔ [219]

----

217) قال ابن نجيم: (رحمک الله: أخرج في صورة الخبر ثقة بالاستجابة، كأن الرحمة وجدت فهو يخبر عنها.) ينظر: البحر الرائق شرح كنز الدقائق (140/4)۔

218) تيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د: عبد المحسن بن محمد القاسم (11)۔

219) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم (48)، وشرح ثلاثة الأصول، محمد العثيمين (19)، إعداد: فهد السليمان، ناشر: دار الثريا، الرياض؛ وينظر: حاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (9)۔

مصنفؒ کے اس قول میں (اعلم رحمک اللہ) قارئین کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا ہے۔اس کے ساتھ نرمی برتنے کا معاملہ ہے اور یہ مخاطب کے ساتھ شفقت سے پیش آنے کی دلیل ہے۔اس کے لئے خیر و بھلائی چاہنے کی خواہش ہے[220] اور اس سے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ اس علم کی بنیاد نرم روی اور سیکھنے والے کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آنا ہے۔ چنانچہ مصنفؒ مخاطب کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔اسی لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے علم کے ساتھ اپنے نام (رحمٰن) کا ذکر کیا۔ارشاد باری ہے: {الرَّحْمَنُ (1) عَلَّمَ الْقُرْآنَ (2)}[221]

ترجمہ: رحمن نے۔اِس قرآن کی تعلیم دی ہے۔

---

(220) شرح ثلاثۃ الأصول / محمد بن صالح العثیمین (19)۔

(221) سورۃ الرحمن، 1و2۔

اور علماء بھی علم حدیث کا اجازہ دیتے وقت اس حدیث کو نقل کرتے تھے "الراحمون یرحمهم الرحمن"[222]

ترجمہ: رحم کرنے والوں پر رحمن رحم کرتا ہے۔

اہل علم کے درمیان یہ بات المسلسل بالاولیۃ کے نام سے معروف ہے کیوں کہ ہر راوی اپنے بعد والے راوی سے کہتا تھا کہ یہ وہ پہلی حدیث ہے جو میں نے اس سے سنی۔[223] علماءؒ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس علم کی بنیاد ہی رحمت پر ہے۔ استاذ و شاگرد کے درمیان رحمت کا معاملہ کرنا اور اس کا نتیجہ دنیا و آخرت میں رحمتوں کا حصول ہے۔ چنانچہ اس لئے

---

222) رواه الترمذي، باب: البر والصلة، برقم (1924)، وقال: حسن صحيح؛ ورواه الحاكم برقم (7274)، وصححه ووافقه الذهبي.

223) الحديث المسلسل: هو الذي اتفق فيه الرواة، فنقلوه بصيغة معينة، أو حال معين، يعني: أن الرواة اتفقوا فيه على وصف معين: إما وصف الأداء أو وصف حال الراوي، أو غير ذلك. ينظر: شرح المنظومة البيقونية في مصطلح الحديث/ محمد بن صالح العثيمين (63).

مصنفؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑے خوبصورت و معنی خیز انداز میں فرمایا (اعلم رحمک اللہ)اور یہ علم حاصل کرنے والے کے لئے رحمت کی دعاہے۔[224]

تیسرا مسئلہ: مصنفؒ فرماتے ہیں:یجب علینا تعلم أربع مسائل۔

چار مسئلوں کا علم حاصل کرنا ہمارے اوپر واجب ہے۔

یعنی اس کا علم حاصل کرنا ہمارے اوپر نفل نہیں بلکہ واجب ہے چنانچہ جس نے ان چار مسئلوں کا علم حاصل نہ کیا وہ گناہگار ہوگا اور جس نے حاصل کیا وہ ثواب کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ واجب اس کام کو کہتے ہیں جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے پر گناہ،[225] اگر آپ یہ کہتے کہ "اعلم أنہ یجب" تو بھی بات صحیح تھی لیکن آپ نے کہا "یجب علینا" اور جمع کی ضمیر کا استعمال کیا جس میں متکلم اور مخاطب دونوں شامل ہیں اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ تمام انسانوں پر واجب ہے چاہے وہ مرد ہوں یا عورت اور جن باتوں کا ذکر ہوا وہ فرض عین ہے۔ چنانچہ ان باتوں میں "جہل" اور لاعلمی کا عذر بھی قابل قبول

---

224)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ، تحقیق وعنایۃ: عاجل بن محمد رفائی(12-13)۔

225)شرح ثلاثۃ الأصول/محمد بن ابراھیم(49)، وشرح الأصول الثلاثۃ، عبدالعزیز الراجحي(10)۔

نہیں ہے کیوں کہ جس کام کو کرنا انسان پر واجب ہے اس کے سلسلہ میں علم حاصل کرنا بطور اولیٰ واجب ہو گا۔[226]

چوتھا مسئلہ: مصنفؒ فرماتے ہیں (تعلم اربع مسائل) چار مسئلوں کا علم حاصل کرنا۔

مصنفؒ فرماتے ہیں (چار مسائل کا علم حاصل کرنا) یعنی چار باتوں کا جاننا، ان کو مسائل سے اس لئے تعبیر کیا ہے کیوں کہ ان کے بارے میں سوال کرنا اور اہمیت دینا واجب ہے۔[227] یہ چار باتیں مکمل دین پر مشتمل ہیں۔ اس لئے ہر طالب علم کو چاہیے کہ اس پر بھرپور توجہ دے۔[228]

ان چار مسئلہ میں **پہلا مسئلہ** علم ہے اور **دوسرا** اس علم پر عمل کرنا۔ **تیسرا** اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور **چوتھا** مسئلہ علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے اور اس کو

---

226) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (49)۔

227) شرح ثلاثۃ الأصول، د. صالح بن فوزان الفوزان (16)، اعتنى به: عبد السلام بن عبد الله السليمان، ناشر: مؤسسة الرسالة، ط. الأولى: 1427 ھجریا۔

228) شرح الشيخ د. عبد الله بن عبد العزيز العنقري على ثلاثة الأصول وأدلتها (6) ضمن برنامج التعليم الميسر المستوى الأول: لعام 1436 ھجریا. منشور على الشبكة العنكبوتية، والشيخ لم يراجع التفريغ۔

پھیلانے کی راہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر کرنا۔[229] ان چار مسائل پر انبیاءؑ نے بھی عمل کیا اور ان کے متبعین کا اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اتنا ہی مقام تھا جتنی انہوں نے ان چاروں مسائل کو اہمیت دی اور اس میں کامیاب ہوئے بلکہ یہ دین قائم ہی اس بات پر ہے کہ اس کے ماننے والے ان چاروں انتہائی اہم باتوں پر کتنی توجہ دیتے ہیں اور کس قدر کامیاب ہوتے ہیں۔[230]

---

229) ینظر شرح ثلاثہ الاصول، دکتور محمد امان الجامی تحقیق وعنایۃ: محمود بن ابراھیم الطرابلسي ناشر: دار النصیحہ المدینہ المنورہ الطبعہ الاولی 1428 ھجریا۔

230) قال ابن القیم في مفتاح دار السعادة (1/152-154): (المراتب أربع، وباستكمالها يحصل للشخص غاية كماله: أحدها: معرفة الحق، والثانية: عمله به، والثالثة: تعليمه من لا يحسنه، والرابعة: صبره على تعلمه، والعمل به وتعليمه...؛ وهذا نهاية الكمال؛ فإن الكمال أن يكون الشخص كاملا في نفسه، مكملا لغيره. زكماله: بإصلاح قوّتيه: العلمية والعملية. فصلاح القوة المية بالايمان، وصلاح القوة العملةي بعمل الصالحات، وتكميله غيره: بتعليمه إياه، وصبره عليه، وتوصيته بالصبر على العلم والعمل.)

وقال أيضًا في كتابه: (زاد المعاد في هدي خير العباد (10/3): (فجهاد النفس أربع مراتب: إحداها: أن يجاهدها على تعلم الدين والحق، الذي لا فلاح لها ولا سعادة في معاشها ومعادها إلا به ومتى فاتها علمه شقيت في الدارين. الثانية: أن يجاهدها على العمل به بعد علمه، فمجرد العلم بلا عمل إن لم يضرها لم ينفعها. الثالثة: أن يجاهدها على الدعوة إليه، وتعليمه من لا يعلمه، ولا

مصنفؒ بتاتے ہیں کہ شرعی لحاظ سے ان چاروں مسائل کو سیکھنا واجب ہے اور شرعی طور سے کسی چیز کے واجب ہونے کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ مصنفؒ نے ان چاروں مسائل کو سیکھنے کا وجوب مختلف عام اور خاص دلیلوں سے کیا ہے۔[231] تمام دلیلیں اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ کے بارے میں علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ بندوں پر اس کے کیا حقوق عائد ہوتے ہیں اور ان تمام حقوق کو اس طرح سے کیسے ادا کرنا ہے جیسا کہ اس نے بتایا ہے اور اس کو پسند ہے۔ ان تمام باتوں کا علم ہونا ضروری ہے اور اس کام کی تکمیل اس وقت ہوگی جب ہم اس کے بندوں کو اس کے بتائے ہوئے ہدایت کے راستہ کی طرف بلائیں گے۔ ان سے اللہ کے حقوق ادا کرنے کے لئے کہیں گے۔ ان کو اللہ کے فضل واحسانات کے بارے میں بتائیں گے۔ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے انجام کے بارے

كان من الذين يكتمون ما أنزل الله من الهدى والبينات، ولا ينفعه علمه، ولا ينجيه من عذاب الله. الرابعة: أن يجاهدها على الصبر على مشاق الدعوة إلى الله وأذى الخلق، ويتحمل ذلك كله لله، فإذا استكمل هذه المراتب الأربع صار من الربانيين، فإن السلف مجمعون على أن العالم لا يستحق أن يسمى ربانياً، حتى يعرف الحق، ويعمل به، ويعلمه، فمن علم وعمل وعلم فذاك يدّعى عظيماً في ملكوت السموات۔

231) اس مسئلہ کا ذکر آگے آئے گا (73،209)۔

میں بتائیں گے اور یہ کام اسی وقت ہو سکتا ہے جب بندہ اس راہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر کرے چنانچہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علم و عمل اور دعوت و صبر چاروں چیزیں واجب ہیں کیوں کہ اگر کسی کام کے بغیر کوئی واجب ادا نہیں ہو سکتا تو وہ کام بھی واجب ہو جاتا ہے چنانچہ یہ ان چاروں مسائل کے واجب ہونے کی توجیہ ہے۔[232]

پانچواں مسئلہ: چاروں مسائل سے متعلق علم حاصل کرنے کا وجوب۔

مصنفؒ نے لکھا ہے کہ ان چاروں مسائل سے متعلق علم حاصل کرنا واجب ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ واجب عینی ہے یا ان میں سے کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جو واجب کفائی ہیں؟ اس کتاب کی شرح کرنے والوں کے اس سلسلہ میں دو قول ہیں۔

---

232) إفادة المسؤول عن ثلاثة الأصول، عبد الله بن صالح القصير (6)، ناشر، مدار الوطن للنشر، 1428 ھجریا۔

پہلا قول: یہاں واجب سے مراد واجب عینی ہے اور واجب عینی اس کو کہتے ہیں جس کو کرنا ہر مکلف پر بذاتِ خود واجب ہو چنانچہ ہر مکلف پر واجب ہے کہ ان چاروں مسائل کو سیکھے۔ [233]

ابن قاسم فرماتے ہیں: ہر ایک مکلف پر ضروری ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، غلام ہو یا آزاد کہ وہ یہ چاروں مسائل سیکھے، چنانچہ ہم میں سے ہر ایک فرد پر واجب ہے کہ ان چاروں مسائل کو سیکھے۔ [234]

اس بات کو سامنے رکھا جائے تو مصنفؒ کی مراد یہ ہے کہ ان چاروں مسائل میں سے ان چیزوں کا علم حاصل کرنا واجب ہے جو واجب عینی ہیں چنانچہ پہلے مسئلہ العلم کے ضمن میں اس بات کا علم مقصود ہے جو فرض عین ہے۔ دوسرے مسئلۃ "عمل" کا مطلب یہ ہوا کہ واجبی علم پر عمل، کیوں کہ اس رسالہ میں عمل سے مراد واجب عمل ہے تو

----

233) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (10)؛ وتیسیر الوصول، د. عبد المحسن القاسم (11)؛ وشرح ثلاثۃ الأصول، د. خالد بن عبد اللہ المصلح (4)، منشور في موقع الشیخ علی الشبکۃ العنکبوتیۃ؛ وینظر: حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (12)، ناشر: مکتبۃ الرشد، ط. الأولی: 1420 ھجریہ۔

234) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (10)۔

اگر علم واجب ہوگا تو عمل بھی واجب ہوگا یعنی ہر وہ علم جو فرض عین ہوگا، اس پر عمل کرنا بھی فرض ہوگا اور واجب علم کو لوگوں تک پہنچانا بھی واجب ہوگا اور یہ اس رسالہ کا تیسرا مسئلہ ہے۔ دعوت اس وقت واجب ہوگی جب انسان دعوت دینے پر قادر ہوگا چنانچہ لوگوں کو اس علم کی طرف دعوت دینے کے وجوب کے لئے استطاعت شرط ہے۔ شریعت کے تمام معاملات استطاعت کی شرط کے ساتھ مقید ہیں اور دعوتی کام جو کہ واجب ہے پریشانیوں کا سامنا کئے بغیر مکمل ہی نہیں ہو سکتا چنانچہ نبیوں اور رسولوں کو بھی تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ اس کے باوجود کے وہ افضل مخلوق تھے اور جو ان سے کمتر درجہ کے ہیں۔ ان کی بات ہی الگ ہے۔ چنانچہ اگر صبر کے بغیر دعوت کا کام مکمل ہی نہیں ہو سکتا تو اس راہ میں صبر کرنا بھی واجب ہوگا۔ کیوں کہ جس کام کے بغیر کوئی واجب کام مکمل نہیں ہو سکتا تو وہ کام بھی واجب ہو جاتا ہے۔ دعوتی کاموں میں صبر کرنا بہت ضروری ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو صبر کرنے کا حکم دیا تھا۔ ارشاد باری ہے:

{فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ}[235]

ترجمہ: پس اے نبیؐ، صبر کرو جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے۔

---

235) سورۃ الأحقاف: 35۔

دوسرا قول: وجوب سے یہاں وجوب عینی اور کفائی دونوں مقصود ہیں۔[236] چنانچہ یہاں وجوب کی دونوں قسمیں ہیں۔ایک وجوب عینی جو ہر مکلف شخص پر واجب ہے۔ دوسرا وجوب کفائی جو بطور عام امت پر واجب ہے۔ ہر فرد پر نہیں۔ چنانچہ یہ چاروں مسائل دو قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں: فرض عینی اور فرض کفائی[237] اور مصنفؒ نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے کچھ واجب عینی کے ضمیر میں آئیں گی اور کچھ واجب کفائی کے، چنانچہ علم کے باب میں جو چیز واجب عینی ہے وہ تینوں اصول ہیں یعنی اپنے رب کی معرفت اس کے نبی کی معرفت اور اس کے دین کی معرفت اور اس باب میں علم ضروری ہے اور تقلید کی گنجائش نہیں ہے بلکہ بندوں پر واجب ہے کہ دلیل کی بنیاد پر مذکورہ باتوں کا علم حاصل کریں[238] اور اسی طرح عمل اور دعوت کے باب میں بھی کچھ چیزیں

---

236) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (13)۔

237) ینظر: المحصول من شرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ بن محمد الغنیمان (13)، ناشر: دار ابن الأثیر، ط. الأولی 1429 ھجریۃ۔

238) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (14)۔

واجب عینی ہیں اور کچھ واجب کفائی ہیں اور انسان پر جو عمل اور جتنی دعوت واجب ہو گی، اتنا ہی صبر کرنا اس کے لئے واجب ہو گا۔[239]

مصنفؒ فرماتے ہیں: الأولی العلم، وھو معرفة اللہ و معرفة نبیه، و معرفة دین الإسلام بالأدلة

پہلا مسئلہ علم ہے اور اس کا مطلب ہے اللہ کی معرفت اس کے نبی کی معرفت اور دلیلوں کی بنیاد پر دین اسلام کی معرفت۔

پیچھے جو باتیں آئیں اس میں مصنفؒ نے بتایا کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم چار مسائل کے بارے میں علم حاصل کریں اور پھر یہاں پہلے مسئلہ کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ الاولی العلم پہلا مسئلہ علم ہے۔ یعنی ان چار مسائل میں سب سے پہلا واجب علم حاصل کرنا ہے۔ شریعت کا علم حاصل کرنا، پھر مصنفؒ مزید وضاحت کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ وہ کون سا علم ہے جو تمام انسانوں پر واجب ہے۔ وہ اللہ کی معرفت ہے جو اس نے اپنی کتاب میں ہمیں بتایا۔ اس کے رسول نے اس کے بارے میں ہمیں بتایا۔ اس کے

---

239) ینظر: المحصول من شرح ثلاثة الأصول، عبداللہ بن محمد الغنیمان (17، 19، 23)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (17-19)۔

افعال واسماء وصفات کے بارے میں۔ اور اس کے نبی کی معرفت ہے کہ وہ ہمارے اور اللہ رب العزت کے درمیان واسطہ ہیں ان چیزوں کے لئے جو وہ اللہ کی طرف سے ہمارے پاس لاتے ہیں۔ "ومعرفة دين الإسلام" اور دین اسلام کی معرفت جس کے لئے اس نے ہمیں پیدا کیا اور جس کے ذریعہ ہم اس کی عبادت کرتے ہیں یعنی قرآن وسنت سے دلیلوں کی بنیاد پر۔

اس بات میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس معاملہ میں تقلید کی کوئی گنجائش نہیں چنانچہ دلیلوں کو جاننا بھی ضروری ہے تاکہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے پاس جائے تو اس کو اپنے دین کے بارے میں بصیرت ہو۔ مذکورہ بالا چیزوں کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور ان باتوں سے لاعلمی بہت بڑا گناہ ہے کیوں کہ ان باتوں پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں جس کا اس کا علم نہ ہو۔

واجبی علم تین چیزوں پر محیط ہے۔:-

1. جس نے رسول کو بھیجا اس کی معرفت۔
2. جس کو بھیجا گیا اس کی معرفت۔
3. جو چیز بھیجی گئی اس کی معرفت۔

اور یہی وہ تینوں اصول ہیں جن پر مصنفؒ گفتگو کریں گے۔ پہلے مختصر طور پر اور پھر تفصیل کے ساتھ۔[240]

مصنفؒ کی مذکورہ بالا باتوں میں مندرجہ ذیل مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ: تفسیر العلم الواجب تعلمہ: (اس علم کی وضاحت جس کا حاصل کرنا واجب ہے۔)

مصنفؒ اس کی تعیین اور اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے نبی اور دلیلوں کی بنیاد پر دین اسلام کی معرفت ہے۔ چنانچہ اس سے مراد تمام علم شریعت نہیں ہے بلکہ مذکورہ تین چیزوں کی معرفت ہے[241] اور یہ بلاشبہ سب سے اشرف علم ہے۔ کیوں کہ یہ اللہ رب العزت، اس کی صفات و أفعال، اس کے دین اور اس کے

---

240) ینظر: شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراھیم آل الشیخ (49)؛ وشرح ثلاثۃ الأصول، د. صالح بن فوزان الفوزان (16)؛ وحصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (12)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ وأدلتھا، محمد بن مبارک الشرافي (13)، ناشر: دار العقیدۃ، الریاض، ط. الأولی: 1441 ھجریا۔

241) ینظر: شرح الأصول الثلاثۃ، عبد العزیز بن عبد اللہ الراجحي (11)؛ وشرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (14)۔

رسول کی معرفت پر مبنی ہے۔[242] بندہ اگر اپنے رب کو اپنے نبی کو اور دلیلوں کی بنیاد پر دین اسلام کو جان لے تو اس کا دین مکمل ہو جاتا ہے اور نفع بخش علم بھی وہی ہے جو انسان کو قیامت کے روز کامیابی سے ہمکنار کر سکے اور وہ یہی علم ہے جس کے ذریعہ بندہ معرفت الٰہی سے علم و بصیرت کی بناء پر اللہ کی عبادت کر سکتا ہے۔ اس کے نبی کے بارے میں جان کر صحیح طریقہ سے ان کی اتباع کر سکتا ہے اور دین اسلام کو جان کر اس پر عمل پیرا ہو سکتا ہے[243]۔

مذکورہ بالا تینوں چیزوں کی معرفت واجب عینی ہے جس کا علم حاصل کرنا ہر مکلف پر واجب ہے تاکہ وہ صحیح طریقہ سے دین پر عمل کر سکے اور اس کا علم حاصل کرنے کے واجب ہونے کی توجیہ یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں عبادت میں شامل ہے اور اللہ نے ہمیں عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اور اسی مقصد کے لئے ہم کو پیدا کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

----

242) مفتاح دار السعادة، لابن قيم الجوزية (214/1)۔

243) شرح الأصول الثلاثة وأدلتها، محمد بن مبارك الشرافي (13)۔

{يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (21)}[244]

ترجمہ: لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں اُن سب کا خالق ہے، تمہارے بچنے کی توقع اِسی صورت ہو سکتی ہے۔

اور فرمایا: {وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (56)}[245]

ترجمہ: میں نے جن اور انسانوں کو اِس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

اور عبادت کرنے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ پہلی یہ کہ معبود کا علم ہو جس کے لئے عبادت کرنی ہے اور وہ ذات باری ہے۔ دوسری چیز یہ کہ اس کے بارے میں اور اس کی عبادت کے سلسلہ میں جس نے ہمیں بتایا اس کا علم ہو کیوں کہ رسول کے بتائے بغیر انسان اپنی عقل سے یہ نہیں جان سکتا کہ اللہ کے ہمارے اوپر کیا حقوق واجب ہوتے ہیں بلکہ اس کے لئے دلیل اور رسول کی ضرورت ہے۔ تیسری چیز یہ کہ اس بات کا علم ہو کہ معبود کی

---

244) سورۃ البقرۃ: 21۔

245) سورۃ الذاریات: 56۔

عبادت کرنی کیسے ہے چنانچہ پہلی چیز معبود کا علم ہے اور وہ معرفت الٰہی ہے۔ دوسری چیز اس مبلغ کا علم ہے جس نے ہمیں معبود کے بارے میں بتایا اور وہ نبی کی معرفت ہے۔ تیسری چیز عبادت کیسے کی جائے اس کا علم ہے اور وہ دین کی معرفت ہے چنانچہ عبادت کے حکم میں ان تینوں اصولوں کو جاننے کا حکم بھی شامل ہے کیوں کہ اس کے بغیر عبادت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا چنانچہ کتاب و سنت میں جہاں بھی عبادت کا حکم ہے وہ ان تینوں اصولوں کی معرفت کا بھی حکم ہے۔[246]

مصنفؒ نے ان تینوں معرفتوں کو مخصوص اس لئے کیا ہے کیوں کہ یہ اسلام کے اصول ہیں جس کے بغیر اسلام قائم نہیں رہ سکتا اور یہ وہ باتیں ہیں جن کے بارے میں قبر میں سوال کیا جائے گا۔ جیسا کہ براء بن عازب کی حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "فيأتيه _أي المؤمن في قبره_ ملكان، فيجلسانه، فيقولان له: من ربك؟ فيقول: ربي الله، فيقولان له: ما دينك؟ فيقول: ديني الإسلام، فيقولان له: ما هذا الرجل الذي بعث فيكم؟ فيقول: هو رسول الله

---

246) تعليقات الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي على كتاب القول السديد فيما يجب لله تعالى على العبيد، لابن مانع (4). منشور على الشبكة العنكبوتية۔

صلى الله عليه وسلم، فيقولان له: وما علمك؟ فيقول: قرأت كتاب الله، فآمنت به وصدقت، فينادي مناد في السماء: أن صدق عبدي، فأفرشوه من الجنة، وألبسوه من الجنة، وافتحوا له بابا إلى الجنة"[247]

ترجمہ: مومن کی قبر میں دو فرشتے آتے ہیں، اس کو بٹھاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، تو اس سے کہتے ہیں کہ تمہارا دین کیا ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے،، تو اس سے کہتے ہیں کہ تمہارے پاس کس کو مبعوث کیا گیا تھا؟ تو وہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو، تو اس سے کہتے ہیں کہ یہ علم کہاں سے ملا؟ تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، اور اس پر ایمان لایا، اس کی تصدیق کی، تو وہ پکارے گا کہ میرے بندہ نے سچ کہا، اس کے لیے جنت میں فرش بچھاؤ، اس کو جنت کے کپڑے پہناؤ، اور اس کے لیے جنت کا دروازہ کھول دو۔

---

247) رواه الإمام أحمد في المسند برقم (14534)، وقال البيهقي في الشعب: (هذا حديث صحيح الإسناد)؛ وأورده المنذري في الترغيب والترهيب (5221)، وقال: حديث حسن، رواه محتج بهم في الصحيح. ينظر: الموسوعة الحديثية، مسند الإمام أحمد (503/30).

اور جب بندہ سے مرنے کے بعد ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو اس پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ان کے جوابات کا علم حاصل کرے[248] اور جو شخص ان اصولوں کو دلیلوں کے ساتھ جانتا ہوگا تو لازماً اس وقت ثابت قدم اور کامیاب ہوگا جب فرشتے اس سے قبر میں سوال کریں گے چنانچہ ان اصولوں کی اہمیت دو طرح سے سامنے آتی ہے:

دنیا میں: کیوں کہ انہیں اصولوں پر ثواب اور عقاب کا مدار ہے۔

قبر میں: کیوں کہ انہیں تینوں اصولوں کے بارے میں قبر میں سوال کیا جائے گا۔[249]

تیسرا مسئلہ: مصنف کے اس قول کے بارے میں کہ "الاولی العلم" پہلا مسئلہ علم ہے۔

مصنفؒ وضاحت کرتے ہیں کہ ان چاروں مسائل میں سے پہلا مسئلہ جس کا علم حاصل کرنا اور جس کو جاننا ہمارے اوپر واجب ہے وہ علم ہے اور علم سے مراد شریعت کا علم

---

248) ینظر: سلو الوصول إلى ثلاثة الأصول، عبد الهادي بن محمد عبد الهادي، تحقيق: د. حسن بن علي العواجي (32)، ناشر: مدار القبس للنشر والتوزيع، الرياض. ط. الأولى: 1439 هجريا۔

249) تعليقات الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي على كتاب القول السديد فيما يجب لله تعالى على العبيد، لابن مانع (5)، وهي عبارة عن مجموعة دروس علمية، فرغها: سالم بن محمد الجزائري، النسخة الإلكترونية الثانية۔

ہے کیونکہ جب بھی قرآن وسنت یا سلف صالح کی کتابوں میں صرف علم کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے مراد شریعت کا وہ علم ہوتا ہے جس کو حاصل کرکے انسان کو یہ پتہ چل سکے کہ اس کے اوپر دین کے کیا احکامات عائد ہوتے ہیں[250] اور وہ وہی علم ہے جو ہمارے نبی محمد ﷺ لے کر آئے تھے۔ ہدایت کی راہ دکھانے والا اور حق کا راستہ دکھانے والا دین۔

شریعت کے علم کی دو قسمیں ہیں :

(ا) پہلی قسم: علم کفائی: علم کفائی کا حصول امت کے صرف اتنے لوگوں پر واجب ہے جن کا اس علم کو حاصل کرنا امت کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کافی ہو۔ علم کفائی کا تعلق اس علم سے ہے جس کی حیثیت دین کے مکملات اور متممات کی ہے۔ علم کفائی کا حصول ہر مسلمان پر واجب نہیں ہے جیسے فقہ کے فروعی مسائل کا علم، علماء کے اقوال، ان کے درمیان اختلافات، دلیلوں کا تقابلی مطالعہ کا علم، چنانچہ اگر امت کے اتنے لوگ اس کو حاصل کرلیں جس سے ضرورت پوری ہوسکے تو باقی کے لئے اس کا حصول واجب نہیں سنت ہے۔

---

250) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (10)۔

(۲)دوسری قسم: علم عینی: علم عینی وہ علم ہے جس کا حصول ہر مکلف پر بذاتِ خود واجب ہوتا ہے تاکہ وہ صحیح طریقہ سے دین پر عمل کر سکے اور علم عینی وہ علم ہے جس کے بغیر انسان کا دین مکمل نہیں ہو سکتا۔ چاہے اس کا تعلق عقیدہ سے ہو یا اعمال و اقوال سے جیسے ایمان کے اصول، اسلام کے ارکان، وہ محرمات جس سے دور رہنا واجب ہے، وہ واجبات جس پر عمل کرنا واجب ہے اور وہ کام جن کے بغیر کوئی واجب کام مکمل نہ ہو سکے تو اس کو جاننا اور اس پر عمل کرنا بھی واجب ہو گا۔[251]

امام احمدؒ فرماتے ہیں: انسان کے لئے ضروری ہے کہ اتنا علم حاصل کرے جس کے بغیر اس کا دین مکمل نہیں ہو سکتا۔ ان سے پوچھا گیا وہ کون سا علم ہے؟ آپؒ نے فرمایا وہ علم جس سے لاعلمی نہیں اختیار کی جاسکتی جیسے نماز، روزہ وغیرہ کے مسائل کا علم۔[252]

واجبی علم کی حدود یہ ہیں کہ ہر وہ کام، ہر وہ عمل جس کو کرنا واجب ہے تو اس سے متعلق مسائل کا علم بھی واجب ہے کیونکہ اگر کوئی عمل واجب ہے تو لازم ہے کہ اس سے

---

251) ینظر: جامع بیان العلم وفضلہ، لابن عبدالبر: (31)؛ وحاشیة ثلاثة الأصول، لابن قاسم (10)۔

252) الفروع، لابن مفلح: (525/1)۔

پہلے اس عمل سے متعلق مسائل کا علم بھی واجب ہو۔[253] ابن القیمؒ فرماتے ہیں: "ایمان لانا ہر انسان پر فرض ہے اور ایمان علم و عمل کا مرکب ہے بلکہ ایمان کا وجود ہی ممکن نہیں ہے جب تک علم و عمل دونوں نہ پائے جائیں۔اسی طرح اسلام کے احکامات بھی ہر مسلمان پر واجب ہیں اور ان کی ادائیگی اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک اس کا علم نہ ہو۔"دوسری جگہ فرماتے ہیں: وہ علم جس کا حصول فرض کیا گیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں: ان میں سے پہلی قسم فرض عین ہے جس سے لاعلمی کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں اور اس کی کئی قسمیں ہیں:

(۱)پہلی قسم: ایمان کے پانچوں اصول کا علم، جو یہ ہیں: اللہ پر،اس کے فرشتوں پر،اس کی کتابوں پر،اس کے رسولوں پراور قیامت کے دن پر ایمان جوان پانچوں پر ایمان نہ لائے گا اس کا ایمان قابل قبول نہ ہوگا۔نہ ہی وہ مؤمنین کے ضمرہ میں شمار کیا جائے گا اور ان اصولوں پر ایمان لانے کے لئے ان کی معرفت اوراس کا علم ہونا ضروری ہے۔

---

253)فوائد من تقریرات الشیخ صالح بن عبداللہ العصیمي،علی شرح ثلاثۃ الأصول،للعلامۃ الشیخ عبدالعزیز ابن باز،مفرّغ ومنشور علی الشبکۃ العنکبوتیۃ۔

(۲)دوسری قسم: اسلامی احکامات کا علم: ان میں سے ضروری ان اعمال کا علم ہے جن کا تعلق بندہ کی عبادتوں سے ہے جیسے وضو، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور ان کی شرطوں اور ان سے متعلق چیزوں کا علم۔

(۳)پانچوں محرمات کا علم: جن پر تمام رسولوں، شریعتوں اور آسمانی کتابوں کا اتفاق ہے اور وہ اللہ کے اس فرمان میں مذکور ہیں۔ ارشاد باری ہے: { قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (33)}[254]

ترجمہ: اے محمدؐ، اِن سے کہو کہ میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ تو یہ ہیں: بے شرمی کے کام خواہ کھلے ہوں یا چھپے اور گناہ اور حق کے خلاف زیادتی اور یہ کہ اللہ کے ساتھ تم کسی کو شریک کرو جس کے لیے اُس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور یہ کہ اللہ کے نام پر کوئی ایسی بات کہو جس کے متعلق تمہیں علم نہ ہو۔

(۴)معاشرت اور ایک دوسرے سے معاملات کرنے کے احکام، اس قسم کے احکام ایک دوسرے کے احوال اور ان کے کام کی نسبت واجب ہوتے ہیں۔ چنانچہ جو تجارت کرتا ہے

---

(254)سورۃ الأعراف: 33۔

اس پر تجارت سے متعلق احکامات کا علم حاصل کرنا واجب ہے۔ جو امام ہے اس پر اس سے متعلق احکامات کا علم حاصل کرنا واجب ہے۔[255]

چوتھا مسئلہ: مصنفؒ کی علم کی تفسیر معرفت سے کرنے کی وجہ۔

لغت میں معرفت کہتے ہیں انکار کی ضد کو، اس کے معنی ہیں سکون واطمینان۔[256]

معرفت کو معرفت اس لئے کہا جاتا ہے کہ کیوں کہ معانی واضح اور ثابت ہو جانے کے بعد دل کو سکون واطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور جس چیز کے معانی واضح نہیں ہوتے انسان کا نفس اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے[257] اور علم کے بارے میں بھی معرفت کا یہی معنی ہے کیونکہ علم کے حاصل ہو جانے سے اس کے معانی و مدلولات ثابت ہو جاتے ہیں اور دل مطمئن ہو جاتا ہے چنانچہ جس کو کسی چیز کا علم حاصل ہو گیا گویا اس کو اس کی معرفت

----

255) مفتاح دار السعادة ومنشور ولاية العلم والإرادة (1/442-444)، تحقیق: عبد الرحمن بن حسن بن قائد، مطبوعات مجمع الفقه الإسلامي، ناشر: دار عالم الفوائد، ط. الأولى: 1432 ھجریہ۔

256) ینظر: معجم مقاییس اللغة، لابن فارس (732)۔

257) المعرفة في الإسلام مصادرها ومجالاتها، د. عبد الله بن محمد القرني (15)، ناشر: دار عالم الفوائد، الطبعة الأولى (1419) ھجریہ۔

حاصل ہوگئی اور جس کو معرفت حاصل ہوگئی اس کو علم حاصل ہوگیا۔ اسی لئے اہل لغت معرفت کی وضاحت علم سے کرتے ہیں اور علم کی وضاحت معرفت سے کرتے ہیں۔ [258]معرفت مخلوق کے بارے میں اکثر جگہوں پر علم کے مترادف ہے لیکن اللہ رب العزت کے بارے میں مترادف نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت کے لئے علم کی صفت بیان کی جائے گی نہ کہ معرفت کی کیونکہ کسی چیز کے علم سے پہلے اس سے متعلق لا علمی کا ہونا ضروری نہیں ہے لیکن معرفت سے پہلے اس چیز سے لا علمی کا ہونا ضروری ہے کیوں کہ کسی چیز کی معرفت سے پہلے اس سے متعلق اس چیز سے لا علمی ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے لئے علم کی صفت بیان کی جائے گی نہ کہ معرفت کی صفت۔ [259] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض مقامات پر علم کا استعمال کرنا معرفت کے استعمال کرنے سے زیادہ مناسب ہوتا ہے

----

258) جاء في لسان العرب (236/9): "العرفان: العلم"؛ وفي اللسان أيضًا (417/12): "علمت الشيء أعلمه علماً: عرفته".

259) قال ابن القيم في بدائع الفوائد (486/2): الفرق بين إضافة العلم إليه سبحانه وتعالى وعدم إضافة المعفة لا ترجع إلى الإفراد والتركيب في متعلق العلم، وإنما ترجع إلى نفسم المعرفة ومعناها، فإنها في مجاري استعمالها إنما تستعمل فيما تسبق تصوره خفاء من نسيين أوذهول أوعزوب عن القلب، فإذا تصوّره وحصل في الذهن قيل: عرفه.

کیوں کہ لفظ معرفت کا استعمال قرآن میں زیادہ تر مذموم چیز کے لئے آیا ہے کیوں کہ معرفت کے بعد اس سے انکار کا ذکر ہوا ہے۔ لیکن لفظ علم کا استعمال مدح کے طور پر کیا گیا ہے اور یہاں پر مصنفؒ نے علم کی وضاحت معرفت سے کی ہے اور اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہوا ہے۔ ارشاد باری ہے: {الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (146)}[260]

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اِس مقام کو (جسے قبلہ بنایا گیا ہے) ایسا پہچانتے ہیں، جیسا اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں مگر ان میں سے ایک گروہ جانتے بوجھتے حق کو چھپا رہا ہے۔

پہلے کہا "یعرفون أبناءهم" پھر کہا "وهم يعلمون "معرفت کی تصدیق اور اس کے بارے میں علم سے وضاحت کی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں ایک معنی میں استعمال ہوتے ہیں؟ چنانچہ معرفت کا استعمال جیسا کہ مصنفؒ نے یہاں کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے کیوں کہ اس معنی میں معرفت کا استعمال قرآن نے بھی کیا ہے۔ اگرچہ قرآن میں معرفت کا زیادہ استعمال مذموم معنی میں کیا گیا ہے۔[261]

---

260) سورة البقرة: 146۔

261) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (54-55)۔

علم و معرفت دونوں اسم ایک ہی معنی کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور اس کا معنی ہے کسی چیز کے بارے میں اس کی حقیقت کو جاننا، اس پر یقین کرنا اور اس سے متعلق شکوک و شبہات کا ختم ہو جانا[262] حالانکہ علم و معرفت میں فرق کیا جاسکتا ہے لیکن عملی طور پر دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔اس چیز کے لئے جس کے معانی انسان پر واضح ہو جائیں۔اس کے دل کو اطمینان ہو جائے اور یہی علم و معرفت کی حقیقت ہے چنانچہ علم کی وضاحت معرفت سے اور معرفت کی وضاحت علم سے کرنے میں کوئی مسئلہ یا کوئی حرج نہیں ہے۔[263] اگرچہ ان دونوں الفاظ کے اپنے الگ الگ معانی بھی ہیں کیوں کہ دراصل عربی زبان میں مکمل مترادف پایا ہی نہیں جاتا ہے بلکہ مختلف الفاظ اصل معنی میں ایک دوسرے سے متشابہ اور قریب ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ہر لفظ کا اپنا الگ اور خاص معنی بھی ہوتا ہے۔[264] چنانچہ باوجود اس کے کہ علم و معرفت عملی طور پر ایک ہی معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور وہ ہے کسی چیز کا ادراک لیکن معرفت علم کے بالمقابل زیادہ، معنی کے

----

262) الفصل في الملل والأهواء والنحل، لابن حزم (68/5)۔

263) المعرفة في الإسلام مصادرها ومجالاتها، د. عبدالله بن محمد القرني. (16)۔

264) الأجوبة والبحوث والدراسات المشتملة عليها الدروس العلمية، صالح آل الشيخ (376/8)۔

لحاظ سے زیادہ مخصوص طور پر استعمال ہوتا ہے، کیونکہ معرفت کا استعمال کسی چیز کی ذات کے علم کے بارے میں ہوتا ہے۔اس سے متعلق دوسری چیزوں کے برخلاف لیکن علم کا استعمال کسی چیز کے بارے میں مجمل اور مفصل طور پر ادراک کے لئے ہوتا ہے چنانچہ لفظ معرفت کا استعمال ایک چیز کو دوسری چیز سے ممیز اور الگ ثابت کرنے کے لئے کیا جاتا ہے اور لفظ علم کا استعمال اس مقصد سے نہیں ہوتا ہے الا یہ کہ کسی اور طریقہ سے معلوم ہوئی چیز کو مخصوص کیا جائے[265] چنانچہ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے کتنی باریکی سے الفاظ کا استعمال کیا ہے چنانچہ انہوں نے علم کے بجائے یہاں معرفت کا لفظ اختیار کیا۔

ابن عباسؓ کی حدیث میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو ان سے کہا کہ " «إنك تقدم على قوم أهل كتاب، فليكن أول ما تدعوهم إليه عبادة الله، فإذا عرفوا الله، فأخبرهم أن الله قد فرض عليهم خمس صلوات في يومهم وليلتهم، فإذا فعلوا، فأخبرهم أن الله

---

265) ینظر: الفروق اللغوية لأبي هلال العسكري (93)۔

فرض عليهم زكاة من أموالهم وترد على فقرائهم، فإذا أطاعوا بها، فخذ منهم وتوق كرائم أموال الناس»[266]۔

ترجمہ: دیکھو! تم ایک ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب (عیسائی یہودی) ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے انہیں اللہ کی عبادت کی دعوت دینا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں (یعنی اسلام قبول کرلیں) تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ اسے بھی ادا کریں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض قرار دی ہے جو ان کے سرمایہ داروں سے لی جائے گی (جو صاحب نصاب ہوں گے) اور انہیں کے فقیروں میں تقسیم کردی جائے گی۔ جب وہ اسے بھی مان لیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کرنا۔ البتہ ان کی عمدہ چیزیں (زکوٰۃ کے طور پر لینے سے) پرہیز کرنا۔

امام ابن القیمؒ علم اور معرفت میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علم اور معرفت کے درمیان معانی کے لحاظ سے تین فرق ہیں: پہلا فرق یہ ہے کہ معرفت علم کا خلاصہ اور اس کا لب لباب ہے۔ علم کی معرفت سے نسبت ویسی ہی ہے جیسی نسبت ایمان کی

---

266) رواہ البخاري: کتاب الزکاۃ، باب: لا تؤخذ کرائم أموال الناس في الصدقة، برقم (1458)؛ ورواہ مسلم، کتاب: الإیمان، باب الدعاء إلی الشھادتین وشرائع الإسلام، برقم (31)۔

احسان سے ہے۔ معرفت علم خاص ہے۔ اس کے متعلقات علم کے متعلقات سے زیادہ باریک اور دقیق ہوتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ معرفت وہ علم ہے جس کا جاننے والا اس کے مقتضیٰ کے مطابق اس کی رعایت کرتا ہے چنانچہ معرفت کے علم کے ساتھ رعایت متصل ہوتی ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ معرفت بذات خود اپنے اوپر شاہد ہوتا ہے۔ اس کا تعلق ان وجدانی معاملات سے ہے جن کا ماننے والا نہ تو اس میں شک کر سکتا ہے نہ اس سے پیچھے ہٹ سکتا ہے۔ معرفت کا کشف علم کے کشف سے زیادہ مکمل ہوتا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ [267]ابن القیمؒ دوسری جگہ فرماتے ہیں:- اس فن کے ماہرین کے نزدیک علم اور معرفت میں یہ فرق ہے کہ:

معرفت ان کے نزدیک وہ علم ہے جس کا جاننے والا اس کے مقتضیٰ کے مطابق عمل کرے۔ اس کے جو لوازمات ہیں ان کا بھی خیال رکھے اور ان کی ادائیگی کرے۔ چنانچہ وہ معرفت کو صرف علم کی حد تک محدود نہیں رکھتے ہیں بلکہ لفظ معرفت کا استعمال اس شخص کے لئے کرتے ہیں جو اللہ رب العزت کے بارے میں علم رکھنے کے ساتھ ساتھ اس راہِ ہدایت کو بھی جانتا ہو جو اللہ تک پہنچا سکے۔ اس راستہ میں آنے والی آفتوں اور رکاوٹوں کو جانتا ہو۔ اللہ

---

267) مدارج السالکین (472/2)۔

کے بارے میں اس کے اعمال ایسے ہوں جو اس کی معرفت الٰہی کی گواہی دیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک ”عارف“ وہ شخص ہے جو اللہ رب العزت کو اس کے اسماء وصفات اور اس کے افعال کا عارف ہو۔ اپنے معاملات کے ذریعہ اللہ کی معرفت کی تصدیق کرے۔ اپنے اعمال کو صرف اسی کے لئے خالص کردے۔ اپنی نیتوں کو اپنے مقاصد کو رضائے الٰہی کے لئے خاص کردے۔ برے اخلاق و کردار کو ترک کردے، اپنے نفس کی برائی اور گندگی سے اپنے آپ کو پاک کرے، اچھے اور برے ہر حال میں اللہ کے احکام پر صبر واستقامت کے ساتھ ڈٹا رہے۔ اس راہ ہدایت کی طرف دلیلوں کی بنیاد پر بصیرت کے ساتھ لوگوں کو دعوت دے۔ صرف اور صرف اس دین کی دعوت دے جو اللہ کے رسول لے کر آئے تھے۔ اس کی اس دعوت میں دوسرے لوگوں کے خیالات افکار اور مزاج کا ذرہ بھی دخل نہ ہو۔ رسول جو دین لے کر آئے تھے اس کے بالمقابل وہ کسی چیز کو اہمیت نہ دے۔ یہ وہ شخص ہے جو حقیقت میں اسم ”عارف“ کا مستحق ہے۔ باقی دوسرے لوگوں کے لئے اس کا استعمال مجازاً اور استعارہ کے طور پر ہوتا ہے۔[268]

پانچواں مسألہ: مصنفؒ فرماتے ہیں "وھو معرفۃ اللہ" وہ اللہ کی معرفت ہے۔

---

268) المصدر السابق (316/3)۔

واجبی علم کی وضاحت کرتے ہوئے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ وہ اللہ رب العزت کی معرفت ہے یعنی بندہ اپنے رب کو اس کے اسماء وصفات کو اس کی الوہیت وربوبیت کو اس طرح جانے کہ وہ اس کو صرف اور صرف اللہ کی عبادت کرنے پر مجبور کردے۔اس کا دل اللہ سے تعلق رکھے۔ وہ اس کے علاوہ کسی کو نہ پکارے۔نہ تو اس کے علاوہ کسی کی عبادت کرے نہ اس کے علاوہ کسی پر توکل کرے اور یہ سب سے اشرف علم ہے۔اس علم کا حامل اپنے رب سے سب سے زیادہ خشیت رکھتا ہے۔چنانچہ یہ علم جب دل ودماغ میں راسخ ہو جاتا ہے تو انسان کو اللہ کی خشیت اور اس کی تعظیم پر مجبور کردیتا ہے۔[269] اللہ کے رسول محمد ﷺ کا ارشاد ہے: «والله، إني لأرجو أن أكون أخشاكم لله، وأعلمكم بما أتقي»[270]

ترجمہ: خدا کی قسم میری خواہش ہے کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے خشیت رکھنے والا رہوں، اور جن چیزوں سے بچنا ہے اس کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا رہوں۔

----

269) شرح الأصول الثلاثة، أحمد بن محمد الصقعوب (10)، ناشر: دار العقيدة، ط. الأولى: 1439 هجریا۔

270) أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب: الصيام، باب: صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب، برقم: (1110)۔

یہ علم بڑا ہی عظیم ہے۔اسلاف ایک دوسرے کو اس علم کو حاصل کرنے کی نصیحت کرتے تھے کیونکہ اس علم کا تعلق اللہ رب العزت سے ہے۔[271]

چھٹا مسألۃ: مصنفؒ فرماتے ہیں" ومعرفۃ دین الِاسلام بالأدلۃ"اور دلیلوں کی بنیاد پر دین اسلام کی معرفت۔

أدلۃ دلیل کی جمع ہے۔ وہ دلالۃ سے فعیل کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے، جس کا مطلب ہے صحیح راستہ دکھانا، چنانچہ دلیل اس کو کہتے ہیں جو اصل مطلوب کی طرف جانے اور اس کو حاصل کرنے کا راستہ بتائے دلیلوں کی قید سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جو جانکاری دلیل پر مبنی نہیں ہوگی وہ دراصل علم نہیں کہلائے گی۔[272]اس فن کے لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ علم اس معرفت کو کہتے ہیں جو دلیلوں کی بنیاد پر حاصل ہو اور اگر دلیل نہ ہو تو وہ علم نہیں بلکہ تقلید ہوگی۔[273]چنانچہ حق کو دلیلوں کی بنیاد پر جاننا ضروری ہے۔

---

271)شرح الأصول الثلاثۃ، أحمد بن محمد الصقعوب(11)۔

272)شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبدالعزیز الریس۔

273)أعلام الموقعین عن رب العالمین، لابن قیم الجوزیۃ(11/1). تحقیق: محمد أجمل الِاصلاحي، ناشر: دار عالم الفوائد، ط. الأولى: 1437ھجریا۔

مصنفؒ کی اس بات سے تقلید اور مقلدوں کی ذم کی طرف اشارہ ملتا ہے کیونکہ انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دین کو دلیلوں کی بنیاد پر جانے، دین کے سلسلہ میں اس کے پاس مضبوط حجتیں ہوں۔ جن چیزوں پر اعتقاد رکھنا ہے ضروری ہے ان کو بذاتِ خود دلیلوں کے ذریعہ جانا جائے اور اس باب میں تقلید نہ کی جائے۔ گویا مصنفؒ کہتے ہیں کہ دین اسلام کی معرفت جو کہ تقلید کے بغیر ہو،[274] چنانچہ انسان کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ ان اصولوں کو اس طرح سیکھے کہ وہ اس کو ان اصولوں کے مطابق عمل کرنے پر ابھارے۔ ان اصولوں پر اس کو مکمل یقین حاصل ہو جائے اور وہ لوگوں کی دیکھا دیکھی ان کی تقلید کرنے پر مجبور نہ ہو۔[275]

پہلا قول: دلیلوں سے مراد صرف شرعی دلیلیں ہیں جو یہ ہیں: کتاب، سنت، اجماع۔ اور دلیلوں کی بنیاد پر دین اسلام کی معرفت کا مطلب ہے کہ بندہ اللہ کو اس نے نبی اور اس کے دین کو اللہ کے اور اس کے رسول کے کلام سے جانے، نہ کہ مختلف آراء اور فلاں و فلاں کے

---

274) شرح الأصول الثلاثة، فهد بن محمد الغفيلي (6). منشور على الشبكة العنكبوتية۔

275) المحصول من شرح ثلاثة الأصول، عبد الله بن محمد الغنيمان (71)۔

اقوال سے۔ چنانچہ اس باب میں صرف قرآنی آیات اور احادیث نبویہ ہی کو دلیل کی حیثیت حاصل ہے۔[276]

دوسرا قول: دلیل سے یہاں مراد صرف قرآن حدیث صحابہ کا قول اجماع اور قیاس مراد نہیں ہے بلکہ دلیل کا مطلب یہاں اس سے زیادہ وسیع ہے۔[277] مصنفؒ نے لفظ الأدلہ کا استعمال ال کے ساتھ کیا ہے۔ جو استغراق کے معنی میں ہے چنانچہ دلیل سے مراد ہر وہ دلیل ہے جو اس باب میں دلیل بن سکے۔[278] یعنی ان تینوں چیزوں کا علم شرعی اور عقلی

----

276) شرح ثلاثة الأصول، عبد العزيز بن عبد الله ابن باز (22)؛ وينظر: حاشية ثلاثة الأصول: عبد الرحمن بن محمد بن قاسم (11)؛ وشرح ثلاثة الأصول، د. محمد أمان الجامي (23)؛ وشرح الأصول الثلاثة، صالح بن فوزان الفوزان (23)، وتيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (12). وحصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله بن صالح الفوزان (16)، وإتحاف العقول بشر الثلاثة الأصول، عبيد بن عبد الله الجابري (9)، ناشر: دار الميراث النبوي، الجزائر، ط. الثالثة: 1436 هجريا۔

277) شرح ثلاثة الأصول: صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (14)۔

278) التعليق المأمول على ثلاثة الأصول، إعداد: أ. د. عبد الرحمن بن عبد العزيز السديس (104) ناشر: دار المأثور ط. الأولى: 1438 هجريا۔

دونوں طرح کی دلیلوں سے،[279] دلیل سمعی بھی ہوسکتی ہے جو کہ کتاب وسنت میں مذکور ہو اور عقلی بھی ہوسکتی ہے جو تأمل و تفکر کے نتیجہ میں حاصل ہو۔[280]

وہ دلیلیں جو توحید، دین اور رسالت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم ان دلیلوں کی ہے جن کا تعلق خلقت کے مشاہدہ اور اس پر تامل و تفکر سے ہے۔ دوسری قسم ان دلیلوں کی ہے جو سمعی ہیں جن کی تلاوت کی جاتی ہے اور ان کو پڑھا جاتا ہے۔ خلقت کے مشاہدہ اور نظر و تأمل کی دلیلوں سے مراد آسمان و زمین کی وہ نشانیاں ہیں جن کی طرف اللہ رب العزت نے توجہ دلائی ہے جن میں سے کچھ کا تعلق عالم بالا سے اور کچھ کا تعلق عالم سفلی سے ہے جو تصدیق کرتی ہیں، اس چیز کی جو رسول ؐ لے کر آئے، تلاوت کی جانے اور پڑھی جانے والی سمعی دلیلوں سے مراد وہ دلیلیں ہیں جو کتاب و سنت کی شکل میں بذریعہ وحی ثابت ہیں اور دین اسلام کی صحت کو ثابت کرنے کے لئے ان دونوں طرح کی دلیلوں کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اس کے لئے خلقت پر تأمل و تفکر اور ان کے مشاہدہ

----

(279) شرح الأصول الثلاثة وأدلتها، محمد بن مبارك الشرافي.(13)۔

(280) حاشية على رسالة ثلاثة الأصول، طالب الكثيري (3)۔

کے ذریعہ بھی اور سمعی دلیلوں کے ذریعہ بھی اس دین کی صحت کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔اس کو واضح کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ مصنفؒ کے قول میں کہ چنانچہ دلیوں کی بنیاد پر دین اسلام کی معرفت میں عقلی اور سمعی و نقلی دونوں طرح کی دلیلیں مراد ہیں۔[281] اس میں کوئی شک نہیں کہ معرفت الٰہی کے لئے سب سے عظیم دلیل خود اس کا اور اس کے رسول ﷺ کا کلام ہے[282] اور یہ سمعی اور شرعی دلیلیں اس باب میں عقلی دلیلوں پر فوقیت رکھتی ہیں۔[283]

---

281) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح(39)؛ والتعليق المأمولا على ثلاثة الأصول، إعداد: أ. د. عبد الرحمن بن عبد العزيز السديس (104)؛ وينظر: شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (19،21)؛ والمحصول من شرح ثلاثة الأصول، عبد الله الغنيمان(120)؛ وإفادة المسؤول عن ثلاثة الأصول، عبد الله بن صالح القصير (11)؛ وشرح الشيخ د. عبد الله بن عبد العزيز العنقري على ثلاثة الأصول وأدلتها (6)، ضمن برنامج التعليم الميسر المستوى الأول لعام: 1436 هجريًا۔

282) تنبيه العقول إلى كنوز ثلاثة الأصول، تأليف: د. عبد الرحمن بن سليمان الشمسان (542/2)، ناشر: دار العقيدة، ط. الأولى: 1437 هجريًا۔

مصنفؒ کے قول ''الأدلۃ'' کا تعلق بندہ کی اپنے رب اور اس کے نبی اور اس کے دین تینوں باتوں کی معرفت سے ہے۔ الأدلۃ کا تعلق صرف دین اسلام کی معرفت سے ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں۔

(۱) الأدلۃ کا تعلق دین اسلام کی معرفت سے ہے کیوں کہ لغت کا قاعدہ یہ ہے کہ ضمیر اپنے اقرب مذکور کی طرف لوٹتی ہے۔ خاص کر اس لئے بھی کہ مصنفؒ نے اللہ اور اس کے رسول کی معرفت کا ذکر لفظ الأدلۃ کے بغیر کیا ہے اور جب تیسری بات کا ذکر کیا تو اس کو الأدلۃ کے ساتھ مقید کر دیا۔ چنانچہ مصنفؒ لکھتے ہیں اور وہ ہے دلیلوں کی بنیاد پر دین اسلام کی معرفت چنانچہ الأدلۃ کا استعمال انہوں نے دین اسلام کی معرفت کے ساتھ کیا۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے، جو کہ زیادہ مضبوط ہے کہ الأدلۃ کی ضمیر کا تعلق پہلے مذکور تینوں چیزوں سے ہے۔ چنانچہ اس جملہ کا یہ مطلب ہوگا کہ اللہ کی معرفت دلیلوں کی بنیاد پر، اس

---

283) بلوغ المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عصام بن أحمد مامی (27)، ناشر: دار اللؤلؤۃ، بیروت، ط. الأولی: 1434 ھجریا۔

کے نبی کی معرفت دلیلوں کی بنیاد پر اور دین اسلام کی معرفت دلیلوں کی بنیاد پر،[284] چنانچہ مذکورہ تینوں باتوں کی معرفت دلیلوں کی بنیاد پر ہونا ضروری ہے۔

دراصل اس اختلاف سے کوئی خاص اثر مرتب نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ الأدلۃ کا تعلق صرف دین اسلام کی معرفت سے ہو یا تینوں باتوں سے، اس میں کوئی فرق نہیں ہے کیوں کہ دین اسلام کی معرفت اس سے پہلے مذکورہ باتیں بھی شامل ہیں۔ اگرچہ زیادہ مضبوط رائے یہ ہے کہ بالادلۃ میں مذکور جار و مجرور کا تعلق تینوں باتوں سے ہے نہ کہ صرف تیسری بات سے۔ مصنفؒ کے جار و مجرور کو دین اسلام کی معرفت کے ساتھ ذکر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا تعلق صرف اسی سے ہے لیکن چونکہ دین اسلام کی معرفت کی فروعات زیادہ ہیں، اس لئے الأدلۃ" جار و مجرور" کا ذکر اس کے ساتھ کرنا زیادہ مناسب تھا۔ اگرچہ تینوں چیزوں کی معرفت کے دلیلوں کا ہونا ضروری ہے۔[285]

ساتواں مسألۃ: عقیدہ کے باب میں تقلید:

---

284) الشرح الصوتي: (تعليقات على ثلاثة الأصول)، صالح العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1437 هجريا؛ وينظر: التعليق المأمول على ثلاثة الأصول، إعداد: عبد الرحمن السديس (103)۔

285) ينظر: تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (5)۔

اہل سنت والجماعت کا یہ مذہب ہے کہ عقیدہ کے باب میں دوسروں کی تقلید کرنے والے کا ایمان بھی صحیح ہوگا، یعنی اگر اس کو عقیدہ کے مسائل میں مکمل یقین ہے اور کسی طرح کا کوئی شک وشبہ نہیں ہے تو دلیلوں کی معرفت کے بغیر بھی اس کا ایمان صحیح ہوگا۔[286] چنانچہ جس نے دین اسلام پر مکمل طور پر یقین کیا اور اس سلسلہ میں اس کے دل میں کوئی شک وشبہ نہ رہا تو اس کے لئے یہ کافی ہے اور دلیلوں کی معرفت اس کے اوپر واجب نہیں ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے بعض شارحین نے مصنفؒ کے اس قول پر کہ دلیلوں کی بنیاد پر دین اسلام کی معرفت، سوال اٹھایا، اس سوال کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایک عام آدمی دلیلوں تک نہیں پہنچ سکتا۔[287] چنانچہ اس کو اس بات کا مکلف کرنا کہ وہ دلیلوں کو سمجھے اور اس تک رسائی کرے۔ اس کو اس بات کا مکلف کرنا ہے جسکی اس کے اندر

---

286) ینظر: لوامع الأنوار البهية، للسفاريني (736/1)، ناشر: دار التوحيد، ط. الأولى: 1437 هجريا؛ وشرح العقيدة السفارينية، للعثيمين (307)؛ والتقليد في باب العقائد وأحكامه، د. ناصر الجديع (110)۔

287) شرح ثلاثة الأصول، خالد بن عبد العزيز الباتلي (22)؛ وينظر: شرح ثلاثة الأصول، د. عبد العزيز الريس (11)؛ والتعليق المأمول على ثلاثة الأصول، إعداد: أ. د. عبد الرحمن السديس (103)۔

استطاعت نہیں ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ کو لیکر اس کے شارحین کی اس بات کی وضاحت اور اس مقصد متعین کرنے کے سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں:

(۱) پہلا قول: مصنفؒ کی اس بات کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو عوام الناس کو اللہ اس کے نبی اور اس کے دین کی معرفت کے بارے میں علم دیتے ہیں تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو دلیلوں کے ذریعہ سمجھائے تاکہ ان کو یقین حاصل ہو جائے چنانچہ عوام الناس پر دلیلوں تک پہنچنا اور ان کو یاد رکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس پر یہ واجب ہے کہ ان باتوں پر اس کو مکمل یقین ہو۔ شک وشبہ کی اس کے دل میں کوئی گنجائش نہ ہو۔[288]

(۲) دوسرا قول: أدلة کا تعلق متعلم کی حیثیت کے حساب سے ہوگا۔ اگر وہ عامی ہے تو اس کے لئے بطور دلیل کسی مجتہد اور موثوق کا قول ہی کافی ہے اور اگر وہ مجتہد ہے تو اس کے لئے بطور دلیل قرآن وسنت اور باقی دوسری شرعی دلیلوں سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔ عامی کے لئے کسی موثوق عالم دین کی اتباع کرنا ہی دلیل کی اتباع کرنا ہے کیوں کہ عوام الناس کے لئے عالم دین کا قول دلیل کا درجہ رکھتا ہے۔ گویا مصنفؒ کہہ رہے ہیں کہ ایک عالم دین کے

---

288) شرح ثلاثة الأصول، خالد بن عبد العزيز الباتلي (22)۔

لئے ضروری ہے کہ وہ دین اسلام کی معرفت شریعت کی دلیلوں کی بنیاد پر حاصل کرے اور عوام الناس کے لئے عالم دین کا قول ہی بطور دلیل کافی ہے۔[289]

(۳)تیسرا قول: مصنفؒ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دلیلوں کے ذریعہ علم حاصل کرنا ہر انسان پر واجب ہے اس طرح سے کہ جس نے یہ دلیلیں ڈائرکٹ قرآن و حدیث سے نہیں سیکھیں وہ گناہگار ہوگا بلکہ مصنفؒ کی بات یہ ہے کہ

ا)ہر مسلمان مرد و عورت پر اگر وہ طلب علم کی استطاعت رکھتا ہے دلیلوں کی معرفت اور اس پر فکر وتامل پر قادر ہے تو اس پر واجب ہے، چنانچہ وجوب کے اس حکم سے عوام الناس مستثنٰی ہیں۔اسی طرح وہ عجمی لوگ بھی مستثنٰی ہیں جو دلیلوں کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔[290] چنانچہ مصنف کا یہ کہنا کہ دلیلوں کی بنیاد پر دین اسلام کا علم حاصل کرنا اس کا تعلق طالب علم سے ہے چنانچہ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دلیلوں کی بنیاد پر احکامات کا علم

---

289)شرح ثلاثة الأصول، د. عبد العزيز الريس (12،69)۔

290)التعليق المأمول على ثلاثة الأصول، إعداد: أ.د. عبد الرحمن بن عبد العزيز السديس (108)۔

حاصل کریں جہاں تک عامۃ الناس کی بات ہے تو ان پر واجب نہیں ہے کہ احکامات و مسائل کی دلیلوں تک پہنچیں اور اس کا قصد کریں کیونکہ وہ اس پر قادر نہیں ہیں۔[291]

۲)وجوب سے مصنفؒ کا مقصود وہ اعمال ہیں جو فرض عین ہیں۔جن کی ادائیگی کے لئے کتاب و سنت کے نصوص کی معرفت ضروری ہے[292] اور اس الأدلۃ سے ان کی مراد ہے دلیلوں کو اور ان کی دلالت کو سمجھنا چنانچہ وہ شخص توحید کا اقرار ہی نہیں کر سکتا جس کو اس کا مطلب نہ پتہ ہو، جس کو عبادت کے معانی نہ پتہ ہوں وہ عبادت نہیں کر سکتا اور جس کو شرک کا مطلب نہیں پتہ ہو وہ اس سے بچ نہیں سکتا۔[293]

ایسا معلوم ہوتا ہے،-واللہ اعلم- کہ مصنفؒ کی بات پر جو اشکال اٹھایا گیا تھا وہ دراصل کوئی اشکال ہی نہیں تھا کیونکہ مصنفؒ نے دلیل کی معرفت کو واجب قرار دیا ہے۔اس کو ایمان

---

291)شرح الشيخ د. عبدالله بن عبدالعزيز العنقري على ثلاثة الأصول وأدلتها(6-8) ضمن برنامج التعليم الميسر المستوى الأول: لعام 1436 هجريا۔

292)التعليق المأمول على ثلاثة الأصول،إعداد: أ.د. عبدالرحمن بن عبدالعزيز السديس (108)۔

293)المصدر السابق۔

کی صحت کی شرط نہیں بتایا ہے۔[294] دلیل کی معرفت اس پر واجب ہو گی جو دلیلیں سمجھ سکتا ہو اس سے استدلال کر سکتا ہو۔ چنانچہ ایک عامی جو دلیل نہ جانتا ہو یا دلیل سمجھ نہیں سکتا ہو لیکن اللہ کی وحدانیت کا عقیدہ رکھتا ہو اور اس بات کا قائل ہو کہ اللہ کے علاوہ جن چیزوں کی عبادت کی جارہی ہے وہ باطل ہے تو وہ مکمل مسلمان ہو گا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص دین اسلام پر مکمل یقین رکھتا ہو جس میں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو تو یہ اس کے لئے کافی ہے کیوں کہ پیارے نبی ﷺ نے فرمایا: "أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله ويؤمنوا بي وبما جئت به"

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا کہ میں قتال کروں لوگوں سے یہاں تک کہ وہ شہادت دیں کہ "لا إله إلا الله"، اور مجھ پر ایمان لائیں اور اس چیز پر جو میں لے کر آیا ہوں۔

اس حدیث سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ نبی ﷺ جو دین لے کر آئے اس کی تصدیق کرنا کافی ہے کیونکہ حدیث میں معرفت کو دلیل کی بنیاد پر جاننے کی شرط نہیں ہے۔[295]

---

(294) شرح ثلاثة الأصول، د. عبد العزيز الريس (13)۔

(295) ينظر: شرح النووي لصحيح مسلم (210/1)؛ والفصل في الملل والأهواء والنحل، لابن حزم (44/4)؛ وشرح العقيدة السفارينية، لابن عثيمين (306)؛ وتيسير الوصل شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (13)۔

شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابابطین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر انسان پر توحید کی معرفت اور اسلام کے ارکان کی معرفت دلیلوں کی بنیاد پر حاصل کرنا فرض ہے۔ اس میں تقلید کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن ایک عامی جس کو دلیلوں کی سمجھ نہیں ہے۔ اگر وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ رکھتا ہے۔، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو مانتا ہے، مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کئے جانے پر یقین رکھتا ہے، جنت اور جہنم پر ایمان رکھتا ہے اور اس سے متعلق جو شرکیہ اعمال کئے جاتے ہیں یہ سب باطل ہیں اور گمراہی کی طرف لے جانے والے ہیں اگر وہ ان تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہے، مکمل یقین رکھتا ہے تو وہ مسلمان ہوگا۔ اگرچہ اس کو ان مسائل کی دلیلوں کا علم نہ ہو، کیونکہ عوام الناس کو اگر دلیلیں یاد بھی کرادی جائیں تو وہ غالباً ان کے معانی ومقصود کو نہیں سمجھ سکیں گے۔[296]

چنانچہ دلیلوں کی معرفت کے سلسلہ میں مصنف رحمہ اللہ کا یہ مقصود نہیں ہے کہ ہر مسألۃ کو دلیل کے ساتھ جاننا واجب ہے۔ کیونکہ عام لوگوں کے لئے ایسا کرنا بہت مشکل ہے اور ہر مسئلہ کو دلیل کے ساتھ جاننا ان کے لئے ممکن نہیں ہے بلکہ مصنف رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ بندہ اس بات پر ایمان رکھے، اس عقیدہ کو یقین کے ساتھ مان لے کہ دین اسلام جس پر وہ ایمان

---

296) الدرر السنیۃ فی الأجوبۃ النجدیۃ، جمع عبدالرحمن بن محمد بن قاسم (339/4)۔

لایاہے وہ قاطع اور مضبوط دلیلوں سے ثابت ہے اور اس مسئلہ کا تفصیلی علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ علم لوگوں کی استطاعت اور ان کے مقام کے حساب سے فرض ہوتا ہے چنانچہ ایک عام آدمی پر وہ علم حاصل کرنا واجب نہیں ہوگا جس کا حصول ایک عالم دین اور مفتی پر واجب ہوگا۔ عامی کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ یہ جان لے کہ یہ ساری باتیں شریعت کے صحیح اصولوں پر مبنی ہیں۔ اگرچہ اس کو ان باتوں کی تفصیلات کا علم نہ ہو، اسی طرح ہر آدمی پر اس کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس علم اور اس کی دلیلوں کا حصول واجب ہوگا چنانچہ یہاں وہ معرفت جو ہر شخص پر واجب ہے اس سے مراد اجمالی معرفت ہے جو عوام الناس کی معرفت ہے اور یہ عوام الناس کی اور اجمالی معرفت ہر ایک مسلمان پر واجب ہے۔[297]

چنانچہ ایک عامی کے لئے عمومی معرفت کافی ہے۔ اگرچہ اس کو مسائل کے استدلال کا علم نہ ہو لیکن یہ بات ضروری ہے کہ اس کی معرفت پختہ ہو یعنی ان تینوں مسائل سے متعلق اس کے دل میں ذرا بھی شک وشبہ نہ ہو۔[298]

---

(297)تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (5)۔

(298)شرح الأصول الثلاثۃ وأدلتھا، محمد بن مبارک الشرافي (13)۔

دین اسلام کی وہ معرفت جس میں عوام الناس کی نجات پوشیدہ ہے وہ اجمالی معرفت ہے کیوں کہ علم کی دو قسمیں ہیں، اجمالی علم اور تفصیلی علم، اجمالی علم جس سے مومن کامیابی حاصل کر سکتا ہے وہ دین کے اہم اور بڑے اصولوں کا علم ہے۔ مثال کے طور پر اس کو اس بات کا علم ہو کہ عبادت کے سلسلہ میں اللہ رب العزت کے ہمارے اوپر کیا حقوق عائد ہوتے ہیں، ربوبیت کے معاملہ میں اللہ رب العزت کی انفرادیت، اس کے ان اسماء وصفات کا علم جس کی مخلوقین میں کوئی نظیر نہیں مل سکتی جس پر اس کو قیاس کیا جائے ،اور اس بات کا علم کے قیامت کے دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام مخلوق کو دوبارہ پیدا کرے گا اور اجمالی طور پر اس کو جنت اور جہنم کا علم ہو، جہاں تک رہی بات تفصیلی علم کی تو اس کا حصول اہل علم پر واجب ہے۔[299] عوام کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ یہ جان لیں کہ یہ ساری باتیں شرعی دلیلوں سے ثابت ہیں۔ ان پر یہ واجب نہیں ہے کہ ہر مسئلہ کی الگ الگ

---

299) شرح الشیخ د. عبداللہ بن عبدالعزیز العنقري علی ثلاثة الأصول وأدلتها (6-8) ضمن برنامج التعليم الميسر المستوى الأول: لعام 1436 هجريا۔

دلیلیں جانیں۔ ان دلیلوں سے استدلال کرنا سیکھیں۔[300] عوام سے صرف اس بات کا مطالبہ ہے کہ وہ اجمالی طور پر اس کتابچہ کو اس کی دلیلوں کے ساتھ جان لیں۔ وہ جان لے کہ عبادت کا کیا مطلب ہے اور اس کی دلیل کیا ہے۔ دلیل کے ساتھ اس پر یقین کرلے اور اس کو اس بات پر بھی مکمل یقین ہو کہ یہ ساری چیزیں اللہ نے اس پر فرض کی ہیں اور یہ اس کی دلیل ہے تاکہ اس کا عقیدہ دلیل پر مبنی ہو اور ان اہم مسائل کے بارے میں وہ تقلید کے دائرہ سے خارج ہو جائے۔[301] عامی کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ دلیلوں کا علم حاصل کرے۔ اگرچہ اس کے لئے فائدہ مند ہو گا کہ اس کو دلیلیں یاد کرادی جائیں اور اس کو دلیلوں کا علم بھی سکھا دیا جائے۔ اسی لئے مصنفؒ عام مسلمانوں کے لئے انتہائی مختصر اور رسالہ لکھا کرتے تھے جن میں سے بیشتر اس کتابچہ میں موجود ہیں اور وہ رسالے اور

---

300) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبدالله العصيمي (8)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 ھجریہ۔

301) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالعزيز آل الشيخ (124)۔

مصنف کے وہ مختصر اوراق مسجدوں میں لوگوں کو سنائے جائیں، ان تین اصولوں سے متعلق اہم مسائل لوگوں کو یاد کرادیئے جائیں۔[302]

مصنفؒ کے قول بالأدلة میں "ب" سببية ہے اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دلیلوں کی وجہ سے دلیلوں کے سبب یہ معرفت حاصل ہوئی چنانچہ مکلف سے یہ کہا جائے گا کہ دین اسلام کا علم حاصل کرنا تمہارے اوپر واجب ہے اور اس کے بارے میں تمہاری معرفت دلیلوں پر مبنی ہونی چاہیئے یعنی اس بات کا ادراک ہو کہ یہ مسائل شرعی دلیلوں سے ثابت ہیں۔ چنانچہ اس طرح کی معرفت دلیل کی بنیاد پر ہوگی نہ کہ محض تقلید کی بنیاد پر جس کے نتیجہ میں کوئی مکمل یقین نہیں حاصل ہو سکتا۔[303] یہاں پر ان تینوں مسائل کے ساتھ دلیل کا ذکر کرنے کا یہ مقصد ہے کہ بندہ کو تینوں باتوں پر مکمل یقین ہو اور ان مسائل میں اس کا ایمان بالکل پختہ ہو کیونکہ یہ باتیں متعین شرعی دلیلوں پر مبنی ہیں چنانچہ اگر بندہ ان تینوں معارف کے اصول پر بالکل پختہ یقین حاصل ہو جائے تو یہ اس کے ایمان کی صحت کے لئے کافی ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ ہر شخص سے

---

(302) شرح الشيخ د. عبدالله بن عبدالعزيز العنقري على ثلاثة الأصول وأدلتها (57)۔

(303) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالله العصيمي (5)۔

بذاتِ خود ان تمام مسائل کی مفصل دلیلیں مطلوب ہیں کیونکہ عامۃ الناس کے لئے یہ کام بہت مشکل ہے۔[304] چنانچہ اگر ہر مسلمان اس بات پر یقین رکھے کہ جن چیزوں پر وہ ایمان لایا ہے وہ معتبر اور نہایت مضبوط شرعی دلیلوں سے ثابت ہیں تو دلیل کے طور پر ان کے لئے یہ کافی ہے۔ ان کے لئے ہر ایک دلیل کا جاننا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی ان دلیلوں سے مسائل کا استنباط کرنا اور ان سے احکام کا اخذ کرنا اور ان کو سمجھنا ضروری ہے۔ ان کو اس بات کا یقین ہو کہ مذکورہ مسائل مضبوط شرعی دلیلوں سے ثابت ہیں یہ کافی ہے۔[305] ان مسائل کی دلیل کی بناء پر معرفت حاصل کرنے کے لئے مصنفؒ بالأدلۃ کا ذکر اس لئے کیا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ان تینوں مسائل کی معرفت دلیلوں کی بنیاد پر اس لئے ضروری ہے تاکہ یقین حاصل ہو جائے اور اس کے دل میں شک کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہے۔ وہ ان باتوں کو شرعی، عقلی اور فطری دلیلوں کے ذریعے جان لے۔ ان

---

304) الشرح الصوتي: (تعليقات على ثلاثة الأول)، صالح بن عبدالله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1437 هجريا۔

305) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبدالله العصيمي (8)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا۔

اصولوں کا ہر مسلمان کے لئے جاننا ضروری ہے اور اس پر یقین کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مصنفؒ نے اس کتابچہ میں ان تینوں اصولوں پر دلیلیں بھی بیان کی ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ [306]۔۔۔[307]

آٹھواں مسألۃ: مصنفؒ کی ذکر کردہ باتوں کا خلاصہ۔

مذکورہ جملہ میں مصنفؒ نے جو بات ذکر کی ہے اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ:

(۱) چار مسائل کے بارے میں علم حاصل کرنا ہمارے اوپر واجب ہے۔ سب سے پہلا مسئلہ "علم" ہے اور علم کا تعلق تین چیزوں کی معرفت سے ہے۔ بندہ کی اپنے رب کی معرفت، اس کے دین اور اس کے نبی محمد ﷺ کی معرفت۔ [308]

---

306) شرح ثلاثة الأصول، حمد بن عبد الله الحمد (3)۔

307) قال المصنف رحمه الله: ينبغي للمعلم أن يعلم أن الانسان على قدر فهمه؛ فإن كان ممن يقرأ القرآن أو عرف أنه ذكي، فيعلّم أصل الدين وأدلته، والشرك وأدلته، ويقرأ عليه القرآن، ويجتهد أنه يفهم القرآن فهم قلب، وإن كان رجلا متوسطًا؛ ذكر له بعض هذا؛ وإن كان مثل غالب الناس ضعيف الفهم فيبصر له بحق الله على العبيد؛ مثل ما ذكر النبي.. لمعاذ، ويصف له حقوق الخلق، مثل حق المسلم على المسلم، وحق الأرحام، وحق الوالدين، وأعظم من ذلك حق النبي...ينظر: الدرر السنية (1/170، 171)۔

(۲)مصنفؒ نے جیسا کہ ذکر کیا ہے کہ شریعت کے مطابق جس علم کو سیکھنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی دو صنف ہیں۔

۱)وہ صنف جس کا علم بذاتِ خود مطلوب ہے۔اس کا تعلق ان تینوں معارف سے (اللہ کی معرفت،اس کے دین اوراس کے نبی کی معرفت)اوریہی شرعی علوم کا خلاصہ ہے۔

۲)وہ صنف جس کا تعلق علم سے ہے: اس لحاظ سے کہ مذکورہ چیزوں کا علم دلیلوں کی بنیاد پر ہو،دلیلوں کی بناپر اور اس سے ماخوذ ہو، چنانچہ علم کے حصول میں اس کے ساتھ دلیلوں کا بھی ہونا مطلوب ہے اور اس وقت وہ معرفت علم کہلائے گی۔ جب اس کے ساتھ دلیلیں بھی شامل ہوں اور جو علم واجب کیا گیا ہے وہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ان تینوں معارف کے ساتھ ان کی دلیلیں بھی ثابت نہ ہوں۔اس بات

---

308)شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبدالله العصيمي(8)،الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436هجريا۔

کی دلیل ہے کہ مصنفؒ ان تینوں اصولوں کا ذکر کرتے ہوئے ہر اصول کی دلیلیں بھی ذکر کرتے ہیں۔[309]

(۳)شریعت کی معرفت جس کو حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱)اجمالی معرفت:

اجمالی معرفت یہ ہے کہ شریعت کے اصولوں اور کلیات کی معرفت ہو اور اس معرفت کا تعلق تمام انسانیت سے ہے اور یہ معرفت ہر انسان پر واجب ہے۔

۲)تفصیلی معرفت:

تفصیلی معرفت سے مراد شرعی احکام کی تفصیلات اور جزئیات کی معرفت ہے اور اس کا تعلق پوری انسانیت سے نہیں بلکہ کچھ لوگوں سے ہے اور انہیں پر اس معرفت کا حصول واجب ہے اور اس میں ان کی صفات اور ان کے کاموں کو پیش نظر رکھا گیا ہے جیسے حکم

---

309)المصدر السابق، والشرح الصوتي: (تعليقات على ثلاثة الأصول)، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1437هجريا۔

قضاء افتاء یا تعلیم دینا چنانچہ حاکم، عالم، قاضی اور مفتی کے لئے اس کی معرفت واجب ہے کیوں کہ ان پر وہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جو باقی عام لوگوں پر عائد نہیں ہوتی ہیں۔[310]

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ دوسری چیز عمل ہے۔

پچھلے صفحات میں جو باتیں آئیں اس میں مصنفؒ نے چاروں مسائل میں سے جن کا علم حاصل کرنا ہم پر واجب ہے پہلے مسألۃ کے بارے میں وضاحت کی اور بتایا کہ ان چاروں مسائل میں پہلا مسألۃ "علم" ہے اور اس کا تعلق تینوں چیزوں کی معرفت سے ہے۔ بندہ کی اپنے رب کے بارے میں معرفت، اس کے نبی اور اس کے دین کی معرفت، یہاں پر مصنفؒ دوسرے مسألۃ کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ دوسرا مسئلہ اس علم پر عمل کرنا ہے کیونکہ عمل ہی علم کا ثمرہ ہے اور اس کے رسوخ کا ذریعہ ہے اور علم دراصل اس پر عمل کرنے کے لئے ہی حاصل کیا جاتا ہے چنانچہ اس بات کا مطلب یہ ہوا کہ جو علم حاصل کیا ہے اس پر اب عمل کرنا ہے۔ جو علم حاصل کیا اس کے

---

310) الشرح الصوتي: (تعليقات على ثلاثة الأصول)، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1441 هجريا۔

متطلبات اور مقتضیات پر عمل پیرا ہونا ہے چنانچہ اللہ کی معرفت اس کے نبی کی معرفت اور دین اسلام کی معرفت کے جو تقاضے ہیں اس پر عمل کرنا ہے۔[311]

مصنفؒ کی اس بات میں کہ دوسری چیز عمل کرنا ہے" دو مسائل ہیں :

پہلا مسألۃ: عمل اور اس کی اہمیت۔

شریعت میں عمل اس کو کہتے ہیں کہ اگر کوئی خبری خطاب ہے تو مکمل طور سے اس کی تصدیق کی جائے۔اس پر ایمان لایا جائے اور یقین کیا جائے اور اگر طلبی خطاب ہے تو اوامر کو ادا کیا جائے نواہی سے دور رہا جائے اور حلال کردہ چیز کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا جائے۔[312]

عمل کا تعلق دل سے بھی ہے زبان سے بھی اور جوارح (اعضاء) سے بھی، جن اعمال کا تعلق دل سے ہے ان میں سے چند یہ ہیں: خوف، امید اور محبت وغیرہ۔جن کا

---

311) حاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (12)؛ وشرح الأصول الثلاثة، د. صالح الفوزان (29)؛ وتيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (18)، وشرح ثلاثة الأصول، عبد العزيز الراجحي (13)، وتعليقات على ثلاثة الأصول، صالح العصيمي (6)۔

312) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح العصيمي (6)۔

تعلق زبان سے ہے ان میں تسبیح، تحمید، اور تکبیر ہے۔اور جن کا تعلق اعضاء سے ہے ان میں نماز، روزہ، حج اور عمرہ ہے۔[313]

عمل ہی علم کا ثمرہ ہے، علم عمل ہی کے لئے مطلوب ہے۔ چنانچہ اس کی مثال ایک درخت کی ہے اور عمل کی مثال پھل کی ہے۔[314] چنانچہ ضروری ہے کہ علم کا پھل عمل کی شکل میں سامنے آئے اور عمل کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم کے نتیجہ میں سامنے آئے۔ عمل میں نقص دراصل علم میں نقص اور لاعلمی کی وجہ سے آتا ہے چنانچہ اسی لئے قرآن مجید میں ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر آتا ہے[315] اور علم و عمل کو الگ الگ کرنا اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کی خاص صفت ہے۔[316]

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں " خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہودیوں کے کفر کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ اپنے حاصل کردہ علم پر عمل نہیں کرتے تھے، وہ حق کو جانتے تھے لیکن اس پر عمل

---

313) تنبیہ العقول إلی کنوز ثلاثۃ الأصول، تالیف د. عبدالرحمن بن سلیمان الشمسان (56/1)۔

314) المصدر السابق (12)۔

315) المصدر السابق (12)۔

316) التعلیق المأمول علی ثلاثۃ الأصول، إعداد أ. د. عبدالرحمن بن عبدالعزیز السدیس (112)۔

نہیں کرتے تھے، نہ تو زبان سے عمل کرتے تھے نہ اعمال سے اور عیسائیوں کی کفر کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ بغیر علم کے عمل کرتے تھے چنانچہ وہ شریعت الٰہی کو چھوڑ کر مختلف قسم کی عبادتیں کرتے اور اللہ کے بارے میں وہ باتیں بیان کرتے تھے جن کا علم خود ان کو نہیں ہوتا تھا اسی لئے ہمارے اسلاف سفیان بن عیینۃ رحمہ اللہ اور دوسرے اسلاف یہ کہتے تھے کہ ہمارے علماء میں سے جو غلط راہ میں پڑ گئے ان میں یہود کی شباہت ہے اور ہمارے عباد میں سے جو صحیح راستہ سے ہٹ گئے۔ان میں عیسائیوں کی شباہت ہے۔"[317]

علم پر عمل کرنے میں تینوں معارف پر عمل کرنا شامل ہے۔علم کا پھل اور اس کا نتیجہ ہی یہی ہے کہ وہ ان تمام اصولوں پر عمل کرے جو اس نے سیکھے ہیں۔رب کے معاملہ میں صرف اور صرف اسی کی عبادت کرکے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرا کر عمل کرے، رسول کے سلسلہ میں ان کے اوامر کی اطاعت کرے جو باتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائی ہیں ان پر یقین اور تصدیق کرکے اور جن چیزوں سے انہوں نے دور رہنے کا حکم دیا ہے اس سے دور رہ کر، جس طرح شریعت میں بتایا گیا ہے اسی طرح اس کی عبادت کرکے اپنے علم پر عمل کرے اور دین کے سلسلہ میں اس طرح عمل کرے کہ اس کا کوئی بدیل نہ

---

317) إقتضاء الصراط المستقیم (79/1)، تحقیق: د. ناصر بن عبد الکریم العقل، ط. السابعة: 1419 ھجریا۔

تلاش کرے۔اس دین پر مکمل طور سے راضی ہو اور اس بات کا یقین رکھے کہ یہی وہ دین حق ہے جس کے علاوہ کوئی بھی دین اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے چنانچہ اس علم پر عمل کرنا جو اس نے ان اصولوں کے بارے میں حاصل کیا ہے۔[318]

دوسرا مسئلہ: مصنفؒ کے قول "العمل بہ" میں ضمیر کی وضاحت۔

مصنفؒ کے اس قول میں شارحین کے دو قول ہیں کہ "بہ" میں ضمیر کس کی طرف لوٹ رہی ہے۔

ا) ضمیر اقرب مذکور کی طرف لوٹ رہی ہے اور وہ مصنف کا قول ہے ''معرفت دین الاسلام''[319] دین اسلام کی معرفت چنانچہ اسلام کے علم کے ساتھ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔[320] اس طرح معنی یہ ہوگا کہ اس شریعت پر عمل جو ہمارے نبی محمد ﷺ پر

---

318) شرح الأصول الثلاثة، أحمد بن محمد الصقعوب (13)۔

319) اتحاف العقول بشرح ثلاثة الأصول، عبيد بن عبد الله الجابري (10)۔

320) حاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (12)۔

نازل کی گئ[321] اور یہ عمل اخبار کی تصدیق کرکے، اُوامر پر عمل کرکے اور نواہی سے دور رہ کر ہو گا۔[322]

(۲) مصنفؒ کے قول "بہ" میں ضمیر علم کی طرف لوٹ رہی ہے[323] یعنی جو علم حاصل کیا ہے اس پر عمل کیا جائے۔ اللہ اور اس کے نبی ﷺ کے حقوق ادا کرکے اور اللہ نے جو شریعت دین اسلام کی شکل میں اتاری ہے[324] اس پر عمل کرکے۔

پہلا قول دوسرے قول سے ٹکراتا نہیں ہے کیونکہ دین اسلام پر عمل اس سے پہلے حاصل کردہ معارف پر بھی اور دوسری چیزوں پر بھی مشتمل ہے[325] چنانچہ العمل بہ میں ضمیر اس

---

321) تنبیہ العقول إلی کنوز ثلاثۃ الأصول، د. عبدالرحمن بن سلیمان الشمسان (52/1)۔

322) شرح ثلاثۃ الأصول، خالد بن عبدالعزیز الباتلي (23)۔

323) طریق الوصول إلی إیضاح ثلاثۃ الأصول، زید المدخلي (40)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، الشرافي (14)؛ وشرح ثلاثۃ الأصول، عبدالرزاق بن عبدالمحسن البدر (31)۔

324) حاشیۃ علی رسالۃ ثلاثۃ الأصول، طالب الکثیري (3)۔

325) ینظر: بلوغ المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عصام بن أحمد مامی (31)۔

علم کی طرف لوٹ رہی ہے جو اس نے حاصل کیا ہے اور علم میں جیسا کہ ذکر ہوا اللہ کی اس کے نبی اور دین اسلام کی معرفت شامل ہے۔

تیسرا مسئلہ: علم پر عمل نہ کرنا۔

علم پر عمل نہ کرنا کبھی کفر ہوتا ہے، کبھی معصیت، کبھی مکروہ اور کبھی مباح۔ اس کی وضاحت اس طرح سے ہے کہ علم کی مختلف قسمیں ہیں۔ توحید کا علم کہ صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے۔ اگر بندہ کو اس بات کا علم ہو جائے اور وہ اس پر عمل نہ کرتے ہوئے شرک کرے تو اس کو توحید کے علم سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ چنانچہ اس معاملہ میں شرک کرنا اس کے لئے کفر ہے

اور کبھی علم پر عمل نہ کرنا معصیت ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اس کو اس بات کا علم ہو کہ شراب حرام ہے اس کو پینا، اس کو خریدنا اور بیچنا سب حرام ہے اور وہ اپنے اس علم کی مخالفت کرے اور علم ہونے کے بعد بھی اس کے بر خلاف کام کرے تو اس کی یہ مخالفت معصیت ہو گی۔

کبھی علم پر عمل نہ کرنا مکروہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اس کو اس بات کا علم ہو کہ آپ ﷺ اس طرح اور اس صفت میں نماز کی ادائیگی کرتے تھے اور وہ نماز کی سنتوں میں کسی سنت کے بارے میں اپنے علم کی مخالفت کرے اور اس کو اس سلسلہ میں جو علم حاصل ہوا ہے

اس پر عمل نہ کرے تو یہ اس کے لئے مکروہ ہوگا۔ کیوں کہ اس نے سنت پر عمل نہیں کیا جو کہ اس پر واجب نہیں تھی۔ چنانچہ اس کے لئے یہ عمل مکروہ ہوگا۔ اس پر عمل کرنا مستحب ہوگا۔

اور کبھی علم پر عمل کرنا اور نہ کرنا دونوں مباح ہوتا ہے۔ اس کا تعلق مباح اور عادات سے متعلق کاموں سے ہے۔ مثال کے طور پر آپ ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کپڑے کیسے پہنتے تھے، چلتے کیسے تھے، ان چیزوں کا تعلق طبعی اور جبلی امور سے ہے جن کو ہم جانتے تو ہیں لیکن ان چیزوں میں اقتداء کرنے کا حکم نہیں ہے چنانچہ اگر وہ ان باتوں پر عمل نہیں کرتا ہے اور ان چیزوں میں آپ ﷺ کی اقتداء کرتا ہے تو ایسا کرنا اس کے لئے مباح ہے کیوں کہ مسلمانوں کو ان چیزوں میں اقتداء کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کے چلنے کا انداز آپ کی آواز اور دوسرے جبلی امور پر اگر وہ عمل کرتا ہے تو یہ اس کے لئے مباح ہے بلکہ اگر اس نے آپ ﷺ کی اقتداء کرنے کی نیت سے یہ اعمال کئے تو اس کو ثواب ملے گا اور اگر ان چیزوں پر عمل نہ کیا تو یہ اس کے لئے مباح ہے۔[326]

---

326) شرح ثلاثۃ الأصول: صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (17)۔

مصنفؒ فرماتے ہیں تیسرا مسألۃ اس کی طرف دعوت دینا ہے۔

یہاں مصنفؒ اُن چاروں مسائل میں سے جن کا علم حاصل کرنا ہم پر واجب ہے تیسرے مسألۃ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "تیسری چیز اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا ہے" [327] یعنی اس علم کی طرف دعوت جو اس نے حاصل کیا ہے اور اس سے مراد ہے اللہ کی طرف دعوت دینا کیونکہ جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا وہی علم ہے اور وہ علم تین معرفتوں پر مشتمل ہے۔ چنانچہ جس نے اس علم کی طرف دعوت دی اس نے سب سے پہلے اللہ کی معرفت کی طرف دعوت دی اور اس کے نبی اور اس کے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ کیوں کہ اصل علم جس کا شرعی طور پر ہمیں حکم دیا گیا ہے وہ اللہ رب العزت کی معرفت کا علم ہے اور جس نے اس علم کی طرف دعوت دی جس کا تعلق تینوں معرفتوں سے ہے منہج نبوی کے مطابق تو دراصل اس نے اللہ کی طرف دعوت دی

---

327) ینظر: المحصولمن شرح ثلاثۃ الأصول، عبدالل ہ بن محمد الغنیمان (17)؛ وتعلیقات علی ثلاثۃ الأصول صالح عبداللہ العصیمي (7)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، عبدالرحمن بن ناصر البراک (8)، راجعہ، عبدالرحمن بن صالح السدیس، ناشر: دار التدمریۃ، الریاض، ط. الخامسۃ: 1435 ھجریا۔

جیسا کہ اللہ نے اس کو حکم دیا تھا[328] چنانچہ اگر اللہ بندہ کو اپنے فضل سے اس بات کی توفیق دے کہ وہ علم حاصل کرے اور اس پر عمل کرے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے۔

مصنفؒ کے اس قول میں کہ تیسرا مسئلہ اس کی طرف دعوت دینا ہے دو مسائل ہیں۔

پہلا مسألہ: دعوت سے کیا مراد ہے۔

دعوت کا کام قول سے بھی ہو سکتا ہے اور عمل سے بھی کیونکہ اپنے عمل کو شریعت کے مطابق کرنا بھی لوگوں کو دعوت دینا ہے کیونکہ ایک مسلمان جب شریعت کے اوپر عمل کرتا ہے تو گویا وہ دوسرے لوگوں کو خاموشی کے ساتھ یہ بتا رہا ہوتا ہے کہ یہ کام اور یہ عمل مطلوب ہے۔ جہاں تک زبان سے دعوت دینے کی بات ہے تو یہ کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی مستحب۔ زبان سے دعوت دینے کی مختلف شکلیں ہیں۔ کوئی کتاب لکھ کر دعوت کا کام

---

328) الشرح الصوتي: (تعليقات على ثلاثة الأصول)، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1441 هجريا۔

کرنا، کوئی رسالہ لکھ کر دعوت کا کام کرنا، مختلف نصیحتوں اور موعظت سے دعوت کا کام کرنا۔[329]

دعوت کے کام کو انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کی شریعت کا علم ہو، تاکہ دعوت علم و بصیرت کے ساتھ ہو، دعوت کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اللہ کی توحید اور شرک سے دور رہنے کی دعوت دی جائے کیونکہ تمام نبیوں نے اپنی قوموں کو صرف اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کی دعوت دی۔ ان کو شرک اور اس کے وسائل وذرائع سے روکا۔ توحید کے بعد داعی کو چاہیئے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے احکامات میں سے الأھم فالأھم کی بنیاد پر لوگوں کو دعوت دے۔[330]

چنانچہ اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی توفیق سے بندہ کو تینوں اصولوں کا (اس کے معبود، اس کے نبی اور اس کے دین) کا علم حاصل ہو گیا تو اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے بھائیوں کو بھی کفر

---

(329) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (18-19)۔

(330) تیسیر الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (20)۔

کے وبال سے بچانے کی کوشش کرے اور ان کو ان اصولوں کی معرفت کی طرف دعوت دے کیونکہ یہی نجات کا ذریعہ ہے۔[331]

دوسرا مسألۃ مصنفؒ کے قول الدعوۃ الیہ میں ضمیر کی وضاحت۔

ا) مذکورہ بالا ضمیر اسلام کی معرفت کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی دین اسلام کی طرف دعوت،[332] رسول ﷺ اللہ کی جو شریعت لے کر آئے ہیں اس کی طرف دعوت،[333] اگر بندہ کو اللہ رب العزت کی توفیق سے دین اسلام کا علم حاصل ہو گیا ہے اور وہ اس پر عمل کرتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کی کوشش کرے۔[334]

---

331) ینظر: شرح ثلاثۃ الأصول، محمد العثیمین (23)، وشرح الأصول الثلاثۃ، أحمد الصقعوب (13)۔

332) شرح ثلاثۃ الأصول، عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز (23)۔

333) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن صالح العثیمین (22)۔

334) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (12)۔

۲)الدعوة الیہ میں ضمیر علم اور عمل کی طرف لوٹ رہی ہے[335] یعنی لوگوں کو علم اور عمل کی طرف دعوت دو،[336] اس کا مطلب یہ ہوا کہ علم حاصل کیا ہے اور جس پر عمل کرتے ہیں اس کی طرف دعوت، چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کے حقوق کی معرفت اور اس کو ادا کرنے کی طرف دعوت دیں۔ رسول ﷺ کے حقوق اور ان حقوق کی ادائیگی کی طرف دعوت دیں۔ اسلام کے احکامات کی معرفت اور اس کی ادائیگی کی طرف لوگوں کو دعوت دیں۔[337] اللہ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو ھدیٰ اور دین حق کے ساتھ بھیجا تھا اور ھدیٰ کہتے ہیں نفع بخش علم کو اور دین حق کہتے ہیں عمل صالح کو اور انہیں دونوں چیزوں کی طرف آپ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی تھی۔ آپ ﷺ نے نفع بخش علم کی طرف دعوت دی

---

335) شرح الأصول الثلاثة: د. صالح بن فوزان الفوزان (29)؛ وشرح ثلاثة الأصول، عبد الرزاق بن عبد المحسن البدر (33)۔

336) طريق الوصول إلى إيضاح ثلاثة الأصول، زيد بن محمد المدخلي (44)؛ وشرح ثلاثة الأصول، خالد بن عبد العزيز الباتلي (25)۔

337) حاشية على رسالة ثلاثة أصول، طالب الكثيري (3)۔

اور اعمال صالحہ کی طرف دعوت دی جو کہ علم کا پھل اور اس کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ الدعوۃ الیہ کا تعلق علم اور عمل سے ہے[338]۔

ابن تیمیہؒ دعوت الی اللہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دعوت الی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پر ایمان رکھنے کی دعوت دی جائے اس کے رسول جو لے کر آئے اس پر ایمان رکھنے کی دعوت دی جائے۔ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے بتایا اس کی تصدیق کرنے کی دعوت دی جائے اور جو احکامات انہوں نے دیئے ان پر عمل کرنے کی دعوت دی جائے۔[339]

۳) الدعوۃ الیہ سے یہ مقصود ہے کہ علم پر عمل کرنے کی دعوت دی جائے۔[340]

۴) یہ قول اور یہ رائے سب سے زیادہ مضبوط ہے اور وہ یہ ہے کہ الدعوۃ الیہ سے مراد ہے کہ علم کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے[341] یعنی بندہ کو اپنے رب اور اس کے نبی اور اس کے دین کی معرفت حاصل کرنے کی طرف دعوت دی جائے۔[342]

---

338) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح(6)۔

339) مجموع الفتاوی(157/15)۔

340) شرح الأصول الثلاثة، محمد حسان(40)، ناشر: مكتبة فياض، المنصورة، ط. 1429 ھجریا۔

چنانچہ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ "الیہ میں ضمیر علم کی طرف لوٹ رہی ہے تو دعوت سے مراد مذکورہ تینوں معرفتوں کی طرف دعوت دینا ہوگا۔" معرفتِ الٰہی، معرفت رسول اور دین اسلام کی معرفت تینوں اس دعوت میں شامل ہوں گے کیونکہ علم ان تینوں معارف پر محیط ہے۔ چنانچہ داعی سب سے پہلے معرفت الٰہی کی طرف معارف دعوت دے گا اور اس کے ضمن میں معرفت رسول ودین اسلام کی طرف کیوں کہ علم ان تینوں معرفتوں پر مشتمل ہے۔ جس میں سب سے اہم اور مقدم معرفت الٰہی ہے اور الدعوۃ الیہ کا مطلب ہوگا کہ اللہ رب العزت کی طرف لوگوں کو دعوت دینا کیونکہ اللہ رب العزت کی طرف پہنچنے کا اس کو جاننے کا علم ہی ایک ذریعہ ہے[343] اور شریعت میں دعوت الی اللہ کا مطلب ہے کہ تمام انسانیت کو اللہ کے راستہ پر مکمل بصیرت کے ساتھ چلنے کی دعوت دی جائے۔[344]

---

341) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (6)۔

342) شرح الأصول الثلاثۃ وأدلتھا، محمد بن مبارک الشرافي (14)۔

343) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (6)۔

344) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (6)۔

مصنفؒ فرماتے ہیں: چوتھا مسألۃ "دعوت یہ ہے کہ اس کی راہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر کرنا"۔

مصنفؒ یہاں چوتھے مسألۃ کا ذکر کرتے ہیں جس کا جاننا اور اس پر عمل کرنا ہمارے اوپر واجب ہے اور وہ یہ ہے اس راہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر کیا جائے۔یعنی علم حاصل کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی دعوت کی راہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر کرنا[345] چنانچہ اس بات کو جان لینا ضروری ہے کہ علم حاصل کرنے اس پر عمل کرنے اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کی راہ میں جو مصیبتیں اور پریشانیاں آئیں اس پر صبر کرنا واجب ہے[346] چنانچہ جس نے علم حاصل کیا اس پر عمل کیا اور اس کی طرف دعوت دی اس کو چاہئے کہ اس راہ میں صبر سے کام لے۔[347]

مصنفؒ کے اس قول میں کہ اس راہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر کرنا ہے۔دو مسئلہ ہیں۔

پہلا مسألۃ: صبر کی اہمیت۔

---

345)تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (7). وشرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد المصلح (6)۔

346)بلوغ المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عصام بن أحمد مامی (37)۔

347)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (19)۔

مصنفؒ کی اس بات میں یہ بتایا گیا ہے کہ مذکورہ تینوں مسائل ”علم، عمل، دعوت“ میں ہم اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جب ہم صبر سے کام لیں۔ چنانچہ انسان کو علم حاصل کرنے کے لئے صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔اس علم پر عمل کرنے کے لئے صبر کی ضرورت ہوتی ہے اوراس کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کے لئے بھی صبر کی ضرورت ہوتی ہے[348] اوراگرانسان علم حاصل کرے گااس پر عمل کرے گا،لوگوں کواس کی طرف دعوت دے گا تو لازماًاس کو پریشانیوں کا سامنا کرناپڑے گا۔پریشانیاں دراصل تکلیف دہ قضاء وقدر کانام ہے چنانچہ اس پر صبر کرنے کامطلب ہے اللہ رب العزت کے قدری حکم پر صبر کرنا چنانچہ مصنفؒ کی یہ بات کہ "اس راہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر "دراصل اللہ کے قدری حکم پر صبر کرنا ہے کیونکہ یہ پریشانیاں تکلیف دہ قضاء و قدر میں سے ہیں لیکن چونکہ علم حاصل کرنااس پر عمل کرنااور اس کی طرف دعوت دینا ہمارے لئے شرعی حکم ہے۔اسی لئے اس راہ میں صبر سے کام لینا بھی ہمارےاوپر شرعی حکم کی حیثیت رکھتا ہےاور علم حاصل کرنے میں صبر کرنابطور عارضی وصف کہ اللہ کے قدری حکم پر صبر کرنا ہوگااور اصل مأمور کے اعتبار سے اللہ کے شرعی حکم پر صبر کرنا ہوگا۔ چنانچہ اس میں صبر کی

---

348)شرح الأصول الثلاثة،د. خالد المصلح(6). وينظر: المحصول من شرح ثلاثة الأصول،الغنيمان(23)۔

دونوں قسمیں پائی جاتی ہیں[349] چنانچہ مصنفؒ نے جو صبر کی بات کہی ہے اس کا تعلق شرعی حکم (علم) پر صبر کرنے سے بھی ہے اور حکم قدری (اس راہ کی پریشانی) پر صبر کرنے سے بھی۔[350]

دوسرا مسألۃ: الصبر علی الأذی فیہ میں ضمیر کی وضاحت۔

۱) الصبر علی الأذی فیہ سے مراد اللہ کی طرف دعوت دینے کی راہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر۔[351]

۲) اس سے مراد کہ علم اور عمل کی طرف دعوت دینے میں آنے والی پریشانیوں پر صبر۔[352]

---

349) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي (11)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا۔

350) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح العصيمي (7)۔

351) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول د. عبد الله الفوزان (20)، وشرح ثلاثة الأصول، الباتلي (27)؛ وشرح المأمول على ثلاثة الأصول، خالد الجهني (37)، وشرح ثلاثة الأصول، عبد الرزاق البدر (34)۔

352) شرح الأصول الثلاثة: د. صالح الفوزان (29)۔

۳)اس سے مراد ہے کہ اللہ کے دین پر چلنے کی راہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر کیا جائے۔[353]

۴)"فيه " کی ضمیر کا تعلق تمام مذکورہ باتوں سے ہے یعنی علم حاصل کرنے میں صبر سے کام لیا جائے۔اس پر عمل کرنے اوراس راہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر کیا جائے[354]اور یہ رائے سب سے مضبوط ہے۔[355]

---

353)اتحاف العقول بشرح ثلاثة الأصول،عبيد بن عبد الله الجابري(15)۔

354)شرح ثلاثة الأصول، خالد الباتلي(27)۔

355)حاشية على رسالة ثلاثة أصول، طالب الكثيري(3)؛وشرح الأصول الثلاثة، محمد الشرافي(15)۔

مصنفؒ فرماتے ہیں اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے وَالْعَصْرِ﴿ (1) إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ (2) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (3) ﴾[356]

ترجمہ: زمانے کی قسم۔ انسان در حقیقت بڑے خسارے میں ہے۔ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

مصنفؒ نے یہاں اس بات کی دلیل پیش کی ہے کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم چاروں مسائل سیکھیں (علم، اس پر عمل اس کی طرف دعوت اور اس راہ میں صبر واستقامت) اور اس کی دلیل سورہ عصر ہے۔ اس عظیم الشان سورہ میں تین آیتیں ہیں "والعصر" اور یہ اللہ کی طرف سے قسم ہے۔ دوسری آیت ان الانسان لفی خسر اور یہ وہ بات ہے جس پر قسم کھائی گئی ہے یعنی ہر انسان ہلاکت اور خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو تیسری آیت میں

---

356) سورۃ العصر۔

مستثنیٰ کیا گیا ہے اور تیسری آیت یہ ہے{ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (3) }

مصنفؒ کی مذکورہ بالا باتوں میں مندرجہ ذیل مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: والعصر کی تفصیل

۱) **پہلا قول:** عصر کا مطلب دھر ''وقت'' ہے جو کہ دن ورات، مہینوں اور سالوں سے مل کر بنتا ہے جو کہ انسان کی عمر ہے۔ جس میں اچھے اور برے واقعات اور حادثے ہوتے ہیں۔[357] یہ ابن عباسؓ کا قول ہے[358] اور یہی قول مفسرین کے یہاں مشہور و معروف ہے۔[359] ابن القیمؒ نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے۔[360] اس کی دلیل کے طور پر حضرت

---

357) ینظر: حاشیة ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (12)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبد الرحمن بن ناصر البراک (8)؛ وشرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثیمین (25)؛ والمحصول من شرح ثلاثة الأصول، الغنیمان (26)، وشرح الأصول الثلاثة، د. صالح الفوزان (30)۔

358) ینظر: الجامع لأحکام القرآن، للقرطبی (463/22)؛ وتفسیر سورة العصر، د. عبد العزیز بن عبد الفتاح القارئ (25)، ناشر: مکتبة الدار، المدینة المنورة، ط. الأولی 1414 ھجریا۔

359) تفسیر ابن کثیر (657/4)۔

علیؓ کا قول اور ایک شاذ قرأت کا ذکر کیا جاتا ہے جو یہ ہے کہ "والعصر ونوائب الدهر"۔ ترجمہ: زمانے کی قسم اور زمانہ میں آنے والے واقعات اور حوادث کی۔

اگرچہ بطور قرآن یہ صحیح نہیں ہو لیکن تفسیر کے باب میں اس کا ذکر کیا گیا ہے[361] چنانچہ والعصر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت کی قسم ہے جس میں خیر و شر کے واقعات ہوتے ہیں اور انہیں میں سے انسان کے اعمال اور ان کے تصرفات بھی ہیں۔ اللہ نے اس کی قسم اس لئے کھائی ہے کیونکہ اعمال اسی میں صادر ہوتے ہیں۔ چنانچہ انسان کے اعمال اور ان کے تصرفات اسی وقت میں صادر ہوتے ہیں۔ گویا یہ ایک ظرف ہے جس میں انسان اپنے اچھے اور برے اعمال کرتا ہے اور وقت کی قسم اس لئے بھی کھائی گئی ہے کیونکہ اس میں دیکھنے اور سمجھنے والوں کے لئے عبرتیں اور عجائب ہیں[362] اور اس لئے بھی کیونکہ وقت انتہائی اہم اور

---

360) التبيان في أقسام القرآن، لابن القيم (ص 61)۔

361) أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن، للشنقيطي (87/9)۔

362) حاشية ثلاثة الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (12)۔

قیمتی چیز ہے جو انسان کو دی گئی ہے۔اس لئے اللہ رب العزت نے زمانہ اور وقت کی قسم کھائی تاکہ اس کی اہمیت اور منزلت واضح ہو جائے۔[363]

(۲)دوسرا قول: عصر سے مراد وہ وقت ہے جو ہر دن کے وقتوں میں ایک خاص اور معین وقت ہے اور وہ وقت دن کا آخری پہر ہے۔اس لئے اس وقت کی نماز کو عصر کی نماز کہتے ہیں۔یہ قول بھی ابن عباسؓ سے مروی ہے۔حسن بصری اور قتادہ نے بھی اس قول کا ذکر کیا ہے۔[364]عصر کے وقت کی قسم کھانے کی یہ مناسبت ہے کہ یہ وقت دن کے ختم ہونے کی واضح علامت ہے چنانچہ اس سے قسم کی مناسبت بالکل واضح ہے۔اس قول کے راجح ہونے کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں۔(عصر سے مراد دن کا آخری پہر اور وقت زوال اور غروب کے درمیان کا وقت)

ا)اسم ''عصر'' سے یہی معنی شرعی خطاب کا موجود ہے۔چنانچہ یہ معنی دوسرے معانی سے اس لفظ کی تفسیر کرنے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ ''دھر'' وقت کا اطلاق شرعی خطاب

---

363)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ(21)۔

364)زاد المسير في علم التفسير، لابن الجوزي (487/4)؛ وتفسير سورة العصر، د. عبد العزيز بن عبد الفتاح القارئ (30)۔

میں ""عصر"" سے نہیں ہوتاہےاور جو معنی شرعی خطاب میں معروف و مشہور ہو بات کو اسی معنی پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔ بجائے اس کے کہ دوسرے معانی پر محمول کیا جائے۔[365]

۲)اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جس طرح کامیاب ہونے والی قسم ""ضحی"" سے کھائی ہے اسی طرح ناکام ہونے والے کی قسم ""عصر"" سے کھائی ہے چنانچہ ضحی اور عصر سے قسم کھائی کیونکہ دونوں میں ہی قدرت کے دلائل ہیں۔

۳)کیونکہ عصر کا وقت نہایت اہم اور عظیم ہوتا ہے۔اسی لئے اس وقت میں کھائی جانے والی قسم بھی بہت اہم ہوتی ہے۔ایک صحیح حدیث میں آتاہے کہ " ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا ينظر إليهم"[366]۔

---

365) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (7)، وجاء في التحرير والتنوير (30/528): (واشهر إطلاق لفظ العصر أنه علم بالغلبة لوقت ما بين آخر وقت الظهر وبين اصفرار الشمس)۔

366) أخرجه البخاري، كتاب: المساقاة، باب من رأى أن أصحاب الحوض والقربة أحق بمائه، برقم (2369)؛ وأخرجه مسلم، كتاب: الإيمان، باب: بيان غلظ تحريم إسبال الإزار، برقم (173)۔

ترجمہ: تین طرح کے آدمی ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بات بھی نہ کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر اٹھا کے دیکھے گا۔

(۳) تیسرا قول: اس قول کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے آیت سے مراد مذکورہ بالا دونوں وقت ہیں کیوں کہ لفظ عصر کا اطلاق دونوں معنوں میں ہوتا ہے اور تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔[367] اس لئے اس سے مراد دونوں معانی ہوں گے "وقت" بحیثیت کل کے بھی اور اس کے خاص جزء کے بھی یعنی اس خاص وقت کی بھی

---

367) جاء في تفسير الطبري: جامع البيان في علم تأويل القرآن (589/24): (والصواب من القول في ذلك أن يقال: إن ربنا أقسم بالعصر، والعصر: اسم للدهر، وهو العشي، وهو الليل والنهار، ولم يخصص مما شمله هذا الاسم معنى دون معنى، فكل ما لزمه هذا الاسم، فداخل فيما أقسم الله به جل ثناؤه.)

وسبب الاختلاف هنا: الاشتراك اللغوي في لفظ العصر، فهو يطلق على عدة معان، وبهذا يرجع الخلاف إلى أكثر من معنى، وكل هذه الأقوال محتمل كما قال الطبري، غير أن القول بأنه الدهر يظهر فيه شموله للأوقات كلها. ينظر: تفسير جزء عم، إعداد: مساعد بن سليمان الطيار (223)، ناشر: دار ابن الجوز، ط. الثانية: 1422 هجريا۔

قسم ہے اور ''وقت''بطور جس کی بھی جس میں رات ودن انسان کی مکمل عمر اور عصر کی نماز کا خاص وقت بھی شامل ہے۔[368]

دوسرا مسألة: "إن الإنسان لفي خسر" کی تفسیر:

''ال'' یہاں جنس کا ہے اور ''الانسان'' سے مراد انسان کی جنس ہے۔ الف اور لام استغراق اور شمول کے معنی میں ہے۔اس کی دلیل اس کے بعد آنے والا استثناء ہے چنانچہ جو بھی وصف ''انسان'' سے متصف ہے وہ اس ضمن میں آتا ہے یعنی تمام انسان خسارے میں ہیں اور خسارہ کامیابی کی ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا یعنی جنس بجائے پر کھنے کے کہ ''خاسر''تاکہ اس بات کی وضاحت ہو جائے کہ وہ ہر طرف سے خسارہ میں ہے کیونکہ فی ظرف پر دلالت کرتا ہے یعنی خسارہ انسان کو ہر طرف سے گھیرے ہوا ہے۔اس بات کی قسم کھانے سے اور جملہ میں ''ان'' ان الانسان لفی خسر جو کہ تاکید کے لئے آتا ہے۔اس کے استعمال سے اس بات کی اہمیت اور اس کے مرتبہ کا پتہ چلتا ہے۔[369]

---

368) تفسیر سورۃ العصر، د. عبدالعزیز بن عبد الفتاح القاری (17)۔

369) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (7)۔

چنانچہ اس خسارہ پر تین چیزوں سے تاکید پیدا کی گئی ہے۔ اس پر قسم کھائی گئی ہے۔ "ان "کا استعمال کیا گیا ہے اور ’’لفی خسر‘‘ میں لام کا استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آنے والی چاروں باتوں سے متصف ہونا کتنا اہم ہے۔ دین کے اصولوں اور اس سے متعلق معاملات میں یہاں پر خسارہ کی قسم کی تعیین بھی نہیں کی گئی ہے کہ وہ کس قسم کا خسارہ ہے بلکہ مطلقاً خسارہ کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ اس کی دلالت بالکل عام ہو، اس آیت کے مفہوم سے جو بات پتہ چلتی ہے وہ یہ کہ یہ خسارہ کفر کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے والعیاذ باللہ۔ عمل کو ترک کرنے کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے حق کی وصیت نہ کرنے کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اور صبر کی نصیحت نہ کرنے کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔[370]

تیسرا مسئلہ: {إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ} کی تفسیر:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ’’عصر‘‘ کی قسم کھا کر یہ بات بتائی کہ ہر انسان خسارہ میں ہے چاہے اس کے پاس کتنا بھی مال و دولت کیوں نہ ہو، کتنے بھی آل و اولاد والا شخص ہو، دنیا

---

370) ینظر: حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ بن صالح الفوزان (24)۔

میں اس کا کتنا ہی عظیم الشان مرتبہ اور شرف ہو، اس بات سے چار صفات سے متصف لوگوں کو مستثنیٰ کیا اور وہ صفات مندرجہ ذیل ہیں: 371

(۱) پہلی صفت:

حق کی معرفت رکھنے والا شخص اس کا ذکر ان الذین آمنوا میں ہے۔ یعنی علم پر مبنی ایمان صادق، کیونکہ ایمان سے پہلے علم آتا ہے۔ علم کے بغیر ایمان ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اصل اور مکمل ایمان علم سے حاصل ہوتا ہے اور وہ علم ہے اللہ اس کے نبی ﷺ دلیلوں کی بنیاد پر دین واسلام کی معرفت، علم کے بغیر کوئی بھی ایمان صحیح نہیں ہو سکتا اور یہ الزامی دلالت ہے کیونکہ علم کے بغیر ایمان کا حصول ممکن ہی نہیں ہے تو ایمان کے لوازمات میں سے ہے کہ انسان علم رکھتا ہو، چنانچہ اہل علم اس خسارہ سے دور ہیں اور یہ پہلے مسائلہ ''علم'' کی دلیل ہے۔ 372 چنانچہ ایمان واجب ہے تاکہ ہم خسارہ سے بچ سکیں اور ایمان اس وقت تک

---

371) المصدر السابق (23)؛ وشرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (26)۔

372) ينظر: شرح الأصول الثلاثة، د. صالح بن فوزان الفوزان (29)؛ وتعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (8)۔

مکمل نہیں ہو سکتا جب تک علم نہ ہو۔اس لئے علم بھی واجب ہے کیونکہ جب کوئی واجب کام کسی دوسرے کام کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا تو وہ کام بھی واجب ہو جاتا ہے۔[373]

(۲)دوسری صفت:

عمل،اس کا ذکر ”وعملوا الصلاحات“ میں ہے اور یہ دوسری صفت جس پر خسارہ سے بچنے کا اختیار ہے اور اعمال کو صالحات کی صفت سے متصف کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے رب کے لئے بندہ سے اصل مطلوب کوئی خاص عمل کوئی بھی عمل مراد نہیں ہے چنانچہ اصل مطلوب عمل صالح ہے جو اخلاص اور نبی ﷺ[374] کی اتباع پر مبنی ہو اور یہ دوسرے مسئلہ ”العمل بہ“ کی دلیل ہے۔

ایمان قول، عمل اور اعتقاد سے عبارت ہے اور اعتقاد ہی علم ہے کیونکہ علم کا مورد انسان کا دل اور دماغ ہے اور ایمان کے مسمی میں عمل بھی داخل ہے کیونکہ عمل ایمان کا جزء ہے اور ایمان کا ایک حصہ ہے[375] چنانچہ ایمان کا مطلب عمل ہے۔ عمل صالح کا ایمان پر

---

373)شرح الأصول الثلاثة وأدلتها، محمد بن مبارک الشرافي (17)۔

374)تعلیقات علی ثلاثة الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (8)۔

375)شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (23)۔

عطف مزید تاکید اور وضاحت کے لئے کیا گیا ہے اور عمل کا ذکر علم کے بعد اس لئے آیا ہے کیونکہ عمل صالح ایمان کے بعد ہی ممکن ہے اور ایمان علم نافع سے حاصل ہوتا ہے۔[376] چنانچہ عمل کو ایمان یعنی واو سے معطوف کرنا، خاص کو عام پر معطوف کرنے کی قسم میں سے ہے۔خاص کے عام میں شامل ہونے کے باوجود عطف کرنے کا یہ فائدہ ہے کہ اس بات کی وضاحت ہو جائے کہ دوسری بات بھی حکم کے لحاظ سے پہلی بات میں شامل ہے اور مصنفؒ نے اس بات کو سمجھتے ہوئے کہا کہ یحب علینا تعلم اربع مسائل چنانچہ آپؒ نے پہلے علم کا ذکر کیا پھر عمل کا کیونکہ ارشاد باری ہے وعملوا الصالحات چنانچہ جب آیت میں خاص کو عام پر عطف کیا گیا تو اس کی اہمیت اور اس کے مرتبہ کی وضاحت ہو گئی اور اس لئے بھی کیونکہ دوسری بات حکم کے سلسلہ میں پہلی بات ہی کی طرح ہے۔[377]

اس آیت میں علم میں حاصل کرنے کے وجوب پر بھی دلیل ملتی ہے اور وہ اس طرح سے کہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ عمل واجب ہے تاکہ ہم خسارہ سے بچ سکیں اور عمل اس شخص سے صحیح ہو سکتا ہے جو یہ جانتا ہو کہ عمل کرنا کیسے ہے اور انسان کو علم ہی کے

----

376) المحصول من شرح ثلاثة الأصول، الغنيمان (27)۔

377) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (23)۔

ذریعہ یہ پتہ چل سکتا ہے کہ وہ اعمالِ صالحہ کیسے کرے چنانچہ اس طرح علم بھی واجب ہے۔[378]

(۳)تیسری صفت:

جس کو نہیں پتہ ہے اس کو سکھایا جائے: اس کا ذکر وتواصوابالحق میں ہے اور یہاں حق سے مراد وہ باتیں ہیں جن کا ذکر ہوا۔یعنی اللہ پر ایمان اور عمل صالح[379]یعنی علم اور عمل کی طرف دعوت[380]اور تواصو بالحق کی نصیحت کرنا عمل صالح کی قسموں میں سے ایک ہے اور اسی کی شکلوں میں سے ایک شکل ہے۔بطور خاص اس کا ذکر اس کی اہمیت اور کامیابی کے معاملہ میں اس کے مرتبہ کی وجہ سے کیا گیا ہے اور یہ تیسرے مسئلہ "الدعوۃ الیہ" کی دلیل ہے۔

---

378)شرح الأصول الثلاثة وأدلتها، محمد بن مبارک الشرافي(17)۔

379)حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبداللہ بن صالح الفوزان(24)؛وشرح الأصول الثلاثة، للشیخ عبدالرحمن بن ناصرالبراک(9)۔

380)شرح الأصول الثلاثة،د.صالح بن فوزان الفوزان(29)۔

اس آیت میں علم حاصل کرنے کے وجوب کی دلیل بھی ہے اور وہ اس طرح سے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف دعوت دینا واجب ہے کیونکہ یہ خسارہ سے نجات کا راستہ ہے اور دعوت صحیح نہیں ہو سکتی جب تک اس سلسلہ میں انسان کے پاس علم نہ ہو۔ چنانچہ علم حاصل کرنا بھی واجب ہے۔ [381]

(۴) چوتھی صفت:

اس راستہ میں صبر سے کام لینا: اس کا ذکر "وتواصوا بالصبر " میں ہے یعنی جو تینوں باتیں گزری ہیں ان میں آنے والی پریشانیوں پر صبر کرنا[382] اور یہ وہ چوتھی صفت ہے جس پر کامیابی کا دارومدار ہے۔ اس بات کا حکم دراصل پچھلی بات کے حکم میں شامل ہے کیونکہ صبر کی تلقین کرنا حق کی نصیحت کرنے میں شامل ہے۔ خاص طور پر اس کا ذکر اس مرتبہ اور نجات کے حصول اور خسارہ سے سلامتی کے معاملہ میں اس کی اہمیت کی وجہ سے کیا گیا ہے اور یہ چوتھے مسالۃ "الصبر علی الاذی فیہ" کی دلیل ہے۔ تواصی بالحق اور

---

381) شرح الأصول الثلاثة وأدلتها، محمد بن مبارك الشرافي (17)۔

382) شرح الأصول الثلاثة، عبد العزيز بن عبد الله الراجحي (17-18)، وشرح الأصول الثلاثة، للشيخ عبد الرحمن بن ناصر البراك (8-9)۔

تواصی بالصبر دونوں اعمال صالحہ میں سے ہیں اور اعمال صالحہ ایمان میں داخل ہے چنانچہ یہ چاروں چیزیں ایک دوسرے میں داخل ہیں۔ اعمالِ صالحہ کا ایمان پر عطف اور تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا اعمال صالحہ پر عطف دراصل خاص کو عام پر عطف کرنے میں سے ہے۔[383]

چوتھا مسألہ: اس آیت سے چاروں مسائل کے سیکھنے کے وجوب کے حکم کی دلیل۔

مذکورہ آیت سے اس بات کی دلیل اس طرح سے ہے کہ اللہ رب العزت نے قسم کھائی ہے کہ تمام انسان خسارہ میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان چاروں مسائل پر عمل کیا جس کا مصنفؒ نے ذکر کیا ہے۔

سورہ عصر میں ان چاروں مسائل کو سیکھنے کی دلیل اس طرح سے ہے کہ انہیں پر کامیابی کا دارومدار ہے۔ دنیا وآخرت کی تمام کامیابیاں اسی پر موقوف ہیں۔ بندہ انہیں کے ذریعہ خسارہ سے نجات حاصل کر سکتا ہے، چنانچہ وہ چاروں چیزیں واجب

---

383) وشرح الأصول الثلاثة، للشیخ عبدالرحمن بن ناصر البراک (9)۔

ہیں کیوں کہ بندوں کی سلامتی اور اس کی نجات جس کو حاصل کرنے کا اسے حکم دیا گیا ہے۔وہ انہیں چاروں چیزوں سے حاصل ہوسکتی ہے۔[384]

چنانچہ اللہ رب العزت نے عصر کی قسم کھائی ہے کہ تمام جنس انسان خسارہ میں ہے اور بندہ اس خسارہ سے انہیں چیزوں کے ذریعہ نجات حاصل کرسکتا ہے جن کا ذکر اداۃ استثناء "الا" کے بعد کیا گیا ہے، چنانچہ وہ چاروں چیزیں واجب ہیں کیوں کہ جس نجات کو حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ انہیں پر موقوف ہے۔

خسارہ سے علم، عمل، دعوت اور صبر کے ذریعہ ہی نجات حاصل کی جاسکتی ہے چنانچہ ان چاروں مسائل کو سیکھنا واجب ہے کیونکہ بندہ کی نجات اور اس کی کامیابی اسی پر موقوف ہے۔[385] اس طرح یہ سورہ انتہائی عظیم اور جامع سورہ ہے کیونکہ پورا دین حق پر

----

384) (تعليقات على ثلاثة الأصول)، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1437 هجريا۔

385) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي (8)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا۔

ایمان لانے، اس پر عمل کرنے، اس کی طرف دعوت دینے اور اس راہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر کرنے سے عبارت ہے اور تمام انسانیت خسارہ و ہلاکت میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو مذکورہ چاروں صفات سے متصف ہوں اور وہ صفات یہ ہیں۔ علم پر مبنی ایمان عمل صالح حق کی وصیت اور وہ ہے اللہ کی طرف دعوت دینا اور صبر کی نصیحت چنانچہ جس نے اپنے اندر یہ چاروں صفات پیدا کرلیں اس کی کامیابی مکمل ہوگئی اور جس نے ان کو چھوڑ دیا وہ خسارہ و بربادی میں مبتلا ہوگیا۔ ان صفات میں سے جو جتنی صفات کو ترک کرے گا۔ اس کے بقدر اتنی کامیابی سے محروم ہوگا اور اس کے بقدر خسارہ سے دوچار ہوگا۔ واللہ المستعان[386]

---

386) شرح الأصول الثلاثة، عبدالعزيز بن عبدالله الراجحي. (18)۔

مصنفؒ لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا اگر اللہ رب العزت اپنی مخلوق پر حجت قائم کرنے کیلئے صرف یہ سورۃ نازل کردیتے تو ان کیلئے کافی تھا۔[387]

مصنفؒ نے پہلے قرآن مجید سے اس بات کی دلیل دیتے ہوئے کہ مذکورہ چاروں مسائل کو سیکھنا واجب ہے۔ سورۃ عصر کا ذکر کیا تھا اس کے بعد امام محمد بن ادریس الشافعیؒ کا سورۃ عصر پر قول نقل کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ[388] نے فرمایا کہ اللہ رب العزت اپنی مخلوق پر حجت قائم کرنے کیلئے صرف یہ سورۃ نازل کردیتے تو بھی ان کیلئے کافی تھا یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی

---

387) ایسا لگتا ہے کہ اِمام شافعي کا یہ قول بالمعنی نقل کیا گیا ہے، اِمام شافعي کا قول دوسرے مصادر میں اس طرح ہے "قال الإمام الشافعي رحمه الله "إنها سورة لو لم ينزل إلى الناس إلا هي لكفتهم"، "نظم الدرر في تناسب الآيات والسور للبقاعي: 234/22. ابن کثیر اپنی تفسیر میں اِمام شافعي رحمه الله سے نقل کرتے ہیں 63/1، "لو تدبر الناس هذه السورة لكفتهم"، اور ایک اور جگہ نقل کرتے ہیں 456/8، "لو تدبر الناس هذه السورة لو سعتهم"، اور معنی کے لحاظ سے ان الفاظ میں فرق نہیں ہے۔

388) أبو عبد الله محمد بن إدريس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطلبي القرشي المكي (متوفی: 204ھ-)، شافعي ان کی نسبت ہے اپنے چوتھے دادا کی طرف، اور آپ چاروں اماموں میں سے ایک ہیں۔

مکلف مخلوق پر حجت قائم کرنے ان کو واضح برہان عطا کرنے اور آگاہ وہوشیار کرنے کیلئے صرف تین عظیم اور جامع آیات پر مبنی یہ سورۃ نازل کر دیتے تو ان کیلئے کافی تھا[389]۔

امام شافعیؒ کی اس بات میں مندرجہ ذیل مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ: ان کے قول لكفتهم (تو یہ ان کیلئے کافی ہوتا) کا مطلب:

پہلا قول:

امام شافعیؒ کے قول لكفتهم کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ باتوں پر ابھارنے کیلئے کافی ہوتا[390] یہ مطلب نہیں ہے کہ پوری شریعت بیان کرنے کیلئے کافی ہوتا چنانچہ ان کے بارے میں ان کی بات کا یہ مطلب ہوگا کہ ان لوگوں پر سورۃ عصر نازل ہوتی ان کی توجیہ وارشاد کرنے کیلئے ان کو نصیحت کرنے کیلئے تو ان کیلئے کافی تھا یعنی نصیحت کے طور پر کافی ہوتی نہ کہ پوری شریعت بیان کرنے کیلئے کیونکہ اس آیت میں شریعت سے متعلق بات نہیں ہے نہ طہارت کا ذکر ہے نہ نماز کا نہ زکوۃ روزہ اور حج کا بلکہ ان کی موعظت اور نصیحت کیلئے کافی ہوتی کیونکہ انسان عقل مند ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ وہ خسارہ میں ہے۔الا یہ کہ وہ ان چاروں صفات

---

389) تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د.عبدالمحسن القاسم (29)۔

390) شرح الأربعین النوویۃ، عطیۃ محمد سالم۔

سے متصف ہو جائے چنانچہ ایک عقل مند انسان اس بات کی کوشش کرے گا تو وہ ان چاروں صفات سے متصف ہو جائے[391]۔

دوسرا قول:

ان کی بات کا یہ مطلب ہے کہ ان مخلوق پر حجت قائم کرنے کیلئے یہ سورۃ کافی ہوتی کیونکہ اس آیت میں کامیابی وکامرانی حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور اس خسارہ سے سلامتی حاصل کرنے کا بھی طریقہ بتادیا گیا ہے جس سے انسان متصف ہے[392] چنانچہ اگر لوگ سورۃ عصر پر غور کریں تو ان کیلئے کافی ہوگی کیونکہ اس سورۃ میں اللہ رب العزت نے بتادیا ہے کہ تمام انسان خسارہ میں ہیں اُلا کہ وہ شخص جو مؤمن اور صالح ہو اور دوسروں کیلئے حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرنے والا ہو[393]۔ امام شافعیؒ کے قول میں کافی ہونے کا یہ

---

391) لقاء الباب المفتوح، محمد بن صالح العثیمین۔

392) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد اللہ المصلح(9)۔

393) مجموع الفتاوی(152/28) والاستقامة لابن تیمیة، تحقیق: محمد رشاد سالم(2/259-260)۔

مطلب ہے کہ یہ سورہ مخلوقات پر اس بات کی حجت قائم کرنے کیلئے کافی ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے أوامر پر عمل کرنا ضروری اور واجب ہے کیونکہ یہی نجات کا واحد راستہ ہے[394]۔

چنانچہ امام شافعیؒ کے قول لکفتھم کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ سورۃ مخلوق کیلئے شریعت کے تمام أبواب اور مکمل دین کو بیان کرنے کیلئے کافی ہوتی اور اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس سورۃ کے علاوہ جو بھی سورۃ اور آیتیں ہیں ان کی کوئی حاجت وضرورت نہیں ہے۔

بلکہ أہل اسلام تو ہر اس حرف کے محتاج ہیں جو اللہ کی کتاب میں نازل ہوا۔ اس میں سے ایک حرف بھی ان کے لئے ضرورت سے زیادہ یا بلا حاجت نہیں ہے بلکہ امام شافعیؒ کی بات کا یہ مطلب ہے کہ یہ سورہ مخلوق کے اوپر اس بات کی حجت قائم کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے کہ اللہ کے دیئے گئے اوامر کو بجالانا اور اس کے نواہی سے دور رہنا واجب ہے چنانچہ اگر اللہ رب العزت قرآن میں اپنے رسول کے ذریعہ اپنی مخلوق پر اس بات کی حجت قائم کرنے کے لئے کہ ان کی نجات صرف اور صرف ان چاروں مسائل کو جان کر

---

394) الشرح الصوتي: (تعليقات على ثلاثة الأصول)، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي، 1441هـ۔

ہی ہوسکتی ہے تو یہ ان کے لئے کافی ہوتا[395] اور یہ وہ اعجاز ہے جس پر صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی قادر ہے چنانچہ یہ سورہ اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک کامیاب اور دوسرے ناکام اور اس سورۃ نے کامیابی وکامرانی کے اسباب بھی مجمل طور پر بیان کردیئے ہیں اور اس طرح مخلوق پر حجت قائم ہوگئی اور قرآن و سنت کے بقیہ نصوص مفصل طور پر آتے ہیں اور مفصل انداز میں ان چاروں مسائل کو واضح کرتے ہیں۔[396]

دوسرا مسألۃ: مصنفؒ کا امام شافعیؒ کے قول نقل کرنے کا مقصد۔

مصنفؒ نے امام شافعیؒ کا یہ قول سورہ عصر کی اہمیت و عظمت بیان کرنے کے لئے کیا ہے۔اس لئے کیونکہ یہ سورہ ان عظیم مطالب پر مشتمل ہے جن کا اللہ رب العزت نے اپنے بندوں سے مطالبہ کیا ہے اور اس لئے کیونکہ یہ سورہ ان واجبات پر مبنی ہے جس میں بندہ کی نجات اور خسارہ سے سلامتی اور عافیت ہے یعنی مجمل طور پر اس سورہ میں علم، عمل، دعوت اور پریشانیوں پر صبر کرنے کی بات ہے اور اسی میں اس کی کامیابی ہے۔ باقی دوسری آیتوں

---

(395)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(24)۔

(396)شرح الأصول الثلاثۃ، د. صالح بن فوزان الفوزان(36)۔

میں ان باتوں کو تفصیلی طور پر بیان کیا گیا ہے، چنانچہ اس سورہ نے انسانوں پر واجب کر دیا ہے کہ وہ علم حاصل کریں، اس پر عمل کریں، لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں اور اس راہ میں صبر و استقامت سے کام لیں۔[397] اس سورۃ میں اس بات کی وضاحت ہے کہ یہی کامیاب لوگوں کی صفت ہے اور جس نے ان صفات کو ترک کر دیا اور اس سے خود کو آراستہ نہیں کیا اس نے اپنے آپ کو خسارہ و ہلاکت میں ڈال دیا۔[398]

امام شافعیؒ کی کتاب ''الرسالۃ'' میں مذکور ہے کہ علم کے معاملہ میں انسانوں کے مختلف طبقات ہیں۔ علم کے معاملہ میں ان کی قدر و منزلت اتنی ہی ہے جس درجہ کا ان کا علم ہے۔ چنانچہ طالب علموں کو چاہیئے کہ وہ اپنی تمام تر محنت اور طاقت علم حاصل کرنے کے لئے لگادیں۔ اس کے حصول میں آنے والی ہر رکاوٹ پر صبر کریں۔ اللہ کے دین کے علم کے حصول میں اپنی نیتوں کو اللہ کے لئے مخلص رکھیں اور اس راہ میں مدد حاصل کرنے کے لئے اللہ سے امید اور رغبت رکھیں کیونکہ ہر خیر اس کی مدد و نصرت سے حاصل ہوتا ہے چنانچہ جس شخص کو اللہ کی کتاب کے نصوص اور اس سے استدلال کے ذریعہ

---

(397) شرح ثلاثۃ الأصول، حمد بن عبد اللہ الحمد (5)۔

(398) شرح الأصول الثلاۃ، عبد العزیز بن عبد اللہ الراجحي (19)۔

اللہ کے احکامات کا علم حاصل ہو گیا اور اللہ رب العزت نے اس کو اس بات کی توفیق دی کہ اپنے علم پر عمل کرے اور اس کو بیان کرے تو گویا اس کو دنیا وآخرت کی فضیلت مل گئی۔ اس کے دل سے شکوک وشبہات ختم ہو گئے اور حکمت نے اس کے دل کو منور کر دیا اور دین میں اس کے لئے امامت کا مقام واجب ہو گیا۔[399]

---

399) كتاب الرسالة، لِلإمام الشافعي (19)، بتحقيق وشرح: أحمد محمد شاكر، ناشر: مكتبة جار التراث، ط. الثانية 1399 هجريا۔

مصنفؒ فرماتے ہیں: امام بخاریؒ فرماتے ہیں باب: علم قول و عمل سے پہلے ہے۔اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے: {فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ}[400] ترجمہ: پس اے نبیؐ، خوب جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے،اور معافی مانگو اپنے قصور کے لیے۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے قول و عمل سے پہلے علم کا ذکر کیا۔

چونکہ اس کتابچہ میں یہاں پہلے مسئلہ "علم" سے متعلق بات چل رہی تھی جو کہ سب سے پہلا واجب ہے تو مصنفؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ علم حاصل کرنا کتنا زیادہ اہم ہے۔ یہاں تک وہ قول و عمل سے بھی پہلے مطلوب ہے۔ چنانچہ بندہ جب مغفرت طلب کرتا ہے تو اس سے بھی پہلے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس واجبی علم کو حاصل کرے جس سے عبادت اور عقیدہ صحیح ہوتا ہے جس سے دل راہِ راست پر آتا ہے اور یہی وہ علم ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے آپ کو اللہ رب العزت کے فضل سے کامیابی سے ہمکنار کر سکتا ہے جب اس سے علم کے متعلق تینوں معرفتوں کے بارے میں سوال کیا

---

400) سورۃ محمد:19۔

جائے گا[401] چنانچہ مصنفؒ انہیں تینوں اصولوں کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں اور ان مسائل کی وضاحت جو اس علم سے متعلق ہیں چنانچہ علم کی اہمیت کی تاکید کے طور پر انہوں نے امام بخاریؒ ان کا وہ قول ذکر کیا ہے جو صحیح بخاری میں ہے۔[402] امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ''باب علم قول و عمل سے پہلے ہے'' یعنی یہ وہ باب ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ شریعت کا فرض کردہ علم اور اس کا حصول اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینے اور اس پر عمل کرنے سے پہلے ہے تاکہ بندہ غلط اور گمراہ کن طریقوں سے اپنے رب کی عبادت نہ کرے۔ امام بخاریؒ نے علم کو عمل پر مقدم کرنے کی دلیل کے طور پر اللہ رب العزت کے فرمان سے استدلال کیا ہے۔ ارشاد باری ہے: {فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ} فاعلم یعنی اے اللہ کے رسول اور اس خطاب میں آپ ﷺ کی پوری امت شامل ہے اور یہی علم ہے۔[403] "أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ" یعنی اللہ رب العزت کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے

---

401) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (25)۔

402) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب: العلم قبل القول والعمل۔

403) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله بن صالح الفوزان (26)۔

توحید کا علم حاصل کرنے کا حکم دیا کیوں کہ یہی اصل قول و عمل ہے اور اس کے بعد کہا "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ" (اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو) مغفرت کی دعا کرکے اوراس کے اسباب اختیار کرکے۔[404]

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے علم سے بات کا آغاز کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فاعلم کہہ کر علم سے شروعات کی اور قبل القول والعمل کا مطلب ہے کہ علم سے شروعات کی قول سے پہلے جوکہ لاالہ الا اللہ ہے[405] اور عمل سے بھی پہلے جوکہ واستغفر لذنبک ہے اور شروعات دراصل الأھم فالأھم سے ہوتی ہے۔[406] چنانچہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ علم کا مرتبہ قول و عمل کے مرتبہ پر مقدم اور اس سے پہلے ہے۔[407]

مصنفؒ نے امام بخاریؒ کا جو قول نقل کیا ہے اس میں مندرجہ ذیل مسائل ہیں۔

---

404) تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبدالمحسن للقاسم (30)۔

405) المحصول من شرح ثلاثۃ الأصول، الغنیمان (26)۔

406) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن ابراھیم آل الشیخ (54)۔

407) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (15)۔

پہلا مسألة: امام بخاری کے اس قول کی وضاحت کے باب: العلم قبل القول والعمل۔

مصنفؒ نے اپنی بات کو مضبوط بنانے اور اس کے حق میں امام بخاری کا وہ قول ذکر کیاہے جو انہوں نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں لکھاہے۔ مصنفؒ نے امام بخاری کا یہ قول لفظ بلفظ نقل کرنے کے بجائے اس کا معنی ذکر کیا ہے[408] کیونکہ صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں: "باب: العلم قبل القول والعمل لقول اللہ تعالیٰ"[409] لیکن مصنفؒ نے اس کو اس طرح تعبیر کیاہے: والدلیل قولہ تعالیٰ بجائے اس کے کہ لقول اللہ تعالیٰ اور وہ اس لئے تاکہ بات مزید واضح ہوجائے[410] اور وہ اس بات کی دلیل ہے کہ علم انتہائی ضروری ہے عمل سے پہلے، اور مصنفؒ نے بھی جن چار مسائل کا ذکر کیاہے اسمیں علم سب سے مقدم ہے چنانچہ وہ اصل ہے جس کے بعد باقی مسائل ان سے نکلتے ہیں اور ہر وہ عمل جو علم پر مبنی نہیں ہوگا وہ بندہ کو اللہ رب العزت سے اور دور کردے گا کیونکہ وہ عمل بدعت وگمراہی ہوگا۔ چنانچہ امام بخاریؒ کی بات کا یہ مطلب ہے کہ علم کا مرتبہ وجود اور قدم کے

---

408) ینظر: تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (8)۔

409) صحیح البخاري، کتاب العلم، باب: العلم قبل القول والعمل۔

410) حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ بن صالح الفوزان (26)۔

معاملہ میں عمل کے مرتبہ سے پہلے آتا ہے اس لحاظ سے علم عمل سے زیادہ اہم ہے، کیونکہ عمل کا وجود علم کے وجود کے بعد ہوتا ہے چنانچہ واجبی علم کا حصول قول و عمل پر مقدم ہے کیونکہ عمل اسی وقت صحیح ہوگا جب علم کے بعد ہو اور اس لئے بھی کہ علم قول و عمل کی صحت کیلئے شرط ہے اور قول و عمل علم کے بعد ہی معتبر ہیں چنانچہ علم ان دونوں پر مقدم ہے کیونکہ علم ہی سے نسبت اور عمل دونوں ایک ہی ہیں ابن المنیرؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے قول کا یہ مطلب ہے کہ علم قول و عمل کی صحت کیلئے شرط ہے اسلئے علم کے بعد ہی قول و عمل معتبر ہوں گے اور علم ان پر مقدم بھی ہے کیونکہ علم سے ہی نیت اور عمل دونوں صحیح ہوتے ہیں چنانچہ مصنفؒ نے اس بات کی طرف تنبیہ کر دی تاکہ ذہن میں یہ بات نہ آئے اس بات سے کہ علم اس وقت تک نفع بخش نہیں ہوگا جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے علم کی اہمیت اور اس کے مرتبہ میں کوئی خلل یا نقص ذہن میں پیدا ہو یا اسکے حصول میں کسی طرح کا تساہل پیدا ہو کیونکہ علم صحیح طریقہ سے عمل کی ادائیگی کے لئے شرط ہے کیونکہ علم ہی سے نیت اور عمل دونوں صحیح ہوتے ہیں اور علم ہی سے عمل کی ظاہری ہیئت صحیح ہوتی ہے کیونکہ کسی جاہل شخص سے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ عمل کی ادائیگی صحیح طریقہ سے کرے گا بلکہ وہ صحیح عمل تک پہنچ بھی نہیں سکتا اس کی ادائیگی تو دور کی بات ہے۔

اگر قول و عمل سے پہلے علم ہوتا ہے تو انسان کے کم اعمال میں بھی برکت ہوتی ہے اور اگر قول و عمل علم سے پہلے ہوتا ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ اعمال و اقوال بہت زیادہ ہوں۔ لیکن وہ کامیابی و سرفرازی کے راستے سے ہٹا ہوا ہو، چنانچہ اسلئے علم کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور ہر چیز سے پہلے اسی سے شروعات کی جانی چاہئے خاص طور سے وہ علم جس پر عبادت اور عقیدہ کی صحت مبنی ہو جس علم سے دل راہ راست پر آئے اور انسان کیلئے اللہ کے رسول ﷺ کی سنت پر چلنا دلیلوں کی بنیاد پر آسان ہو جائے اور اس معاملہ میں اس کے اعمال جہل پر مبنی نہ ہوں۔

دوسرا مسئلہ : امام بخاریؒ کے اس قول کی وضاحت کہ " قول و عمل سے پہلے علم سے شروعات کی"۔

مذکورہ بالا قول بھی امام بخاریؒ کا ہے، لیکن صحیح البخاری میں قبل القول والعمل کا ذکر نہیں ہے۔ بخاری میں صرف اتنا ہے "فبدأ بالعلم"، جہاں تک یہ کلمات ہیں: "قبل القول والعمل" تو ہو سکتا ہے یہ مصنف کی طرف سے اضافہ ہو تاکہ بات مزید واضح ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صحیح بخاری کے دوسرے نسخوں میں یہ اضافہ ہو۔[411] یہ اضافہ اس

----

(411) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (26)۔

شروعات کرنے کے معنی کی وضاحت اوراس کی تفسیر ہے جوامام بخاری کے قول میں مذکور ہے۔ مصنفؒ نے امام بخاریؒ کے قول کے بعد جو اضافہ کیا ہے وہ دراصل امام بخاری کی بات کی مزید وضاحت ہے جوکہ انہوں نے خودامام بخاریؒ کے ترجمہ سے اخذ کیاہے۔[412]

تیسرا مسائلہ: چاروں مسائل کے مابین ترتیب پر استدلال۔

مصنفؒ نے جو باتیں نقل کی ہیں وہ مذکورہ چاروں مسائل کے مابین ترتیب پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ سب سے پہلے علم ہے، پھر عمل، پھر دعوت اوراس کے بعد صبر و استقامت،اس طرح ان چاروں مسائل کی ترتیب جو مصنفؒ نے ذکر کی ہے وہ ترتیب ہے جس پر قرآن دلالت کرتا ہے۔

کیونکہ مصنفؒ کی یہ بات کہ وقال البخاری (بخاریؒ نے فرمایا): ان مسائل کی ترتیب پر استدلال کرنے کے لئے ہے۔ان مسائل کی اصل تو سورہ عصر سے ثابت ہے اور اس کے مابین ترتیب پر قرآن کی یہ آیت {فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ

---

412) والشرح الصوتي: (تعليقات على ثلاثة الأصول)، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1441 هجريا۔

لِذَنْبِكَ} دلالت کرتی ہے۔[413] اس آیت سے ترتیب کی دلالت اس طرح واضح ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت نے اس میں "فاعلم" کہہ کر علم سے بات کا آغاز کیا ہے اور علم ہی سب سے اہم مسئلہ ہے۔ خاص کر جب اس کا تعلق لاالہ الا اللہ کی معرفت سے ہو۔ پھر واستغفر کہہ کر علم پر قول و عمل کو معطوف کیا ہے اور استغفار کی حقیقت یہ ہے کہ مغفرت کی طلب کی دعا کے ساتھ توبہ کی جائے اور جب توبہ کا ذکر الگ سے ہوتا ہے تو اس میں قول و عمل دونوں شامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ آیت مذکورہ میں استغفار سے قول و عمل کی طرف اشارہ ہے۔[414] مصنفؒ اپنے اضافہ "قبل القول والعمل" میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قول و عمل سے مراد وہ استغفار ہے جس میں قول و عمل دونوں ہوں۔ کیوں کہ دراصل استغفار کی حقیقت قول و عمل دونوں پر مشتمل ہے۔ قول مغفرت کی دعا کی شکل میں کیوں کہ بندہ جب استغفر اللہ کہتا ہے تو وہ اپنی زبان سے ان کلمات کو کہتا ہے اور اللہ سے دعا کرتا ہے کہ وہ

---

413) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (10)۔

414) والشرح الصوتي: (تعليقات على ثلاثة الأصول)، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1441 هجريا، وينظر: شرح الأصول الثلاثة: فهد الغفيلي (10)۔

اس کے گناہوں کو معاف کردے اور عمل اس طرح سے کہ جب استغفار کا مطلقاً ذکر ہوتا ہے تو اس میں توبہ بھی شامل ہوتی ہے اور توبہ میں قول وعمل دونوں شامل ہیں۔[415]

اس آیت سے مصنفؒ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ قول وعمل سے پہلے علم حاصل کرنے سے آغاز کرنا واجب ہے اور اس طرح امام بخاریؒ نے بھی اس آیت سے وہی استدلال کیا ہے[416] اور اس کی وجہ بتائی کہ اللہ رب العزت نے اپنے نبی کو دو چیزوں کا حکم دیا پہلے علم کا اور پھر عمل کا اور آیت مذکورہ میں فاعلم کہہ کر علم سے بات کا آغاز کیا اور پھر واستغفر کہہ کر عمل کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ علم عمل پر مقدم ہے اور امام بخاریؒ نے جو بات لکھی وہ بالکل صحیح اور معنی کے لحاظ سے بالکل ثابت ہے۔[417]

---

415) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي (8)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا۔

416) وقد استنبط هذا المعنى من الآية المذكورة قبل البخاري: شيخ شيوخه أبو محمد سفيان بن عيينة؛ كما رواه عنه أبو نعيم الأصفهاني في كتابه: حلية الأولياء (305/7). ثم أخذه عن البخاري بعده: الغافقي الجوهري في مسند الموطأ وبوّب به فقال: باب العلم قبل القول والعمل. فالبخاري له سابق ولاحق ينظر: تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (8)۔

417) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (54)۔

مصنفؒ یہاں پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علم عمل کا اساس ہے، کسی چیز کا علم اس پر عمل کرنے اوراس کی طرف لوگوں کو دعوت دینے سے پہلے ضروری ہےاور یہ علم اوراس کے حصول کی فضیلت پر دلالت کرتا ہےاور لوگوں کو دعوت دینے سے پہلے ضروری ہےاور ان آیتوں میں علم حاصل کرنے کا حکم بھی ہے اور نہ حاصل کرنے والوں کے لئے مذمت کا ذکر بھی ہے۔[418]

اس آیت میں "فاعلم" اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وہ علم جس کو سب سے پہلے حاصل کرنا ہے۔وہ توحید کا علم ہے۔یہ آیت علم حاصل کرنے کے وجوب پر بالکل واضح دلیل ہے کیونکہ اس آیت میں علم حاصل کرنااس صیغہ میں آیاہے جو کہ وجوب پر دلالت کرتا ہےاور سورہ عصر کی آیت میں یہ حکم امر کے صیغہ کے بجائے مفہوم لازم کے صیغہ میں بیان کیا گیا ہے اوراس آیت میں ان چاروں مسائل کے مابین ترتیب کی دلالت بھی ہے چنانچہ سب سے پہلے علم آتا ہے اور پھر عمل اوراس میں علم حاصل کرنے کے وجوب پر بھی صراحت کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے۔[419]

---

418) شرح الأصول الثلاثة، أحمد بن محمد الصقعوب (16)۔

419) المحصول في شرح الأصول الثلاثة، عبدالله بن محمد الجهني (15)۔

تینوں اصولوں سے پہلے مذکور تین رسالوں میں دوسرے رسالہ کی شرح۔

دوسرا موضوع:

تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں، ایک بات اچھی طرح جان لو کہ مسلمان مرد اور عورت پر مندرجہ ذیل تین باتوں[420] کو جاننا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔[421]

(ا) اللہ ہی نے ہمیں پیدا کیا ہے۔[422]

وہی ہمیں رزق دیتا ہے[423] اور پیدا کر کے ہمیں یوں ہی نہیں چھوڑ دیا، بلکہ ہمارے پاس اپنے رسول بھیجے،[424] چنانچہ جس نے ان کی اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ جہنم کا مستحق ہو گیا۔ اس بات کی دلیل فرمانِ الٰہی ہے: {إِنَّا أَرْسَلْنَا

---

(420) في (ن): (أن الله أوجب)۔

(421) في (د): (تعلم هذه المسائل) ورجح الشيخ عبد الله بن صالح الفوزان في كتابه: حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول (27): أن العبارة الأوضح (تعلم هذه المسائل الثلاث)۔

(422) في (ن) زيادة (لعبادته)۔

(423) ليست في (ن)۔

(424) في (خ، ن) (وأرسل)۔

إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا (15) فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا (16) }[425]

ترجمہ: تم لوگوں کے پاس ہم نے اُسی طرح ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ (پھر دیکھ لو کہ جب) فرعون نے اُس رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اس کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے کہ اس کی عبادتوں میں کسی کو اس کا ساتھی اور شریک ٹھہرایا جائے۔[426]

چاہے وہ کوئی مقرب فرشتہ یا بھیجا گیا نبی ہی کیوں نہ ہو۔[427]--[428] اس بات کی دلیل فرمان الٰہی ہے: {وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (18)}[429]

----

425) سورۃ المزمل: 16،15۔

426) في (خ،ن) (أن يشرك معه في عبادته أحد)۔

427) في (خ): (لا نبي مرسل، ولا ملك مقرب)۔

428) في (د) زيادة: (فضلا عن غيرهما) وفي (ص): زيادة: (ولا غيرهما)۔

429) سورۃ الجن: 18۔

ترجمہ: اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں، لہٰذا اُن میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

(۳) جس نے اللہ کی توحید کا اقرار کیا اور رسول کی اطاعت کی اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس شخص سے محبت کرے، موالاۃ قائم کرے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہو۔

چاہے وہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے: {لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (22)}[430]

ترجمہ: تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ اُن کے

---

(430) سورۃ المجادلۃ: 22۔

باپ ہوں، یا اُن کے بیٹے، یا اُن کے بھائی یا اُن کے اہل خاندان یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں خبردار رہو، اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔

مصنفؒ فرماتے ہیں: تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں، ایک بات اچھی طرح جان لو کہ مسلمان مرد اور عورت پر مندرجہ ذیل تین باتوں کو جاننا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

تینوں اصولوں سے پہلے مصنفؒ نے جن تین رسالوں کا ذکر کیا تھا اس میں سے یہاں دوسرے رسالہ کا ذکر ہے۔ پہلے رسالہ میں مصنفؒ نے ان چاروں مسائل کا ذکر کیا تھا جن کا علم حاصل کرنا اور ان کو سیکھنا ہمارے اوپر واجب ہے[431] اور یہاں دوسرے رسالہ میں ان تین مسائل کا ذکر کیا ہے جن کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ہمارے اوپر واجب ہے چنانچہ مصنفؒ لکھتے ہیں "تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں، ایک بات اچھی طرح جان لو کہ مسلمان مرد اور عورت پر مندرجہ ذیل تین باتوں کو جاننا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے"۔ ان تینوں مسائل سے متعلق دو چیزیں ہم پر واجب ہوتی ہیں۔ پہلے ان مسائل کو سیکھنا ان کا علم حاصل کرنا اور پھر اس پر عمل کرنا، مصنفؒ لکھتے ہیں "اعلم" یعنی اچھی طرح جان کر مکمل یقین کرلو کہ یہ واجب عینی ہے کہ ان تینوں مسائل کو جان لو ان کی معرفت حاصل کرکے ان کے معانی پر یقین کرکے اور ان پر عمل کرکے، چنانچہ ان مسائل

----

431) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن ابراھیم آل الشیخ(55)۔

سے متعلق صرف علم کافی نہیں ہے۔ بلکہ ان کا علم بھی حاصل کرنا ہے اور اس کے مطابق عمل بھی کرنا ہے۔[432]

مذکورہ بالا باتوں میں مندرجہ ذیل مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: ان تینوں مسائل کی اہمیت۔

ہر مسلم مرد اور عورت پر واجب ہے کہ وہ ان تینوں مسائل کے بارے میں علم حاصل کرے اور ان کے مطابق عمل کرے کیوں کہ ان کا تعلق اصل دین اور اس کے قاعدہ کی وضاحت سے ہے چنانچہ جو شخص ان مسائل کو سیکھے گا اور ان پر عمل کرے گا اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کو ثواب دیں گے اور جو ان سے لاعلمی رکھے گا یا ان کو سیکھنے کے بعد ان پر عمل نہیں کرے گا وہ گناہ کا مستحق ہوگا[433] اور یہ تینوں مسائل پہلے ذکر کئے گئے مسائل سے جڑے ہوئے ہیں اور آگے آنے والے مسائل کی تمہید کی حیثیت رکھتے ہیں پچھلے رسالہ میں مصنفؒ نے کہا تھا کہ چار مسائل کا علم حاصل کرنا ہمارے اوپر واجب ہے اور ان میں

---

432) ینظر: حاشیة ثلاثة الأصول، لابن قاسم (16)، وشرح ثلاثة الأصول، صالح آل الشیخ (29)؛ وتیسیر الوصول، د. عبد المحسن القاسم (32)، وشرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (10)۔

433) شرح الأصول الثلاثة، عبد العزیز الراجحي (23)؛ وحاشیة ثلاثة الأصول، لابن قاسم (16)۔

سب سے پہلا مسألۃ "علم" حاصل کرنا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب سے پہلی چیز جس کا علم حاصل کرنا ہم پر واجب ہے۔ وہ اس رسالہ میں مذکور تینوں مسائل کا علم ہے۔[434]

پچھلے رسالہ میں چاروں مسائل کا ذکر کرتے ہوئے مصنفؒ نے لکھا تھا اعلم انہ یجب علینا اور یہاں اس رسالہ میں تینوں مسائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں اعلم انہ یجب علی کل مسلم و مسلمۃ اور ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ اس رسالہ میں مذکور تینوں مسائل کا تعلق ہر ہر فرد سے ہے، یہ ہر مسلم مرد اور عورت پر واجب ہے[435]۔ کیوں کہ ان تینوں مسائل کا تعلق عقیدہ سے ہے اور پچھلے رسالہ میں مذکور مسائل کا ذکر عمل سے تھا[436] چنانچہ ان تینوں مسائل کا تعلق توحید اور عقیدہ سے ہے جس کو جاننا اور اس کے

----

434) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (10)۔

435) المحصول من شرح ثلاثة الأصول، الغنيمان (28)۔

436) اتحاف العقول بشرح ثلاثة الأصول، عبيد الجابري (28)، وحاشية ثلاثة أصول، طالب الكثيري _5)۔

مطابق عمل کرنا ہر ایک مسلمان پر واجب ہے۔[437]

دوسرا مسألة: ان تینوں مسائل سے مقصود کی وضاحت:

اس رسالہ میں مصنفؒ نے ان تین مسائل کا ذکر کیا ہے جن کا سیکھنا اور ان کے مطابق عمل کرنا ہر مسلم مرد اور عورت پر واجب ہے لیکن شارحین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ مصنفؒ کا ان تینوں مسائل سے کون سے مسائل مراد ہیں۔

(ا) پہلا قول یہ ہے کہ ان تینوں مسائل میں سے پہلا مسئلہ اس بات کی وضاحت پر مبنی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت واجب ہے اور دوسرے مسئلہ سے عبادت میں شرک کرنے کو باطل قرار دینا اور توحید کو ثابت کرنا ہے۔ اس بات کی وضاحت ہے کہ اللہ رب العزت کو پسند نہیں ہے کہ اس کے ساتھ اس کی عبادت میں کسی کو شریک کیا جائے، چاہے وہ کوئی بھی ہو کیونکہ عبادت صرف اور صرف اسی کا حق ہے اور اللہ کے حقوق میں شرکت کی گنجائش نہیں ہے اور تیسرے مسئلہ سے اس بات کو واضح کر دینا مقصود ہے کہ مشرکین سے براءت کا اعلان کرنا واجب ہے اور یہ تیسرا مسئلہ دراصل دونوں مسئلوں کے تابع اور اس کا لازمی نتیجہ ہے کیونکہ اللہ کے رسول کی اطاعت، شرک کو باطل قرار دینا جو کہ

---

437) التعلیق المأمول علی ثلاثة الأصول، إعداد: أ.د. عبد الرحمن بن عبد العزیز السدیس (153)۔

پہلے اور دوسرے مسئلہ میں بیان کیا گیا ہے وہ اسی وقت ممکن ہے جب مشرکین سے براءت کا اعلان کر دیا جائے کیونکہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اور موحد ہو کر شرک کو باطل قرار دے دیا تو اس کی یہ عبادت اس وقت تک مکمل نہیں ہو گی جب تک وہ ان مشرکین سے براءت کا اعلان نہ کردے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت اور اللہ کی توحید سے پیدا ہونے والا ایمان مشرکین کی محبت کے ساتھ یکجا نہیں ہو سکتا بلکہ مومنین کا تو یہ طریقہ ہوتا ہے کہ وہ ان کی مخالفت کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے وہ ان سے دشمنی رکھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی رکھتا ہے[438] چنانچہ بندہ کے دل میں اللہ کی عبادت اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ مشرکین اور اللہ و رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت یکجا نہیں ہو سکتی۔[439]

---

438)تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (9،10)۔

439)والشرح الصوتي: (تعليقات على ثلاثة الأصول)، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم 1441 هجريا۔

چنانچہ زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ ان تینوں مسائل میں سے ہر مسئلہ ایک دوسرے سے الگ ہے اور ان میں سے پہلا مسئلہ اللہ کے رسول کی اطاعت کا واجب ہونا ہے دوسرا مسئلہ اللہ کی توحید کا واجب ہونا اور تیسرا مسئلہ الولاء والبراء سے متعلق ہے۔ 440

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ان تینوں مسائل کا تعلق الولاء والبراء سے ہے اور پہلا اور دوسرا مسئلہ دراصل تیسرے مسئلہ کی تمہید ہے کیونکہ اللہ پر ایمان اور اس کی توحید کے اقرار اور اس کے رسول کی اطاعت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے دشمنی ہو کیونکہ ایک ہی دل میں توحید اور اس کی ضد اور اطاعت اور اس کی ضد جمع نہیں ہوسکتی۔ 441

---

440) المحصول في شرح الأصول الثلاثة، عبداللہ بن محمد الجهني (16)۔

441) المحصول في شرح الأصول الثلاثة، عبداللہ بن محمد الجهني (16)۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ پہلا مسألۃ میں توحید ربوبیت پر گفتگو ہوتی ہے۔ دوسرے میں توحید الوہیت پر اور تیسرے میں الولاء والبراء پر،[442] چنانچہ پہلے مسئلہ میں توحید ربوبیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ دوسرے مسئلہ میں عبادت کو صرف اور صرف اللہ کے لئے خاص کرنے کے واجب ہونے پر گفتگو کی گئی ہے اور تیسرے مسئلہ میں اللہ رب العزت کی توحید کو لے کر محبت و بغض پر بات کی گئی ہے۔[443] آگے ان تینوں مسائل پر تفصیلی گفتگو آئے گی۔

---

442) جاء في حاشية ثلاثة الأصول (5): (قال المصنف قدس الله روحه: قررت ثلاثة الأصول: توحيد الربوبية، وتوحيد الألوهية، والولاء والبراء، وهذا هو حقيقة دين الاسلام. وقد نقله ابن قاسم عن المصنف بتصرف يسير، وينظر نص كلام المصنف في الدرر السنية (117/1)۔

443) ینظر: شرح ثلاثة الأصول، د. عبد العزيز الريس (25)؛ وشرح ثلاثة الأصول، خالد الباتلي (34)۔

مصنفؒ فرماتے ہیں: (۱) اللہ ہی نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ وہی ہمیں رزق دیتا ہے اور پیدا کرکے ہمیں یوں ہی نہیں چھوڑ دیا، بلکہ ہمارے پاس اپنے رسول بھیجے، چنانچہ جس نے ان کی اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگیا اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ جہنم کا مستحق ہوگیا۔

یہ ان تینوں مسائل میں سے پہلا مسألۃ ہے جس کا علم حاصل کرنا یا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہر مسلم مرد اور عورت پر واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ہم کو پیدا کیا ہے عدم سے جب کہ ہمارا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ ہم کو وجود بخشا اور ہم کو اپنی نعمتوں سے نوازا۔ تاکہ ہم اس سے اس کام کو انجام دینے میں مدد حاصل کریں جس کام کے لئے ہمیں پیدا کیا گیا ہے اور ہم کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا کہ ہم کو کسی بات کا مکلف نہ بنائے، اور نہ ہی ہم کو اپنے اوامر و نواہی پر مبنی احکامات کا مکلف نہ بنائے، بلکہ اس نے ہمارے پاس اپنے رسول محمد ﷺ کو بھیجا ہدایت اور دین حق کے ساتھ چنانچہ جس نے ان کی اطاعت کی جو کہ انہوں نے ہم کو بتایا کہ اللہ کی توحید بیان کرو اور شرک سے دور رہو اور جو شریعت وہ لے کر آئے ہیں اس میں ان کی اتباع کی تو وہ جنت میں داخل ہوگیا کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے[444] اور جس نے ان کی نافرمانی کی اس طرح سے کہ ان پر

---

444) ینظر: حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، لابن قاسم (16)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، عبدالرحمن البراک (10)۔

ایمان نہ لایا یا ایمان لانے کے بعد جن کاموں سے آپ ﷺ نے منع کیا ہے ان کو کر کے آپ ﷺ کے اوامر کی مخالفت کی تو وہ جہنم میں داخل ہو گیا یعنی جہنم میں داخل ہونے کا مستحق ہو گیا۔ لیکن وہ جہنم میں داخل بھی ہو سکتا ہے اور بچ بھی سکتا ہے۔

مصنفؒ کی مذکورہ بالا باتوں میں دو مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ: مذکورہ بات کی وضاحت۔

مصنفؒ نے ان مسائل کی شروعات توحید ربوبیت کی وضاحت کرتے ہوئے آنے والے مسائل کی تمہید کے طور پر کی[445] اور اس ضمن میں دو نہایت اہم اصول ہیں۔ پہلا اصول یہ کہ بندہ یہ جان لے کہ اللہ رب العزت نے اس کو کس چیز کا مکلف بنایا ہے کیونکہ اللہ رب العزت مخلوق کو نہایت عظیم حکمت اور غایت کے لئے بنایا ہے اور وہ یہ ہے کہ صرف اور صرف اس کی عبادت کی جائے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور دوسرا اصول یہ ہے کہ وہ جو علم اس نے سیکھا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے رسول محمد ﷺ کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو،[446] چنانچہ اس مسئلہ میں مصنفؒ نے اس بات کی وضاحت کر دی

---

(445) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (10)۔

(446) ینظر: المحصول من شرح ثلاثة الأصول، الغنیمان (29)۔

ہے کہ اللہ رب العزت ہی نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ اس کے علاوہ جتنے باطل معبود ہیں انہوں نے کسی چیز کی تخلیق نہیں کی۔ اللہ رب العزت نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو ان چیزوں کو بھی مہیا کیا جو ان کے زندہ رہنے اور ان کی بھلائی کے لئے ضروری ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کا رزق مقدر کیا۔ ہر جاندار کے رزق کا انتظام کیا اور جب انس و جن کو بنایا تو ان کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ان کے پاس رسولوں کو بھیجا، کتابیں نازل کیں اور جس نے رسولوں کی اطاعت کی اس سے جنت کا وعدہ کیا اور جس نے ان کی نافرمانی کی اس کو جہنم سے آگاہ کر دیا۔[447]

چنانچہ یہ پہلا اصول ہے جس کو جاننا، اس پر ایمان لانا، اس کے مطابق عمل کرنا ہمارے اوپر واجب ہے اور یہ دین کے اصولوں میں سے انتہائی اہم اصول ہے اور یہ اصول توحید ربوبیت کے اقرار پر مبنی ہے۔ اللہ کی ربوبیت میں سے یہ ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو بے شمار نعمتوں سے نوازا اور اس کی اپنے بندوں پر سب سے عظیم نعمت یہ ہے کہ اس نے رسول بھیجے، کتابیں نازل کیں تاکہ بندے اپنے رب کو جان سکیں۔ ان پر ان کے رب کے

---

447) شرح الأصول الثلاثة، أحمد بن محمد الصقعوب (17)۔

کیا حقوق عائد ہوتے ہیں ان کو جان لیں۔[448] رسولوں کو نازل کرنا اللہ کے بندوں پر بے پناہ عنایتوں کی دلیل ہے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ نے بندوں کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا کہ وہ اس کی عبادت نہ کریں اور ان سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ اللہ کے ربوبیت کے افعال میں اس کا بندوں کو پیدا کرنا اور رزق دینا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ اپنے رب کی عبادت کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے اور یہ پہلا اصول ہے اور یہ پہلا مسئلہ انتہائی اہم ہے کیونکہ اگر یہ مسئلہ انسان کے دل میں گھر کر گیا تو حشر کے کاموں کے دروازے اس کے سامنے کھل جائیں گے کیونکہ اس کو اس بات کا علم ہو جائے گا کہ اس کو ایک نہایت اہم اور عظیم حکمت و غایت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اسی میں اس کی نجات ہے۔ اس طرح اس پہلے مسئلہ میں دین کا خلاصہ واضح ہو گیا ہے۔ [449]

دوسرا مسألۃ: مصنفؒ کی اس بات کی وضاحت کہ جس نے ان کی اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ جہنم میں داخل ہو گیا۔

---

448) وشرح الأصول الثلاثة، للشیخ عبد الرحمن بن ناصر البراک (10)۔

449) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (32)۔

اس بات کا مطلب یہ ہے کہ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ یعنی یا تو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہو گیا یا ایک وقت تک عذاب سے دوچار ہونے کے بعد جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے آپ ﷺ کی نافرمانی کی وہ جہنم میں داخل ہو گیا یعنی یا تو ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل ہو گیا۔ اگر اس کی نافرمانی کفر یا شرک اکبر یا عقیدہ میں نفاق کی شکل میں تھی، یا ایک وقت تک کے لئے جہنم میں داخل ہو گیا اگر اس کی نافرمانی کفر اور شرک تک نہ پہنچی تھی۔[450] چنانچہ آپ ﷺ کی اطاعت کا پھل جہنم سے سلامتی اور جنت کا وصول ہے۔ اس لئے مصنف ؒ نے عمل کو اس کے پھل سے جوڑا ہے کیونکہ یہ سب سے بڑا محرک ہوتا ہے، انسان کو اعمال پر ابھارنے کے لئے۔[451]

اللہ رب العزت نے بندوں کو ایک عظیم مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور جو ان کو رزق دیتا ہے۔ انسان اس بات کا محتاج ہے کہ اس کو کوئی اس مقصد و غایت کے بارے میں بتائے اور

---

450) ینظر: شرح ثلاثۃ الأصول، د. محمد أمان الجامی (32)؛ وشرح ثلاثۃ الأصول، خالد بن عبد العزیز الباتلی (40)؛ التعلیق المأمول علی ثلاثۃ الأصول، إعداد: أ.د. عبد الرحمن بن عبد العزیز السدیس (160، 161)۔

451) تنبیہ العقول إلی کنوز ثلاثۃ الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (1/160)۔

رسولوں نے لوگوں کو اس غایت کے بارے میں اچھی طرح بتادیااور اس لئے اللہ رب العزت نے رسولوں کو بھیجا تھاتاکہ وہ یہ بات انسانوں کو اچھی طرح بتادیں اور اللہ رب العزت نے ان کی اطاعت پر جزاءاور نافرمانی پر سزا بھی رکھی ہے۔

صحیح حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبى»، قالوا: يا رسول الله، ومن يأبى؟ قال: «من أطاعني دخل الجنة، ومن عصاني فقد أبى»[452]۔

ترجمہ: ساری امت جنت میں جائے گی سوائے ان کے جنہوں نے انکار کیا۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! انکار کون کرے گا؟ فرمایا جو میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگااور جو میری نافرمانی کرے گا اس نے انکار کیا۔

---

452) أخرجه البخاري، كتاب: الاعتصام بالكتاب والسنة، باب: الاقتداء بسنن رسول الله... برقم (7280)۔

مصنفؒ فرماتے ہیں: اس بات کی دلیل فرمانِ الٰہی ہے: {إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا (15) فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا (16)}[453]

ترجمہ: تم لوگوں کے پاس ہم نے اُسی طرح ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ (پھر دیکھ لو کہ جب) فرعون نے اُس رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اس کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔

مصنفؒ نے پچھلی سطروں میں پہلے مسئلہ کا ذکر کیا تھا کہ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں یوں ہی نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ ہمارے پاس رسول بھیجے اور یہاں اس مسئلہ کی دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے: "إنا أرسلنا إليكم رسولا" یہاں خطاب مشرکین مکہ سے ہے جن کے پاس محمد ﷺ کو بھیجا گیا تھا اور انہوں نے آپ ﷺ کو جھٹلا دیا تھا اور سرکشی کی راہ اختیار کی تھی اور اس خطاب میں تمام انس و جن شامل ہیں۔ "شاهداً عليكم "یعنی قیامت کے دن اس بات کا گواہ بنا کر کے نبی ﷺ نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا: "ارسلنا الی فرعون رسولا" اور وہ رسول موسیٰ بن

---

(453) سورۃ المزمل، الآیتان (15-16)۔

عمران علیہ السلام تھے۔ ان پر اور ہمارے نبی ﷺ پر درود و سلامتی ہو۔ "فعصی فرعون الرسول" یعنی فرعون نے موسیٰؑ جو کہ اللہ کے رسول تھے ان کی تصدیق نہیں کی جب انہوں نے اس کو اللہ کی طرف لوٹنے کی اور اس کی توحید کے اقرار کرنے کی دعوت دی بلکہ اس نے آپؑ کو جھٹلا دیا اور اس کی یہ سزا ہوئی کہ "فأخذناہ أخذا وبیلا" یعنی ہم نے اس کی انتہائی شدید اور سخت پکڑ کی، اس میں تہدید وآگہی ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جس نے رسول کو ان باتوں میں جھٹلایا جو وہ کہتے تھے۔[454]

اس آیت کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امت کو اس عظیم نعمت کے بارے میں یاد دہانی کرائی جائے جو اس نبی کریم کی شکل میں ہمارے پاس بھیجے گئے ہیں اور ان کو اس بات سے آگاہ کر دیا جائے کہ اگر تم نے قوم فرعون کی روش اپنائی تو تمہارا بھی وہی انجام ہو گا۔[455]

---

454)ینظر: تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (34)۔

455) حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (33)، وتفسیر السعدي، تحقیق: عبد الرحمن اللویحق (893)۔

یعنی اے محمد ﷺ کے امتیوں تم ہوشیار ہو جاؤ اور اپنے نبی محمد ﷺ کی نافرمانی نہ کرو کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو تم پر بھی اللہ کا وہی عتاب نازل ہو گا جو ان پر نازل ہوا دنیا برزخ اور آخرت میں انتہائی المناک عذاب کی شکل میں[456]، اس بات میں امت کے لئے تہدید ہے۔اس بات کو واضح کر دیا گیا ہے کہ ان کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ اگر ان کو یوں ہی چھوڑنا ہوتا تو ان کے پاس رسول نہیں بھیجا جاتا اور ان کو اس طرح سے آگاہ نہیں کیا جاتا۔[457]

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں ''اگر تم نے اپنے رسول کو جھٹلایا تو تم ہلاکت و بربادی کے ان سے زیادہ مستحق ہوگے کیونکہ تمہارا رسول موسیٰؑ بن عمران سے زیادہ اشرف اور عظیم تر ہے۔''[458]

چنانچہ اس بات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ رب العزت نے مخلوق کو پیدا کر کے یوں ہی نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ ان کے پاس رسول بھیجے تاکہ ان کو دین حق کا علم سکھائیں، ان

---

456) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (17)۔

457) شرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد بن عبداللہ المصلح (12)۔

458) تفسیر القرآن العظیم (395/4)۔

کو ہدایت کا راستہ دکھائیں اور ان کی اس راستہ کی طرف رہنمائی کریں جو اللہ رب العزت کو پسند ہے تاکہ اس صحیح راستہ پر چل کر وہ اللہ کی عبادت کریں اور باقی تمام راستوں سے دور ہٹ جائیں۔[459]

---

459) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (30)۔

مصنفؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے کہ اس کی عبادتوں میں کسی کو اس کا ساتھی اور شریک ٹھہرایا جائے۔چاہے وہ کوئی مقرب فرشتہ یا بھیجا گیا نبی ہی کیوں نہ ہو۔

یہاں پر مصنفؒ ان تینوں مسائل میں سے دوسرے مسئلہ کا ذکر کرتے ہیں جن کو سیکھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے چنانچہ آپؒ لکھتے ہیں کہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت جو کہ ہمارا خالق ورازق ہے جس نے اکیلے مخلوق کو پیدا کیا اور ان کو رزق دیتا ہے اور اسی کا ان پر تصرف چلتا ہے اور وہی ان کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے۔اس کو ہرگز پسند نہیں ہے بلکہ انتہائی ناپسندیدہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک کیا جائے اور اس کی عبادتوں میں اس کے برابر ٹھہرایا جائے چاہے وہ کوئی بھی ہو، فرشتوں میں سے کوئی مقرب فرشتہ کیوں نہ ہو اس کے نزدیک جبرئیلؑ ہی کیوں نہ ہوں جو کہ فرشتوں کے سردار ہیں، ان میں سب سے اشرف اور عظیم تر ہیں اور چاہے وہ کوئی بھیجا گیا نبی ہی کیوں نہ ہو، محمد ﷺ ہی کیوں نہ ہوں، باقی دوسری مخلوقات کا تو ذکر ہی نہیں ہے کیونکہ یہ تمام لوگ اللہ رب العزت کے بندہ ہیں اور عبادت تو صرف اور صرف اللہ کا حق ہے اور اللہ رب العزت اپنے حق میں کسی کی شرکت قبول نہیں کرتا ہے

صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی عبادت کئے جانے کا مستحق ہے اور اس کے علاوہ کوئی بھی ادنی عبادت کئے جانے کا مستحق نہیں۔[460]

مصنفؒ کی مذکورہ باتوں میں مندرجہ ذیل مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ: مذکورہ مسئلہ کی وضاحت۔

اس مسئلہ میں اس بات سے آگاہ کیا گیا ہے جو پہلے مسئلہ کی نقیض ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ کا مقصود یہ ہے کہ عبادت میں شرک کرنے کو باطل قرار دیا جائے۔ توحید کو ثابت کیا جائے۔ اس بات کو واضح کر دیا جائے کہ اللہ رب العزت کو پسند نہیں ہے کہ اس کی عبادت میں اس کے علاوہ کسی کو شریک کیا جائے، چاہے وہ کوئی بھی ہو[461] اللہ رب العزت کو تو توحید پسند ہے۔ اس کو یہ بات پسند ہے کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے۔ چنانچہ جس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا تو گویا اس نے اس عمل مقصد اور اصل وجہ کی

---

460) ینظر: تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبدالمحسن القاسم (35)؛ حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (18)؛ شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (33،35)؛ تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (9)، وطریق الوصول إلی إیضاح ثلاثۃ الأصول، زید بن محمد المدخلي (81)۔

461) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (9)۔

خلاف ورزی کی جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔[462] اللہ رب العزت نے مخلوق کی تخلیق اس لئے کی، انہیں اس لئے وجود بخشا اور ان کے معاملات کی تدبیر کی تاکہ وہ صرف اسی کی عبادت میں کریں کیونکہ وہ اس کے بندے اور اس کی ملکیت ہیں اور اللہ رب العزت کو ذرا نہیں پسند ہے کہ بندہ اس کی عبادت میں سے ادنیٰ ترین حصہ میں بھی کسی کو شریک کرے چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اللہ کی سب سے عظیم مخلوق ہی کیوں نہ ہو جو کہ فرشتہ اور انبیاء ہیں، کیوں کہ صرف وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور مخلوق تو بندہ اور غلام ہیں۔ عبادت میں ان کا کوئی حق نہیں،[463] چنانچہ مکلف کو اچھی طرح یہ جان لینا چاہئے کہ اللہ اس شرک سے سخت ناراض ہوتا ہے کیونکہ یہ کفر ہے اور اللہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو نہایت ناپسند کرتا ہے چنانچہ اس کو یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے۔ اس پر اس کا عقیدہ بالکل واضح ہونا چاہئے اور اس کے مطابق اس کو عمل کرنا چاہئے

---

462) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (33)۔

463) شرح الأصول الثلاثة، أحمد بن محمد الصقعوب (19)۔

اور وہ عمل اس طرح ہوگا کہ وہ اپنے رب کے لئے توحید کا اقرار کرے اور صرف اسی کی عبادت کرے۔[464]

دوسرا مسألۃ: "أن اللہ لا یرضی أن یشرک معہ" کی وضاحت۔

اس مسئلہ میں مصنفؒ نے بڑے پر لطف اور محبت و شفقت کے انداز میں مخاطب کو یہ کہہ کر تنبیہ کی ہے کہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ کو یہ بات انتہائی ناپسند ہے کہ اس کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک و ساجھے دار بنایا جائے۔ شاید اس بات کو مصنفؒ نے قرآن کی اس آیت سے اخذ کیا۔ ارشاد باری ہے {وَلَا يَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ}[465]---[466]

ترجمہ: وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو سخت ناپسند کرتا ہے۔

اللہ رب العزت کو سخت ناپسند ہے کہ اس کے بندے کفر اور شرک کریں کیونکہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ کمال احسان کا معاملہ کرنا چاہتا ہے اور اس کو پتہ ہے کہ کفر ان کو ایسی شقاوت و بربادی میں ڈال دے گا جس کے بعد وہ کبھی سعادت مند نہیں ہو سکیں گے اور

---

464) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن ابراھیم آل الشیخ (57)۔

465) سورۃ الزمر، الآیۃ (7)۔

466) تنبیہ العقول إلی کنوز ثلاثۃ الأصول، د. عبدالرحمن الشمسان (171/1)۔

چونکہ اس نے ان کی تخلیق ہی اپنی عبادت کے لئے کی ہے اور یہی وہ غایت و مقصد ہے جس کے لئے اس نے مخلوق کو پیدا کیا ہے تو اس کو سخت ناپسند ہوگا کہ وہ اس کام کو ترک کر دیں جس کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے[467] اور کیوں کہ اللہ رب العزت کو شرک انتہائی ناپسند ہے اس لئے اس نے شرک سے اپنی کتاب میں بہت اچھی طرح آگاہ کر دیا ہے اور اس کے رسول ﷺ نے بھی اس سے مختلف اسلوب میں آگاہ کیا ہے۔[468]

تیسرا مسألۃ: "أن یشرک معہ أحد" کی وضاحت۔

"أن" یہاں پر مصدر یہ اور ناصبہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو اس کے ساتھ شرک سخت ناپسند ہے اور اس معنی کے لحاظ سے شرک نفی کے سیاق میں نکرہ ہوگا اور یہ اس معنی میں عموم کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ رب العزت کو شرک ناپسند ہے چاہے وہ کسی طرح کا بھی شرک ہو[469] اور ''احدؓ'' یہاں نفی کے سیاق میں نکرہ

---

467) تفسير الكريم الرحمن، عبدالرحمن السعدي (720)، تحقیق: عبدالرحمن اللويحق۔

468) تنبيه العقول إلى كنوز ثلاثة الأصول، د. عبدالرحمن الشمسان (1/174-188)۔

469) بلوغ المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عصام بن أحمد مامي (65)۔

ہے جو کہ عموم پر دلالت کرتا ہے یعنی وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ کے علاوہ ہر چیز کی عبادت سے منع کیا گیا ہے۔[470]

چوتھا مسألۃ: "لاملک مقرب، ولا نبی مرسل" کی وضاحت۔

اللہ کے نزدیک سب سے اعظم مخلوق کو شریک بتانے کی نفی کر کے اور اس کی ممانعت بیان کر کے شرک سے دور رہنے پر تاکید کی گئی ہے[471] تاکہ اس بات کی گنجائش نہ رہ جائے کہ اگر مخلوق کسی عظیم مقام پر پہنچ جائے تو اس کو واسطہ اور وسیلہ بنا کر اللہ رب العزت تک پہنچا جا سکتا ہے کیونکہ مخلوقات میں سب سے اعلیٰ وارفع مخلوق فرشتے اور انبیاء و رسل ہیں اسی لئے مصنفؒ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ان کو بھی اللہ رب العزت کا شریک اور ساجھے دار نہیں بنایا جا سکتا[472] اور جب اللہ رب العزت کو یہ پسند نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کسی مقرب فرشتہ کو اس کا شریک بنایا جائے جو کہ غیبی مخلوقات میں سب سے اشرف ہیں، یا کسی بھیجے گئے نبی کو اس کا شریک بنایا جائے جو کہ جنس بنی آدم میں سب سے

---

470) تنبیہ العقول إلی کنوز ثلاثۃ الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (189/1)۔

471) تنبیہ العقول إلی کنوز ثلاثۃ الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (190/1)۔

472) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (33،35)۔

اشرف مقام رکھتے ہیں تو وہ یہ کیسے پسند کر سکتا ہے کہ جو ان دونوں مخلوق سے ادنٰی درجہ کے ہیں۔ان کو اس کا شریک بنایا جائے جیسے پیڑوں کو، پتھروں کو، بتوں کو اور نیک لوگوں کو، چنانچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ اس کو سخت ناپسند ہے۔

شرک کرنے والے کی عقیدت اور اس کی سزا بیان کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں {إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ (72)}[473]

ترجمہ: جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرایا اُس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں۔

اس آیت میں شرکیہ اعمال پر بالکل واضح اور کھلی ہوئی دھمکی دی گئی ہے اور شرک کتنا برا عمل ہے اور اللہ کو کتنا ناپسند ہے اس کی وضاحت بھی کی گئی ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس قدر شدید وعید نہ آتی اور شرک کرنے والے پر جنت حرام کر دینے اور جہنم میں داخل کر دینے کی بات نہیں کی جاتی۔[474]

---

(473)سورة المائدة، الآية (72)۔

(474)شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (13)۔

مصنفؒ نے خاص طور سے مقرب فرشتہ اور بھیجے گئے نبی کا تذکرہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر کیا ہے۔

(۱)اللہ کے یہاں ان کے مقام ومنزلت کے پیش نظر تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ عبادت میں ان کا کوئی حق ہو سکتا ہے۔

(۲)تاکہ ان دونوں مخلوق پر باقی چیزوں کو قیاس کرلیا جائے اور یہ بات واضح ہو جائے کہ اگراللہ کے نزدیک اپنے اعلیٰ مقام ومنزلت کے باوجود وہ کسی عبادت کے مستحق نہیں ہیں تو ان کے علاوہ دوسری مخلوقات بدرجہ اولیٰ اس کی مستحق نہیں ہیں۔

(۳)کیونکہ ان دونوں اصناف میں بہت شرک ہوا چنانچہ بہت سے لوگوں نے فرشتوں کی عبادت کی بہت سے لوگوں نے رسولوں کی عبادت کی، اس لئے مصنفؒ نے اس گناہ کبیرہ میں پڑ جانے سے آگاہ کردیا۔[475]

پانچواں مسألۃ: فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالینے سے ممانعت۔

اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں ایک آیت نازل کی ہے جس کو ہر طالب علم کو یاد کرلینا چاہئے کیونکہ توحید کے باب میں اس آیت کے معانی بہت اہم اور عظیم ہیں اور

---

475)شرح الأصول الثلاثة وأدلتها، محمد بن مبارك الشرافي (25)۔

توحید کے نقیض شرک کے بارے میں بھی وضاحت ہے۔ ارشادِ باری ہے {وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (80)}[476]

ترجمہ: وہ تم سے ہر گز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا رب بنالو کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے جب کہ تم مسلم ہو۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے واضح کر دیا کہ رسول اس بات کا حکم نہیں دے سکتا کہ اس کی یا فرشتوں اور دوسرے نبیوں کی عبادت کی جائے پھر کہا (کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دیں گے) یہ کہہ کر اس بات کو واضح کر دیا کہ جس نے عبادت میں کسی نبی یا کسی فرشتہ کو شریک کیا تو وہ شرک اور کفر میں پڑ گیا۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے کہا (کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد بھی تمہیں کفر کا حکم دے گا)۔

یعنی تم مسلمان ہوگئے اور اللہ کی توحید کے قائل ہوگئے تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس کے بعد نبی تم کو شرک کرنے کا حکم دے۔[477] کیونکہ یہ رب کا حق ہے جس کو کسی بھی مخلوق کے لئے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

---

(476) سورۃ آل عمران، الآیۃ (80)۔

مخلوق کتنے ہی اعلیٰ وارفع مقام پر پہنچ جائے لیکن وہ رب کے ادنی کمال تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ وہ اس بات کا اہل اور اس کے لائق ہی نہیں ہے کہ رب کے ادنی سے ادنی کمال تک اس کی رسائی ہو سکے۔ نہ اس کی ذات کے کمال میں، نہ صفات اور أفعال کے کمال میں اور جب ایسا ہے تو اللہ رب العزت کے ادنی سے ادنی حق میں بھی کسی صورت اس کو شریک نہیں کیا جاسکتا۔[478]

477) شرح الشيخ د. عبدالله بن عبدالعزيز العنقري على ثلاثة الأصول وأدلتها (16) ضمن برنامج التعليم الميسر المستوى الأول: لعام 1436 ھجریا۔

478) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (59)۔

مصنفؒ فرماتے ہیں اس کی بات کی دلیل ارشاد باری ہے "وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا" ترجمہ: اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں، لہٰذا اُن میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

مصنفؒ نے ان تینوں مسائل کو ذکر کرتے ہوئے جن کو سیکھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے بتایا کہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کو سخت ناپسند ہے کہ اس کی عبادت میں کسی اور کو اس کا شریک بنایا جائے چاہے وہ کوئی بھی ہو اور پھر یہاں اس کی دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ ''مسجدیں، نماز ادا کرنے کی جگہیں یا وہ اعضاء جن سے آدمی سجدہ کرتا ہے وہ صرف اللہ کے لئے ہیں'' اس کے علاوہ کسی اور کے لئے نہیں چنانچہ تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو مسجدوں میں اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ نہ کرو۔ اپنے اعضاء سجود کو صرف اللہ کے لئے خاص رکھو اس کے علاوہ کسی کے لئے نہیں چاہے وہ کوئی بھی ہو، نہ کسی فرشتہ کے لئے، نہ کسی نبی

ولی اور کسی اور کے لئے، نہ کسی کی عبادت کرو نہ کسی کو پکارو، کیونکہ اللہ کے علاوہ کسی کو پکارنا شرک اکبر اور ایسا گناہ ہے جس کی مغفرت صرف اس سے توبہ کرکے ممکن ہے۔[479]

مصنفؒ کی مذکورہ بالا باتوں میں مندرجہ ذیل مسائل ہیں۔

پہلا مسألۃ: اس آیت کی تفسیر۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ مسجدیں صرف اور صرف اللہ ہی کی عبادت کرنے کے لئے ہیں۔ چنانچہ تم اللہ کے علاوہ نہ کسی کو پکارو اور نہ کسی کی عبادت کرو جیسا کہ ایک نمازی صرف اللہ کے لئے نماز ادا کرتا ہے۔ چنانچہ اس کو صرف اسی کو پکارنا چاہیے صرف اسی سے مانگنا چاہیے۔ مسجد میں بھی اور دوسری جگہوں پر بھی مسجدوں میں دو کام کئے جاتے ہیں۔

(ا) اللہ رب العزت کو پکارا جاتا ہے۔ اس سے اپنی ضروری بات کی مانگ کی جاتی ہے اور اس کو دعاء المسألۃ کہتے ہیں۔

---

479) ینظر: تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (36)، حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (18)؛ تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (9)۔

(۲)اللہ رب العزت کی مختلف قسم سے عبادت کی جاتی ہے۔ فرض اور نفل نمازیں ادا کرکے، قرآن کی تلاوت، ذکر واذکار کرکے اور اس کے دین کا علم حاصل کرکے اور اس کی تعلیم دے کر اور اس کو دعاءالعبادہ کہتے ہیں۔[480]

دوسرا مسائلۃ: آیت میں مذکور مساجد کی وضاحت۔

مفسرین کے کلمہ "مساجد" سے مراد کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل اقوال ہیں :

(۱) پہلا قول:

یہ ہے کہ مساجد سے مراد وہ جگہیں ہیں جو نماز ادا کرنے اور ذکر واذکار کے لئے بنائی گئی ہوں، چنانچہ وہ اللہ کا گھر ہیں جن میں اس کو سجدہ کیا جاتا ہے اور اس کے لئے نمازیں ادا کی جاتی ہیں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ جب اپنی عبادت گاہوں میں جاتے تھے تو شرک کرتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس بات کا حکم دیا کہ جب وہ مسجد میں جائیں تو صرف اللہ رب العزت کو پکاریں اور اس کی عبادت کریں۔ چنانچہ اس آیت کا مطلب ہوگا کہ یہ مسجدیں اللہ کا گھر ہیں اور اس بات کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں کہ اللہ کے گھر میں جاکر اس کے ساتھ کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور یہ حکم مسجدوں کے

---

480) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (33)۔

علاوہ دوسری جگہوں پر بھی نافذ ہوگا۔ چنانچہ یہ آیت اس بات سے منع کرتی ہے، روکتی ہے کہ مسجدوں میں جاکراللہ کی عبادتوں میں اس کے علاوہ کسی اور کو شریک کیا جائے جیسا کہ اہل کتاب اپنی عبادت گاہوں میں کیا کرتے تھے۔[481]

(۲)دوسرا قول:

یہ ہے کہ مساجد سے مراد یہ پوری زمین ہے کیونکہ یہ پوری زمین اس امت کے لئے مسجد کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ پوری زمین اللہ ہی کی ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے اس پر کسی اور کو سجدہ کرنے سے منع کیا ہے۔

(۳)تیسرا قول:

یہ ہے کہ مساجد سے مراد وہ اعضاء ہیں جن پر بندہ سجدہ کرتا ہے۔ اس طرح سے آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ اعضاء جن سے سجدہ کیا جاتا ہے ان کو اللہ کیلئے بنایا گیا ہے۔ تو ضروری ہے

---

481) تفسیر ابن کثیر (244/8)؛ ومختصر تفصير البغوي، اختصار: د. عبد اللہ الزید (974/2)؛ وروائع التفسير الجامع لتفسیر ابن رجب، جمع: طارق بن عوض اللہ (501/2) وتفسیر آیات من القرآن الکریم (مطبوع ضمن مؤلفات الشیخ محمد بن عبد الوھاب، الجزء الخامس) المحقق: د. محمد بلتاجي۔

کہ ان سے صرف اور صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور ان اعضاء سے اس کے علاوہ کسی کو سجدہ نہ کیا جائے۔[482]

تیسرا مسألۃ: مذکورہ آیت سے وجہ دلالت کی توضیح۔

اس آیت میں دو طرح سے اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ اللہ رب العزت کو سخت ناپسند ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کیا جائے چاہے وہ کوئی بھی ہو :

۱)اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: وانّ المساجد للہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں اور مسجدیں صرف اللہ ہی کے لئے ہونے کا مطلب ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے علاوہ کسی کو نہ پکارا جائے۔[483]

۲)دوسری دلیل آیت کے اس حصہ میں ہے: " چنانچہ تم اس کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو" کیونکہ کلمہ "أحداً" نہی کے سیاق میں نکرہ آیا ہے، چنانچہ اس میں اللہ رب العزت کے علاوہ

---

482)زاد المسير في علم التفسير، لأبي الفرج عبد الرحمن بن الجوزي (4/349)۔

483)أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن، لمحمد الأمين الشنقيطي (8/350)۔

سب شامل ہوں گے یعنی نہ کسی فرشتہ کو پکارو نہ نبیوں اور اولیاء کو، نہ پیڑوں اور پتھروں کو اور نہ ہی جمادات اور کسی بھی دوسری چیز کو۔[484]

مسجدوں کو صرف اور صرف اللہ کے لئے ثابت کرکے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس کے بعد اس کے علاوہ کسی اور کو پکارنے سے منع کرکے اللہ رب العزت یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور کو اس کا شریک بنایا جائے کیونکہ اللہ رب العزت اسی کام سے منع کرتے ہیں جو ان کو ناپسند ہوتا ہے۔[485]

اس طرح آیت میں تین طرح کے عموم ہیں۔ عموم الدعاء (دعاءِ العبادة اور دعاء المسألة) عموم المکلفین جس میں انبیاء بھی شامل ہیں کیونکہ تدعوا میں واو تمام پکارنے والوں پر تمام مخلوق پر دلالت کرتی ہے اور تیسرا عموم کلمہ ''احداً'' میں ہے جس میں ہر وہ چیز شامل ہے

---

484) شرح الأصول الثلاثة، عبدالعزیز بن عبداللہ الراجحي (26)؛ وشرح الأصول الثلاثة، د. صالح بن فوزان الفوزان (59)؛ وشرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (36)۔

485) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبداللہ المصلح (12)۔

جس کی اللہ رب العزت کے علاوہ عبادت کی جائے یا اس کو پکارا جائے۔اس میں تمام مخلوق شامل ہیں جن کی عبادت کرنے یا پکارنے کا تصور کیا جاسکتا ہے۔[486]

چوتھا مسألۃ:اس مسألۃ میں مصنفؒ کے مراد ومقصود کی وضاحت۔

اس مسألۃ میں مصنفؒ جو بات بتانا چاہ رہے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی توحید کا اقرار کرنا اور صرف اسی کی عبادت کرنا ہمارے اوپر واجب ہے اور مذکورہ بالا آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اس آیت میں اللہ رب العزت نے فلاتدعوا مع اللہ احداً کہہ کر اس کے علاوہ کسی اور کو پکارنے سے منع کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ کو پکارنا واجب ہے۔[487] اسم دعاء کا اطلاق شریعت کے خطاب میں تمام طرح کی عبادتوں پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: " والدعاء هو العبادة"[488] ترجمہ: دعاہی اصل عبادت ہے۔

----

486)شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن ابراھیم آل الشیخ(60)۔

487)شرح الأصول الثلاثة، خالد الأنصاري(13)، ناشر: دار الاعتصام للنشر، ط.الأولى 1423 ھجریا۔

488)سيأتي تخريجه۔

اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارنے سے منع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ صرف اور صرف اللہ کی عبادت کرنا ہمارے اوپر واجب ہے، گویا آیت کا یہ مطلب ہے کہ[489] (اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو بلکہ صرف اور صرف اس کی عبادت کرو کیونکہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کو باطل قرار دینے کا مطلب ہے کہ صرف اللہ رب العزت کی عبادت کو ثابت کیا جائے۔[490]

اس اصول کو ہر مسلمان مرد اور عورت کو اس طرح جان لینا واجب ہے کہ اس سلسلہ میں اس کے دل میں کسی طرح کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔اس بات کو اس کی دلیل

جاء في لسان العرب(257/14):(وروي عن النبي.. أنه قال:الدعاء هو العبادة، ثمّ قرأ: وقال ربكم ادعوني أستجب لكم إنّ الذين يستكبرون عن عبادتي. قال مجاهد في قوله: واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي، قال: يصلون الصلوات الخمس، وروي مثل ذلك عن سعيد بن المسيب في قوله: لن ندعوا من دونه إلها؛ أي لن نعبد إلها دونه. وقال الله عزّوجلّ: أتدعون بعلًا؛ أي: أتعبدون ربًا سوى الله، وقال: ولا تدع مع الله إلهًا آخر؛ أي: لا تعبد)۔

489)تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي(24،9)۔

490)شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي(16)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا۔

کی بنیاد پر جان لینا چاہئے اور دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: " وأن المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحدا" چنانچہ کسی مسلمان مرد اور عورت کے دل میں یہ بات نہیں آنی چاہئے کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت کی جاسکتی ہے یا کسی کو پکارا جاسکتا ہے یا کسی سے مدد طلب کی جاسکتی ہے یا اللہ کے علاوہ کسی کی طرف کسی بھی قسم کی عبادت کو متوجہ کیا جاسکتا ہے۔ چاہے وہ کوئی مقرب فرشتہ یا بھیجا گیا نبی ہی کیوں نہ ہو۔[491]

---

(491) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (36)۔

مصنفؒ فرماتے ہیں (۳) جس نے اللہ کی توحید کا اقرار کیا اور رسول کی اطاعت کی اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس شخص سے محبت کرے، موالاۃ قائم کرے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہو، چاہے وہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔

یہاں پر مصنفؒ ان تینوں مسائل میں سے تیسرا مسألۃ بیان کرتے ہیں جن کا جاننا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔ تیسرا مسألۃ یہ ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اور اللہ کی توحید کا اقرار کیا۔ اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں سے محبت کا معاملہ کرے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی چاہے وہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو، چنانچہ جس نے ان باتوں میں رسول ﷺ کی اطاعت کی جن کا آپ ﷺ نے حکم دیا اور ان چیزوں سے دور رہا جس سے آپ ﷺ نے دور رہنے کو کہا جو کہ پہلا مسألۃ ہے اور اللہ کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے اس کی عبادتوں کو صرف اور صرف اسی کے لئے خاص کردیا جو کہ دوسرا مسألۃ ہے تو اس کے لئے کسی صورت پر جائز نہیں۔ اس پر حرام ہے کہ وہ ان لوگوں سے محبت و مودت کا معاملہ کرے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی، ان سے دشمنی کی اور سرکشی اختیار کی چاہے وہ اس کا بالکل قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ چاہے وہ اس کے باپ یا اس کا بیٹا یا

کوئی بھی دوسرا رشتہ دار کیوں نہ ہو کیونکہ قربت تودراصل دین کی قربت ہے اور یہی ایک مومن کا اصل رشتہ ہے نہ کہ نسبت کی قربت اور اس کا رشتہ۔[492]

مصنفؒ کی مذکورہ بالا باتوں میں مندرجہ ذیل مسائل ہیں

پہلا مسألۃ: اس (تیسرے) مسألۃ کیا ہمیت۔

یہ تیسرا مسألۃ ایمان کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے۔ اصل دین جو کہ لا الہ الا اللہ ہے۔ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ بندہ اس کلمہ سے اس میں مذکور توحید سے محبت کرے۔ توحید کے راستہ پر چلنے والوں سے محبت کرے اور شرک سے جو کہ توحید کا نقیض ہے اور مشرکوں سے نفرت کرے؛[493] اسی لئے ایمان کا ایک مضبوط اور اہم حصہ ہے، الحب فی اللہ اور البغض فی اللہ ہے (محبت صرف اللہ کے خاطر اور نفرت بھی صرف اسی کے خاطر) اور وہ اس لئے کہ جب ایمان بندہ کے دل میں گھر کرلیتا ہے تو وہ اسی چیز کو پسند کرتا ہے جو اللہ کو

---

(492) ینظر: حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (19)؛ وتیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (37)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، عبد الرحمن بن ناصر البراک (11)؛ تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (9).

(493) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (39)۔

پسند ہوتی ہے اور اس چیز سے نفرت کرنے لگتا ہے جو اللہ کو ناپسند ہوتی ہے اور اللہ رب العزت توحیداور موحدین کو پسند نہیں کرتے ہیں اور شرک وکفراوراس میں پڑے لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں چنانچہ جس نے مشرکوں سے محبت کی ان کے ساتھ مودت کا معاملہ کیا اوران سے قرابت اختیار کی تو گویااس نے اللہ رب العزت سے مخالفت کی۔[494]

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "توحید کی شہادت کے اقرار کا یہ تقاضہ ہے کہ وہ بندہ اگر محبت کرے تو وہ صرف اللہ کے لئے کرے اور نفرت کرے تو صرف اللہ کے لئے کرے، اللہ ہی کے لئے کسی سے دوستی وربط قائم کرے اور اسی کے لئے کسی سے دشمنی اختیار کرے، جو اللہ کو پسند ہے اس کو پسند کرے اور جو اس کو ناپسند ہے اس کو ناپسند کرے۔ جس بات کا اللہ نے حکم دیا ہے اس بات کا حکم دے اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس سے لوگوں کو منع کرے۔ صرف اور صرف اللہ ہی سے امید رکھے۔ اسی سے ڈرے اور صرف اسی سے مانگے اور ملت ابراہیمی ہے اور یہی وہ دین اسلام ہے جس کو تمام رسول لے کر آئے۔[495]

---

494) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (14)۔

495) مجموع الفتاوی (337/8)۔

دوسرا مسألۃ: "لا يجوز له موالاة من حاد الله ورسوله" اس کی وضاحت۔

اس مسألۃ میں دین کے اصولوں میں سے ایک اصول کی وضاحت کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ مومنین سے دوستی رکھی جائے۔ان سے تعلق رکھا جائے اور کافروں سے دشمنی اختیار کی جائے موالاۃ ولی سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے قربت[496] اور اس قربت کا استعمال جگہ، نسبت، دین، دوستی، مدد و نصرت اور اعتقاد کے لئے کیا جاتا ہے۔[497] چنانچہ ولایت، عداوت کی ضد ہے اور عداوت کا مطلب ہوتا ہے دوری بغض اور نفرت[498]

---

496) الصحاح، للجوهري (1831/2)، حققه: شهاب الدين أبو عمرو، ناشر: دار الفكر، بيروت، ط. الأولى: 1418 هجريا. قال ابن تيمية: الولي: القريب، يقال: هذا يلي هذا، أي: يقرب منه، ومنه قوله ...: ألحقوا الفرائض بأهلها فما أبقت الفرائض فلأولى رجل ذكر. أي: لأقرب رجل إلى الميت. أ.ه. الفرقان بين أولياء الرحمن وأولياء الشيطان، لابن تيمية (9)، تحقيق: عبد القادر الأرناؤوط، ناشر: مكتبة دار البيان، دمشق، ط. الأولى: 1405 هجريا۔

497) مفردات ألفاظ القرآن، للراغب الأصفهاني (885)، تحقيق: صفوان عدنان داوودي، ناشر: دار القلم، دمشق، ط. الأولى: 1412 هجريا۔

498) الفرقان بين أولياء الرحمن وأولياء الشيطان، لابن تيمية (9)، تحقيق: عبد القادر الأرناؤوط، ناشر: مكتبة دار البيان، دمشق، ط. الأولى: 1405 هجريا۔

اور محادۃ حد سے ماخوذ ہے جو ممانعت، مخالفت اور کسی چیز سے دوری اختیار کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ حد کہتے ہیں دو چیزوں کے درمیان فرق کرنے والی چیز کو۔[499] دونوں کو الگ الگ کرنے والی چیز کو جس سے دونوں ایک دوسرے سے مل نہ سکیں۔ کسی چیز کی حد کا مطلب وہ وصف ہوتا ہے جو اس کے معانی پر محیط ہو اور دوسرے معنی سے اس کو الگ کرے[500] چنانچہ مصنف رحمہ اللہ کی اس بات کا "حاد اللہ ورسولہ" یہ مطلب ہے کہ کوئی شخص اس حد میں ہو جو اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ممیز اور الگ کردے اور وہ حد کفر کی حد ہے۔[501]

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ قول: "کتب اللہ لاغلبنَّ انا ورسلی" ترجمہ: اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے۔

---

499) ینظر: معجم مقاييس اللغة، لابن فارس (222)، ناشر: دار إحياء التراث، بيروت، ط. الأولى: 1422 هجريا؛ والصحاح، للجوهري (397/1)۔

500) مفردات ألفاظ القرآن، للراغب الأصفهاني (221)۔

501) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (10)، وحاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (19)۔

اس قول کے بعد "انّ الذین یحادون اللہ ورسولہ" ترجمہ: جولوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔

اس بات کی دلیل ہے کہ محادۃ غالب ہونے کی کوشش کرے گا اور دشمنی رکھے گا یہاں تک کہ دونوں میں سے ایک غالب ہو جائے اور یہ اہل حرب کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ اہل سلم کے ساتھ چنانچہ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ محاد مسالم میں سے نہیں ہے چنانچہ اس کو اپنے محادۃ کے ساتھ امان نہیں ملے گی۔[502]

تیسرا مسألۃ: اس موالاۃ کی وضاحت جس سے منع کیا گیا ہے۔

موالاۃ کا مطلب ہے کسی کو اپنا ولی اور ساتھی بنانا۔ موالاۃ ولایت سے بنا ہے جو محبت و مودّت کے معنی میں آتا ہے اور اس کا مطلب ہے کہ اصل موالاۃ دل میں ہوتی ہے [503]ص ۱۴۹۔ کیونکہ اس کا تعلق محبت و قربت سے ہے یعنی دل کی محبت اور قرب دراصل

-----

502) أحكام أهل الذمة (3/1393)، تحقيق: يوسف البكري، وشاكر العاروري، ناشر: رمادى للنشر، الدمام، ط. الأولى 1418 هجريہ۔

503) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (39)۔

دل سے ہوتا ہے اور اس کے بعد زبان اور عمل سے قرب ہوتا ہے۔[504] امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: اگرچہ موالاۃ اور موادۃ کا تعلق دل سے ہے لیکن کافروں سے قطع تعلقی اور ان سے دوری کے لئے ظاہری مخالفت بہت کارآمد ہے۔[505] اصل دین یہ ہے کہ کلمہ ''لاالہ الااللہ'' کا اقرار کرکے اس دین میں داخل ہو جائے وہ اس کلمہ سے اس کے توحید پر مبنی معانی سے اور اس کا اقرار کرنے والوں سے محبت کرے اور شرک سے جو کہ اس کلمہ کی ضد ہے اور مشرکین سے نفرت کرے کیونکہ اگر دل شرک کی طرف مائل ہوگا اس سے محبت کرے گا تو وہ شرک سے تعلق رکھنے والا اور اس کا ولی ہو جائے گا اور جب دل شرک سے محبت کرنے لگے گا تو مشرکوں سے یہ محبت کرنے لگے گا اور اسی طرح جب دل ایمان سے محبت کرنے لگے گا تو اہل ایمان سے بھی محبت کرنے لگے گا اور جب دل اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے لگے گا تو اللہ اور اس کے رسول کا ولی بن جائے گا اور جب دل مؤمنین سے محبت کرنے لگے گا تو مؤمنین کا ولی اور ان کا ساتھی بن جائے گا[506] اور یہاں جس چیز سے منع کیا

---

504) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد اللہ المصلح (14)۔

505) إقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم (183/1)۔

506) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (39-40)۔

گیا ہے وہ دل سے محبت ومودّت کا قرب بھی ہے اور قول وعمل کا قرب بھی[507] اور اس سے وہ مستثنیٰ ہے جس کا ذکر اللہ رب العزت نے اس آیت میں کیا ہے:

{ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً }[508]، ترجمہ: ہاں یہ معاف ہے کہ تم ان کے ظلم سے بچنے کے لیے بظاہر ایسا طرز عمل اختیار کر جاؤ۔

اور وہ مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر اللہ رب العزت نے اس آیت میں کیا ہے: {لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (8)}[509]، ترجمہ: اللہ تمیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

---

507) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (14)۔

508) سورة آل عمران، الآية (28)۔

509) سورة الممتحنة، الآية (8)۔

کیونکہ اس کا تعلق اس احسان کے معاملہ کے ساتھ ہے جس کو ہر مخلوق ہر شیئ پر اللہ نے فرض کیا ہے۔ اس کا تعلق موادۃ سے نہیں ہے کیونکہ کفار کے ساتھ عدل و انصاف اور بھلائی کا معاملہ کرنا اس موادۃ اور موالاۃ میں سے نہیں ہے جس کو حرام کیا گیا ہے، چنانچہ جس موالاۃ سے منع کیا گیا ہے وہ دل کا موالاۃ ہے۔ اس کا تعلق ان لوگوں سے خیر و بھلائی اور احسان کا معاملہ کرنے سے نہیں ہے جن کو اللہ رب العزت نے مذکورہ آیت میں مستثنیٰ کیا ہے۔[510] اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر الطبری ؒ نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اس آیت میں تمام ادیان اور مذاہب کے وہ لوگ شامل ہیں جو دین کے معاملہ کو لے کر ہم سے قتال نہ کریں[511] چنانچہ اللہ رب العزت نے ہم کو اس بات کی اجازت دی کہ ہم ان کافروں کے ساتھ بھلائی اور احسان کا معاملہ کریں جو ہم سے جنگ نہیں کرتے ہیں اور اس کے بعد ان کافروں سے جنگ کرنے والوں سے موالاۃ قائم کرنے سے منع کردیا۔ ارشاد باری ہے: {إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ

---

(510) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبدالله المصلح (14)۔

(511) تفسير الطبري (574/22)۔

وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (9) }[512]

ترجمہ: وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم اُن لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے اُن سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں۔

اللہ رب العزت کا یہ قول: "أن تولوھم" اس بات کی دلیل ہے کہ جو محاربین نہیں ہیں ان سے ایک قسم کا موالاۃ قائم کیا جاسکتا ہے۔ان کے ساتھ احسان کرکے اور جزئی مؤدت قائم رکھ کر،اور دونوں آیت کے تقابل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔[513]

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "اللہ بہتر علم رکھنے والا ہے۔لیکن کہا جاتا ہے کہ جب جہاد فرض ہوا، مشرکین سے قطع تعلق کا حکم نازل ہوا اور آیت نازل ہوئی {لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ}[514]

---

(512)سورۃ الممتحنۃ:9۔

(513)الأجوبۃ والبحوث والدراسات المشتملۃ علیھا الدروس العلمیۃ، صالح آل الشیخ (116/2)۔

ترجمہ: تم کبھی یہ نہ پاؤگے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے۔

تو کچھ مسلمانوں کو یہ لگا کہ مشرکین سے ہر طرح کا تعلق اور صلہ گناہ کا باعث ہے۔ان کو یہ لگا کہ پیسوں کا لین دین اور مالی معاملات بھی مودۃ کے ضمن میں ہے، تو اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل کی: {لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (8) إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (9)}[515]

چنانچہ اس آیت سے واضح ہو گیا کہ مالی معاملات، بھلائی، عدل وانصاف، نرم گوئی اور اللہ کے حکم کی مراسلت اس میں داخل نہیں ہے جس سے ان کو منع کیا گیا ہے۔انہیں اس سے منع

514)سورۃ المجادلۃ:22۔

515)سورۃ الممتحنۃ:8و9۔

کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ ولایت اور دوستی رکھیں جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف دوسرے لوگوں کی مدد کی کیونکہ اللہ رب العزت نے مشرکین میں سے ان لوگوں سے بھلائی کا معاملہ کرنے اور عدل و انصاف کرنے کی اجازت دی جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف دوسروں کی مدد نہ کی ہو اور جنہوں نے ایسا کیا ان کے ساتھ بھی عدل وانصاف سے کام لینے سے منع نہیں کیا بلکہ ان سے ولایت اختیار کرنے اور دوستی کرنے سے منع کیا ہے اور ولایت الگ چیز ہے اور عدل وانصاف کرنا دوسری چیز ہے۔[516]

چوتھا مسألۃ: موالاۃ اور تولی میں فرق۔

موالاۃ اور تولی میں بہت فرق ہے کیونکہ موالاۃ صرف گناہ ہے لیکن تولی ردّت ہے، تولی دراصل کہتے ہیں نصرت و مدد کرنے کو اور موالاۃ اس سے کم درجہ کی چیز ہے۔ موالاۃ اور تولی میں یہ فرق ہے کہ تولی کہتے ہیں ان کے دین سے محبت کرنے کو ان کی نصرت و مدد کرنے کو اور وقت پڑنے پر ان کا دفاع کرنے کو چنانچہ اصل مقصد یہ ہے کہ دنیاوی معاملات کے لئے ان سے محبت کرنا حرام ہے کیونکہ اللہ رب العزت نے

---

516)أحكام القرآن للشافعي(192/2)،ناشر:مكتبة الخانجي،القاهرة،ط.الثانية:1414هجريا۔

مسلمانوں کے لئے کافروں سے موالاۃ قائم کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ جس کا مطلب ہے ان سے محبت مؤدت اور اس قسم کے تعلقات قائم رکھنا۔[517]

پانچواں مسألۃ: مصنفؒ نے جن مسائل کا ذکر کیا ہے ان کے درمیان آپس میں تعلق۔

مصنفؒ نے جن تین مسائل کا ذکر کیا ہے وہ انتہائی اہم مسائل ہیں:

(۱) بندہ اپنے وجود کے مقصد کو جان لے اور یہ جاننے کے بعد اس راستہ کا علم حاصل کرے جس پر چل کر وہ اس مقصد کو حاصل کر سکتا ہے اور وہ راستہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔

(۲) شرک کے خطرہ سے واقف ہو جائے، یہ جان لے کہ اللہ رب العزت کو سخت ناپسند ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے، چاہے وہ اس کی مقرب مخلوق کیوں نہ ہو اور اس کا اللہ رب العزت کے یہاں کتنا ہی اعلیٰ مقام کیوں نہ ہو۔

(۳) اس شخص کے دل میں جس نے اللہ کی توحید کا اقرار کیا۔ رسول ﷺ کی اطاعت اور شرک سے دور ہو گیا۔ اس کے دل میں مشرکوں سے محبت کرنے کی کوئی گنجائش نہ ہو۔[518]

---

(517) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن ابراھیم آل الشیخ (64،72)۔

(518) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (44)۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ایمان باللہ کا لازمی تقاضہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ یہ محبت کی جائے اور یہ اس بات کی ضد اور اس کا نقیض ہے کہ ان لوگوں سے محبت و مؤدت رکھی جائے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔[519]

---

519) مجموع الفتاوی (753/10)۔

مصنفؒ فرماتے ہیں: "اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے: {لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (22)}[520]

ترجمہ: تم کبھی یہ نہ پاؤگے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ اُن کے باپ ہوں، یا اُن کے بیٹے، یا اُن کے بھائی یا اُن کے اہل خاندان یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ

---

520) سورۃ المجادلۃ:22۔

رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں خبردار رہو، اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔

مصنف ؒ تیسرا مسائلۃ ذکر کرنے کے بعد جو یہ ہے کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اس سے موالاۃ قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار ہو۔ اس کے بعد مصنف ؒ اس بات کی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ''لا تجد'' اور یہ نفی ہے جو کہ نہی سے زیادہ بلیغ ہے یعنی یہ کبھی نہیں ہوگا اور ایسا ہونا ممکن نہیں ہے کہ تم ان لوگوں کو جو اللہ پر حقیقی ایمان رکھتے ہوں اور قیامت کے دن اور اس دن کے ثواب اور عقاب پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ لوگ ان لوگوں سے محبت و نصرت کا معاملہ رکھیں جنہوں نے کفر کرکے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ان سے دشمنی کا راستہ اپنایا، چاہے وہ لوگ ان کے آباواجداد یا بیٹے، بھائی اور ان کے کنبہ اور قبیلہ ہی کے کیوں نہ ہوں، وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے۔ ان پر اللہ کی طرف سے یہ اکرام اور نوازش ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو لکھ دیا ہے، ثابت اور راسخ کر دیا ہے اور اپنی قوت و طاقت سے ان کی مدد اور تائید کی اور قیامت کے دن اللہ رب العزت ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اللہ ان سے

راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور یہ اللہ کی سب سے بڑی سب سے عظیم نعمت ہے چنانچہ جب ان کے قریبی رشتہ دار اور ان کے کنبہ اور قبیلہ والے اللہ کے حکم کی تعمیل کرنے پر ان سے ناراض ہو گئے تو اس کے بعد بدلہ میں اللہ ان سے راضی ہو گیا اور ان کو اپنی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں اور عظیم کامیابی عطا کر کے ان کو خود سے راضی کر لیا اور یہی وہ لوگ ہیں جو خدائی لشکر ہیں اور یاد رکھو کہ اللہ کے گروہ کے لوگ ہی کامیاب لوگ ہیں۔[521]

مصنفؒ کی مذکورہ بالا باتوں میں مندرجہ ذیل مسائل ہیں۔

پہلا مسألۃ: اس آیت سے استدلال کی وضاحت۔

اللہ رب العزت نے فرمایا: "لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ" اس آیت میں ان لوگوں سے مودّت قائم رکھنے سے منع کیا گیا ہے جنہوں نے کفر اور شرک کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی، موالاۃ کا اصل مطلب محبت اور مودّت ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {هُنَالِكَ

---

(521) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (20)؛ وتیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (37)۔

الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ}[522]، ترجمہ: اُس وقت معلوم ہوا کہ کارسازی کا اختیار خدائے برحق ہی کے لیے ہے۔

یعنی محبت و موَدت اور نصرت اللہ برحق کے لئے ہیں۔ چنانچہ موالاۃ کا مطلب محبت و موَدۃ ہے۔ اس لئے مصنفؒ نے اس آیت سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں سے محبت و موَدت کی ممانعت پر استدلال کیا۔[523]

چنانچہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان واجب ہمارے اوپر اس بات کو واجب کرتا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے مخالفت کریں اور اس بات کو لازم ٹھہراتا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والوں سے محبت کریں۔ چنانچہ جس نے کافروں سے ولایت قائم رکھی اس نے ایمان کے واجبات میں سے ایک واجب کو ترک کردیا اور جیسا کہ نصوص میں آیا ہے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ ایمان کی صفت اس پر سے ختم کردی جائے اور اس طرح جس نے مؤمنین سے موالاۃ اختیار نہیں کی تو گویا اس نے ایمان کے واجبات میں سے ایک واجب چھوڑ دیا اور

---

(522) سورۃ الکھف، الآیۃ (44)۔

(523) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (39)۔

اس بات کا مستحق ہو گیا کہ ایمان کی صفت اس پر سے ختم کر دی جائے اور ایسا کرنے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ ایمان مکمل طور سے اس کے اندر سے ختم ہو جائے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ شرعی طور سے اس مستحق کی نفی بعض واجبات ہی ترک کرنے پر کر دیتے ہیں لیکن اگر ہم کو کوئی ایسی شرعی دلیل مل جاتی ہے کہ یہ مکمل طور سے ایمان کی نفی ہو گئی ہے اور اس پر کفر کا حکم ثابت کر دیا گیا ہے تو ہم بھی اس کے اوپر کفر کا حکم لگا دیں گے اور اگر ایسا نہیں ہوتا ہے تو اس پر ایمان کے بعض واجبات کی نفی کا حکم لگے گا[524] چنانچہ اس آیت کے پیش نظر ان سے مکمل اور واجبی ایمان کی نفی کی جائے گی۔ مذکورہ بالا آیت میں اس حیثیت سے اللہ رب العزت نے مؤمنین کی تعریف کی کہ وہ کفار کے ساتھ محبت و مؤدت کے تعلقات نہیں رکھتے ہیں اور ان کے لئے مختلف طرح کے ثواب کا ذکر کیا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کفار سے محبت و مؤدت رکھنا اس ایمان میں نہیں جو ایمان ہم پر واجب ہے کیونکہ اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو اس لئے اللہ اور رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت و مؤدت کے تعلقات نہیں رکھتے ہیں کیونکہ وہ مومن ہیں اور اس کا مطلب و مفهوم یہ ہے کہ ان سے محبت و مؤدۃ کے تعلقات رکھنے والے مومن

---

524) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن ابراھیم آل الشیخ (69-70)۔

نہیں ہیں [525]یعنی اصل اور واجبی ایمان لانے والے نہیں ہیں کیونکہ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے دل میں کفر اور کافروں سے نفرت رکھے۔ کیونکہ ان سے دلی طور پر محبت رکھنا ایمان کے ساتھ ممکن ہی نہیں ہے۔[526]

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ دلوں اور اعمال کے معاملات ایسے ہیں جو ایمان کے لوازمات میں سے ہیں اور وہ اس طرح سے کہ اگر انسان پکا مومن ہوتا ہے تو وہ اس سے بغیر قصد اور ارادہ کے صادر ہوتے ہیں اور اگر اس کے دل میں ایمان نہیں ہوتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں ابھی وہ ایمان راسخ نہیں ہوا ہے جس کا ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے اور ہم پر واجب قرار دیا گیا ہے چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: {لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ} چنانچہ اللہ رب العزت نے بتادیا کہ تم کو ایسا مؤمن نہیں ملے گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں سے محبت و مودت

---

525) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (71،73)۔

526) الأجوبة والبحوث والدراسات المشتملة عليها الدروس العلمية، صالح آل الشيخ (118/2)۔

قائم رکھے، کیونکہ ایمان کی حقیقت اس بات سے اس طرح متنافی ہے جس طرح دو متضاد چیزیں ایک دوسرے کی متنافی ہوتی ہیں۔ چنانچہ اگر ایمان ہوگا تو اس کی ضد نہیں ہوگی اور وہ ضد ہے اللہ کے دشمنوں سے دوستی۔ اگر انسان اللہ کے دشمنوں سے دل سے دوستی رکھتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں مطلوبہ ایمان نہیں ہے، چنانچہ ایک دوسری آیت میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: { تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ (80) وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَاسِقُونَ (81)}[527]

ترجمہ: آج تم اُن میں بکثرت ایسے لوگ دیکھتے ہو جو (اہل ایمان کے مقابلہ میں) کفار کی حمایت و رفاقت کرتے ہیں یقیناً بہت برا انجام ہے جس کی تیاری اُن کے نفسوں نے اُن کے لیے کی ہے، اللہ اُن پر غضب ناک ہو گیا ہے اور وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ اگر فی الواقع یہ لوگ اللہ اور پیغمبرؐ اور اُس چیز کے ماننے والے ہوتے جو پیغمبر پر نازل ہوئی

---

527) سورۃ المائدۃ: 80و81۔

تھی تو کبھی (اہل ایمان کے مقابلے میں) کافروں کو اپنا رفیق نہ بناتے مگر ان میں سے تو بیشتر لوگ خدا کی اطاعت سے نکل چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جملہ شرطیہ کا استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اگر شرط ہو گی تو "لو" کے ساتھ مشروط بھی ہو گا اور اگر شرط نہیں پائی جائے گی تو مشروط بھی نہیں پایا جائے گا۔ ارشاد باری ہے {وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَاسِقُونَ (81)}

اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کفار سے دوستی اور ان سے ولایت کی ضد ہے اور ایک دل میں ایمان اور کفار سے ولاء جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس نے کفار کو ولی بنایا وہ اللہ، اس کے رسول اور اس کے نازل کردہ دین پر مطلوبہ ایمان نہیں لایا۔ ارشاد باری ہے: {لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ}[528]

---

528) سورۃ المائدۃ، الآیۃ (51)۔

ترجمہ: یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ، یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہی میں ہے۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے مذکورہ بالا آیتوں میں یہ بتایا کہ کفار سے ولاء رکھنے والا شخص مومن نہیں ہے اور اس آیت میں یہ بتایا کہ ان سے ولاء رکھنے والا بھی انہیں میں سے ہے اور قرآن کی آیتیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔[529]

دوسرا مسألۃ: الولاء والبراء کی واجبی مقدار کی توضیح۔

کلمہ ''الولاء والبراء'' ''الموالاۃ والمعاداۃ'' کے معنی میں اور ''الحب والبغض'' کے معنی میں آتا ہے چنانچہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ کے لئے ولاء و براء تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ کے لئے محبت و نفرت چنانچہ یہ اللہ کے لئے موالاۃ اور معاداۃ کے معنی میں آتا ہے۔ یہ تینوں اصطلاحات ایک ہی معنی کے لئے استعمال ہوتی ہیں[530] اور وہ مقدار جو بندہ کے اندر سے ختم ہو جائے تو اس کا اسلام ختم ہو جاتا ہے۔، وہ یہ ہے کہ وہ شرک سے برأت کا اعلان کردے اور توحید سے محبت و موّدت اختیار کرلے یعنی شرک سے بغض و نفرت رکھے اور

---

(529) مجموع الفتاوی (17/7)۔

(530) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (39)۔

توحید کو پسند کرے۔ مشرکوں اور ان کے معبودوں سے براءت کا اعلان کر دے اور اسلام سے محبت کرے اور یہ وہ مقدار ہے کہ جو شخص اس سے محروم ہو گیا وہ الوراء والبراء کے مسائلۃ پر عمل کرنے سے محروم ہو گیا۔

اس کے بعد ایک درجہ وہ بھی ہے کہ جس میں محبت تو واجب ہے لیکن اس کو چھوڑنا معصیت اور گناہ ہے اور اس سے توحید پر اثر نہیں پڑتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل اسلام سے محبت کرے اور اہل شرک سے نفرت کرے لیکن اگر وہ مشرکین کے علمبرداروں سے نفرت نہیں کرتا ہے تو اس مسائلۃ میں قدر تفصیل ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

چنانچہ الولاء والبراء میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کو ترک کرنا کفر ہے اور وہ الولاء الواجب ہے جس کا مطلوب یہ ہے کہ اللہ سے محبت کی جائے۔اسلام سے محبت کی جائے اور اسی طرح البراء الواجب ہے جس کا مطلوب یہ ہے کہ شرک سے نفرت کی جائے اور مشرکوں کو معبودوں سے نفرت کی جائے اور الولاء والبراء کے سلسلہ میں یہ وہ مقدار ہے جس کا خیال نہ کرنے والا اور اس کے مطابق عمل نہ کرنے والا مسلمان نہیں ہے کیونکہ اس نے ایسا کر کے الولاء والبراء کے اصول کی مخالفت کی اور اس کو توڑا۔[531]

---

531)الأجوبة والبحوث والدراسات المشتملة عليها الدروس العلمية، صالح آل الشيخ(133/2)۔

تیسرا مسألہ: کفار سے موالاۃ کے درجات کی وضاحت۔

کسی کافر شخص سے موالاۃ کے تین مراتب ہیں:[532]

(۱) پہلا مرتبہ:

کسی کافر سے اس کے دین کی وجہ سے موالاۃ رکھی جائے اور اس موالاۃ سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ بعض علماء اس موالاۃ کو تولی سے تعبیر کرتے ہیں جس کا اس آیت میں ذکر ہوا ہے "وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ"[533] یعنی جو دین میں دین کی وجہ سے ان سے دوستی کرے گا تو وہ کفر میں انہیں کے ساتھ ہو گا اور یہ ابن عباسؓ کا قول ہے۔[534]

اس لحاظ سے کفر میں ڈال دینے والی ولاء اور تولی یہ ہے کہ کفار سے موالاۃ اور دوستی ان کے دین کے لئے کی جائے یعنی کفار کے دین سے محبت ہو اور اس سے رضامندی ہو یا کافر

---

532) المصدر السابق (116/2). وینظر: روضة الأرواح، عبدالقادر بن بدران الدمشقي (117)، تحقیق: محمد بن ناصر العجمي، وزارة الأوقاف، الكويت، ط. الأولى: 1417 هجریا؛ وبحث: الفرق والبيان بين مودة الكافر والإحسان إليه، إعداد: د. سهل بن رفاع العتيبي (79)، منشور في مجلة دراسات إسلامية، العدد الرابع عشر، رمضان 1427 هجریا۔

533) سورة المائدة، الآية (51)۔

534) ینظر: تفسير الماوردي: النكت والعيون "(46/2)۔

سے اس کے دین کی وجہ سے محبت ہو یا مسلمانوں کے خلاف ان کا ساتھ دینا اور ان کی نصرت ومدد کرنا ہو ان کے دین کی وجہ سے اور ان کو مسلمانوں پر غلبہ دلانے کی نیت سے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مکمل محبت اور بھرپور نصرت وتائید ہو کفار کے لئے،[535] اصل تو یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلمان کو نہ دوست بنائے نہ مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد

---

535) ینظر: المصدر السابق (195)، شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (40)؛ ودروس في شرح نواقض الإسلام، د. صالح الفوزان (160،172)، ناشر: مکتبة الرشد، ط. الثالثة: 1426 ھجریا. والإلمام بشرح نواقض الإسلام، إعداد: عبد العزیز الریس (210)، ناشر: دار البینة، ط. الأولی: 1427 ھجریا؛ ومعجم التوحید، إبراھیم أبا حسین (554/3)؛ وشرح نواقض الإسلام، حمد بن عبد الله الحمد (7)، وأطایب الزھر في شرح نواقض الإسلام العشر، أ. د. خالد بن علي المشیقح (85،88)، ناشر: مدار الوطن، ط. الأولی: 1433 ھجریا؛ وموجز الکلام في شرح نواقض الإسلام، یوسف بن علي الطائي (36)، وحقیقة الولاء والبراء في الکتاب والسنة، د. عصام بن عبد الله السناني (268)، ناشر: مکتبة الإمام الذھبي، ط. الثالثة، 1436 ھجریا؛ وشرح رسالة نواقض الإسلام، أیمن بن سعود العنقري (63)، ناشر: دار الحضارة، ط. الأولی: 1432 ھجریا؛ توضیح العقائد الإسلامیة، د. أحمد بن عبد العزیز القصیر (248)، ناشر: مدار الوطن، ط. الثالثة، 1440 ھجریا؛ وحاشیة علی رسالة ثلاثة أصول، طالب الکثیري (7)۔

کرے لیکن اگر وہ یہ کام اس کافر کے دین سے محبت کی وجہ سے کرتا ہے تو بلاشبہ یہ کفر ہوگا اور اسلام سے خارج ہونا ہوگا۔[536]

امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں "اللہ رب العزت کے اس قول میں " وَمَنْ يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ"، دو باتیں ہیں:

(۱) جو ان کے دین میں ان سے ولایت اختیار کرتا ہے تو وہ کفر میں انہیں کے ساتھ ہے۔

(۲) جو دین کے علاوہ دوسرے معاملات میں ان سے دوستی قائم رکھتا ہے تو وہ احکام کی مخالفت کرنے میں انہیں کے ساتھ ہے۔[537]

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں جو باتیں لکھی ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں قسم کے موالاۃ میں فرق ہے، چنانچہ اگر کوئی ان کے دین میں ان سے ولایت اختیار

---

536) الجھل بمسائل الاعتقاد وحکمہ، عبد الرواق بن طاھر معاش (461)، ناشر: دار البینۃ، الریاض، ط. الأولی: 1427 ھجریہ۔

537) زاد المسیر لابن الجوزي (557/1)؛ وینظر: المصدر السابق۔

کرتا ہے تو یہ کفر ہے لیکن اگر کوئی دین کے علاوہ محض دوسرے معاملات میں ان سے ولایت قائم رکھتا ہے تو یہ حکم کی خلاف ورزی تو ہے لیکن کفر نہیں ہے۔[538]

ابن عطیہؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس نے ان کے عقیدہ اور دین میں ان کی ولایت اختیار کی تو وہ کفر میں بھی ان کے ساتھ ہے اور اللہ کی پکڑ اور جہنم میں داخل ہونے میں بھی ان کے ساتھ ہوگا اور اگر کسی نے ان کے کاموں میں ان کی ولایت اختیار کی، ان کی مدد کی لیکن عقیدہ اور ایمان میں اس سے دور رہا تو وہ ان کی مذمت اور اللہ کی ناراضگی میں ان کے ساتھ ہوگا۔[539]

---

538) مناط الكفر بموالاة الكفار، د. عبدالله بن محمد القرني، بحث منشور على الشبكة العنكبوتية.-

539) المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز (204/2)، وقال ابن عاشور في تفسيره: التحرير والتنوير (229/6): وقوله: {ومن يتولّهم منكم فإنّه منهم}، «من» شرطيّة تقتضي أنّ كلّ من يتولّاهم يصير واحداً منهم. جعل ولايتهم موجبة كون المتولّي منهم، وهذا بظاهره يقتضي أنّ ولايتهم دخولٌ في ملّتهم، لأنّ معنى البعضية هنا لا يستقيم إلّا بالكون في دينهم.

ولمّا كان المؤمن إذا اعتقد عقيدة الإيمان واتّبع الرسول ولم ينافق كان مسلماً لا محالة كانت الآية بحاجة إلى التأويل، وقد تأوّلها المفسّرون بأحد تأويلين: إمّا بحمل الولاية في قوله: {ومن يتولّهم} على الولاية الكاملة التي هي الرّضى بدينهم والطعن في دين الإسلام، ولذلك قال ابن عطيّة: ومن تولّاهم بمعتقده ودينه فهو منهم في الكفر والخلود في النّار.-

شنقیطیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ جو اختیاری طور پر کفار کے ساتھ ولایت اختیار کرے گا ان کے دین اور رغبت کے ساتھ تو وہ انہیں میں سے ایک ہو گا۔[540]

ابن بدران فرماتے ہیں کہ "یہ بات واضح ہے کہ ولایت و تولیت کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ کافروں کے کفر سے راضی ہو اور اسی وجہ سے ان سے ولایت قائم

وأمّا بتأويل قوله: {فإنّه منهم} على التشبيه البليغ، أي فهو كواحد منهم في استحقاق العذاب. قال ابن عطيّة: من تولّاهم بأفعاله من العَضُد ونحوه دون معتقدهم ولا إخلال بالإيمان فهو منهم في المقت والمذمّة الواقعة عليهم اه۔ وقال ابن عاشور: وهذا الإجمال في قوله: {فإنّه منهم} مبالغة في التّحذير من موالاتهم في وقت نزول الآية، فالله لم يرض من المسلمين يومئذٍ بأن يتولوا اليهود والنّصارى، لأنّ ذلك يلبسهم بالمنافقين، وقد كان أمر المسلمين يومئذٍ في حيرة إذ كان حولهم المنافقُون وضعفاء المسلمين واليهود والمشركون فكان من المتعيّن لحفظ الجامعة التّجرّد عن كلّ ما تتطرّق منه الرّيبة إليهم. وقد اتّفق عُلماء السنّة على أنّ ما دون الرّضا بالكفر وممالاتهم عليه من الولاية لا يُوجب الخروج من الربقة الإسلاميّة ولكنّه ضلال عظيم، وهو مراتب في القُوّة بحسب قوّة الموالاة وباختلاف أحوال المسلمين۔

540) العذب المنير من مجالس الشنقيطي في التفسير، الشنقيطي (215/5)، تحقيق: خالد بن عثمان السبت، ناشر: دار عالم الفوائد للنشر والتوزيع، مكة المكرمة، ط: الثانية 1426 هجريا۔

رکھے اور یہ آیت اس سے منع کرنے پر بہت واضح طور سے دلالت کرتی ہے اور دوسری متعدد آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں اور عقلی دلیل کی بنیاد پر کہا جائے گا کہ جس نے یہ حرکت کی اس کا مطلب ہے کہ وہ کافر کو اس کے دین پر صحیح ٹھہرا رہا ہے اور کفر کو صحیح ٹھہرانا کفر ہے اور کفر پر رضا مندی بھی کفر ہے چنانچہ اس صورت میں اس کا مومن باقی رہنا مستحیل ہے۔[541]

مطالب أولی النہی ”میں آیا ہے کہ شیخ تقی الدین نے فرمایا کہ اسی طرح جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ کنیسہ اللہ کا گھر ہے یا اس میں اللہ کی عبادت ہوتی ہے یا یہودی جو عبادتیں کرتے ہیں وہ اللہ کی عبادت اور اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت ہے یا وہ اس کو پسند کرتا ہو یا اس سے راضی ہو تو وہ بھی کافر ہو گیا کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان کا دین صحیح ہے اور یہ کفر ہے یا اگر اس نے کنیسہ بنانے میں یا ان کے دین کو قائم کرنے میں ان کی مدد کی اور یہ

---

541) روضة الأرواح، لابن بدران (117)۔

عقیدہ رکھا کہ یہ قربت اور اطاعت ہے تو بھی وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ وہ سمجھتا ہے اور اس کا عقیدہ ہے کہ ان کا دین صحیح ہے۔[542]

(۲) دوسرا مرتبہ:

کسی کافر یا مشرک سے محبت و موّدت اور اکرام کا معاملہ کرنا دنیاوی امور و معاملات کے لئے تو یہ اس کی یہ موّدت بھی حرام ہے اور کسی طرح جائز نہیں ہے اور مذموم موالاۃ کی ایک قسم ہے چنانچہ اگر وہ کسی کافر یا مشرک سے دنیاوی معاملات کے لئے محبت کرتا ہے اور دنیا سے متعلق امور کے لئے اس سے کس طرح کی موالاۃ قائم ہوتی ہے تو یہ حرام اور معصیت ہے۔ کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے لیکن کفر نہیں ہے اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ شرک سے محبت دنیاوی امور و معاملات کے لئے ہو اس میں ان کی نصرت شامل نہ ہو کیونکہ اگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کو مسلمانوں پر غلبہ دلانے کے لئے اس کی مدد ہوگی تو یہ

---

542) مطالب أولي النهى في شرح غاية المنتهى، للرحيباني (275/6)، ناشر: المكتب الإسلامی، ط. الثانیة: 1415 هجریہ۔

تولی میں شامل ہوگا اور تولی کفر ہے۔[543] چنانچہ اگر کسی کافر سے اس کی ذات کے لئے محبت کرتا ہے تو یہ حرام ہے لیکن اگر اس کے دین کے لئے اس سے محبت کرتا ہے تو یہ اس کے کفر و شرک کی وجہ سے محبت کرتا ہے، اور یہ کفر ہے جن سے انسان ملت سے خارج ہو جاتا ہے۔[544]

(۳) تیسرا مرتبہ:

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ کسی کافر سے کسی خاص فائدہ کی بناء پر اس سے مقید محبت ہو اور یہ محبت قرابت و رشتہ داری کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے اور کسی کافر کے احسان کی وجہ سے بھی اور یہ محبت کسی موجودہ دنیوی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہے یہ طبیعی محبت ہے جیسے کسی کافر ماں باپ یا بیٹے سے محبت اگر اس کی بیوی اہل کتاب میں سے ہے تو بطور بیوی اس سے محبت کے اس

---

543) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (41)؛ وينظر: حقيقة الولاء والبراء في الكتاب والسنة، د. عصام السناني (272)۔

544) أطايب الزهر في شرح نواقض الإسلام العشر، أ.د. خالد بن علي المشيقح (88)۔

سے اچھے اخلاق کی وجہ سے اس سے محبت،[545] اس مرتبہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔کچھ علماء کا یہ کہنا ہے کہ یہ بھی دوسرے مرتبہ کی محبت میں شامل ہے یعنی محرم موالاۃ میں شامل ہے کیونکہ یہ وسیلہ ہو سکتا ہے۔پہلے درجہ کی موالاۃ تک پہنچانے کا[546] اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ فطری اور طبیعی ولاء ہے۔ جس سے انسان اپنے آپ کو دور نہیں رکھ سکتا۔کیونکہ اس مؤدت اور احسان کی گنجائش رکھی گئی ہے جو محاربین کے ساتھ نہ ہو اور وہ محبت جو الولاء والبراء میں شامل ہوتی ہے وہ دین کی بناء پر اس کی وجہ سے محبت کرنا ہے چنانچہ اگر کوئی کسی کافر سے اس کے دین کے لئے محبت کرتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا یا مطلقاً اس کی دنیاوی معاملات کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو وہ کافر تو نہیں ہو گا لیکن یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ یہ محض ایک نوع کی موالات ہے۔ لیکن جہاں تک مقید محبت کی بات ہے تو یہاں پر محبت مطلق نہیں ہے کیونکہ وہ اس کافر سے مطلق محبت نہیں کرتا ہے بلکہ اس

---

545)الأجوبة والبحوث والدراسات المشتملة عليها الدروس العلمية، صالح آل الشيخ(116/2)، أطايب الزهر في شرح نواقض الإسلام العشر، أ.د. خالد بن علي المشيقح(88)؛ ومقاصد التوحيد، د. وليد الحمدان(166)۔

546)ينظر: سبل السلام في شرح نواقض الإسلام، عبد العزيز بن عبد الله بن باز(206)، وينظر: كلام المعتني بالكتاب في الحاشية ص(198)؛ وشرح الأصول الثلاثة، فهد محمد الغفيلي(15)۔

کے لئے اس کو پسند کرتا ہے کیونکہ اس کو ان سے بھی خاص منافع حاصل ہوتے ہیں اور اس بات کی گنجائش ہے کہ کسی مباح منفعت کے لئے یا قرابت ور شتہ داری کی وجہ سے انسان ان مشرکین سے محبت کرے جو محارب نہ ہوں کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے جو اس کے ساتھ بھلائی واحسان کا معاملہ کرتا ہے۔[547]

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر کی والدہ جب ان کے پاس آئیں تو آپؓ نے آپ ﷺ سے اپنی والدہ سے صلہ رحمی کے بارے میں دریافت کیا کیونکہ ان کی والدہ مشرکہ تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تم ان سے صلہ رحمی کرو۔[548] حدیث میں جس صلہ کا ذکر ہے اس کا مطلب ہے کہ ان کا اکرام کرو۔ اس طرح سے جس طرح ایک بیٹے کو اپنے باپ کا کرنا چاہئے۔ جب وہ اس کے پاس آئے تو اور ظاہر سی بات ہے کہ اس اکرام میں محبت و مؤدت بھی ہو گی۔[549] اس بات کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ رب

---

547) الأجوبة والبحوث والدراسات المشتملة عليها الدروس العلمية، صالح آل الشيخ (2/115-116)، أطايب الزهر في شرح نواقض الإسلام العشر، أ.د. خالد بن علي المشيقح (88)، ومقاصد التوحيد، د. وليد الحمدان (164).

548) أخرجه البخاري، كتاب: الجزية والموادعة، برقم (3183)؛ ومسلم: كتاب الزكاة، برقم (1003).

549) الأجوبة والبحوث والدراسات المشتملة عليها الدروس العلمية، صالح آل الشيخ (2/115).

العزت نے کتابیہ سے شادی کرنے کی اجازت دی حالانکہ وہ بھی مشرکہ ہوتی ہے اور یہ ضروری ہے کہ شوہر کے دل میں اپنی بیوی کے لئے محبت ورحمت کے جذبات ہوں جو جذبات اس سے منفعت کے حساب سے کم اور زیادہ بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر اس کے دل میں اس کے لئے محبت نہیں ہوگی تو وہ اس کو اپنے ساتھ نہیں رکھے گا۔[550] آپ ﷺ بھی اپنے چچا ابو طالب سے محبت کرتے تھے چنانچہ اللہ رب العزت نے فرمایا{إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ}[551]

ترجمہ: اے نبیؐ، تم جسے چاہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔

---

550) المصدر السابق. وجاء في تفسير سورة المائدة، الآية (51)، لابن عثيمين (9/2): (هل من الولاية المحبة. الجواب: المحبة لا شك أنها وسيلة للمناصرة؛ لأن من أحب أحداً نصره، لكن المحبة الطبيعية لا تدخل في هذا، ولهذا أباح الله تعالى للمسلمين أن يتزوجوا من اليهود والنصارى، ومن المعلوم أن الزوج والزوجة لابد أن يكون بينهما محبة)۔

551) سورة القصص، الآية (56)۔

اور اس محبت کی وجہ مباح منفعت اور وہ ربط و تعلق تھا جس نے ان کو جمع کیا تھا۔[552] اسی سلسلہ میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے ان مؤمنین کو مخاطب کر کے جو قرابت و رشتہ داروں کی وجہ سے اہل کتاب کے کچھ کافروں سے تعلق رکھتے تھے۔ صلہ رحمی کرتے تھے:

{هَاأَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ}[553]

ترجمہ: تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔

---

552) جاء في تفسير الطبري (587/19): (يقول تعالى ذكره للنبي محمد: (إنك) يا محمد (لا تهدي من أحببت) هدايته (ولكن الله يهدي من يشاء) أن يهديه من خلقه، بتوفيقه للإيمان به وبرسوله. ولو قيل: معناه: إنك لا تهدي من أحببته لقرابته منك، ولكن الله يهدي من يشاء، كان مذهبًا.)؛ وفي تفسير البغوي (539/3): (قوله تعالى: (إنك لا تهدي من أحببت)، أي: أحببت هدايته، وقيل: أحببته لقرابته)؛ وجاء في كتاب القول المفيد، لابن عثيمين (349/1): (ظاهره أن النبي... يحب أبا طالب؛ فكيف يؤول ذلك؟ والجواب: إما أن يقال: إنه على تقدير أن المفعول المحذوف، والتقدير من أحببت هدايته لا من أحببته هو، أو يقال: إنه أحب عمه محبة طبيعية، كمحبة الابن أباه ولو كان كافرًا، أو يقال: إن ذلك قبل النهي عن محبة المشركين، والأول أقرب؛ أي: من أحببت هدايته لا عينه، وهذا عام لأبي طالب وغيره، ويجوز أن يحبه محبة قرابة)۔

553) سورة آل عمران، الآية (119)۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عام طور پر تمام نصاری یہودیوں سے تعلقات رکھتے تھے اور وہ یہودی بھی نصاری سے تعلقات رکھتے تھے لیکن جب نصاری اسلام لے آئے تو یہودی ان سے نفرت کرنے لگے اور اس سلسلہ میں مذکورہ بالاآیت نازل ہوئی۔

مومنین کی ان سے محبت کے معنی میں چار احوال ہیں: پہلا جو کہ یہاں شاہد ہے وہ یہ ہے کہ اس کا مطلب ان کی طرف فطری اور طبیعی میلان ہے جو کہ قرابت ورشتہ داری رضاع اور مصاہرت کی وجہ سے ہو سکتا ہے، یہ معنی ابن عباسؓ سے منقول ہے۔[554]

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام بغویؒ فرماتے ہیں "اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ تم اے مومنوں ان سے محبت کرتے ہو، تم ان یہودیوں سے ان اسباب کی بناء پر محبت کرتے ہو جو تمہارے درمیان قرابت رضاعت اور مصاہرت کی شکل میں ہے لیکن وہ تم دونوں کے درمیان میں دین کے فرق ہونے کی وجہ سے تم سے محبت نہیں کرتے ہیں۔[555]

----

554)زاد المسیر، لابن الجوزي (318/1)۔

555)(498/1)۔

چنانچہ ان باتوں کا یہ مقصد ہے کہ کفار سے مطلق ولایت رکھنا یاان کے دین سے راضی ہو کران سے محبت کرنے اور طبیعی و فطری محبت میں فرق ہے جیسے کہ انسان اپنے مشرک بیٹے سے یا مشرک باپ یا کتابیہ بیوی سے محبت کرے یااس پڑوسی سے جو اس کے ساتھ بھلائی اور احسان کا معاملہ کرتا ہو، کیونکہ طبیعی اور فطری محبت ہے، اس سے سامنے والے کے دین سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اس میں کفار سے ولاء یاان سے محبت یاان کے دین کی نصرت نہیں ہوتی ہے۔[556]

چنانچہ اگر کسی کافر سے اس کے کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے اندر موجود کسی ایسی صفت کی وجہ سے اس کافر سے محبت ہو جن صفات کو انسان پسند کرتا ہے جیسا کہ اپنی بیوی سے محبت، اس ڈاکٹر سے محبت جس نے ان کے ساتھ خیر واحسان کا معاملہ کیا اور اس طرح فطری اسباب کی وجہ سے محبت ہو تو اس کا تعلق دین سے نہیں ہے بلکہ ظاہری اور طبیعی امور سے ہے اور جو چیز طبیعی اور فطری اسباب کی وجہ سے ہوئی تو اس سے منع نہیں کیا

----

(556)ينظر: مفهوم عقيدة الولاء والبراء، د. سليمان بن صالح الغصن (68)، ناشر: دار كنوز أشبيليا، ط. الأولى: 1430 هجريا؛ والتعليق المأمول على ثلاثة الأصول، أ. د. عبدالرحمن السديس (171-177)۔

جائے گا۔[557] چنانچہ کسی غیر مسلم سے اس کے دین اور عقیدہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس سے قرابت، یا قدیم محبت یا کسی ایسی وجہ سے محبت ہو جو بعد میں سامنے آئی جس میں اس کا کوئی قصد واختیار نہ ہو تو اس محبت میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ اس کے قصد واختیار سے خارج ہے جس محبت اور میلان سے منع کیا گیا ہے وہ تکلیف کے دائرہ میں ہے۔ نہ کہ وہ میلان یا وہ فطری لگاؤ جو کسی ضرورت کی بنیاد پر ہو اور دین اور عقیدہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہو، لیکن یہ لگاؤ ایثار وقربانی کے جذبہ تک نہیں پہنچنا چاہئے کیونکہ ایسا کرنے سے وہ دھیرے دھیرے اس کے راستہ کو اچھا سمجھنے لگے گا۔ اس کے دین وعقیدہ سے راضی ہونے لگے گا اور یہ صریح کفر ہے۔[558] ایک مومن پر واجب ہے کہ وہ اللہ سے محبت کرنے والا ہو اس کے رسول اور مؤمنین سے محبت کرنے والا ہو اور اگر کسی مشرک سے وہ معاملات کرے بھی تو اس میں دلی لگاؤ یا محبت نہیں ہونی چاہئے۔ صرف عدل وانصاف کی بنیاد پر معاملات کرنے چاہئیں کیونکہ مشرک کے دل میں اللہ کے لئے نفرت ہوتی ہے۔ وہ اپنے

---

557) الأجوبة والبحوث والدراسات المشتملة عليها الدروس العلمية، صالح آل الشيخ (148/2)۔

558) القول الامبين في حكم المعاملة بين الأجانب والمسلمين، للشيخ محمد حسنين مخلوف (106)، تحقيق: حسن أبو الأشبال، ناشر: مكتبة الحرمين للعلوم النافعة، القاهرة۔

اعمال سے اس گندگی اور نفرت کا اقرار کرتا ہے۔اللہ رب العزت کے ساتھ دوسرے معبود بناتا ہے اور ایک مومن اللہ اس کے رسول اور مومنین کا متولی ہوتا ہے تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس کے دل میں مشرکوں کے لئے محبت ہو۔والعیاذ باللہ۔[559]

چوتھا مسئلہ : دنیوی مقاصد کے لیے مسلمانوں کے مقابلہ میں مشرکین کی مدد کرنے کی وضاحت۔

پیچھے جو باتیں آئیں ان سے پتہ چلا کہ کسی کافر سے اس کے دین کے لئے محبت کرنا یا ان کی نصرت و مدد کرنا کفر ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے اور کافروں سے اس معنی میں موالات قائم کرکے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس کے ساتھ ایمان بھی ثابت وراسخ ہو اور کفار سے اصل براءت کے حکم پر بھی عمل ہو۔کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ایمان اور کافروں کے دین سے محبت اور ان دین کے معاملہ میں ان کی نصرت دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں، کیونکہ ایسا ہونا دواضداد کا یکجا ہونا ہے اور اس بات میں کوئی اختلاف کوئی دورائے نہیں ہے لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ اگر کافر کی مدد مسلمانوں کے مقابلہ میں دینی معاملات کے بجائے دنیاوی مقاصد کے لئے کی جائے تو یہ

---

559)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(43)۔

پہلے مرتبہ میں آئے گا جس سے انسان کافر ہو جاتا ہے یا دوسرے مرتبہ میں آئے گا جو کہ حرام ہے؟

اس سلسلہ میں علماء کے تین اقوال ہیں :

(ا) پہلا قول:

مشرکین کی حمایت کرنا ان کی نصرت و مدد کرنا مسلمانوں کے مقابلہ میں چاہے وہ کسی بھی طرح سے ہو تولی کے زمرہ میں آئے گا جو کہ کفر ہے۔ اسلام کے نواقض میں سے ایک ہے، کیونکہ تولی کا مطلب ہوتا ہے نصرت۔ کسی قوم کی تولیت یعنی ان کی تائید، مخالفین کے مقابلہ میں ان کی نصرت و مدد اور اس کا اصلی تعلق دل سے ہے اور اس کی دلالت اور اس کا اظہار مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی تائید اور نصرت و مدد کرنے سے ہوتا ہے[560] چنانچہ جس نے مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کی مدد کی، مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کی اعانت کی تو بلاشبہ وہ کافر ہو گا۔[561] اگرچہ وہ یہ سوچ کہ یہ کام رشتہ داروں اور بچوں سے صلہ رحمی

---

560) سبل السلم شرح نواقض الِاسلام، عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز (201)۔

561) سبل السلم شرح نواقض الِاسلام، عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز (201)، جمعہ: محمد بن ناصر الفھري، ط. الأولی: 1432 ھجریا؛ وینظر: تبصیر الأنام بشرح نواقض الِاسلام، عبد العزیز بن عبد اللہ الراجحي (193)، ناشر: أوقاف نورة

کرنے کی وجہ سے ہے۔ یہ عذر اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہوگا کیونکہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کی مدد تولی اور ردت ہے۔اس بات میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔[562]اس قول کا مطلب ہے کہ یہ حکم بالکل عام ہے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کی کسی بھی طرح مدد و نصرت کرنے سے انسان کافر اور مرتد ہو جائے گا۔اگر کفار کی مدد قتال میں نہ ہو بلکہ اس کے علاوہ کسی کام میں ہو جس میں اس کا فائدہ مضمر ہو اور یہ مدد دنیاوی مقاصد کے لئے ہو چاہے اس کے ڈر سے یا محبت سے اور اس مدد کے ساتھ ساتھ کفار سے نفرت بھی ہو اور ان کے دین سے براءت بھی۔تو بھی اس کی مدد کفر تک لے جائے گی[563] شیخ حمد ابن عتیقؒ فرماتے ہیں ''مشرکین کی مدد کرنا، مسلمانوں کے کمزور

الراجحي،ط.الأولى:1437 هجريا؛ونواقض كلمة التوحيد،د.عواد بن عبد الله المعتق(72)،ناشر:مكتبة الرشد،ط.الأولى: 1436 هجريا؛وشرح رسالة نواقض الإسلام،خالد بن إبراهيم الفليج(75)،ناشر:دار طيبة الخضراء،ط.الأولى:1438 هجريا۔

562) سبل السلم شرح نواقض الإسلام،عبد العزيز بن عبد الله بن باز(206)۔

563)ینظر: شرح نواقض الإسلام، عبد الرحمن بن ناصر البراک (35)، راجعه: عبد الرحمن السدیس، ناشر: دار التدمرية،ط.الخامسة:1435 هجريا۔

پوائنٹس کے بارے میں ان کو بتانا، زبان سے ان کا دفاع کرنا، ان کی حرکتوں پر راضی رہنا، ان تمام باتوں سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ الا یہ کہ وہ مکرہ ہے۔ اس سے یہ کام زبردستی کروایا گیا ہو۔ اگر وہ مکرہ نہیں ہے تو ان کاموں سے مرتد ہو جائے گا۔ اگرچہ وہ دل میں کفار سے نفرت کرتا ہو اور مسلمانوں سے محبت کرتا ہو۔[564]،،

اس قول کے حق میں دو طرح سے استدلال کیا جاسکتا ہے:

(ا) بعض مفسرین نے اس آیت میں " وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ "[565] تولی کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تولی کا مطلب ہے مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی نصرت و مدد کرنا، یعنی جو مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کرتا ہے وہ انہیں میں سے ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے واضح کردیا کہ اس کا حکم بھی وہی ہے جو ان کفار کا ہے۔[566]

---

564) الدفاع عن أهل السنة والأتباع (30)، ناشر: دار طيبة، ط. الرابعة: 1410 هجريا؛ وينظر: الدرر السنية (429/10)۔

565) سورة المائدة، الآية (51)۔

566) ينظر: الجامع لأحكام القرآن، للقرطبي (47/8)۔

(۲)اہل اسلام کے برخلاف کفار کی مدد کرنا قتال میں مؤمنین سے ولاء رکھنے اور مشرکین سے براء کا معاملہ کرنے کے اصول کے متنافی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہری اعمال اور باطنی کیفیات میں تلازم ہوتا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ بندہ اللہ اور اس کے رسول پر وہ

قال ابن جرير الطبري في تفسير الآية: (ومن يتول اليهود والنصارى دون المؤمنين، فإنه منهم يقول **فإن من تولاهم ونصرهم**

دينه، فقد عادى ماخالفه وسخطه، وصار حكمه حكمه.) ينظر: جامع البيان عن تأويل آي القرآن (400/10)۔

وقال ايضًا: في تفسير قوله تعالى: ((لايتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين، ومن يفعل ذلك فليس من الله في شيء إلا أن تتقوا منهم تقة)): ومعنى ذلك: لاتتخذوا أيها المؤمنون الكفار ظهرًا وأنصارًا، توالونهم على دينهم، وتظاهرونهم على المسلمين من دون المؤمنين، وتدلونهم على عوراتهم. فإنه من يفعل ذلك فليس من الله في شيء؛ يعني بذلك فقد برئ من الله، وبرئ الله منه بارتداده عن دينه، ودخوله في الكفر، إلا أن تتقوا منهم تقاة، إلا أن تكونوا في سلطانهم، فتخافوهم على أنفسكم، فتظهروا لهم الولاية بألسنتكم، وتضمروا لهم العداوة، ولا تشايعوهم على ماهم عليه من الكفر، ولا تعينوهم على مسلم بفعل.) جامع البيان عن تأويل آي القرآن (315/5)۔

ونقل ابن جرير عن السدي أن معنى النهي عن اتخاذهم أولياء، أي: فيواليهم في دينهم، ويظهرهم على عورة المؤمنين. فمن فعل هذا فهو مشرك، فقد برئ الله منه، إلا أن يتقي منهم تقاة، فهو يظهر الولاية لهم في دينهم والبراءة من المؤمنين۔

ایمان لائے جو اس کے لئے نجات کا سبب بن سکے۔ اہل ایمان سے محبت کرنے والا ہو، اس دین سے محبت کرنے والا ہو، کفر اور کفار سے نفرت کرنے والا ہو اور پھر اپنی مکمل قوت و طاقت صرف کر دے، اپنی جان اپنے اہل و عیال، اپنی مال و دولت کو خطرہ میں ڈال دے، مومنین کے خلاف کفار کی نصرت و مدد کرنے میں۔

اور وہ یہ چاہتا ہو کہ ان کو غلبہ حاصل ہو، ان کی شان و شوکت میں اضافہ ہو تا کہ اس کو ان سے دنیوی فوائد حاصل ہوں۔ اس کے بعد بھی کہ اس کو پتہ ہے کہ اس کی اس مدد سے شرک اور کفر غالب ہو سکتے ہیں۔ ایمان اور اسلام پر ایسا صرف اور صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کے دل و دماغ میں دنیا کی محبت حد سے تجاوز کر جائے یہاں تک کہ اس کو اس ایمان سے بھی خارج کر دے جو اس کے لئے باعث نجات ہے اور جس ایمان میں الولاء والبراء بھی شامل ہے، چنانچہ اس طرح وہ کافر ہو جائے گا۔[567]

(2)دوسرا قول:

----

567) نظرات نفقدية حول بعض ماكتب في تحقيق مناط الكفر في باب الولاء والبراء، عبد الله بن صالح العجيري، بحث منشور على الشبكة العنكبوتية۔

مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کی مدد کرنا اگر اس کا مقصد کوئی ذاتی مصلحت ہے یا کسی کا ڈر ہے، یا مسلمانوں میں سے کسی دنیاوی مقاصد کو لے کر دشمنی ہے جس کے مقابلہ میں کفار یکجا ہیں اور وہ چاہے ان کے ساتھ قتال کرنے کی شکل میں ان کی مدد کرتا ہے یا مال واسلحہ سے یا ان کے لئے مسلمانوں کے خلاف تجسس کر کے کرتا ہے تو یہ تمام اعمال حرام ہیں اور کبیرہ گناہوں میں سے ہیں لیکن ان سے انسان کافر نہیں ہوتا ہے اور ملت سے خارج نہیں ہوتا ہے[568] کیونکہ کافرین سے موالات اور مومنین سے عداوت جو کہ کفر میں ڈال دیتی ہے اس کا تعلق اس موالات اور معادات سے ہے جس کا تعلق دین سے ہو، چنانچہ اگر کوئی مسلمان کفار سے محبت و موٗدت قائم کرے، ان کی نصرت و مدد کرے ان کے دین کی وجہ سے یا موٗمنین سے دشمنی رکھے اسلام سے نفرت کی وجہ سے تو یہ صریح کفر ہوگا اور ردت کے حکم میں آئے گا۔ والعیاذ باللہ۔

---

568) بحث: الولاء والبراء وأحكام التعامل مع الكفار والمبتدعة والفساق، د. عبد الله بن عبد العزيز الجبرين، مجلة البحوث الإسلامية، العدد(79)، ص(190).

چنانچہ کافر بنادینے والی یہاں پر اصل وجہ یہ ہے کہ مسلمان سے اسلام کی وجہ سے دشمنی ہو یاکافر سے[569] اس کے کفر کی وجہ سے محبت و موٗدت ہو کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ کفر سے رضا مندی ہے اور اسلام سے نفرت ہے لیکن اگر وہ ان کی نصرت و مدد اسلام سے نفرت یا ان سے محبت کی وجہ سے نہ کرے اور نہ ہی اس بات کا خواہشمند ہو کہ کفار مسلمانوں پر غالب ہو جائیں، نہ ان کے دین سے محبت کرتا ہو بلکہ وہ یہ کام ذاتی مصلحتوں یا دنیوی مقاصد کے لئے کرے تو وہ کافر نہیں ہو گا۔[570] چنانچہ جو کسی کافر کی مدد کرے دنیاوی مقاصد کے

---

569) الجهل بمسائل الاعتقاد وحكمه، تاليف: عبدالرزاق بن طاهر أحمد معاش (453،460)۔

570) دروس في شرح نواقض الاسلام، د. صالح بن فوزان الفوزان (160، 172) وبحث: الولاء والبراء وأحكام التعامل مع الكفار والمبتدعة والفساق، د. عبد الله بن عبد العزيز الجبرين، مجلة البحوث الإسلامية، العدد (79)، ص (190)؛ والإلمام بشرح نواقض الإسلام، إعداد: عبدالعزيز الريس (210)؛ ومعجم التوحيد، إبراهيم بن سعد أبا حسين (554/3)؛ وشرح نواقض الإسلام، حمد بن عبدالله الحمد (7)؛ وأطايب الزهر في شرح نواقض الاسلام العشر، أ.د. خالد بن علي المشيقح (85)؛ وموجز الكلام في شرح نواقض الاسلام، يوسف بن علي الطائي (36)؛ وحقيقة الولاء والبراء في الكتاب والسنة، د. عصام السناني (320)؛ وشرح رسالة نواقض الاسلام، أيمن بن سعود العنقري (63)؛ وتوضيح العقيدة الإسلامية، د. أحمد بن عبدالعزيز القصير (249)؛ وشرح الأصول الثلاثة وأدلتها، محمد بن مبارك الشرافي (30)۔

حصول کے لئے نہ کہ دینی امور کی وجہ سے مثال کے طور پر اگروہ مسلمانوں کے ساتھ قتال میں کافر کی مدد کرے اور اس کا تعاون کرے یا مسلمانوں کی کسی پلاننگ کے بارے میں کافروں کو باخبر کردے اور یہ حرکتیں وہ کافر کے دین سے راضی ہو کر نہ کرے بلکہ اس سے وہ کافروں سے دنیاوی فوائد حاصل کرنا چاہتا ہو، مثال کے طور پر کافروں کے ملک میں اس کی تجارت ہو یا اس کے اہل وعیال ہوں اور وہ اس بات کا خواہشمند ہو کہ ان سے جان پہچان بنائے رکھے، حالانکہ ان سے محبت نہ کرتا ہو، نہ ان کے دین سے محبت کرتا ہو، نہ ان کے دین کے لئے غلبہ کا خواہشمند ہو، نہ اسلام سے نفرت کرتا ہو، نہ مسلمانوں کی ہار کا خواہشمند ہو تو اگر اس صورت میں وہ ان کی مدد کرتا ہے، دنیاوی فوائد تجارتی مقاصد یا ان جیسی وجوہات کی بناء پر تو یہ اسلام کے نواقض میں سے نہیں ہوگا۔ اس کی یہ حرکت بہت بڑا گناہ، بالکل حرام کام ہوگا لیکن وہ کفر میں داخل نہیں ہوگا اور اسلام کے دائرہ سے خارج نہیں ہوگا۔[571]

ابن العربیؒ فرماتے ہیں: ”جس نے مسلمانوں کی کمزور جگہوں کو جانا اور کافروں کو بتادیا یا مسلمانوں کے دشمنوں کو مسلمانوں کی خبریں پہنچانے کا کام کیا اور اس

---

(571)شرح نواقض الِاسلام، عبدالرزاق بن عبدالمحسن البدر، منشور علی الشبکۃ العنکبوتیۃ۔

نے یہ کام دنیاوی مقاصد کے حصول کے لئے کئے ہوں تو وہ کافر نہیں ہوگا جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایسا کیا تھا اور ان کا مقصد یہ تھا کہ کفار کے یہاں ان کا اثر ورسوخ ہو، دین سے پلٹنے کے لئے انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا"[572]۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے انسان صلہ رحمی کی غرض سے یا کسی فائدہ کے مقصد سے کفار سے محبت و مودت رکھے تو اس کا یہ کام ایک ایسا گناہ ہوگا جس سے اس کا ایمان ناقص ہو جائے گا لیکن وہ کافر نہیں ہوگا جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے کیا تھا انہوں نے پیارے نبی ﷺ کے بارے میں کچھ خبریں مشرکین کو بتادی تھیں اور ان پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل کی تھی {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ}[573]

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم اُن کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو۔

---

572) الجامع لأحكام القرآن (225/4)، وأورده القرطبي بنصه في تفسيره: (399/20)۔

573) سورة الممتحنة: 1۔

اور جیسا کہ سعد بن عبادہ نے کیا تھا جب انہوں نے قصہ اِفک میں ابن ابی کی مدد کی تھی۔[574]

ابن بدران ؒ فرماتے ہیں: قرابت ورشتہ داری یا محبت کی وجہ سے اس عقیدہ کے ساتھ کفار کا دین باطل ہے۔ اگر کوئی کفار سے ولایت قائم رکھتا ہے۔ ان کی نصرت و مدد کرتا ہے تو ایسا کرنے سے وہ کافر نہیں ہو گا۔ اگرچہ ایسا کرنا ممنوع ہے اور اس سے اس لئے منع کیا گیا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے وہ ان کے دین سے راضی ہو سکتا ہے اور ان کے طریقہ کو اچھا سمجھ سکتا ہے اور اگر ایسا ہوا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔[575] شیخ محمد العثیمین ؒ اس آیت کی تفسیر میں "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ "[576] میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں بہت شدید طور سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ ان لوگوں کے لئے بہت سخت وعید ہے کہ جو ان سے ولایت قائم رکھے گا وہ انہیں میں سے ہو گا لیکن کیا وہ ظاہری طور پر ان میں سے

---

574) مجموع الفتاوی (522/7)۔

575) روضۃ الأرواح، لابن بدران (115)۔

576) سورۃ المائدۃ، الآیۃ (51)۔

ہو گا؟ ہاں وہ ظاہری طور پر انہیں میں سے ہو گا اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کیونکہ اس نے ان کی نصرت و مدد کی، لیکن کیا وہ باطنی طور سے بھی انہیں میں سے ہو گا؟ اس معاملہ میں یہ کہا جائے گا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ نصرت و مدد اس کو ان سے محبت تک لے جائے اور پھر ان کی ملت کی اتباع کرنے تک لے جائے کیونکہ ایک گناہ سے دوسرا گناہ تک پہنچاتا ہے۔ ظاہری طور پر تو وہ لازماً انہیں میں سے ہو گا کیونکہ ارشاد باری ہے "وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ" لیکن ہو سکتا ہے اس ظاہری چیز سے وہ باطنی امور کی طرف چلا جائے اور ان کے عقیدہ اعمال اور اخلاق میں بھی ان کا شریک بن جائے اور وہ موالاۃ جس سے اللہ رب العزت نے منع کیا ہے وہ ان کی نصرت و مدد کرنے والی موالات ہے جس سے ان کو نفع پہنچے اور یہ حرام ہے۔[577]

شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر البراک سے ایک شخص نے سوال کیا کہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے آپ کے اشراف میں یہ کتاب "مسائل العذر بالجہل"[578] پڑھی اور اس سے میں نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کے ساتھ قتال کرنا کفر

----

(577) تفسیر سورۃ المائدۃ، لابن عثیمین (2/9، 10، 11، 18)، ناشر: دار ابن الجوزي، 1435 ھجریا۔

(578) الکتاب المقصود، عنوانہ: الجهل بمسائل الاعتقاد وحکمه، تألیف: عبدالرزاق بن طاہر معاش (461)۔

نہیں ہے۔اگران کے دین کے غلبہ کی خواہش نہ ہواور نہ ہی ان کے دین سے محبت ہو بلکہ اس نے ایسادنیاوی مصلحتوں اور حمیت کی وجہ سے کیاتو یہ کفر نہیں ہو گااور انسان ایسا کرنے سے ملت سے خارج نہیں ہو گا۔تو کیامیں صحیح سمجھا؟اور کیایہ بات اہل سنت میں سے کسی نے کہی ہے؟آپ کی اس شرط کے بارے میں کیارائے ہے جس کاذکر ہوا مسلمانوں کے خلاف مسلمانوں سے قتال کرنے والے کے کفر کے سلسلہ میں تو شیخ محمد بن براک نے جواب دیا "الحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وبعد: بلاشبہ کفار کی مسلمانوں کے خلاف مدد وتائید کرنے کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں، کبھی یہ اسلام اور مسلمانوں سے نفرت کی وجہ سے ہوتا ہے کبھی کسی خوف یا مصلحت کے پیش نظراور یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ وہ شخص جو اللہ سے اس کے رسول اور اس کے دین سے محبت کرتا ہو لیکن کسی خاص وجہ سے وہ کفار کی مسلمانوں کے بالمقابل مدد کردیتا ہے اور وہ شخص جو اسلام اور مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے اور کفار کی مدد کرتا ہے۔دونوں برابر نہیں ہو سکتے اور ایسا کوئی نص نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے جو کفار کی ظاہری طور سے نصرت ومدد کردیتا ہے وہ جاسوس جو مسلمانوں کی جاسوسی کرتا ہے اگرچہ اس کو اس کام کی سزا کے طور پر قتل کردیا جاتا ہے لیکن وہ اس جاسوسی سے مرتد نہیں ہو جائے گا اور حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ اس کی واضح دلیل ہے چنانچہ انہوں نے قریش کے پاس پیغام بھیجا

جس میں انھوں نے ان کو بتایا تھا کہ اللہ کے رسول ان کی طرف آرہے ہیں اور جب اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو حاطب کی اس حرکت کے بارے میں مطلع کیا تو اس عورت کے بارے میں بھی خبر دی جو یہ پیغام لے کر جارہی تھی تو آپ ﷺ نے حاطب کو ڈانٹا ڈپٹا تو انھوں نے آپ ﷺ کو یہ بتایا کہ انھوں نے یہ کام صرف اس لئے کیا کہ وہ چاہتے تھے کہ قریش سے ان کے تعلقات ٹھیک ٹھاک رہیں جس کی وجہ سے ان کے اہل وعیال اور مال ودولت محفوظ رہے تو آپ ﷺ نے ان کا عذر قبول کر لیا اور ان کو اسلام کی تجدید کا حکم نہیں دیا حاطب نے اس بات کا ذکر کیا کہ وہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ساتھ تھے اور اس طرح اللہ نے ان کی یہ غلطی معاف کردی۔ چنانچہ یہ کہنا کہ صرف تأیید اور نصرت ومدد کرنے سے چاہے وہ کسی بھی حالت میں ہو اسلام سے خارج کردیتی ہے تو یہ مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ نصرت وتأیید اپنی مقدار اور نوعیت کے لحاظ سے مختلف طرح کی ہوتی ہے اور اللہ رب العزت کا یہ کہنا {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي

وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ (1)}[579]

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم اُن کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اُس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں اور اُن کی روش یہ ہے کہ رسول کو اور خود تم کو صرف اِس قصور پر جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب، اللہ پر ایمان لائے ہو تم چھپا کر اُن کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔

یہ آیت اس بات پر دلالت نہیں کرتی ہے کہ ہر طرح کی موالاۃ کفر ہے کیونکہ تولی کے مختلف مراتب ہیں جیسا کہ کفار سے تشابہ اختیار کرنے کے مختلف مراتب ہیں حدیث میں آتا ہے کہ "من تشبه بقوم فهو منهم" ترجمہ: جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انہیں میں سے ہے۔

---

579) سورة الممتحنة، الآية (1)۔

اور یہ بات واضح ہے کہ ہر طرح کا تشبہ کفر نہیں ہے اور یہی معاملہ موالاۃ کا بھی ہے اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ سوال نامہ میں جو تفصیل ہے میرے نزدیک وہ صحیح ہے واللہ اعلم۔[580]

مذکورہ بالا مدد ونصرت انسان کو کافر نہیں بناتی ہے اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اہل العلم کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ مسلمان جاسوس کا قتل کرنا جائز نہیں ہے اور طحاویؒ نے جو اجماع نقل کیا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ وہ مرتد نہیں ہوگا اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ حاطب نے جو کام کیا تھا وہ ردت کا مؤجب نہیں تھا اور اس بات پر اجماع ہے حالانکہ اس بات کا پیغام مکہ کے مشرکوں تک پہنچ گیا ہوتا تو وہ جنگ کیلئے تیار ہو جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ اس خبر کو راز رکھا جائے کہ ان سے جنگ کرنی ہے۔ تو حاطب نے جو کام کیا تھا وہ کافروں کی زبردست مدد تھی مسلمانوں سے جنگ انتہائی اہم جنگ کرنے میں، اور جب

---

580) موقع الشيخ على الشبكة العنكبوتية، ورقم الفتوى (6259)، وتاريخها: 1436/11/7 هجرياً.

یہ ثابت ہو گیا تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ اعانت ونصرت اس وقت تک کفر کی مؤجب نہیں ہو گی جب تک وہ کفار سے محبت نہ کرے اور مسلمانوں پر ان کے غلبے کا خواہشمند نہ ہو۔[581]

(۳) تیسرا قول:

تیسرا قول یہ ہے کہ اس سلسلے میں اعانت و مظاہرت میں فرق کرنا چاہئے مظاہرت یہ ہے کہ وہ ان کی پشت پناہی کرے اور ان کا دفاع کرے اور یہ کفر ہے اور اعانت و مدد میں تفصیل ہے کسی مسلمان کے خلاف کسی مشرک کی مطلقاً مدد کرنا کفر نہیں ہے الّا یہ کہ وہ اس نیت اور اس مقصد سے ان کی مدد کرے کہ کفر اسلام پر غالب آجائے۔ دراصل تولی کا معنٰی ہوتا ہے شرک اور مشرکین سے محبت کفر اور کافروں سے محبت۔

اہل ایمان کے مقابلہ میں کفار کی مدد اس نیت اور اس مقصد کے ساتھ کہ کفر اسلام پر غالب آجائے چنانچہ کافروں اور مشرکوں کے ساتھ تولی کا ضابطہ یہ ہے کہ شرک سے محبت ہو، اور اگرچہ محبت نہ ہو لیکن وہ کفار کی اہل ایمان کے مقابلہ میں اس مقصد سے مدد کرے تاکہ وہ

---

581) بحث: الولاء والبراء وأحكام التعمل مع الكفار والمبتدعة والفساق، د. عبد الله بن عبد العزيز الجبرين، مجلة البحوث الاسلامية، العدد (79)، ص (190)؛ وينظر: أطايب الزهر شرح نواقض الاسلام العشر، أ. د. خالد بن علي المشيقح (86).

غالب ہو جائے اور یہ وہ کفر اکبر ہے جو اگر کوئی مسلم کرتا ہے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے، والعیاذ باللہ۔[582] اسی لئے شیخ محمد بن عبدالوہاب ؒ نے دس نواقض اسلام میں ایک یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مشرکوں کی تائید کرنا ان کی حمایت کرنا اور یہ ناقض دو باتوں پر مبنی ہے۔

مظاہرت اور اعانت:

مظاہرت کا یہ مطلب ہے کہ وہ مشرکوں اور کافروں کے لئے پشت پناہی کا کام کرے ان کا دفاع کرے ان پر آنے والی مصیبتوں کو دور کرے اور اگر جنگ ہو تو وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مشرکین کے ساتھ ہو یعنی مسلمانوں کا ایک گروپ اپنے آپ کو مشرکین کی پشت پناہی اور ان کی حمایت اور ان کے دفاع میں لگا دے۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی نصرت و مدد کرے تو اس کو مظاہرہ کہیں گے اور یہ اسلام کے نواقض میں سے ہے جیسا کہ اہل علم نے بیان کیا ہے۔[583]

---

582) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (40)۔

583) جاء في كتاب شرح نواقض الإسلام، ناصر بن احمد العدني (103)، مانصه: من كان منه العداوة باطنًا لا ظاهرًا، وهذا له حالات:.... الحالة الثالثة: أن يظهر لهم الموالاة والتأييد والنصرة و تحسين دينهم، ويكون معهم في الاجتماع والنصرة

دوسری چیز اعانت ہے۔اس کا مطلب ہے کہ مشرکین کی اعانت و مدد کی جائے۔اعانت کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ کسی کافر کی مدد واعانت اس مقصد کے ساتھ کرے کہ کفر اسلام پر غالب آجائے کیونکہ مطلقاً اعانت کفر نہیں ہے کیوں کہ حاطبؓ سے رسول ﷺ کے بالمقابل مشرکین کی اعانت صادر ہوگئی تھی انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے راز کو کتابت کے ذریعہ مشرکین تک پہنچانے کی کوشش کی تھی لیکن جب آپ ﷺ نے تفصیل دریافت کی اور حاطبؓ نے جواب دیا کہ ان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ کفر اسلام پر غالب ہو جائے چنانچہ اس سے یہ پتہ چلا کہ اعانت کے باب میں تفصیل ہے۔اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

والمنزل، بحيث يعده المشركون منهم، فهذا كافر، لا عذر له، وإن كان يبغضهم في الباطن، لأن هذه الموافقة لهم في دينهم ونصرتهم على المسلمين – حتى عده المشركون واحداً منهم، إذ لم يروا فرقاً بينهم وبينه، أوجبت له الكفر، ولم تنفعه عداوتهم الباطنة. وقال في (109)، فإن كانت الكموالاة في ديارهم بالنصرة لهم والتأييد ومعونتهم على المسلمين فيما يظهر به دين الكافرين، وما هم عليه من التعطيل والشرك، فهذه موالاة مخرجة من الإسلام، قال الشيخ سليمان بن عبد الله في رسالته (أوثق عرى الإيمان) ضمن الدرر السنية (159/8)، وقد سئل عن الموالاة متى تكون كفراً فأجاب رحمه الله تعالى: إن كانت الموالاة مع مساكنتهم في ديارهم والخروج معهم في قتالهم ونحو ذلك، فإنه يحكم على صاحبها بالكفر، وإن كانت الموالاة لهم في دار الإسلام، إذا قد موا إليها ونحو ذلك، فهذا عاصٍ متعرض للوعيد...؛ وإن كانت موالاتهم من أجل دينهم فهو مثلهم۔

"وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ" لیکن وہ بغیر قصد کے کافر نہیں ہوگا۔[584] ارشاد باری ہے "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" اس آیت اوراس کے سبب نزول سے اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ کافروں سے صرف محبت کی وجہ سے ایمان ختم نہیں ہوجائے گا۔ ایمان کا لیبل نہیں چھین جائے گا کیونکہ مذکورہ آیت میں اللہ رب العزت نے ان کو ایمان کے نام سے پکارا ہے: "یاایھاالذین آمنوا" اس بات کو ثابت کرتے ہوئے کہ انہوں نے کافروں سے محبت کی۔[585]

نانچہ حاطب ؓ بھی اس میں مسمی ایمان اور اس وصف میں داخل ہوگئے اور مذکورہ نص میں بھی وہ شامل ہیں۔ مذکورہ آیت سے اس بات کا پتہ چلتاہے کہ حاطب ؓ کا عمل بھی موالات ہی کی ایک قسم میں سے تھا اور انہوں نے ان سے محبت و مودّت قائم کی اور یہ کام کرنے والا صحیح راستہ سے بھٹک جاتا ہے لیکن اللہ رب العزت کا یہ قول کہ "صدقکم، خلوا سبیله" ترجمہ: "اس نے تم سے سچ کہا اس کو چھوڑ دو"۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس

---

584) الأجوبة والبحوث والدراسات المشتملة عليها الدروس العلمية، صالح آل الشيخ (624)۔

585) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (43)۔

کی وجہ سے اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے، اس کے دل میں کسی طرح کا کوئی شک و شبہ نہیں ہے بلکہ اس نے ایسا صرف دنیاوی مقاصد کے حصول کے لئے کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان پر کفر کا حکم لگانا ہوتا تو "خلوا سبیلہ" نہیں آتا اور یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ قول کہ "ما يدريك لعل الله اطلع على أهل بدر، فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم"۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بدر والوں کی طرف متوجہ ہوا اور انہیں دیکھا تو فرمایا: جو عمل چاہو کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔

یہ ان کی تکفیر کا مانع ہے کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ کافر ہو جائے تو ان کی نیکیاں بچتی ہی نہیں جو ان پر کفر اور اس کے احکامات نافذ ہونے سے منع کرتیں کیوں کہ کفر اس سے پہلے کے تمام اعمال کو ختم کر دیتا ہے۔ اجمالی طور پر کفر ایمان اور تمام حسنات کو کالعدم قرار دے دیتا ہے چنانچہ اس بات کا بھی احتمال نہیں ہے۔[586]

شیخ سلیمان بن عبداللہ سے کسی معین واقعہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ موالاۃ نفاق ہے یا موالاۃ کفر، تو آپ نے جواب دیا کہ اگر "موالات" اس طرح کی ہو کہ آدمی ان

---

586) الدرر السنیة (473/1)۔

کے مساکن کو جائے سکونت بنائے ان کے ساتھ قتال کرنے کے لئے نکلے تو وہ شخص کافر ہو جائے گا لیکن اگر موالات کی کیفیت یہ ہو کہ جب وہ دیارِ اسلام میں آئیں تو وہ ان سے موالات قائم کرے تو یہ عاصی اور گناہگار ہو گا اور وعید میں شامل ہو گا اور اگر ان سے دنیاوی معاملات کی وجہ سے موالات ہو تو اس کو تعزیر دینی چاہئے اس کا مقاطعہ کرکے اس سے ترک تعلق کرکے تاکہ وہ اس حرکت سے باز آجائے لیکن اگر اس کی موالات کفار کے ساتھ ان کے دین کی وجہ سے ہے تو وہ بھی انہیں میں سے ہے اور جو شخص جس سے محبت کرتا ہے قیامت کے دن اس کو اسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔[587]

---

587) الدرر السنية (159/8)۔

تین اصولوں سے پہلے مذکور تین رسالوں میں سے تیسرے رسالہ کی شرح

تیسرا موضوع:

مصنفؒ فرماتے ہیں: اللہ تمہیں اپنی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کی توفیق دے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ حنیفیة (ابراہیمؑ کی ملت کا طریقہ اوران کا مذہب) یہ ہے کہ تم صرف اور صرف اللہ کی عبادت کرو، دین کو اس کے لئے خاص کردو اور یہی وہ کام ہے جس کے لئے اللہ رب العزت نے مخلوق کو پیدا کیا اور اسی بات کا حکم دیا۔[588] ارشاد باری ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (56)﴾[589]-

ترجمہ: میں نے جن اور انسانوں کو اِس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

---

588) هذه الزيادة ليست موجودة في (خ)۔

589) سورة الذاريات: 56۔

اور یعبدون کا مطلب ہے اس کی توحید کا اقرار کرنا۔

وہ سب سے عظیم کام جس کا اللہ رب العزت نے بندوں کو حکم دیا وہ توحید ہے اور توحید کا مطلب ہے عبادتوں کو صرف اللہ ہی کے لئے خاص کر دینا۔

اور وہ سب سے اہم چیز جس سے اللہ رب العزت نے بندوں کو منع کیا وہ شرک ہے اور شرک کا مطلب ہے اس کے ساتھ کسی دوسرے کو پکارنا۔ ارشاد باری ہے: {وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا}[590]

ترجمہ: اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

---

590) سورۃ النساء: 36۔

مصنفؒ فرماتے ہیں: اللہ تمہیں اپنی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کی توفیق دے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ حنیفیۃ (ابراہیمؑ کی ملت کا طریقہ اور ان کا مذہب) یہ ہے کہ تم صرف اور صرف اللہ کی عبادت کرو، دین کو اس کے لئے خاص کردو۔

پچھلے صفحات میں پہلے اور دوسرے رسالہ کا ذکر ہوا تھا جس میں پہلے مسألۃ میں چار مسائل کو سیکھنے کے وجوب پر اور دوسرے رسالہ میں تین مسائل کے سیکھنے کے وجوب پر گفتگو ہوئی تھی جن کی شروعات اعلم رحمک اللہ سے ہوتی تھی۔ وہ دونوں رسالے مصنفؒ کے مستقل رسالہ تھے جن کو ان کے شاگردوں نے حسن مناسبت کو دیکھتے ہوئے ثلاثۃ الأصول وادلتھا کی شروعات میں نقل کئے اور بعد میں آنے والوں نے بھی ان رسائل کو اس کتاب کے آغاز میں ذکر کیا۔[591]

---

591) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (25)، تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (10)۔

اور یہ تیسرا مسألۃ ہے جو کہ آنے والے تین اصولوں کی تمہید کی حیثیت رکھتا ہے اس میں دین اسلام کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ دین اسلام ہی ابراہیمؑ کی ملت ہے۔[592]

اس رسالہ کا آغاز مصنفؒ نے اس طرح کیا ہے" اعلم أرشدك الله لطاعته: أن الحنيية _ملة إبراهيم_ أن تعبد الله وحده مخلصاً له الدين "۔اعلم مطلب یقینی طور پر جان لو اللہ تعالیٰ تم کو اپنی اطاعت کرنے کی توفیق دے اور تم کو ہدایت کا راستہ دکھائے، جان لو کہ وہ حنیفیۃ جس کا اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا تھا اور اس میں لوگوں کو ان کی اتباع پر مامور کیا تھا اور جو ابراہیمؑ کی ملت اور ان کا طریقہ تھا جو کہ امام الحنفاء تھے اور ان کے بعد ان کی اولاد میں آنے والے رسولوں کا طریقہ اور ان کی ملت تھی وہ یہ تھا کہ تم صرف اور صرف اللہ رب العزت کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ دین میں نیتوں کو

---

592) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد اللہ المصلح(15)۔

مقاصد کو صرف اس کے لئے خالص کردو، اپنے ہر عمل کو شرک سے پاک کرکے اس کے لئے خالص کردو چنانچہ حنیفیۃ نام ہے عبادت اور اخلاص کا۔[593]

مصنفؒ کی مذکورہ بالا باتوں میں مندرجہ ذیل مسائل ہیں

پہلا مسألۃ: "اعلم أرشدك الله لطاعته" کی وضاحت۔

اس جملہ میں سے مصنفؒ کی نرم گوئی کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ اس جملہ سے متعلم کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اساتذہ کو چاہئے کہ وہ طالب علموں کے ساتھ اسی طرح نرم گوئی اور بھلائی کا معاملہ کریں کیونکہ اس طرح پیش آنے والے سے طالب علم کے حصول کے لئے بالکل تیار ہو جاتا ہے۔ اس کا دل اس علم کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور استاد کی باتوں کو سننے اور قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔[594]

دوسرا مسألۃ: انَّ الحنيفيۃ ملت ابراہیم کی وضاحت۔

---

593) وتیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (47)؛ حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (22)۔

594) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (45)۔

یہاں مصنفؒ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ حنیفیۃ جس سے تعلق رکھنا ہر مسلمان کی خواہش اور اس کی تمنا ہوتی ہے وہ ابراہیمؑ کی ملت ہے اور اللہ رب العزت نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ جو دین ابراہیمی سے بے رغبتی کرے گا وہ محض بیوقوف ہے۔

ارشاد باری ہے{وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ}[595]

ترجمہ: اب کون ہے، جو ابراہیمؑ کے طریقے سے نفرت کرے؟ جس نے خود اپنے آپ کو حماقت وجہالت میں مبتلا کر لیا ہو، اس کے سوا کون یہ حرکت کر سکتا ہے؟

یعنی اس نے اپنے آپ کو ہلاکت وخسارہ میں ڈال دیا اور اس بات کی دلیل کہ ملت ابراہیمی ہی حنیفیۃ یہ اللہ رب العزت کا یہ قول ہے{قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (95)}[596]

ترجمہ: کہو، اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے سچ فرمایا ہے، تم کو یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرنی چاہیے، اور ابراہیمؑ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

---

595)سورۃ البقرۃ:130۔

596)(آل عمران: ٩٥)۔

اور { إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (120)}[597]

ترجمہ: واقعہ یہ ہے کہ ابراہیمؑ اپنی ذات سے ایک پوری امت تھا، اللہ کا مطیع فرمان اور یک سو وہ کبھی مشرک نہ تھا۔

چنانچہ حنیفیۃ ملت ابراہیمی ہے۔ تمام انبیاء کا دین ہے۔ وہی وہ دین وملت ہے جس کو پیارے نبی ﷺ لے کر آئے۔ اس کی تجدید کرنے کے لئے اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینے کے لئے۔ اس کے نام کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کی اضافت اس لئے ہے کیونکہ اس توحید واس عمل کی تحقیق میں آپ اکمل الخلق تھے اور محمد ﷺ کے جد امجد بھی، جو اپنے جد امجد کے اس دین کو ثابت کرنے میں ان کے شریک تھے۔ چنانچہ حنیفیۃ کی تحقیق میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ومنزلت آپ دونوں کا ہے۔

ابراہیمؑ توحید کی تحقیق میں اکمل الخلق تھے۔ یہاں تک کہ آپ "خلۃ" کے مقام تک جا پہنچے اور اس کام میں آپ ﷺ ان کے شریک تھے لیکن چونکہ ابراہیمؑ آپ ﷺ کے جد امجد تھے اس لئے مناسب یہ تھا کہ حنیفیۃ کی اضافت ابراہیمؑ کی طرف ہے کیونکہ

---

597)(النحل: ۱۲۰)۔

نسبت باپ دادا کی طرف ہوتی ہے چنانچہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ حنیفیہ ابراہیمؑ کا دین ہے تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتا کہ صرف آپؑ کا دین ہے بلکہ یہ تمام نبیوں کا دین تھا لیکن چونکہ اس کی تحقیق اور اثبات میں آپؑ کا مقام سب سے بلند ہے اور ساتھ ہی ساتھ آپؑ محمد ﷺ کے جدامجد ہیں اس لئے اس کی اضافت آپؑ کی طرف جاتی ہے اور کیونکہ قرآن میں بھی اسی طرح کا ذکر ہے اس لئے مصنفؒ نے اپنی بات میں اس کو اسی طرح درج کیا ہے۔[598]

تیسرا مسألۃ: لغت و شریعت میں حنیفیہ کا مطلب و مراد۔

حنیفیہ لغت میں الحنف سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں میلان،[599] ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں "الحنف کہتے ہیں کسی چیز سے منہ موڑ کر دوسری چیز کی طرف راغب ہونے کو اور حنف کہتے ہیں ایک قدم کا اٹھنا اور دوسرے کی طرف مائل ہونا"[600] چنانچہ حنیف کا یہ

---

598) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالله العصيمي (11)۔

599) جاء في لسان العرب (57/9): "حنف عن الشيء: مال"؛ وفي معجم مقاييس اللغة، لابن فارس (267): "الحاء والنون والفاء أصل مستقيم، وهو الميل"۔

600) مجموع الفتاوى (319/9)۔

مطلب ہوگا کہ شرک سے منہ موڑ کر اس سے مائل ہو کر توحید کا قصد کرنا[601] اور حنیفیۃ وہ ملت ہے جو شرک سے مائل ہو جائے اور اللہ رب العزت کے لئے مخلص ہو جائے۔[602]

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ الحنف کی تفسیر میلان سے اس کے لفظ کے اعتبار سے کی گئی ہے نہ کہ اس کے موضوع کے حساب سے، اور حنف کہتے ہیں کسی چیز کی طرف اقبال کو اور اس کا لازمی نتیجہ کسی دوسری چیز سے مائل ہونا ہے۔ ابن القیمؒ فرماتے ہیں "جس نے الحنف کی تفسیر میلان سے کی ہے تو اس نے اس کی تفسیر لفظ کے موضوع سے نہیں کی بلکہ اس کے لازمی معنی سے کی کیونکہ حنیف کا مطلب ہوتا ہے اقبال اور جس کا ایک چیز کی طرف اقبال ہوگا تو دوسری چیز سے میلان ہوگا۔ پیروں میں حنف کہتے ہیں ایک قدم کا دوسرے کی طرف اقبال اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس پہلے قدم کی جہت کی طرف سے میلان ہوگا، چنانچہ اس طرح حنیفیۃ کا اصل معنی اقبال ہے اور میلان اس کا لازمی نتیجہ ہے اور کسی لفظ کی تفسیر و توضیح اس کے اصل معنی کے لحاظ سے کی جاتی ہے نہ کہ اس کے لازمی معنی و نتیجہ کے

---

601) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (22)۔

602) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن صالح العثیمین (37)۔

حساب سے خاص کر اس لئے کہ اس کالازمی معنی اس کے اصل معنی کے تابع ہوتا ہے۔[603] حنیفیۃ کا اصل معنی اقبال ہے اور جب بندہ کا کسی کی طرف اقبال ہوتا ہے تو دوسری طرف سے میلان ہوتا ہے۔ چنانچہ شریعت کی رو سے حنیفیۃ کا یہ معنی ہوگا کہ توحید کے ساتھ اللہ کی طرف اقبال اور اس کالازمی نتیجہ ہوگا شرک سے براءت کرتے ہوئے توحید کے منافی تمام چیزوں سے میلان،[604] حنیفہ کی تفسیر میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کا مطلب ہے شرک سے میلان کیونکہ یہ حنیفیہ کا اصلی معنی نہیں بلکہ اس کالازمی معنی یا نتیجہ ہے۔[605]

مذکورہ بالا دونوں تعریفیں صحیح ہیں۔ان کے درمیان منافاۃ نہیں ہے کیونکہ اللہ کی طرف اقبال ہوگا وہ شرک سے مائل ہوجائے گا۔انسان حنیف وہ شخص ہے جس کا اقبال اللہ کی طرف ہوجائے اس کے علاوہ تمام چیزوں سے وہ اعراض کرلے۔ صرف اللہ کی

---

603) جلاء الأفھام، لابن القیم، تحقیق: زائد النشیري (305)، مطبوعات مجمع الفقہ الإسلامی۔ وینظر: تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (11)۔

604) شرح ثلاثۃ الأصول وأدلتھا، أملاہ صالح العصیمي (19)، الکتاب الثاني: برنامج مھمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 ھجریا۔

605) الشرح الصوتي لکتاب فتح المجید لشرح کتاب التوحید، للشیخ صالح بن عبداللہ العصیمي۔

عبادت کرنے والا ہو جائے صرف اسی کی طرف اس کا اقبال ہو جائے اور بقیہ تمام چیزوں سے وہ منہ موڑ لے چنانچہ حنیفیۃ اللہ کی طرف لوٹنے والی ملت ہے۔اس کے علاوہ ہر چیز سے منہ موڑ لینے والی ملت ہے توحید کا قصد کرتے ہوئے شرک سے مائل ہو جانے والی ملت ہے۔[606]

اس کی تعریف میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ الحنیف اس چیز کو کہتے ہیں جو بالکل مستقیم ہو، کہا جاتا ہے کہ اس شخص کو جس کا ایک قدم دوسرے قدم کی طرف بڑھے أحنف اس کی سلامتی کو دیکھتے ہوئے کہتے ہیں جیسا کہ مہلک جگہوں کی المفازۃ اس سے نجات اور اس سے سلامتی کے معنی میں کہتے ہیں۔[607]

چنانچہ جس نے لغت میں اس کی تفسیر میل سے کی اس نے تفاول کو پیش نظر رکھ کر ایسا کیا اس طرح شریعت میں حنیف کا معنی ہوگا، جو توحید پر ثابت قدم اور مستقیم رہے اور الحنیفیہ کا مطلب ہوگا توحید پر استقامت۔[608]

---

(606)شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن ابراھیم آل الشیخ(74)۔

(607)جامع البیان في تأویل القرآن، الطبري (104/3)۔

(608)التعلیق المأمول علی ثلاثۃ الأصول، أ.د. عبدالرحمن السدیس (180-182)۔

چوتھا مسألہ: مصنفؒ کی حنیف کی تفسیر:

مصنفؒ نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ حنیفیۃ ملت ابراہیمی ہی اس کی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حنیفیت یہ ہے کہ دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے صرف اور صرف اس کی عبادت کی جائے۔ ان کا یہ قول حنیفیۃ کی شرعی تعریف کے باب میں بہت جامع بات ہے کیونکہ شریعت میں حنیفیۃ کے دو معنی ہیں۔ (۱) عام یعنی اسلام۔ (۲) خاص: یعنی توحید کے ساتھ اللہ رب العزت کی طرف اقبال ور شرک سے براءت کا اعلان کرتے ہوئے اس سے میلان، چنانچہ مصنفؒ کا یہ قول ان لقیدہ اللہ وحدہ مخلصاً لہ الدین۔ حنیفیۃ کے اصل مقصود اور اس کے دونوں معانی کا جامع وصف اور اس کی حقیقت کو واضح کرتا ہے۔[609] ہمارے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کی ملت کی حقیقت توحید ہے کیونکہ اسی توحید کو انہوں نے چھوڑا تھا بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے ارشاد باری ہے: {وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ (26) إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ (27)}[610]۔

---

(609) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (11)۔

(610) سورۃ الزخرف: ۲۷-۲۶۔

ترجمہ: یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ "تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا تعلق صرف اُس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی کرے گا۔

چنانچہ مذکورہ آیت کی کی پہلی شق میں نفی اور دوسری شق میں اثبات ہے۔ چنانچہ آپؑ نے تمام معبودوں سے براءت کا اعلان کیا اور اس بات کا اعلان کردیا کہ وہ صرف اسی ایک معبود کی عبادت کرنے والے ہیں جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور یہی کلمہ توحید "لاالہ الااللہ" کا معنی ہے۔ چنانچہ "لاالہ" میں تمام معبودوں سے براءت کا اعلان ہے اور "الااللہ" میں صرف اور صرف اللہ رب العزت کی عبادت کرنے کا اعلان ہے۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ رب العزت فرماتے ہیں {وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (28)}[611]

ترجمہ: اور ابراہیمؑ یہی کلمہ اپنے پیچھے اپنی اولاد میں چھوڑ گیا تاکہ وہ اِس کی طرف رجوع کریں۔

---

(611)سورۃ الزخرف: ۲۸۔

یعنی اسی لئے کہ لوگ اس کلمہ کی طرف لوٹ جائیں، حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں عرب بھی ہیں، اور ان میں نبیوں کی اتباع کرنے والے بھی، چنانچہ آپ ابوالانبیاء ہیں یعنی نبیوں کی قوموں کے باپ اور یہی وہ کلمہ ہے جس کو ابراہیمؑ نے اپنی آل اولاد کے لئے چھوڑا تھا اور مصنفؒ نے جس کا ذکر کیا اس کا یہی مطلب ہے چنانچہ دین حنیف وہ اخلاص ہے جو "لا الہ الا اللہ" میں بتایا گیا اور حنیف وہ شخص ہے جو توحید کے ساتھ صرف اللہ کی جانب پلٹ گیا اور تمام چیزوں سے منہ موڑ لیا۔ عبادت کو اس کے لئے خالص کر دیا جیسے کہ ابراہیمؑ اور ان کی اتباع کرنے والوں نے کیا تھا۔

مصنفؒ فرماتے ہیں: اور یہی وہ کام ہے جس کے لئے اللہ رب العزت نے مخلوق کو پیدا کیا اور اسی بات کا حکم دیا۔[612] ارشاد باری ہے: {وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (56)}[613] ترجمہ: میں نے جن اور انسانوں کو اِس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں، اور یعبدون کا مطلب ہے اس کی توحید کا اقرار کرنا۔

پچھلے صفحات میں مصنفؒ نے اس بات کی وضاحت کی کہ حنیفیۃ جو کہ ملت ابراہیمی ہے وہ یہ ہے کہ صرف اور صرف اللہ رب العزت کی عبادت کی جائے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ دین کو اس کے لئے خالص کر دیا جائے[614] اور اس بات کی وضاحت کے بعد کہ جن عبادتوں کا حکم دیا گیا ہے ان کو حنیفیۃ کے طریقہ پر انجام دینا حضرت ابراہیمؑ کی اتباع کرتے ہوئے۔[615]

---

(612)هذه الزيادة ليست موجودة في (خ)۔

(613)سورة الذاريات، الآية (56)۔

(614)شرح الأصول الثلاثة، عبدالرحمن البراک (13)۔

(615)شرح الأصول الثلاثة، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (78)۔

یہاں پر مصنفؒ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ تمام انسانیت کو اس عبادت کا حکم دیا گیا ہے اور اسی کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے چنانچہ یہ جو حنیفیۃ ہے ملت ابرہیمیہ ہے عبادتوں کو اللہ کے لئے خاص کر دینا ہے اس کا اللہ رب العزت نے تمام انسانیت کو حکم دیا ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت اور اسی کی عبادت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے جس کا کوئی شریک و ساجھے دار نہیں ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری ہے{ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (56)}یعنی میں نے ان کو اس لئے نہیں پیدا کیا کہ مجھے ان کے وجود کی ضرورت وحاجت تھی بلکہ صرف اس لئے پیدا کیا تاکہ وہ میری عبادت کریں۔ اس آیت میں یعبدون کا مطلب ہے یوحدون یعنی وہ میری توحید کا اقرار کریں۔عبادتوں کو صرف میرے لئے ادا کریں۔ان کو میرے لئے خالص کر دیں۔

مصنفؒ کی مذکورہ بالا باتوں میں مندرجہ ذیل مسائل ہیں:

پہلا مسألۃ:اس مسألۃ کی وضاحت اور اس پر استدلال۔

مصنفؒ نے اس جملہ میں توحید کی دو خاص چیزوں کا ذکر کیا ہے۔[616]

(ا)مصنفؒ لکھتے ہیں کہ یہ حکم بالکل عام ہے۔تمام انسانیت کے لئے ہے۔

---

616)حاشیۃ ثلاثۃ الاُصول،لابن قاسم(22)؛وتیسیر الوصل شرح ثلاثۃ الاُصول،د.القاسم(48)۔

(۲)یہی وہ مقصد ہے جس کے لئے اللہ رب العزت تمام جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے۔[617]

چنانچہ آپ ؒفرماتے ہیں کہ یہ عبادت جو حنیفیۃ کا مقصود ہے اس کا حکم تمام انسانیت کو دیا گیا ہے اور اسی لئے ان کو وجود بخشا گیا ہے۔[618] پھر مصنف ؒاس بات کی دلیل میں اللہ تعالی کا فرمان نقل کرتے ہیں { وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (56)} یعنی اس لئے کہ وہ خدائے واحد کی عبادت کریں۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جن وانس کو بنانے کی حکمت ہی اللہ کی عبادت ہے اور اگر یہ وہ حکمت ہے جس کی وجہ سے ان کی تخلیق کی گئی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس عبادت پر مأمور کئے گئے ہیں چنانچہ مذکورہ بالا آیت ان دو نکات پر دلالت کرتی ہے جن کا ذکر مصنف ؒنے کیا ہے یعنی اس بات کا حکم اور اسی مقصد کے لئے تخلیق: آیت میں خلق کا لفظ اس بات پر صریح دلالت کرتا ہے کہ جن وانس کی تخلیق ہی عبادت کے لئے کی گئی ہے اور اس بات پر مامور کرنا اس کا حکم

---

(617) شرح الأصول الثلاثة، خالد الأنصاري (16)۔

(618) الشرح الصوتي، تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1441 هجريا۔

دینااس لفظ کالازمی نتیجہ ہے کیونکہ ان کی تخلیق ہی اسی لئے کی گئی ہے چنانچہ اگروہ عبادت ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں تو لازماًاس پر مأمور کئے گئے ہیں[619] چنانچہ اللہ رب العزت نے جب یہ بتایا کہ ان کی تخلیق اس کی عبادت کے لئے کی گئی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان پر واجب ہے کہ وہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں ہے کیونکہ اگروہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو اس مقصد کو پورا نہیں کرتے ہیں جس کے لئے ان کی تخلیق کی گئی ہے.[620]

چنانچہ آیت دو باتوں پر دلالت کرتی ہے۔اس بات پر کہ یہی ان کی تخلیق کا مقصد ہے اور اس بات پر کہ اللہ رب العزت نے ان کو صرف اسی کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے[621] کیونکہ

----

619)تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالله العصيمي(11)۔

620)شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبدالله العصيمي(21)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا۔

621)شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبدالله المصلح(16)۔

ہمارا مقصد تخلیق اس وقت تک پورا نہ ہو گا جب تک کہ ہم کو اس کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ 622

دوسرا مسألة: جس آیت سے مصنفؒ نے استدلال کیا ہے متکلمین کے اس پر اشکالات۔

جس آیت سے مصنفؒ نے اس باب میں استدلال کیا ہے اس آیت سے متعلق کے کچھ اشکالات ہیں جن سے وہ نکل نہیں سکے۔ان کا یہ اشکال ہے کہ آیت میں یہ خبر دی گئی ہے کہ انسانوں کو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اکثریت اللہ کی عبادت نہیں کرتی ہے چنانچہ اس خبر کی سچائی کہاں ہے جو قرآن میں ذکر ہوئی اور اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا مقصد ان کی عبادت کی خبر دینا نہیں ہے جیسا کہ ان کی تخلیق کی خبر دینا ہے بلکہ آیت کا مطلب و مقصد یہ ہے کہ اللہ نے ان کو عبادت کے لئے پیدا کیا اور اس کے لئے مہیا کیا اور اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا چنانچہ اصل مقصود خلقت کی حکمت و غایت کو بیان کرنا ہے۔ 623

---

622)الشرح الصوتي: تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1437 ھجریا۔

623)الأصول من شرح ثلاثة الأصول، محمد بن عبد الله الغنيمان (64)۔

اس آیت میں لام تعلیل کے لئے ہے نہ کہ لام العاقبۃ والصیر ورہ کیونکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ اکثر مخلوق اس حکمت پر اور اس عبادت پر عمل پیرا نہیں ہے اور اکثر اس حکمت وغایت کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ ارشاد باری ہے: { وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ}[624]

ترجمہ: اور اے محمدؐ! اگر تم اُن لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

اور{ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ (8)}[625]

ترجمہ: یقیناً اس میں ایک نشانی ہے، مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔

اور{وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (13)}[626]

ترجمہ: میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں۔

---

(624)سورۃ الأنعام:116۔

(625)سورۃ الشعراء:8۔

(626)سورۃ سبأ:13۔

مذکورہ بالا تمام آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس آیت میں لام التعلیل الغائیۃ ہے نہ کہ لام التعلیل الفاعلہ اور اس غایت کی خبر نفی اور استثناء کے اسلوب میں خصوصاً فائدہ دینے کے لئے آتی ہے جس کا معنی ہے کہ ان کو صرف اس غایت کے لئے پیدا کیا گیا ہے کسی اور مقصد کے لئے نہیں۔[627]

تیسرا مسألہ: وماخلقت الجن والانس الالیعبدون کی تفسیر۔

"الالیعبدون" اس کی تفسیر میں اسلافؒ کے متعدد اقوال ہیں۔[628]

(ا)الالیعبدون کا مطلب ہے کہ صرف اس لئے کہ میں ان کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دوں۔ یہ تفسیر علیؓ بن ابی طالب اور مجاہدؒ سے مروی ہے۔ جمہور مفسرین کا بھی یہی کہنا ہے۔

---

627) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبدالله المصلح (16). وينظر: مجموع الفتاوی، لابن تيمية (8/186-189)؛ والتعليق المأمول على ثلاثة الأصول، أ.د. عبدالرحمن السديس (189-191)۔

628) ينظر: تفسير القرآن العظيم، لابن كثير (7/425)؛ والجامع لأحكام القرآن، للقرطبي (19/507)؛ ومختصر تفسير البغوي المسمى معالم التنزيل (2/891)۔

امام ابن تیمیہؒ نے بھی اس قول کی تائید کی ہے[629] اور فرماتے ہیں اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ "تاکہ میں ان کو اپنے رسولوں کی زبانی اپنی عبادت کرنے کا حکم دوں اور ان کا امتحان لوں تاکہ محسن اور غیر محسن ظاہر ہو جائیں۔[630]

(۲) اس آیت کا یہ مطلب ہے تاکہ وہ طوعاً وکرہاً ہر حال میں میرے لئے عبودیت کا اقرار کریں۔ میرے سامنے جھک جائیں اور ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دیں۔ یہ قول ابن عباسؓ سے مروی ہے اور ابن جریرؒ نے اس کو اختیار کیا ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب ہے تاکہ وہ مجھے جان لیں کیونکہ اگر اللہ ان کی تخلیق نہیں کرتا تو نہ تو وہ جانا جاتا نہ اس کی توحید کا کوئی نام لیوا ہوتا۔ ابن تیمیہؒ نے اس قول کے رد میں لکھا ہے کہ ان کو جو معرفت حاصل ہوئی وہ ان کی تخلیق کی غایت نہیں تھی کیونکہ شرک کے ساتھ اللہ کا محض اقرار کر لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

---

(629) مجموع الفتاوی (8/51-52)۔

(630) العذب النمیر من مجالس الشنقیطي في التفسیر، تحقیق: خالد السبت (66/3)، ناشر: دار عالم الفوائد، ط. الثنیة: 1426 ھجریا۔

(۴)چوتھا قول یہ ہے کہ اس کا مطلب ہے تاکہ وہ میری توحید کا اقرار کریں چنانچہ مؤمن اللہ کی توحید کا اقرار کرتا ہے۔شدت اور کشادگی دونوں حالتوں میں اور کافر شدت اور بلاء کے وقت تو توحید کا قائل ہوتا ہے لیکن نعمت اور کشادگی میں بھول جاتا ہے اور یہ وہ تفسیر ہے جس کو مصنفؒ نے اختیار اور پسند کیا ہے جس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

چوتھا مسائلہ:"مصنفؒ کے قول ومعنی یعبدون:یوحدون"اس کی وضاحت :

مصنفؒ نے آیت میں مذکور لفظ عبادت کی تفسیر توحید سے کی ہے چنانچہ آپؒ کہتے ہیں و معنی یعبدون یوحدون چنانچہ جس نے توحید کا اقرار نہیں کیا اس کی عبادت کا کوئی حاصل نہیں ہے کیونکہ شرک عبادت کو اس طرح ختم کردیتا ہے جس طرح حَدَث سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔[631] مصنفؒ کی یعبدون کی تفسیر یوحدون سے کرنے کی دووجہ ہیں (ا) کیونکہ یہ لفظ کی تفسیر اس کی تعظیم میں اس کے سب سے زیادہ خصوصی اور سب سے اعلیٰ معانی سے کرنے سے عبارت ہے کیونکہ سب سے عظیم عبادت اللہ رب العزت کی توحید کا اقرار ہے۔توحید عبادت کی انواع واقسام میں سب سے اعظم ہے عبادت میں سب سے پہلے توحید کا شمار ہوتا ہے کیونکہ یہی وجود کی غایت ہے عبادت اس کے بغیر صحیح ہی نہیں ہوسکتی

---

(631)ینظر: سلم الوصول إلى الثلاثة الأصول، عبدالهادي بن محمد عبدالهادي (47)۔

کیونکہ عبادت کو عبادت اسی وقت کہیں گے جب وہ توحید کے ساتھ ہوا گر اسمیں شرک داخل ہو جائے گا تو وہ فاسد ہو جائے گی اور عبادت نہ رہے گی چنانچہ جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کی تو وہ اللہ کی عبادت کرنے والا نہ ہوگا اور اگر لفظ کی تفسیر اس کے سب سے خاص اور اعلیٰ معانی سے کی جائے تو یہ بالکل صحیح تفسیر ہوگی جس کا مقصد اس کی معنی کی اعلیٰ منزلت اور اہمیت کا ذکر کرنا ہوگا۔[632]

(۲) یہ تفسیر لفظ کی اس تفسیر سے عبارت ہے جس کے لئے شریعت میں وہ لفظ دلالت کرتا ہے چنانچہ اس میں عبادت جب مطلقاً مذکور ہوتا ہے تو شریعت کے خطاب میں اس سے مراد توحید ہوتی ہے۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں قرآن میں جہاں بھی عبادت کا لفظ آیا ہے اس سے مراد توحید ہے اور آپؓ اعبدوا ربکم کی تفسیر وحدوا ربکم سے کرتے تھے یعنی اپنے رب کی توحید بیان کرو اس کا اقرار کرو: چنانچہ قرآن میں جب لفظ عبادت کا ذکر ہوتا ہے تو اصل میں اس سے توحید مراد ہوتی ہے چنانچہ مصنفؒ کی عبادت کی تفسیر توحید سے کرنے کی مذکورہ بالا وجوں

---

632) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (12)؛ الشرح الصوتي: تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي، برنامج مھمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1437 ھجریا۔

میں سے کوئی ایک وجہ ہے چنانچہ یا تو لفظ کی تفسیر اس کے سب سے مخصوص معانی سے عبارت ہے یا شریعت میں اس لفظ کی دلالت سے عبارت ہے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں: وہ سب سے عظیم کام جس کا اللہ رب العزت نے بندوں کو حکم دیا وہ توحید ہے اور توحید کا مطلب ہے عبادتوں کو صرف اللہ ہی کے لئے خاص کر دینا۔ اور وہ سب سے اہم چیز جس سے اللہ رب العزت نے بندوں کو منع کیا وہ شرک ہے اور شرک کا مطلب ہے اس کے ساتھ کسی دوسرے کو پکارنا۔

چونکہ حنیفیہ دو چیزوں کا مرکب ہے: پہلی چیز توحید کے ساتھ اللہ کا رخ کرنا اور دوسری شرک سے دور رہنا اور اس بات سے اس کی اہمیت اور حقیقت بالکل واضح اور عیاں ہو جاتی ہے اس لیے مصنف نے توحید کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے بات شروع کی[633]، یہ کہہ کر اپنی بات کا آغاز کیا ہے کہ توحید وہ سب سے عظیم چیز ہے جس کا اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے اور توحید کو واضح اور عیاں کرنے کے لئے رسولوں کو بھیجا گیا اور جس کو لے کر رسولوں اور ان کی قوموں میں اختلاف ہوا۔ وہ (توحید) یہ ہے کہ عبادت کو صرف اور صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص کر دیا جائے جیسے قربانی، نذر، دعا میں اخلاص

چنانچہ کسی بھی طرح کی عبادت کو اللہ کے علاوہ کسی کے لئے نہ ادا کیا جائے، اور بندوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اچھی طرح جان لیں کہ وہ سب سے بڑی چیز جس سے اللہ رب

---

633) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (13)۔

العزت نے اپنی کتاب میں منع کیا ہے اور رسولوں نے اس سے آگاہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور عبادات میں شرک کا مطلب ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور کو پکارا جائے یعنی اللہ کے ساتھ اس کے علاوہ کسی سے سوال کیا جائے یا مانگا جائے، اور اللہ کے علاوہ دوسروں کو ان چیزوں میں اس کا ساجھے دار بنایا جائے اور برابری کا مقام دیا جائے جو صرف اس کے لیے مخصوص ہیں[634]۔

مصنف کی مذکورہ بالا باتوں میں مندرجہ ذیل مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: توحید کی اہمیت۔

مصنف توحید کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ توحید وہ سب سے عظیم چیز ہے جس کا اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے چنانچہ توحید ہی وہ چیز ہے جس کا اللہ نے اپنی کتاب میں حکم دیا اور رسولوں نے اپنی قوموں کو اس کی طرف بلایا اور اس کا حکم دیا، انہوں نے اپنی قوموں کو بتایا کہ عبادتوں کو صرف اور صرف اللہ کے لیے خاص کر دو، دین کو اسی کے لیے مخصوص کر دو، کیونکہ اس سے زیادہ عظیم اور کوئی چیز نہیں اور اسی پر اعمال کی

---

(634)ینظر: شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن ابراھیم آل شیخ (88)، وحاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (23)، وتیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، عبدالمحسن القاسم (50)۔

قبولیت کا دار و مدار ہے اور اسی کے ذریعے روز قیامت نجات مل سکتی ہے[635] چنانچہ مصنف نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ سب سے عظیم واجب، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس سب سے عظیم چیز کا حکم دیا اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سب سے عظیم شے کا حکم دیا وہ توحید ہے، اور جس سب سے بڑی چیز سے روکا وہ شرک ہے، چنانچہ اس بات کا مطلب ہے کہ توحید وہ سب سے عظیم چیز ہے جس کا حکم دیا گیا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کی طرف نوح سے لے کر محمد تک تمام انبیاء نے دعوت دی اور وہ سب سے بڑی اور اہم چیز جس سے منع کیا گیا ہے وہ شرک ہے اور یہ اس لیے کیوں کہ انسان کی تخلیق کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ صرف اور صرف اللہ رب العزت کی عبادت کرے چنانچہ توحید کا حکم وہ حکم ہے جس کی تحقیق و تکمیل ہی کے لیے انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے، اور شرک سے منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز سے منع کیا جائے جو اس کی تخلیق کے مقصد کی منافی ہے چنانچہ اسی لیے تمام مصلحین کی یہی دعوت تھی تمام مجددین اپنے زمانے کے لوگوں کو توحید اور اس کے مستلزمات پر قائم رہنے اور شرک اور اس کے ذرائع سے بچنے کی دعوت دی[636]۔

---

635) بلوغ المأمول بشرح الثلاثة الأصول، عصام بن أحمد مامی (272)۔

636) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل شیخ (48)۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں "توحید وہ چیز ہے جس کی طرف اس کے ماننے اور نہ ماننے والے دونوں سہارا لیتے ہیں، چنانچہ توحید اپنے نہ ماننے والوں کو دنیا کی مصیبتوں اور پریشانیوں سے بچاتی ہے ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے{فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ (65)}[637]، ترجمہ: جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اُس سے دُعا مانگتے ہیں، پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکایک یہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

اور توحید پر قائم رہنے والوں اور موحدین کو دنیا و آخرت دونوں کی مشکلات و مصائب سے نجات دلاتی ہے، چنانچہ یونس توحید ہی کی طرف لوٹے اور اللہ تعالی نے ان کی مصیبتیں دور کردیں، رسولوں کے متبعین نے توحید کا رخ کیا تو اللہ تعالی نے ان کو دنیا کی مصیبتوں اور پریشانیوں سے بھی بچایا اور آخرت میں ان کے لئے بہترین جزا کا وعدہ کیا چنانچہ دنیاوی مصیبتیں بھی توحید کی وجہ سے ٹل گئیں، اسی لئے کرب وشدائد کی دعا توحید ہی ہے، یونس کی دعا جو کہ اگر کوئی مصیبت زدہ اس دعا کو مانگتا ہے تو اللہ اس کی مصیبت دور کردیتا ہے وہ توحید ہی پر مشتمل ہے، تمام مصیبتوں کی جڑ شرک ہی ہے اور ان سے بچنے کا ایک واحد راستہ توحید

---

637) سورۃ العنکبوت: 65۔

پر استقامت ہے، یہی وہ چیز ہے جو انسانوں کا سہارا ہے، انسان وہیں پناہ لیتا ہے، اسی کا سہارا لیتا ہے اور اسی کے ذریعے اپنی پریشانیوں اور مصیبتوں سے دور رہتا ہے[638]۔

دوسرا مسئلہ: توحید کی تعریف۔

مصنف توحید کی اہمیت بتانے کے بعد کہ وہ سب سے عظیم اور اہم چیز ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے توحید کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ توحید یہ ہے کہ عبادت کو صرف اور صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص کر دیا جائے توحید کے دو معنی ہیں:

1۔عام معنی:

وہ یہ ہے کہ اللہ کے حقوق کو اسی کے لئے خاص کر دیا جائے اور اللہ کے حقوق کی دو قسمیں ہیں:

- اس کی معرفت اور اثبات کا حق
- مقصد اور طلب کا حق۔

---

638)الفوائد لابن القیم (52/1)۔

اوران دونوں حقوق سے توحید ربوبیت، توحید الوہیت، اور اسماء وصفات میں توحید ثابت ہوتی ہے۔اس بات کی دلیل کہ اللہ کے حقوق کو اس کے لیے خاص کر دینا توحید میں شامل ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے{قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (1)}-ترجمہ: کہو، وہ اللہ ہے، یکتا۔

علماء کے نزدیک حذف المتعلق عموم پر دلالت کرتا ہے یعنی وہ یکتا ہے اپنی ربوبیت میں، اپنی الوہیت میں، اور اپنے اسماء وصفات میں، چنانچہ توحید کے عمومی معنی میں یہ تمام پہلو شامل ہیں[639]۔

2۔خاص معنی:

توحید کا خاص معنی یہ ہے کہ باتوں کو صرف اور صرف اللہ ہی کے لئے خاص کر دیا جائے اور یہی معنی شریعت میں غالبا مستعمل ہے کیونکہ لفظ توحید اگر مطلقا ذکر ہوتا ہے تو شریعت اس کا مطلب توحید عبادت ہی ہوتا ہے، اس لئے مصنف نے اس معنی پر اکتفا کیا اور خاص طور پر اس معنی کا ذکر کیا، دوسرے معانی سے گریز کرتے ہوئے، چنانچہ آپ کہتے ہیں توحید یہ ہے کہ عبادتوں کو صرف اللہ کے لیے خاص کر دیا جائے، شریعت کے غالب استعمال کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیونکہ جیسا کہ ذکر ہوا شریعت میں جب توحید کا مطلقا ذکر ہوتا ہے تو اس سے

---

639)تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (13)۔

مراد یہی ہوتا ہے کہ عبادتوں کو اللہ سبحانہ وتعالی کے لیے [640] خاص کردینا جیسا کہ حدیث جابر میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی صفت میں آیا ہے، کہ "فأهـــــــل بالتوحيـد" [641]، یعنی توحید عبادت، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: "لبيـك اللهـم لبيـك، لبيك لا شريك لـك لبيـك"، جس کا تعلق عبادت کو اللہ کے لئے خاص کردینے سے ہے۔

ابن عباس کی حدیث میں آتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان سے کہا تھا کہ تم اہل کتاب کی طرف جارہے ہو، تم پہلے ان کو اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دینا [642]، ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ "تم سب سے پہلے ان کو اس بات کی دعوت دینا کہ وہ اللہ کی توحید کا اقرار کریں" [643] یعنی توحید عبادت کا [644]، چنانچہ

---

640) تعليقات على ثلاثة الأصول صالح بن عبد الله العصيمي (13)۔

641) أخرجه مسلم في صحيحه برقم: (1218)۔

642) رواه البخاري في صحيحه، كتاب الزكاة، برقم: (1458)، ورواه مسلم في كتاب الإيمان، برقم: (31)۔

643) رواه البخاري في صحيحه، كتاب التوحيد، برقم: (7372)۔

مصنف کی یہ بات کہ "توحید کا مطلب ہے عبادتوں کو اللہ کے لیے خاص کر دینا" یہ مطلب شریعت کے غالب استعمال کی بناپر ہے۔

تیسرا مسئلہ: شرک کی تعریف۔

مصنف توحید کی اہمیت اور اس کی حقیقت کو بیان کرنے کے بعد اس کی ضد یعنی شرک کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "وہ سب سے بڑی چیز جس سے اللہ نے منع کیا ہے وہ شرک ہے اور شرک یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارا جائے" چنانچہ توحید وہ عظیم چیز ہے جس پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور شرک وہ سب سے بڑی چیز ہے جس سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

شریعت میں شرک دو معنوں کے لئے آتا ہے:

1۔ عام معنی:

وہ یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو اللہ کے برابر سمجھا جائے ان چیزوں میں جو صرف اللہ کے لیے خاص ہیں، اور وہ چیزیں جو صرف اللہ کے لئے خاص ہیں وہ یہ ہیں: توحید ربوبیت،

---

644) ینظر: الشرک في القديم والحديث، تاليف: أبو بكر محمد زكريا (1/40-43)، ناشر: مكتبة الرشد، ط:4، 1436ھ۔

توحید الوہیت، توحید اسماء وصفات یعنی ان معاملات میں انسان کسی کو اللہ کے برابر سمجھے

چنانچہ اس میں یہ سب شامل ہے کہ اللہ کی الوہیت میں کسی کو اس کے برابر سمجھا جائے، اس

کی ربوبیت میں کسی کو اس کا ساجھے دار اور برابر سمجھا جائے یا اس کے اسماء وصفات میں

کسی کو وہ مقام ومرتبہ دیا جائے،[645] ارشاد باری ہے {فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ

تَعْلَمُونَ (22)}[646]، ترجمہ: جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مد مقابل نہ

ٹھیراؤ۔

اور مشرکین کے بارے میں اللہ تعالی بتاتے ہیں کہ وہ آگ کے عذاب میں اپنے معبودوں

سے کہیں گے کہ {قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ (96) تَاللَّهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ

---

645) توحید ربوبیت میں شرک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو اس کے کسی أفعال میں اس کا شریک بنایا جایے، جیسے کہ اس کی جیسی تدبیر کوئی اور کر سکتا ہے یا اس اس کے جیسا تصرف کر سکتا ہے یا اس کی جیسی مخلوق پیدا کر سکتا ہے اور مالک ہو سکتا ہے، اور توحید أسماء وصفات میں شرک یہ ہے کہ وہ کسی اور کو اس کے أسماء وصفات میں شریک ٹھرائے، یا مخلوق کی صفات کو اللہ کے لیے ٹھرائے، جیسے باپ ہونا وغیرہ، اور الوہیت میں شرک یہ ہے کہ عبادت میں کسی کو اللہ کا شریک اور مساوی ٹھرائے۔ ینظر: مقاصد التوحید، د. ولید الحمدان (246)۔

646) سورۃ البقرۃ: 22۔

مُبِينٍ (97) إِذْ نُسَوِّيكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ (98)}[647]، ترجمہ: وہاں یہ سب آپس میں جھگڑیں گے اور یہ بہکے ہوئے لوگ (اپنے معبودوں سے) کہیں گے۔ کہ "خدا کی قسم، ہم تو صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔ جبکہ تم کو رب العالمین کی برابری کا درجہ دے رہے تھے۔

اور حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "أن تجعل لله ندا وهو خلقك"[648]، ترجمہ: تم اللہ کا شریک وساتھی بناؤ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے۔

2۔خاص معنی:

شرک کا خاص معنی یہ ہے کہ کسی عبادت کو اللہ کے علاوہ[649] کسی اور کے لئے ادا کیا جائے[650]، یعنی اس کی الوہیت میں کسی کو شریک کیا جائے، اس کو اسی طرح پکارے جس

---

647) سورۃ الشعراء: 96-98۔

648) رواہ البخاري في صحيحه، كتاب التفسير، برقم: (4477)، ورواه مسلم، كتاب الإيمان، برقم: (86)۔

649) اور اس میں بندہ کے قدری افعال مراد نہیں ہیں، جیسے کھانا پینا وغیرہ، بلکہ وہ افعال مراد ہیں جن کا تعلق قربت سے ہے، ينظر: تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح العصيمي (14)۔

طرح اللہ کو پکارتا ہے، اس سے اسی طرح شفاعت طلب کرے جس طرح اللہ سے کرتا ہے، اسی طرح امید رکھے جیسے اللہ سے امید رکھتا ہے، اس سے اسی طرح محبت کرے جیسے اللہ سے محبت کرتا ہے[651]، یہ شرک کا خاص مطلب ومعنی ہے۔

یہی معنی شریعت میں غالبا مستعمل ہے، یہ معنی ہے جو ذہن میں آتا ہے جب شرک کا مطلقا ذکر ہو[652] کیونکہ جب شریعت میں لفظ شرک کا ذکر ہوتا ہے تو اس کا مطلب عبادتوں سے متعلق شرک ہوتا ہے، اسی لئے مصنف نے دوسرے معانی سے قطع نظر اس معنی پر یہ کہتے

---

650) وعدَلَ في حد الشرك عن (الصرف) إلى (الجعل) لأمرين: أحدهما: موافقة الخطاب الشرعي، فـــــ (الجعل) هو المستعمل في خطاب الشرع لبيان الشرك، قال تعالى: (فلا تجعلوا لله أنداداً وأنتم تعلمون)، وفي الحديث: "أن تجعل لله نداً وهو خلقك" متفق عليه. والآخر: أن (الجعل) يتضمن تأله القلب وإقباله، وهذا المعنى غير موجود في كلمة (صرف)، فإنها موضوعة لتحويل الشيء عن وجهه دون ملاحظة المُحوَّلِ إليه. ينظر: شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبدالله العصيمي (23)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436هـ.

651) تاب أصول الإيمان في ضوء الكتاب والسنة (58)، المؤلف: نخبة من العلماء، ناشر: وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد- المملكة العربية السعودية، الطبعة: الأولى، 1421هـ.

652) المصدر السابق؛ وتعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالله العصيمي (14).

ہوئے اکتفا کیا ہے کہ "شرک وہ سب سے عظیم چیز ہے جس سے اللہ نے منع کیا ہے اور شرک یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارا جائے[653]" یعنی اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی دعا و طلب میں شریک کیا جائے، مصنف کی اس بات کا کہ شرک یہ ہے کہ کسی اور کو پکارا جائے یہ مطلب ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور کی بھی عبادت کی جائے، اور جیسا کہ ذکر ہوا یہ توحید کا خاص معنی ہے، چنانچہ عبادت کو دعا سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ مصنف کا یہ قول کہ "شرک یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور کو پکارا جائے" اس قول کے مترادف ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کی جائے اور یہی معنی شریعت کی زبان میں غالبا مستعمل ہے جس میں تمام انواع واقسام کی عبادتوں کو اللہ کے علاوہ کسی کے لیے ادا کرنا شامل ہے چاہے وہ ظاہری عبادتیں ہوں یا باطنی [654]۔

---

653) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (14)۔

654) المصدر السابق؛ وينظر: شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (18)۔

مصنف نے توحید اور شرک کی تعریف ان دونوں الفاظ کے سب سے اہم مدلول اور معنی سے کی ہے ،اور یہی وہ مطلب ہے جو شریعت کی زبان میں مطلقاذکر ہونے پر مقصود ہوتے ہیں، چنانچہ اس تعریف میں کوئی نقص نہیں ہے جیسا کہ بعض شارحین سمجھتے ہیں [655]_[656]

----

655)تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي(15)۔

656) جاء في شرح ثلاثة الأصول، د. محمد أمان الجامی(42)، عند شرح قول المصنف: «وهو دعوة غيره معه»، قال: «الشرک أعم من الدعوة، والدعاء نوع معين من أنواع العبادة، فلو قال: وعبادة غيره معه، لكان أولی وأشمل، ليشمل الدعاء وغير الدعاء، كالذبح والنذر وغير ذلک». وأُجيب عنه من وجوه:

الأول: أن المصنف عرَّف الشرک في نسخة أخری لثلاثة الأصول، فقال: «وهو أن يدعو مع الله غيره، أو يقصده بغير ذلک من أنواع العبادة». اه-ينظر: الدرر السنية(157/1).۔

والثاني: معنی قوله: (وهو: دعوة غيره معه) بمنزلة قولنا: هو عبادة غير الله معه؛ لأنه المعنی المعهود شرعاً۔

والثالث: «أن المصنف رحمه الله تعالی قصد تصحيح خطإ بيّن يتعلّق بأصل الدّين وقاعدته، وهو توحيد الإلهية؛ وذلک لوقوع الخلل الواضح فيه، وبرز هذا الخلل في أعظم صوره خطورة، وهو دعاء غير الله تعالی والاستغاثة به، فوضَّح مقصوده بما يتلائم مع المخاطبين وبه يفهمون المقصود»۔ينظر: المدخل لشرح ثلاثة الأصول، عبدالله بن سعد أبا حسين۔

بلکہ یہ بالکل صحیح تعریف ہے جو کہ خطاب شرعی کے عین مطابق ہے، کیونکہ جب توحید کا مطلقا ذکر ہوتا ہے تو شریعت میں اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کی عبادتوں کو صرف اور صرف اللہ کے لیے خاص کر دیا جائے اور جب شرک کا مطلقا ذکر ہوتا ہے تو اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی پکارا جائے آئے اور یہ دونوں الفاظ بہت وسیع سے لیکن بعض مصنفین کا ان الفاظ کے کسی خاص معنی کو ذکر کرنے کا یہ مطلب و مقصد ہے کہ یہ معنی نہایت اہم اور یہ دلالت بہت عظیم ہے[657]۔اس بات کا مقصد یہ ہے کہ مصنف نے توحید اور شرک کی جو تعریف کی ہے وہ بالکل صحیح ہے، کیونکہ مصنف یہ چاہتے ہیں کہ توحید اور شرکت کی اس حقیقت کو واضح کر دیا جائے جو مراد ہوتی ہیں جب وہ کتاب وسنت میں مطلقا مذکور ہوتے ہیں[658]۔

چوتھا مسئلہ: "شرک یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور کو پکارا جائے" کی توضیح۔

----

657) تعلیقات علی ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (15)۔

658) الشرح الصوتي: (تعلیقات علی ثلاثة الأصول)، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1441ھ۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ زیادہ بہتر ہوتا کہ مصنف کی تعریف میں کچھ اضافہ کر دیا جائے اس طرح سے کہ شرک یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو پکارا جائے یا اس کے ساتھ کسی اور کو بھی پکارا جائے کیونکہ مشرکین عام طور سے یا تو تمام تر عبادتوں کو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے ادا کرتے ہیں جیسے بتوں اور اصنام کے لئے اور اس طرح دوسرے باطل معبودوں کے لیے یا اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرتے ہیں جیسا کہ کبھی اللہ تعالی کو پکارا کبھی کسی دوسرے کو، کبھی مخلوق میں سے کسی کو پکارتے ہیں تو کبھی اللہ سبحانہ وتعالی سے مدد کی درخواست کرتے ہیں[659]۔

---

(659) طریق الوصول إلی إیضاح الثلاثۃ الأصول، زید بن محمد المدخلی (118)۔

مصنف فرماتے ہیں دلیل ارشاد باری ہے: {وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا}[660]،

ترجمہ: اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

مصنف یہ بتانے کے بعد کہ سب سے عظیم امر توحید کا ہے اور سب سے شدید نہی شرک سے ہے اس بات کی دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی دلیل ارشاد باری ہے "وَاعْبُدُوا اللّٰهَ"، اللہ ہی کی عبادت کرو یعنی کی عبادت کو اس کے لیے خاص کرو" وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا "، اس کے ساتھ کسی اور کو بھی چاہے وہ کوئی بھی ہو ادنی سے ادنی معاملات میں بھی اس کا شریک نہ بناؤ[661]۔

مصنف کے اس قول میں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: آیت کی تفسیر۔

---

(660) سورۃ النساء: 36۔

(661) تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (53)۔

اس آیت کو آیت الحقوق العشرہ کہتے ہیں کیونکہ یہ آیت دس حقوق پر مشتمل ہے، پہلا توحید کا حکم اس کے بعد مزید نو حقوق کا تذکرہ ہے[662]۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو صرف اسی کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے ہے جو اکیلا ہے اور کوئی اس کا ساجھے دار نہیں ہے، چنانچہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی توحید کا اقرار کیا جائے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرایا جائے، آیت میں شیئا نکرہ ہے جو کہ اس سیاق میں ہے، چنانچہ یہ بالکل عام ہے ہر شرک کے لئے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، مذکورہ آیت میں اللہ نے اپنی فرض کردہ عبادت کو شرک کے ساتھ ذکر کیا ہے جس کو اس نے حرام قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ شرک سے بچنا ہے عبادت کے صحت کے لیے شرط کا درجہ رکھتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: آیت سے وجہ استدلال۔

مصنف نے مذکورہ بالا آیت کو اس کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ سب سے عظیم امر توحید کا ہے اور سب سے عظیم نہی شرک سے نہی ہے، اور توحید کی عظمت پر آیت اس طرح دلالت کرتی ہے کہ اللہ رب العزت نے نے اسی کے ذکر سے ابتدا کی ہے دس حقوق

---

662) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (24)۔

کی ارشاد باری ہے "وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا" چنانچہ اللہ نے سب سے پہلے توحید کے امر اور شرک سے نہی سے ابتدا کی، اس کے بعد باقی نو حقوق کا تذکرہ کیا جس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ امر و نہی باقی امور پر مقدم مقدم ہیں کیونکہ بات الأہم فالأہم ہوتی ہے، چنانچہ توحید کے امر اور شرک سے نہی کو مقدم کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ توحید أوجب الواجبات اور سب سے عظیم ہے اور اس کی ضد جو کہ شرک ہے وہ أعظم المحرمات ہے[663]۔

اس بات پر بہت سے شارحین کی توجہ نہیں گئی چنانچہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں صرف توحید کا حکم اور شرک سے ممانعت ہے کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا "وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا" اس امر و نہی کی عظمت اور اہمیت خارجی دلیل سے مستنبط ہے، حالانکہ یہ بات غلط ہے کیوں کہ مذکورہ آیت بذات خود ان دونوں چیزوں پر دلالت کرتی ہے، آیت

---

663) ینظر: تعلیقات علی ثلاثة الأصول، صالح العصیمي (15)؛ وحاشیة ثلاثة الأصول، لابن قاسم (24)۔

توحید کا حکم اور شرک سے ممانعت پر بھی دلالت کرتی ہے[664] اور ان دونوں چیزوں کی اہمیت اور عظمت پر بھی دو طرح سے دلالت کرتی ہے:

1۔ان تمام دس حقوق کی ابتدا عبادت کے امر سے ہوئی اور عبادت کی اصل حقیقت توحید ہے اس کے بعد شرک کا ذکر ہوا اور جس کا ذکر مقدم ہو وہ اہمیت میں بھی مقدم ہے۔

2۔بعد میں ذکر کردہ حقوق کو اس پر عطف کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ رب العزت نے باقی اوامر ونواہی کو توحید وشرک کے تابع رکھا ہے، چنانچہ آیت میں جو بھی امر ہے وہ عبادت کے امر کی تابع ہے جو کہ توحید سے عبارت ہے، اور آیت میں جو بھی نہی ہے وہ شرک سے نہی کے تابع ہے[665]۔

----

664) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح العصيمي (24)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436ه-؛ وينظر: شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم (89).-

665) الشرح الصوتي: (تعليقات على ثلاثة الأصول)، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1441ه-.

رسالة ثلاثة الأصول وأدلتها

پہلا اصول: بندہ کی اپنے رب کے بارے میں معرفت۔

اگر تم سے کہا جائے وہ کون سے تین اصول ہیں جن کا جاننا ہر انسان پر واجب ہے؟[666] تو کہہ دو کہ بندہ کی اپنے رب کے بارے میں معرفت، اپنے دین اور اپنے نبی محمد ﷺ کی معرفت[667]۔

اور اگر تم سے پوچھا جائے کہ تمہارا رب کون ہے؟

تو کہہ دو کہ میرا رب میرا پروردگار اللہ ہے۔ جس نے میری اور تمام مخلوقات کی اپنی نعمتوں[668] کے سایہ میں پرورش کی، وہی میرا معبود ہے۔ اس کے علاوہ میرا کوئی معبود نہیں۔ اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے {الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (2)}[669]

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔

---

(666) في (خ): (الذي)۔

(667) قوله: (محمدا) هذه زيادة ليست موجودة في (ن)۔

(668) في (خ، ص، ن): (بنعمته)۔

(669) سورة الفاتحة: 1۔

اوراللہ رب العزت کے علاوہ تمام چیزیں ساری مخلوقات اس کے بنائے ہوئے جہان کا حصہ ہیں۔[670]

اگر تم سے کہا جائے[671] کہ تمہیں اللہ کی معرفت کیسے حاصل ہوئی؟

تو کہہ دو کہ اس کی نشانیوں اور اس کی مخلوقات کے ذریعہ.[672]

اس[673] کی نشانیوں میں رات اور دن ہیں۔ سورج اور چاند ہیں اور اس کی مخلوقات میں ساتوں آسمان و زمین ہیں[674]۔ اس پر رہنے والے لوگ اور ان کے درمیان موجود تمام چیزیں ہیں۔[675] اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے: {وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ

---

(670)في (ص)، وحاشية ابن قاسم (26): (وكل من)۔

(671)في (خ، د، ن): (وإذا)۔

(672)في (د): زيادة: (أعرفه)۔

(673)في (خ): (فمن)۔

(674)في (ص، د) زيادة: (ومن فيهن) وفي (خ، ن): (وما فيهن)۔

(675)في (م) وحاشية ابن قاسم (28): (وما فيهن)۔

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا للهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (37)}[676]

ترجمہ: اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اُس خدا کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے اگر فی الواقع تم اُسی کی عبادت کرنے والے ہو۔

{إِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (54)}[677]

ترجمہ: درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر اپنے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کیے سب اس کے فرمان کے تابع

---

676)سورۃ فصلت:37۔

677)سورۃ الأعراف:54۔

ہیں خبردار رہو! اُسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔ بڑا بابرکت ہے اللہ، سارے جہانوں کا مالک وپروردگار ہے۔

اور رب (پروردگار) ہی اصل معبود ہے۔ اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے۔[678] { يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (21) الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (22)}[679]

ترجمہ: لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں اُن سب کا خالق ہے، تمہارے بچنے کی توقع اِسی صورت ہو سکتی ہے۔ وہی تو ہے جِس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اوپر سے پانی برسایا اور اس کے

---

(678) في (خ) زيادة: (والدليل)۔

(679) سورة البقرة: 21، 22۔

ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق بہم پہنچایا پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مد مقابل نہ ٹھہراؤ۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان تمام چیزوں کا خالق ان کو بنانے والا ہی عبادت کئے جانے کا مستحق ہے۔

وہ مختلف عبادتیں جن کا اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے جیسے اسلام، ایمان اور احسان، ان عبادتوں میں دعاء، خوف اور امید، توکل، رغبت ورہبت، خشوع اور خشیت اس کی طرف پلٹنا، اسی سے مدد طلب کرنا، اس کی پناہ میں آنا، اسی سے نصرت طلب کرنا، قربانی اور نذر[680] کو اسی کے لئے خاص کرنا بھی شامل ہے اور ان عبادتوں کے علاوہ بھی بہت ساری عبادتیں[681] ہیں جس کا اس نے ہمیں حکم دیا ہے اور ساری عبادتیں صرف اسی کے لئے خاص کرنے کا حکم دیا۔ اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (18)}[682]

----

680) في (خ) زيادة: (والتوبة)۔

681) قوله: (أنواع) هذه الزيادة ليست موجودة في (خ، ن)۔

682) سورة الجن: 18۔

ترجمہ: اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں، لہٰذا اُن میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

چنانچہ اگر کسی نے ان عبادتوں میں سے ایک عبادت کو بھی[683] اللہ[684] کے علاوہ کسی کے لئے ادا کیا تو وہ مشرک اور کافر ہو گیا۔ اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ (117)}[685]

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے، جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے ایسے کافر کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

حدیث میں آتا ہے[686] کہ اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا: "الدعاء مخ العبادة"[687]

ترجمہ: دعا عبادت کا مغز ہے۔

---

683) في (خ،ن) (فمن صرف من هذه الأشياء). وفي (د): (فمن صرف من ذلك شيئا)۔

684) في (خ،ن) زيادة: (تعالى)۔

685) سورة المؤمنون: 117۔

686) كلمة (في الحديث) هذه الزيادة ليست موجودة في (ن)۔

بطور دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے {وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (60)}[688]

ترجمہ: تمہارا رب کہتا ہے "مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، جو لوگ گھمنڈ میں آکر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، ضرور وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے"۔

خوف کی دلیل کے طور پر اللہ کا ارشاد ہے: {فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (175)}[689]

ترجمہ: لہٰذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحب ایمان ہو۔

رجاء (امید) کی دلیل کے طور پر اللہ کا ارشاد ہے: { فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (110) }[690]

---

687) سنن الترمذي، رقم الحديث: 3371۔

688) سورة غافر: 60۔

689) سورة آل عمران: 175۔

ترجمہ: پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔

توکل کی دلیل کے طور پر ارشاد باری ہے {وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (23)}[691]___[692]

ترجمہ: اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو۔

{وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ}[693]

ترجمہ: جو اللہ پر بھروسا کرے اس کے لیے وہ کافی ہے۔

---

(690)سورۃ الکھف:110۔

(691)سورۃ المائدۃ:23۔

(692)كلمة (وقوله تعالى) هذه الزيادة ليست موجودة في (ن)۔

(693)سورۃ الطلاق:3۔

رغبت ورھبت اور خشوع کی دلیل کے طور پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: {إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ (90)}[694]

ترجمہ: یہ لوگ نیکی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے، اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔

خشیت کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: { فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي }[695]

ترجمہ: تو اُن سے تم نہ ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو۔

اِنابت کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: {وَأَنِيبُوا إِلَى رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ}[696]

ترجمہ: پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور مطیع بن جاؤ اُس کے۔

استعانہ کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: {إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (5)}[697]

---

(694) سورۃ الأنبیاء: 90۔

(695) سورۃ البقرۃ: 150۔

(696) سورۃ الزمر: 54۔

ترجمہ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

اور حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إذا استعنت فاستعن بالله[698]" ترجمہ: اگر تم مدد مانگو تو صرف اللہ ہی سے مانگو۔[699]

استعاذہ کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: {قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (1)}[700]---[701]

ترجمہ: کہو، میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی۔

{قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ (1)}[702]

ترجمہ: کہو، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی۔

---

697) سورۃ الفاتحۃ: 5۔

698) سنن الترمذي: رقم 2516۔

699) سقط من (خ، ن)۔

700) سورۃ الفلق: 1۔

701) سقطت من (خ، ن)۔

702) سورۃ الناس: 1۔

استغاثہ کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: {إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ}[703]

ترجمہ: اور وہ موقع یاد کرو جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے جواب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کرتا ہوں۔

ذبح (قربانی) کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: { قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (162) لَا شَرِيكَ لَهُ}[704]

ترجمہ: کہو، میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔

اور سنت سے اس کی دلیل یہ حدیث ہے "لعن الله من ذبح لغير الله"[705]

---

703) سورۃ الأنفال: 9۔

704) سورۃ الأنعام: 162و163۔

705) صحیح مسلم، رقم 44-(1978)۔

نذر کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: {يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا (7)}[706]۔۔۔[707]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہونگے جو (دنیا میں) نذر پوری کرتے ہیں، اور اُس دن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی۔

---

706) سورۃ الانسان: 7۔

707) في (خ): زيادة: (ودليل التوبة قوله تعالى: {وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (31)} [النور: 31]۔

مصنف ؒلکھتے ہیں: اگر آپ سے پوچھا جائے: اصول ثلاثہ کیا ہے جس کی معرفت انسان کیلئے ضروری ہے؟ تو کہئے: بندہ کا اپنے رب کی معرفت اس کے دین کی معرفت اور اس کے نبی محمد ﷺ کی معرفت حاصل کرنا۔

یہ مصنف کی جانب سے آغاز ہے۔ اس مبارک رسالہ کی تالیف کے مقصود کو بیان کرنے کا، چنانچہ تینوں مقدمات کے ذکر سے فارغ ہونے کے بعد اس رسالہ کے مقصود کو شروع کیا۔ وہ ہے ان تینوں اصول کا بیان جن کا سیکھنا، جن پر عمل کرنا، جن کی دعوت دینا اور جن پر آنے والی تکلیف پر صبر کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ کہا: جب آپ سے پوچھا جائے وہ تینوں اصول کون سے ہیں جن کا جاننا اور جن کے تقاضے پر عمل کرنا مکلف انسان کے لئے واجب ضروری ہے؟ تو جواب دیجئے: پہلی اصل: بندہ کا اپنے رب کی معرفت حاصل کرنا، اس کی وحدانیت، اس کے اسماء و صفات اور اس کے معبود ہونے کی معرفت کتاب و سنت کے مطابق حاصل کرنا ہے اور یہ اصل الاصول ہے تاکہ اپنے رب کی بصیرت اور یقین کے ساتھ عبادت کرے اور ان سے کہیے: دوسرے اصل: بندہ کا دین اسلام کی معرفت حاصل کرنا جس کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ مبعوث کئے گئے اور ان سے کہیے: تیسری اصل جس کی معرفت بندہ پر ضروری ہے، وہ ہے اپنے نبی محمد ﷺ کی معرفت، اس لئے کہ نبی ﷺ رسالت کی تبلیغ میں ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان

واسطہ اور ذریعہ ہیں اور ہمارے لئے اللہ کی عبادت کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ سوائے اس تعلیم کے جس کو لے کر نبی ﷺ تشریف لائے۔[708]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں :

پہلا مسئلہ: رسالہ "ثلاثۃ الاصول" کا آغاز :

اس سے پہلے رسالہ "ثلاثۃ الاصول" کے ضمن میں یہ بات گزری ہے کہ مصنف کے تین دوسرے رسالے ہیں۔ اسی وجہ سے ان میں سے ہر ایک کے سلسلہ میں "اعلم" کہا گیا[709] اور رسالۃ ثلاثۃ الاصول کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے اور جو اس سے پہلے گزرا ہے یا تو وہ مصنفؒ کے متفرق رسالے ہیں جن کو مقدمہ کے طور پر اپنے بعض شاگردوں کو لکھوایا،[710] یا مصنف نے خود ان کو تمہید کے طور پر لکھا ہو[711]

---

708)شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراھیم آل الشیخ(94)؛ وتیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د.عبدالمحسن القاسم (54)؛ وحاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم(25)۔

709)شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراھیم آل الشیخ(93)۔

710)ینظر:المصدر السابق(93)؛ وحاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم(25)۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سابقہ تینوں رسالہ میں مصنف کے قول "اعلم أرشدک اللہ لطاعتہ" سے رسالہ اصول ثلاثہ کا آغاز ہوتا ہے۔[712]

دوسرا مسئلہ: اصول ثلاثہ کا بیان:

مصنف ؒ کہتے ہیں: جب آپ سے پوچھا جائے: وہ تین اصول کون سے ہیں جن کی معرفت انسان کے لئے ضروری ہے: تو کہئے: اپنے رب، اس کے دین اور اس کے نبی کی معرفت، اصول: أصل کی جمع ہے: وہ جس پر دوسری چیز کی بنیاد رکھی جائے۔ یہ اصول ثلاثہ، اصول دین ہے، جو مرجع ہے اور جن سے شاخیں پھوٹتی ہیں، چنانچہ تین معارف یہ وہ اصول

وجاء في تيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبدالمحسن القاسم (54): هذه بداية رسالة ثلاثة الأصول، وما سبقها هي: رسائل متفرقة للشيخ محمد بن عبد الوهاب — وضعها بعض تلامذته قبل ثلاثة الأصول كالتقدمة لها، كما حدثني بذلك الوالد والشيخ صالح بن غصون رحمهما الله۔

711) ينظر: حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبدالله الفوزان (52)؛ وشرح ثلاثة الأصول، د. عبدالعزيز الريس (3)۔

712) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالله العصيمي (10)۔

ہیں جن کے ارد گرد اس رسالہ کے بقیہ کلام گھومتے ہیں۔[713] مصنفؒ نے یہاں ان تینوں اصول کو اجمالاً ذکر کیا ہے۔ پھر اس کے بعد ایک ایک اصل کو تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ فائدہ کی تکمیل اور قاری کی نشاط کے لئے اس لئے کہ انسان جب کسی چیز کو اجمالاً جان جاتا ہے تو تفصیل سے اس کو جاننے کی فکر میں لگ جاتا ہے چنانچہ جب اجمالاً اس کو جان لے گا اور اس کے الفاظ کو جان لے گا تو اس کے معانی کو جاننے کا شوق اس میں پیدا ہو گا۔[714] یہ علمی عمدہ طریقہ ہے۔ جیسا کہ علم معانی میں سے اجمال کے بعد تفصیل کے مقاصد میں ہے۔[715]

مصنفؒ نے رسالہ کے شروع میں ذکر کیا کہ پہلا مسئلہ ان چاروں مسائل علم، اللہ کی معرفت اس کے نبی کی معرفت اور دین اسلام کی دلائل کے ساتھ معرفت میں سے ہے جن

---

713) شرح ثلاثة الأصول، د. خالد بن عبد الله المصلح (20)، وینظر: إفادة المسؤول عن ثلاثة الأصول، عبد الله بن صالح القصير (35)۔

714) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (94)؛ وحاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (25)؛ والتنبيهات المختصرة شرح الواجبات التحتمات المعرفة على كل مسلم ومسلمة، إبراهيم الخريصي (17) دار الصميعي، ط. الثالثة (1417) ھجریا۔

715) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (54)۔

کا جاننا ضروری ہے۔ یہ تینوں معارف، یعنی وہ تینوں اصول جن کی معرفت اور جن پر یقین کے بغیر بندہ کے لئے دنیا وآخرت میں نجات نہیں ہے چنانچہ جس قدر ان اصول میں سے علم و عمل حاصل ہوگا اسی کے بقدر دنیا وآخرت میں نجات ہوگی۔ ان ضروری چاروں مسائل کے بیان میں جو بات گزری وہ ہے علم کا حصول، اس پر عمل، اس کی دعوت اور اس میں پہنچنے والی تکلیف پر صبر، پھر ضروری تینوں مسائل، پھر اس سے متصل جو باتیں اہم سمجھی جاتی ہیں اس مقصود کی تمہید ہیں۔716

تیسرا مسئلہ: اصول ثلاثہ کی معرفت کا وجوب:

اس سے پہلے مصنفؒ نے ذکر کیا کہ دین حنیفی ملت ابراہیمی ہے۔ وہ یہ ہے کہ "دین کو اس کے لئے خالص کر کے تنہا ایک خدا کی عبادت کریں۔" اس کے بعد بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عبادت کے لئے پیدا کیا، ہمیں اس کا حکم دیا اور سارے انسان عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی کا ان کو حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہاں ذکر کیا کہ اصول ثلاثہ کی معرفت واجب ہے چنانچہ کہا: جب یہ کہا جائے کہ وہ اصول ثلاثہ کون سے ہیں جن کی معرفت انسان پر واجب ہے کہ تینوں امور کی معرفت کے بغیر اس عبادت کا انجام دینا ممکن نہیں ہے۔

---

716) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (49)۔

(۱) معبود کی معرفت جن کی عبادت کی جاتی ہے۔

(۲)معبود کے بارے میں جاننے کے لئے مبلغ کی معرفت

(۳) عبادت کی صفت کی معرفت جو اس کے لئے کی جاتی ہے۔

پہلی بات جس سے اللہ کی معرفت متعلق ہے، دوسری بات جس سے رسول کی معرفت متعلق ہے اور تیسری بات جس سے دین کی معرفت متعلق ہے۔ یہی اصول ثلاثہ ہیں۔ چنانچہ ہر عبادت کے حکم میں تینوں اصول کا حکم شامل ہے۔ ہر عبادت کا حکم ان اصول ثلاثہ کا حکم ہے جن کا ہونا واجب اور ضروری ہے۔ کیونکہ عبادت کی تحقیق انہی پر موقوف ہے۔ عبادت کا انجام دینا ان تینوں اصول کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگر کہا جائے اصول ثلاثہ کی دلیل کیا ہے؟ تو جواب ہے ہر آیت یا حدیث جس میں عبادت کا حکم ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عبادت کا حکم دیا ہے۔ عبادت کا انجام دینا ان تینوں اصول کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ وہ عبادت جس کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت میں دیا ہے۔ اس کی بجاآوری معبود جس کی عبادت کی جاتی ہے کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہی اللہ کی معرفت ہے اور معبود کی معرفت بغیر مبلغ کے ممکن نہیں ہے۔ جب عقل اپنے مال کی معرفت میں مستقل نہیں ہے تو معبود کی معرفت کیسے

مستقل ہو گی۔ یہی ہے رسول کی معرفت اور عبادت کی ذمہ داری سے بری ہونا اس کی کیفیت کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے اور یہ ہے دین کی معرفت[717]

چوتھا مسئلہ: جب تم سے یہ دریافت کیا جائے کہ اصول ثلاثہ کیا ہیں؟

مصنفؒ اپنے رسالہ کے مقصود میں سوال و جواب کے ذریعہ داخل ہوئے ہیں کیوں کہ میں متعلم کو بیدار کرنے کا پہلو ہے اور اس کی ہمت کو تیز کرنا ہے جب اس کے سامنے اس انداز میں بات پیش کی جائے گی تو دل میں بیٹھے گی اور سمجھ میں آئے گی کیونکہ یہ اہم مسئلہ اور بڑا اصول ہے۔

سوال و جواب کے طریقہ کو مصنف نے اپنے بہت سے رسالے میں اختیار کیا ہے اور یہ مفید طریقہ ہے معلومات کو ثابت کرنے اور جلد سمجھانے کا، طالب علم معانی کو حاصل کرتا ہے اس کا ادراک کرتا ہے اور اس کو اس وقت سمجھتا ہے جب اس کے سامنے سوال و جواب کے انداز میں پیش کیا جاتا ہے، اس لئے کہ مخاطب کے سامنے جب سوال پیش کیا جاتا ہے تو جواب کو سمجھنے کے لئے تیار اور مستعد ہو جاتا ہے[718] اور یہ تعلیم میں ایسا طریقہ ہے

---

717)تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي(16)۔

718)المصدر السابق(53)۔

جس کو مصنف نے نبی ﷺ کی ہدایت سے حاصل کیا ہے۔ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ سے سوال پوچھتے تھے تاکہ ان کا ذہن جواب کے لئے تیار ہو جائے۔ پھر آپ ﷺ ان کو جواب دیتے۔ نبی ﷺ ایک مرتبہ بارش ہونے پر ظہر کی نماز کے بعد صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا: کیا تم لوگ جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا؟ صحابہؓ نے کہا! اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندوں میں کچھ نے میرے اوپر ایمان کی حالت میں اور کچھ نے کفر کی حالت میں صبح کی جس نے کہا! ہم پر بارش اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہوئی وہ مومن ہے اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے اور جس نے کہا: ہم پر بارش فلاں فلاں کی وجہ سے ہوئی وہ میرا انکار کرنے والا اور ستاروں پر ایمان رکھنے والا ہے [719] مصنف نے اس حدیث کو ''کتاب التوحید'' میں باب ماجاء فی الاستسقاء بالأنواء کے تحت ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد کے مسائل

---

719)رواه البخاري في صحيحه كتاب صفة الصلاة، باب: يستقبل الإمام الناس إذا سلم، برقم(846)؛ ورواه مسلم في كتاب الإيمان، باب: بيان كفر من قال مطرنا بالنوء، برقم(71)۔

میں کہا: اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالم کو تعلیم سوال کے انداز میں دینی چاہیئے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔دیکھئے ارشاد نبویؐ ہے: أتدرون ماذا قال ربكم؟[720]

پانچواں مسئلہ: اصول ثلاثہ کے دلائل:

ان اصول ثلاثہ کا ثبوت بلاوجہ دلیل مصنف کی رائے اور ان کے خیال سے نہیں ہے بلکہ اس کا استنباط نصوص شرعیہ سے کیا ہے۔اس کی دلیل درج ذیل ہیں:

پہلی دلیل:

ارشاد باری ہے{رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ}[721]

ترجمہ: اے ہمارے رب ہم اس چیز پر ایمان لائے جو آپ نے نازل کیا اور ہم نے رسول کی اتباع کی۔

---

720) کتاب التوحید، محمد بن عبد الوهاب، تحقیق: د. غنش بن شیب العجمي (239)، ناشر: مكتبة أهل الأثر، ط. الأولى 1434 هجريا۔

721) سورة آل عمران، الآية (53)۔

اس میں اللہ تعالیٰ سے وسیلہ ایمان لانے والی چیزوں میں افضل ترین چیز سے ہے۔ رَبَّنَا دلیل ہے من ربّک؟ کی، آمَنَّا دلیل ہے مادِینُک؟ کی اور وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ دلیل ہے مَنْ نَبِیُّک؟ کی۔[722]

دوسری دلیل:

جو صحیحین[723] اور ان دونوں کے علاوہ احادیث کی کتابوں میں[724] مرفوعاً ثابت ہے، میت سے اس کی قبر میں بعض چیز کا یا ان اصول ثلاثہ کے مجموعہ کا سوال ہوتا ہے جو ان اصولوں کو دلائل سے جانتا ہے تو وہ منکر نکیر کے سوال کے وقت قبر میں ثابت قدم رہتا ہے۔[725]

تیسری دلیل:

----

722) ینظر: تنبیہ العقول إلى کنوز ثلاثۃ الأصول، د. عبدالرحمن الشمسان (299/1)۔

723) ینظر: ص (167)، وص (400)۔

724) ینظر: ص (59)۔

725) الی نبیھات المختصرۃ شرح الواجبات المتحتمات المعرفۃ علی کل مسلم ومسلمۃ، إبراھیم الخریصي (15)۔

یہ اصول ثلاثہ ایک ساتھ حدیث عباس بن عبدالمطلب میں آئے ہیں: کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ایمان کا مزہ چکھا وہ شخص جو اللہ کو رب مان کر راضی ہوا اور اسلام کو دین سمجھ کر اور محمد ﷺ کو رسول کی حیثیت سے[726]۔[727] جو ان اصول ثلاثہ پر راضی ہوا اور یقین کے ساتھ مؤذن کی أشهد أن محمداً رسول الله کہنے کے بعد ان کلمات کو کہا تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے گناہ کو معاف کر دے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: ''جس نے مؤذن کی اذان سن کر کہا: أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأن محمد عبده ورسوله، رضيت بالله ربا، وبمحمد رسولا، وبالإسلام دينا غفر له ذنبه۔[728]

چوتھی دلیل:

اولین وآخرین سے قیامت کے دن تین سوالات پوچھے جائیں گے۔ یہ اصول ثلاثہ کا معنی و مقصود ہے۔ ان سے پوچھا جائے گا: تم کس کی عبادت کرتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حق کے بارے میں سوال ہے، تم کس چیز پر عمل کرتے تھے؟ یہ دین پر استقامت کے

---

726) رواه مسلم في كتاب الإيمان، باب: ذاق طعم الإيمان من رضي بالله ربا، برقم (34)۔

727) التعليق المأمول على ثلاثة الأصول، أ.د. عبدالرحمن السديس (199)۔

728) رواه مسلم في كتاب الصلاة، باب: القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، برقم (386)۔

بارے میں سوال ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے شروع کیا اور تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ یہ نبی رسل کی اتباع کا سوال ہے، چنانچہ یہ وہ معاملہ ہے جن کے بارے میں بندہ سے اس کی قبر میں اور حشر و نشر کے دن پوچھا جائے گا۔اس کا علم حاصل کرنے اس پر عمل کرنے اور اس کے یقین کا وجود ظاہر ہے [729] علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: لوگوں سے ان کی قبروں میں اور آخرت کے دن رسول ﷺ کے بارے میں پوچھا جائے گا، ان سے ان کی قبر میں پوچھا جائے گا تم کیا کہتے تھے۔اس آدمی کے بارے میں جو تم میں مبعوث کئے گئے؟ اور جس دن ان کو پکارا جائے گا {فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ (65)} [730] ترجمہ: اور پوچھے گا کہ "جو رسول بھیجے گئے تھے انہیں تم نے کیا جواب دیا تھا؟۔

کبھی کسی سے کسی امام، کسی شیخ اور کسی متبوع وغیرہ کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا بلکہ اس کے بارے میں پوچھا جائے گا جس کی اس نے اور دوسروں نے اتباع کی۔ لہٰذا غور

---

(729)إفادة المسؤول عن ثلاثة الأصول، عبد الله بن صالح القصير (36)۔

(730)سورۃ القصص، الآیۃ 65۔

کرلینا چاہئے اس بات پر کہ کیا جواب دیں گے؟ اور صحیح جواب دینے کیلئے تیار رہنا چاہئے۔[731]

چھٹا مسئلہ: دلائل کے ساتھ اصول ثلاثہ کی معرفت کی اہمیت۔

یہ رسالہ اصول ثلاثہ کے بیان کے لئے تصنیف کیا گیا ہے اور یہ قبر اور اس کے امتحان کے سوال ہیں۔ مَنْ رَبُّكَ؟ وَمَا دِينُكَ؟ وَمَنْ نَبِيُّكَ؟ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے اور تمہارا نبی کون ہے؟ ان کا جواب اس رسالہ میں ہے بلکہ یہ رسالہ شروع سے آخر تک ان تینوں سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ جو شخص جو بات اس رسالہ میں سے ان اہم اصول کے بیان سے متعلق جاننے والا ہو گا وہ اس لائق ہو گا کہ سوال کے وقت ثابت قدم رہے۔ یہ اس لئے کہ یہ رسالہ دلائل پر مشتمل ہے۔ اسی وجہ سے مصنفؒ نے ان اصول کا اہتمام کیا اور مستقل ان کی تالیف کی[732] اور ہر مسئلہ کے بعد قرآن و سنت سے دلیل دی[733] کیوں کہ اس جیسے علم میں تقلید مفید نہیں ہے بلکہ دلائل کا حاصل کرنا بندہ پر واجب

---

731) أعلام الموقعين عن رب العالمين (138/5)۔

732) ينظر: شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (49)۔

733) المصدر السابق (50)۔

ہے۔اس لئے مصنف دلیل ذکر کرتے ہیں۔اس لئے کہ جس نے دلیل جان لیا وہ مقلد نہیں ہے[734] لہٰذاان مسائل کی معرفت جن کااعتقاددلائل کے ساتھ واجب ہے ضروری ہے، یہ دلیل قرآن یاسنت کے نصوص ہوں یاکسی کی بات یااجماع یاقیاس ہو،اس لئے حق کو دلیل سے اختیار کرناضروری ہے۔علماءنے قبرمیں مفتون کے قول سے استدلال کیاہے۔ ”میں نہیں جانتاہوں، میں وہی کہتاتھاجولوگ کہتے تھے“[735] اس بات پرکہ تقلیدان تینوں مسائل کےجواب میں درست نہیں ہے۔[736]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ”جس نے رسول کی دلیل وبصیرت کے بغیر اتباع کی وہ ظاہرکوتسلیم کرتاہےلیکن ایمان اس کے دل میں داخل نہیں ہوا۔ایسے شخص قبرمیں کہاجائے مَنْ رَبُّكَ؟ وَمَادِينُكَ؟ وَمَا نَبِيُّكَ؟ تووہ هَاهَ هَاهَ لَاأَدْرِيْ کہے گا، جیسے میں نے

---

734)ينظر: سلم الوصول إلى ثلاثة الأصول، عبدالهادي بن محمد عبدالهادي، تحقيق: د. حسن بن علي العوجي(38)۔

735)رواه البخاري في صحيحه، كتاب: الزكاة، باب: الميت يسمع خفق النعال، برقم(1338) من حديث أنس عن النبي ﷺ۔

736)شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالعزيز آل الشيخ(50)۔

لوگوں کو کہتے سنا ویسے میں نے کہا، وہ مقلد ہے۔ اس کو لوہے کی گرج سے مارا جائے گا۔[737]

مصنف امام محمد بن عبدالوہاب ؒ کہتے ہیں: اصول میں بالاجماع تقلید جائز نہیں ہے بلکہ ہر مکلف پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت، رسول ﷺ کی معرفت، جس توحید کے ساتھ مبعوث کے گئے اس کی معرفت اور جس چیز کی خبر اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی اس کی معرفت ضروری ہے۔ جیسے بعث بعد الموت، جنت، دوزخ اور جیسے فرائض کا وجوب، نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ اوران جیسی چیزیں اس میں تقلید جائز نہیں ہے،ان امور میں تقلید کرنے والے کو برزخ میں عذاب دیا جائے گا۔ جیسا کہ احادیث میں ثابت ہے کہ منافق اور شک میں مبتلا شخص ھاہ، ھاہ لا أدری کہے گا، میں نے لوگوں کو جیسے کہتے سنا ویسے ہی میں نے کہا[738]

نیز انہوں نے کہا: جس نے اپنے رب (معبود) اپنے دین اور اپنے رسول کو نہیں جانا، دنیا اس کے دلائل کے ساتھ اور اس پر عمل نہیں کیا تو قبر میں اس سے پوچھا

---

737) مجموع الفتاوی (200/4)۔

738) الدرر السنیۃ (27/4)۔

جائے گا تو وہ اس کو نہیں جانے گا اور جس نے دلیل کے ساتھ جانا اور دنیا میں اس پر عمل کیا اور اسی حالت میں انتقال ہوا، اس سے قبر میں پوچھا جائے گا تو وہ حق کے ساتھ جواب دے گا۔ لہٰذا ہوشیار ہو جاؤ۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ مرنے سے پہلے دین کی سمجھ پیدا کرو۔[739]

مصنفؒ کے بعض رسالے میں ہے جب مردہ کو قبر میں رکھا جائے گا اور اس کے پاس دونوں فرشتے آئیں گے اور اس سے اس کے متعلق پوچھیں گے جس دین پر اس نے زندگی گزاری ہے؟ تو وہ کیا جواب دیں گے؟ ہائے افسوس، ہائے افسوس، میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں سے جو کہتے ہوئے سنا وہی میں نے کہا، اور تمہارا خیال ہے جب وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ اور تم نے کس رسول کی دعوت کو قبول کیا؟ تو وہ کیا جواب دیں گے؟ ہم نے تم کو خاص محور پر علم نبوی دیا اور دنیا میں خالص عمل دیا اور اس دن کے بارے میں بتلایا جس دن ملاقات یقینی ہوگی۔ غور کرو، اے آدمی! اپنی حالت اور اس زمانہ کے لوگوں کی حالت پر انہوں نے دین اپنے باپ دادا سے حاصل کیا۔ عرف و رواج کو اختیار رکھا۔ زبان و مکان والے کیلئے کسی طرح یہ جائز نہیں تھا کہ وہ اس کو اختیار کرتے اور نہ تمہارے لئے جائز تھا کہ اس کو

---

739) المصدر السابق (81/2)۔

اپناتے۔ اگر تم کو اپنی ذات پیاری ہے اور اپنی ذات کی ہلاکت پر راضی نہیں ہو تو اس چیز کا رخ کرو جس پر ارکان اسلام مشتمل ہے۔ علم، عمل، خاص طور پر شہادتین جس میں نفی اور اثبات ہے اور یہ اللہ اور اس کے رسول کے کلام سے ثابت ہے[740]

جب اس کا بیان ہو چکا تو بندہ پر لازم ہے کہ دین کو دلائل کے ساتھ سیکھئے تاکہ وہ تقلید سے باہر ہو اور اس کا اعتقاد اس کے سلسلہ میں علم و معرفت اور بصیرت کی بنیاد پر ہو نہ کہ لوگوں کی متابعت کے طور پر اہل سنت کہتے ہیں دلیل میں غور کرنا ضروری ہے[741] استنباط کے لئے نہیں بلکہ اس بات کی معرفت کے لئے یہ کس چیز کی دلیل ہے اور دلیل میں غور کرنا ان مسائل میں اور اہم ہے جن کے بغیر اسلام درست نہیں ہوتا ہے، جیسے مسلمان کا اس بات کی معرفت حاصل کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ اس لئے اس کے پاس اس کے اوپر دلیل ہونی ضروری ہے۔ اس دلیل کو اپنی زندگی میں گرچہ ایک مرتبہ جانے تاکہ اس کا اس دین میں داخل ہونا دلیل کی معرفت کے بعد ہو، اسی لئے مصنفؒ کے ہم عصر علماء اور ان کے بعد کے علماء بھی مساجد میں عوامی درس دیتے تھے اور

---

740) المصدر السابق (115/1)۔

741) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (123)۔

عقیدہ کی عظمت وشان کی وجہ سے "رسالہ ثلاثۃ الاصول" کو یاد کراتے تھے [742] مومن، تقلید سے باہر ہوتا ہے جس چیز کو جانتا ہے اس کی دلیل رکھتا ہے اور ان مسائل کا عقیدہ حق کی وجہ سے رکھتا ہے۔ جب ان مسائل کے دلائل کو اپنی زندگی میں ایک مرتبہ جان لیتا ہے، پھر اس چیز پر اعتقاد رکھتا ہے جس پر دلیل ہوتی ہے۔ پھر اس پر موت تک قائم رہتا ہے۔ اس لئے کہ وہ مومن ہوتا ہے، ایمان پر مرتا ہے۔ دلیل اور استدلال کا ہمیشہ مستحضر ہونا شرط نہیں ہے لیکن بندہ کے لئے ان تینوں مسائل کے دلائل کا جاننا ضروری ہے۔ خواہ زندگی میں ایک ہی مرتبہ ہو، اسی لئے چھوٹے بچوں کو رسالہ "ثلاثۃ الاصول" پڑھایا جاتا ہے تاکہ جب بچے بالغ ہوں تو وہ دلیل اور استدلال کے بارے میں جان چکے ہوں۔ [743]

---

742) المصدر السابق (14-16)۔

743) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (50)۔ وینظر: الأصول الثلاثۃ، حمد بن عبد اللہ الحمد (15)۔

مصنف ؒ کہتے ہیں: جب تم سے کہا جائے: تمہارا رب کون ہے؟تو کہو میرا رب اللہ ہے جس نے میری اور سارے جہاں کی اپنے فضل سے تربیت کی، وہ میرا معبود ہے۔اس کے علاوہ میرا کوئی معبود نہیں ہے۔

مصنف ؒ نے اجمال کے بعد یہاں سے اصول ثلاثہ کی تفصیل شروع کی ہے۔ جن اصول ثلاثہ کی تفصیل شروع کی ہے ان اصول ثلاثہ کی معرفت ضروری ہے ان میں پہلی اصل سے شروع کیا وہ ہے بندہ کا اپنے رب کی معرفت حاصل کرنا۔جب تم سے پوچھا جائے کہ تمہارا رب کون ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ تم کو رزق دیا ظاہری و باطنی نعمتوں سے تمہاری پرورش پرداخت کی۔ تو کہو! میرا رب اللہ ہے۔میں اسی کی عبادت کرتا ہوں،اس کے سوا کسی کی کسی قسم کی عبادت نہیں کرتا ہوں۔وہی میرا رب ہے جس نے تنہا اپنی مہربانی سے میری ہی نہیں سارے جہاں کی پرورش کی۔ وہ تنہا عبادت کا مستحق ہے جس طرح وہ

میرے اور سارے جہاں کے لئے تدبیر کرنے، رزق دینے اور پیدا کرنے میں اکیلا ہے۔

چنانچہ وہی تنہا عبادت کا مستحق ہے[744]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں:

پہلا مسئلہ: جب تم سے کہا جائے: تمہارا رب کون ہے؟

مصنفؒ نے اصل اولیٰ کے معنی کی تفصیل سے تشریح شروع کی ہے وہ ہے "بندہ کا اپنے رب کی معرفت حاصل کرنا" اس لئے کہ عبادت معبود کی معرفت کے بعد ہی صحیح ہوتی ہے۔اس لئے اپنے رب کو اس کے کمال اور جلال کے ساتھ پہلے جانیے جیسا کہ اس نے اپنی صفت کتاب الٰہی میں اور رسول کی زبانی بیان کی۔ عبادت کے استحقاق کی حیثیت سے جانئے، پھر حدودِ شریعت کے مطابق عبادت کیجئے، پھر انتہائی اخلاص پیدا کیجئے تا کہ قیامت کے دن نجات کا سامان ہو۔[745]

---

744) ینظر: وحاشیة ثلاثة الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (26)؛ التنبیهات المختصرة شرح الواجبات المتحتمات المعرفة علی کل مسلم ومسلمة، إبراهیم الخریصي (18)؛ وتیسیر الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبدالمحسن القاسم (56)؛ وشرح ثلاثة الأصول، عبدالرحمن البراک (16)۔

745) ینظر: سلم الوصول إلی ثلاثة الأصول، عبدالهادي بن محمد عبدالهادي، تحقیق: د. حسن بن علي العواجي (30)۔

مصنفؒ نے شرح کرنا سوال و جواب کے انداز میں شروع کیا۔ اس لئے کہ یہ طریقہ زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ دل و دماغ میں بات نقش ہو جاتی ہے اور سیکھنے کا رجحان بڑھ جاتا ہے۔ گویا انہوں نے کہا ان تین اصول دین میں سے اصل اول جن کی معرفت بندہ پر واجب ہے، جب آپ سے کوئی کہے آپ کا رب کون ہے؟ یعنی آپ کا معبود، آپ کا خالق جس کے علاوہ آپ کا کوئی معبود نہیں ہے،[746] یا آپ کا رب جس نے آپ کو پیدا کیا، آپ کو وجود بخشا اور آپ کا ان نعمتوں سے اکرام کیا[747] تو آپ ان سے کہئے: میرا رب اللہ ہے جس نے میری اور سارے جہاں کی اپنے فضل سے تربیت کی۔ جب رب وہ ہے تو معبود ہونے کا مستحق بھی وہی ہے۔[748]

----

746)وحاشية ثلاثة الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (25)۔

747)شرح الشيخ د. عبدالله بن عبدالعزيز العنقري على ثلاثة الأصول وأدلتها (31)، ضمن برنامج التعليم الميسر المستوى الأول لعام 1436 هجريا۔

748)الشرح الصوتي: تعليقات على ثلاثة الأصة ل، صالح بن عبدالله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1441 هجريا۔

تربیت کی اعلیٰ ترین قسم وہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی تربیت کی وہ یہ کہ ان کے لئے رسولوں کو بھیجا جو ان کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والی باتیں سکھائے۔ یہی اہم ترین نعمت ہے، ارشاد باری ہے: {قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ (58)}[749] ترجمہ: "اے نبیؐ کہو کہ یہ اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے کہ یہ چیز اس نے بھیجی، اس پر تو لوگوں کو خوشی منانی چاہیئے، یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ سمیٹ رہے ہیں۔"

تربیت کی بہت سی قسمیں ہیں: جسموں کی تربیت، فطرتوں کی تربیت، فکر کی تربیت اور عقل کی تربیت۔ ان میں سے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر احسان کیا۔[750] ربوبیت کے معانی سے مقصود یہی معنی ہے جو ظاہر ہے۔ نیز ربوبیت کا دوسرا معنی ہے، وہ اس بات کا عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کا تنہا خالق ہے۔ وہ تنہا رازق ہے، وہ مدبر، قاہر اور مالک ہے۔[751]

---

749) سورۃ یونس، الآیۃ (58)۔

750) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز الشیخ (56)۔

751) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز الشیخ (57)۔

دوسرا مسئلہ: اس نے میری اور سارے انسانوں کی اپنی ظاہری و باطنی نعمت سے تربیت کی۔

اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے لئے دو قسم کی تربیت ہے:

پہلی قسم ہے:

مومن کے ساتھ خاص تربیت، وہ ہے ایمان اور عمل صالح کی تربیت، اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو توفیق اور یہ تربیت دی اور اس کی حقیقت ہے ہر خیر کی توفیق کی تربیت اور ہر شر سے حفاظت کی تربیت۔

دوسری قسم ہے:

عام تربیت۔ جو مومن و کافر دونوں کو شامل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہری و باطنی نعمت سے تمام مخلوق کی تربیت کی۔ اس نے ان کو پیدا کیا۔ ان کو روزی دی۔ ان کو کان، آنکھ اور دل دیا۔ ان پر نعمتوں کا انعام کیا[752]۔ مصنف کے قول سے یہاں یہی مراد ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کسی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام آسمانی اور زمینی مخلوق اللہ تعالیٰ کی تربیت میں ہیں۔ اس کی تخلیق، اس کے رزق اس کی تدبیر

---

752) تفسیر السعدي (39)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبد العزیز بن عبد اللہ الراجحي (36)۔

اوراس کے تصرف سے کوئی باہر نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت تمام مخلوق کے لئے ہے۔ وہی مخلوق کے امور کو انجام دیتا ہے اور اس کی تدبیر کرتا ہے۔ وہی ہر انسان کی نگرانی کرتا ہے۔ اس کے فضل سے کوئی بے نیاز نہیں ہے بلکہ ہر مخلوق مکمل اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ نہ اس سے کوئی جدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی نجات پا سکتا ہے۔[753]

تیسرا مسئلہ: وہی میرا معبود ہے۔ اس کے علاوہ کوئی میرا معبود نہیں ہے۔

مصنفؒ نے اس دنیا میں ہر مخلوق کے لئے اللہ کی عام ربوبیت کو ثابت کرنے کے لئے اس ربوبیت کے حق کے حکم کو بیان کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ چنانچہ کہا، ''وہی میرا معبود ہے'' جس کی طرف عبادت کے ذریعہ تقرب حاصل کرتا ہوں، اس لئے کہ وہی مخلوق کا مربی ہے، اس لئے کہ وہ رب ہے تو وہ میرا معبود بھی ہے۔ رب ہی معبود ہونے کا مستحق ہے۔ پھر مصنفؒ نے بیان کیا عبادت کا شرک سے خالی ہونا ضروری ہے ''اس کے علاوہ میرا کوئی معبود نہیں ہے۔'' یہ جملہ اس جملہ کی تاکید ہے جس پر سابقہ جملہ دلالت کرتا ہے کہ عبادت صرف اللہ ہی کی کی جائے گی۔ ''وہی میرا معبود ہے'' حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ اس لئے کہ لفظ اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے اور یہ لغت عرب میں حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ

---

753) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (21)۔

تعالیٰ ہی معبود ہے۔ عبادت کا مستحق ہے۔ دوسری عبارت کے ذریعہ مزید تاکید کی: "ليس لي معبود سواه"[754] "وهو معبودي ليس لي معبود سواه" یہ عبارت کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ سے ماخوذ ہے۔ اس میں اللہ کی عبادت کا اثبات اور غیر اللہ کی عبارت کی نفی ہے۔[755]

چوتھا مسئلہ: رب کی معرفت:

رب کی معرفت مصنف کے بیان کے مطابق دو باتوں پر مشتمل ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس بات کی معرفت کہ رب اللہ جل جلالہ ہیں۔ یہ "ربي الله" سے ماخوذ ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس بات کی معرفت رب معبود ہے۔ ھوَ مَعْبُودِی سے ماخوذ ہے۔[756] چنانچہ مصنفؒ رب کے معنی کی تعریف کی تلخیص ان دو باتوں میں کی، وہ دو باتیں یہ ہیں: وہی ہے جس نے مخلوق کو عدم سے پیدا کیا پھر ان کی ظاہری و باطنی نعمتوں سے تربیت کی۔ یہی توحید ربوبیت ہے اور جب ایسا ہے تو تنہا عبادت کا وہی مستحق ہے۔ یہی توحید ربوبیت ہے۔

---

754) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (22)۔

755) طريق الوصول إلى إيضاح الثلاثة الأصول، زيد بن محمد المدخلي (140)۔

756) شرح الأصول الثلاثة، خالد الأنصاري (ناشر: دار الاعتصام للنشر، ط. الأولى (1423) هجريا۔

اس میں مصنفؒ کی جانب سے اس بات کی تنبیہ ہے کہ ربوبیت کا اقرار ربوبیت کے بغیر کافی نہیں ہے۔[757]

----

757) سبيل الوصول إلى مقاصد ثلاثة الأصول، تأليف: عبد الله الشهراني، وعلي القحطاني (19)، ناشر: دار القبس، الرياض، ط. الأولى 1439ھجریا۔

مصنفؒ کہتے ہیں: دلیل ارشادباری ہے:{ الْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (2) }[758]

جب مصنفؒ نے رب کا معنی بیان کیا کہ وہی مربی ہے جس سے سارے جہاں کی تربیت کی، وہی معبود ہے جو تنہا عبادت کا مستحق ہے کیوں کہ وہ سارے جہاں کا مربی ہے۔اس پر دلیل ذکر کی، چنانچہ کہا: دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْحَمْدُ للہِ۔ الحمد میں لام استغراق کے لئے ہے۔ تمام قسم کی تعریف کے استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ خواہ موجود ہے یا موجود ہو چکی یا موجود ہو گی۔ للہ میں لام استحقاق کا ہے یعنی تمام تعریف کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس میں اس بات کا اثبات ہے کہ وہی تنہا معبود ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ رہا ربوبیت کا اثبات تو رب العالمین میں ہے اور ربوبیت یہاں عالمین کی طرف مضاف ہے۔ یہ ہر ایک عام ہے اور یہ اس معنی کے مطابق ہے جس کو مصنفؒ نے ذکر کیا ہے: "رباني وربى جميع العالمين بنعمته"[759]

اس میں دو مسئلے ہیں :

---

758) سورة الفاتحة، الآية (2)۔

759) ينظر: شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز الشيخ (57-58)؛ وحصول المأمل بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (56)؛ شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (22)۔

پہلا مسئلہ: آیت اللہ تعالیٰ کی معرفت کے اصول پر مشتمل ہے :

رب جل و علا کی معرفت کسی حد پر ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ بندہ کے ایمان میں اور علم میں جب جب اضافہ ہوتا ہے تو اس کے رب کی معرفت میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور جب اللہ جل و علا کو کمال ہوتا ہے اس چیز کا احاطہ کرنے میں جس مخلوق عاجز ہوتی ہے تو اس کی معرفت احاطہ کے طور پر ان کے حق میں مشکل ہو جاتی ہے، لیکن یہاں اس معرفت کی مقدار متعین ہو جاتی ہے اور ہر ایک پر واجب ہوتی ہے، اور جس کی معرفت میں اس تعداد سے اضافہ ہوتا ہے تو وہ اسی اعتبار سے دوسروں سے اللہ کی رحمت کے کھلنے میں بڑھے ہوتے ہیں اور اللہ کی متعین معرفت کے اصول ہر ایک پر چار ہیں :

(۱) اس کے وجود کی معرفت: کہ بندہ اللہ کے وجود پر ایمان لائے۔

(۲) اس کی ربوبیت کی معرفت: کہ بندہ اس پر ایمان لائے کہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔

(۳) اس کی الوہیت کی معرفت: کہ بندہ اس پر ایمان لائے کہ تنہا وہی عبادت کا مستحق ہے۔

(۴)اس کے اسماء وصفات کی معرفت کہ بندہ اس پر ایمان لائے کہ اس کے اچھے نام اور بلند صفات ہیں۔[760]

یہ آیت جس کو مصنفؒ نے اصول اربعہ (چاروں اصول) کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے تو ربوبیت ''رب العالمین'' میں ہے کیوں کہ اس میں اس کی وضاحت ہے: الوہیت 'الحمدللہ' میں ہے کیوں کہ جملہ اللہ کی الوہیت پر دلالت کرتا ہے۔ وہ تعریف کا مستحق اس لئے ہے کہ وہ معبود ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل بھی ہے۔اس لئے کہ معدوم کی تعریف نہیں کی جاتی ہے اور آیت میں ربوبیت والوہیت کاذکر اس کے اسماء حسنیٰ اور اس کی بلند صفات پر مشتمل ہے۔اس لئے بندہ کے لئے مناسب ہے کہ اس پر ایمان لائے اور آیت میں دو فرد ہیں، ایک اللہ کا نام اور دوسرے رب العالمین کا نام۔ یہ دونوں صفت الوہیت اور صفت ربوبیت پر مشتمل ہے۔آیت کی دلالت کی وجہ یہ ہے کہ یہ

---

760)تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (17)؛ وینظر: تقریب الوصول إلی ثلاثۃ الأصول، د. منصور الصقعوب(54)۔

فاتحۃالکتاب ہے۔ان چاروں اصول کا جن کے ارد گرد مصنف کا کلام گھومتا ہے کہ ہر ایک پر اللہ تعالیٰ کی معرفت متعین ہے۔[761]

دوسرا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ!

شارحین کا اور مصنف کا آیت سے استدلال کرنے کی وجہ کیا ہے۔اس میں اختلاف ہے۔

یہاں درج اقوال دیکھیے:

(۱)دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، رب، مربی اور مالک ہے[762] تو مصنف نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا مربی ہے۔ خالق، مالک اور مدبر ہے جس طرح وہ چاہتا ہے[763]

(۲)دلیل سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عبادت کا مستحق ہے[764] کیوں کہ اللہ تعالیٰ تمام جہاں کا مربی ہے[765]

---

761)المصدر السابق(17)۔

762)المحصول من شرح ثلاثة الأصول، الغنيمان(75)؛ وشرح الأصول الثلاثة، خالد الأنصاري(18)۔

763)شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين(46)۔

764)جنى الحقول من شرح ثلاثة الأصول، منصور الجاسر(54)۔

(٣)آیت سے دو باتوں پر ایک ساتھ استدلال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اثبات کہ وہ عبادت کا مستحق ہے[766] چنانچہ اس ربوبیت اور الوہیت کی دلیل ذکر کرنا مقصود ہے [767] چنانچہ اس آیت کا مقصود یہ ہے کہ وہ تمام مخلوق کا مربی، خالق، مالک اور مدبر ہے۔ وہ معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ رب کو جب الگ ذکر کیا تو اس میں معبود داخل ہو گیا کیوں کہ وہ تنہا مالک، متصرف اور معبود ہے۔[768]

765) حصول المأمل بشرح ثلاثة الأصول، عبدالله الفوزان(56)۔

766) ینظر: شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح(22)؛ وشرح ثلاثة الأصول، هيثم سرحان(18)؛ وبلوغ المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عصام مامی(120)۔

767) الشرح الصوتي، تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح العصيمي، برنامج مهمات العلم 1441 هجريا۔

768) وحاشية ثلاثة الأصول، عبدالرحمن بن قاسم(26)؛ شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ(96)۔

مصنفؒ کہتے ہیں: اللہ کے علاوہ ہر چیز عالم ہے اور اس عالم میں ایک میں ہوں۔

اللہ کے علاوہ تمام مخلوق، جنات، انسان، پہاڑ اور درخت سب عالم ہیں اور خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ ساری مخلوق میری تربیت یافتہ ہے۔[769]

پہلا مسئلہ: اللہ کے سوا ہر چیز عالم ہے۔

شارحین کا دوبارہ اس جملہ کے لانے میں اختلاف ہے۔ چند اقوال ملاحظہ فرمایئے:

(ا) یہ جملہ مذکورہ باتوں سے زیادہ قریب ہونے کے لئے دوبارہ لایا گیا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ "رب العالمین" اس کی تفسیر ہے، اور اس آیت سے استدلال کی وجہ کا بیان ہے، یعنی جیسا کہ اللہ رب العالمین ہے تو وہ میرا رب بھی ہے۔ اس لئے کہ میں عالمین میں سے ہوں[770] گویا کہا: ہر چیز اللہ کے علاوہ عالم ہے اور میں اس عالم میں ایک ہوں۔ تو اللہ میرا رب ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ رب العالمین ہے اور میں ایک ہوں عالمین میں سے۔ کسی کے بس میں نہیں ہے کہ کوئی کہے رب العالمین کے علاوہ میرا رب ہے۔ نہ کافر نہ مسلم۔

---

769) وحاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (25)؛ شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (47)؛ التنبيهات المختصرة شرح الواجبات المتحتمات المعرفة على كل مسلم ومسلمة، إبراهيم الخريصي (18)۔

770) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد الأنصاري (18)۔

یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی دلیل ہے اور جب اللہ رب العالمین ہے تو عبادت کا مستحق وہی ہے ۔غیر کی عبادت باطل ہے۔اسی لئے اس کے بعد کہا: "إیاک نعبد وإیاک نستعین" یہ حصر کا فائدہ دیتا ہے۔اس لئے کہ معمول ایاک کو مقدم کرنا اور عامل نعبد کو مؤخر کرنا حصر کی دلیل ہے۔[771]

عالمین سے یہاں مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ کے علاوہ ہے، وہ عالم ہے اور عالم کے علاوہ جو ہے وہ رب ہے۔جب رب العالمین کہا جائے گا تو اس سے متعین ہو گیا کہ عالمین ہر وہ چیز مراد ہے جو اللہ کے علاوہ ہے[772] اور جب تم اس عالم میں سے ایک ہو تو اس آیت کے اول مخاطب تم ہو۔مومن اس آیت کی تلاوت کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا یقین رکھتا ہے اور ہر قسم کی تعریف کا مستحق اللہ تعالیٰ کو سمجھتا ہے[773] اس جملہ کا دوبارہ لانا سابقہ معنی کی تقریر کے لئے ہے جس کو مصنف ؒ اپنے قول اور "ربي الله الذي رباني وربى جميع العالمين بنعمته" میں ذکر کیا ہے تو معنی ہو گا اور ہر وہ چیز جو اللہ کے علاوہ ہے وہ مربوب و

---

771) شرح الأصول الثلاثة، د. صالح بن فوزان الفوزان (101)۔

772) ینظر: تفسیر جزء عم، لابن عثیمین (86)۔

773) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (59)۔

مقہور ہے۔ وہ اللہ کی عبودیت میں داخل ہے۔ یہ اس ذات کا حصر کی عبودیت ہے جس سے باہر کوئی نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: { إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا (93)}[774]

ترجمہ: زمین اور آسمان کے اندر جو بھی ہیں سب اس کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں۔

یہ اس کا حصر ذات کی عبودیت ہے جو ہر مخلوق کو شامل ہے[775]

دوسرا مسئلہ: اللہ کے علاوہ ہر چیز عالم ہے:

عالمون، عالم کی جمع ہے۔ اس لفظ سے اس کا واحد نہیں آتا ہے۔ اس کے معنی میں دو اقوال ہیں:

(۱) عالم اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر موجود کا نام ہے[776] یعنی ساری مخلوق عالم ہے[777] عالم اس چیز کا اسم جنس ہے جو جانا جائے جیسا کہ مصنفؒ نے کہا: "وکل ماسوی اللہ عالم"[778] عالم کو

---

(774) سورۃ مریم، الآیۃ (93)۔

(775) شرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد بن عبد اللہ المصلح (22)؛ المحصول من شرح ثلاثۃ الأصول، الغنیمان (76)۔

عالم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ علم یعنی واضح علامت ہے۔ خالق، مالک اور مدبر کی دلیل ہے[779] تو وجود کی دو قسمیں ہیں۔ رب اور مربوب، رب اللہ تعالیٰ ہے جو خالق ہے اور مربوب مخلوق، عالم ہے وہ تمام مخلوق ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہے[780]

زجاجؒ کہتے ہیں: عالم ہر وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت میں پیدا کیا۔[781]

---

776) تفسير ابن كثير (13/1)؛ والجامع لأحكام القرآن، للقرطبي (214/1)؛ والمحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز لابن عطية (67/1)؛ ومفاتيح الغيب، للرازي (24/1)۔

777) جاء في كتاب العين للفراهيدي (676): والعالم: الطمش، أي: الأنام، يعني: الخلق كله؛ وفي الصحاح، للجوهري (1469/2): والعالم: الخلق، والعالمون: أصناف الخلق۔

778) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز الشيخ (58)۔

779) الجامع لأحكام القرآن، للقرطبي (216/1)؛ شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (47)؛ التنبيهات المختصرة شرح الواجبات المتحتمات المعرفة على كل مسلم ومسلمة، إبراهيم الخريصي (18)۔

780) وحاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (25)؛ شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (47)؛ التنبيهات المختصرة شرح الواجبات المتحتمات المعرفة على كل مسلم ومسلمة، إبراهيم الخريصي (18)۔

781) الجامع لأحكام القرآن، للقرطبي (215/1)؛ وينظر: حاشية ثلاثة الأصول، لابن قاسم (26)۔

(۲)عالم ! ہر اس جنس کا نام ہے جس سے خالق کو جانا جاتا ہے۔ مفرد اس کا اطلاق نہیں ہوتا ہے بلکہ نوع کی طرف اضافت کر کے جو اس کو خاص کر دیتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے ! عالم انس، عالم حیوان، عالم نبات، عالم اللہ کے علاوہ مجموعہ کا نام نہیں ہے۔ یہی لغت کی تحقیق ہے۔ اس لئے کہ کلام عرب میں عالم کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے علاوہ مجموعہ پر نہیں پایا جاتا ہے[782] بلکہ اس کا اطلاق علماء کلام نے اپنے قول میں اس پر کیا ہے کہ العالم حادث یہ اصطلاحی الفاظ میں سے ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے دو منطقی مقدمے کو مرتب کیا ہے جن کا تعلق محدِث اور محدَث سے ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا اللہ قدیم اور العالم حادث اس سے دو مقدمے پیدا ہوئے۔

ہر وہ چیز جو اللہ کے علاوہ ہے عالم ہے[783] پھر اس منطق نتیجہ کا اہل علم کی کتابوں میں رواج ہوا۔ چنانچہ انہوں نے عالم کے معنیٰ کی تفسیر میں اس کو داخل کیا ورنہ یہ کلام عرب میں

---

782) جاء في معجم مقاييس اللغة، لابن فارس (664): (ومن الباب العالمون، وذلك أن كل جنس من الخلق فهو في نفسه معلَم وعَلم..)۔

783) جاء في التسهيل لعلوم التنزيل، لابن جزي (38/1): (العالمين: جمع عالم، وهو عند المتكلمين: كل موجود سوى الله تعالى، وقيل: العالمين: الإنس والجن والملائكة، فجمعه جمع العقلاء، وقيل الإنس خاصة، لقوله (أتأتون الذكران من العالمين)۔

موجود نہیں ہے۔ عالم کا لفظ کلام عرب میں واقعتاً نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کیلئے بلکہ ان کے نزدیک اس کا اطلاق اس فرد پر ہوتا ہے جو کسی جنس سے مرکب ہو۔ عالمین کا لفظ کلام عرب میں مخلوقات پر ہوتا ہے جو ایک ہی جنس کے ہوں۔ چنانچہ کہتے ہیں عالم الملائکۃ، عالم الجن، عالم النحل، چنانچہ عوالم شمار کئے گئے ایک جنس میں مشترک ہونے کی وجہ سے نہ کہ اللہ کے علاوہ ہر ہر چیز سے متعلق ہے[784] اللہ تعالیٰ کے علاوہ موجودات کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) افراد متجانسہ: یعنی ایک جنس میں مشترک، اس کو عالم کہتے ہیں اور مجموعہ کو عالمین جیسے عالم جن، عالم انس اور عالم ملائکہ۔

(۲) وہ افراد جس کی نظیر اس کی جنس سے نہ ہو نہ اس کی حقیقت میں کوئی دوسری چیز شریک ہو۔ اگرچہ اس کے موافق نام ہو، جیسے عرش و کرسی جنت و دوزخ۔

چنانچہ مخلوقات جو ایک جنس میں مشترک ہو اس کو عالم کہتے ہیں اور جو اس جنس سے نہ ہو وہ لفظ عالمین سے خارج ہے۔ عالمین سے اصناف مخلوقات مراد ہیں جو اس صنف

---

784) ینظر: التحریر والتنویر، لابن عاشور (168/1)؛ وفتح الرحمن في تفسیر القرآن، للعلیمي، تحقیق: نور الدین طالب (43/1)؛ وتعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (18)۔

سے نہیں ہے وہ عالمین میں داخل نہیں ہے۔اس لئے کہ وہ مستقل بالذات ہے۔اس وقت اللہ تعالیٰ کی عمومیت رب کی دلیل نہیں ہو گی۔اللہ تعالیٰ کے قول:

"الحمد للہ رب العالمین" سے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ایک جنس کے افراد کو شامل ہے نہ کہ دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے عموم پر استدلال ساری مخلوق کے لئے ہے۔

ارشاد باری ہے: { وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ }[785] اس لئے ہر چیز کو عام ہے[786]

---

785)سورۃ الأنعام،الآیۃ(164)۔

786)تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول،صالح بن عبداللہ العصیمي(18)۔

مصنفؒ کہتے ہیں: جب آپ سے پوچھا جائے کس چیز سے آپ نے اپنے رب کو پہچانا تو کہئے: اس کی آیات اور اس کی مخلوقات سے، آیات: رحمت، دن، سورج اور چاند سے، مخلوقات: ساتوں آسمان، ساتوں زمین اور زمین وآسمان کی مخلوقات سے:

یہ پہلے سوال کے بعد دوسرا سوال ہے: من ربک؟ مصنف نے اس سے پہلے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ ہی رب ہے۔ اس کی دلیل بیان کی اور یہاں اس چیز کو بیان کرنے کا ارادہ کیا کہ انسان پر اپنے رب کی معرفت دلیل سے کرنی ضروری ہے۔ چنانچہ کہا: جب آپ سے یہ پوچھا جائے کہ آپ اپنے رب کو کس چیز سے پہچانا۔ یعنی کن دلائل سے پہچانا تو کہئے میں نے اپنے رب کو علامات و براہین سے پہچانا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی دلیل کے طور پر نصب کیا ہے اور میں نے اس کو اس کی ظاہری مخلوقات سے پہچانا جن کو اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا ہے اور جن کو اپنی دلیل کے طور پر بنایا ہے۔ اہم ترین آیات جن کا آنکھیں مشاہدہ کرتی ہیں۔ وہ رات کا آنا، اور دن کا جانا، سورج، چاند، اللہ تعالیٰ کی عظیم مخلوقات میں ہے۔

ساتوں آسمان اور ساتوں زمین اور ساتوں آسمان اور زمین جو چیزیں ہیں جن کا علم خالق ہی کو ہے، ہوا وغیرہ۔[787]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں:

پہلا مسئلہ: رب کی معرفت کی رہنما دلیل:

جب مصنفؒ نے اس بات کی دلیل شرعی ذکر کی کہ اللہ تعالیٰ ہی رب ہے تو مناسب ہوا کہ رب کے وجود پر دلیل عقلی ذکر کریں اور بیان کیا کہ انسان پر لازم ہے کہ اپنے رب کی معرفت دلیل سے کرے اور دلیل کے بارے میں وضاحت کی۔ پھر ذکر کیا کہ دلیل عقلی آیات و مخلوقات ہیں[788] چنانچہ کہا: ”جب آپ سے پوچھا جائے کہ کس چیز سے اپنے رب کو پہچانا، تو کہئے: اس کی آیات و مخلوقات سے“ چنانچہ ربوبیت معرفت اور علم کی محتاج ہے اور یہ علم قرآن میں اس کی دلیل کے طور پر آیا ہے[789] ارشاد ربانی ہے:"قل انظروا ما في

---

787) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهيم (98)؛ وحاشية ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (27)؛ وتیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (58)؛ حصول المأمل بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ الفوزان (57)۔

788) شرح الأصول الثلاثة، خالد الأنصاري (20)۔

789) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (60)۔

السموات والأرض "[790](آپ کہہ دیجئے زمین وآسمان میں جو کچھ ہے اس کو دیکھو)۔اور

ارشاد باری ہے:

{أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ

}[791] ترجمہ: کیاان لوگوں نے آسمان وزمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیااور کسی چیز کو بھی جو خدانے پیدا کی ہے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا؟

اپنی دلیل(دلیل مرشد)رب العزت والجلال کی معرفت کی دوہیں

(۱) اس کی تکوینی آیات میں غوروفکر۔

(۲)اس کی شرعی آیات میں غوروتدبر[792]

اور یہ دونوں مصنف کے قول: "بآیاتہ"میں مذکور ہے۔اس لئے کہ آیات کے شرعاً دو معنی ہیں:

---

790)سورۃ یونس:101۔

791)سورۃ الأعراف:185۔

792)تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (19)؛المحصول من شرح ثلاثۃ الأصول، الغنیمان (76)۔

آیات کونیہ خلقیہ:

وہ مخلوقات ہیں: جیسے آسمان وزمین، انسان، حیوان، نبات وغیرہ یہ مخلوقات ہیں اور یہ آیات ہیں یعنی اس کے خالق،اس کے صانع اوراس کے نظام کے محکم کی علامات ہیں۔

آیات شریعہ قولیہ:

وہ کتابیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔ وہ صرف جس کو لے کر رسول آئے، یہ اللہ کی آیات میں سے ہے۔

اللہ جل وعلانے اپنے بندوں کو اپنی ذات کا تعارف اپنی تکوینی آیات سے کرایااور یہ مخلوقات ہیں اور اپنی شرعی آیات کے ذریعہ ان شرعی آیات میں سے سب سے بڑی چیز جو رب العزت والجلال کی معرفت کی دلیل ہے۔ قرآن مجید ہے، قرآن مجید اہم آیات اور عظیم ترین معجزات میں سے ہے۔ اسی کے تابع آیات شرعیہ فعلیہ ہے اور ان آیات میں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے معجزات ہیں [793] اور اسی پر مصنف کا قول: ومخلوقاتہ ہے جو بآیاتہ کے تحت داخل ہے۔ اس لئے کہ مخلوقات، آیات تکوینی ہے تو مخلوقاتہ عطف الخاص علی العام

---

793)تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (19)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، عبدالرحمن البراک (18)؛ المحصول من شرح ثلاثۃ الأصول، الغنیمان (77)۔

کے قبیل سے ہوگا۔ اس لئے کہ مخلوقات بعض آیات ہیں اور یہ آیات تکوینی کے ساتھ خاص ہے[794] اور خاص کو عام پر عطف خاص کے اہتمام کے پیش نظر کیا جاتا ہے اور ذہن کو اس کی طرف پھیرنے کے لئے۔ اس لئے مصنفؒ نے اس کے اہتمام کی وجہ سے مخلوقات کو الگ ذکر کیا جب کہ وہ آیات میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ وہ دیکھی جانے والی چیز ہے جنہیں عالم اور غیر عالم ہر ایک سمجھتا ہے[795] لہذا آیاتہ و مخلوقات عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہوگا۔ ایسا اس کے اہتمام تکریم و تعظیم کی وجہ سے ہے۔ اس کی عظمت کی وجہ یہ ہے کہ ربوبیت کا مخلوقات کے وجود میں ظاہر ہونا اس کے آیات شرعیہ میں ظاہر ہونے سے زیادہ ظاہر ہے۔ آیات شرعیہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں جن میں ان کی قوم نے ان سے اختلاف کیا۔ وہی آیات کو یہ چند شاذ لوگوں کے علاوہ سبھی اس کا اقرار کرتے ہیں جن شاذ لوگوں نے ان آیات کا انکار کیا انہوں نے تکبر کی بناء پر کیا جو فطرت کی نگاہ سے آیات

---

794) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (18)؛ شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن صالح العثیمین (47)۔

795) حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ الفوزان (58)۔

کونیہ کو دیکھتے ہیں۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ یہ آیات اللہ رب العزت والجلال کے اندازہ سے موجود ہیں[796]

اللہ عزوجل جانے جاتے ہیں ان آیات شرعیہ اور ان میں جو احکام ہیں ان کے ذریعہ سے عدل، مصالح اور دفع مفاسد پر مبنی ہونے کی وجہ سے، جو اس کی ربوبیت کی دلیل ہیں اور اس بات کی دلیل ہے کہ عبادت کا مستحق وہی ہے۔آیات شرعیہ بے انتہاء ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔آیات تکوینیہ جو بڑی بڑی مخلوقات ہیں اور ان میں جو قدرت کی عجیب وغریب کاریگری ہے اور مؤثر حکمت ہے ان کے ذریعہ سے بندوں، آیات تکوینیہ کے ذریعہ اپنے رب کی معرفت حاصل کرنا، معرفت عقلیہ ہے۔اس لئے کہ جو ان آیات میں غور کرتا ہے اور ان میں تدبر کرتا ہے وہ اپنے خالق کو پالیتا ہے کہ اسی حکیم، علیم، قدیر اور عظیم ذات نے ان کو پیدا کیا[797]

دوسرا مسئلہ: آیات اور مخلوقات کے درمیان تفریق :

----

796)التعلیقات علی القول السدید فیما یجب للہ تعالی علی العبید، صالح العصیمي (8)۔

797)شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن صالح العثیمین (47)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، عبدالرحمن البراک (18)۔

مصنفؒ کہتے ہیں: اللہ کی آیات میں رات و دن اور سورج و چاند ہیں۔ و من آیاتہ میں من تبعیض کے لئے ہے۔ انہوں نے چار آیات کو ذکر کیا ہے۔ ان ظاہری آیات کا ذکر کیا ہے جن کا ادراک ہر کوئی کر سکتا ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں اس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد کہا: و من مخلوقاتہ اس کی مخلوقات میں ساتوں آسمان ساتوں زمین اور ان میں جو مخلوقات ہیں وہ سب ہیں۔ ان میں سے ہر ایک آیات اللہ رب العزت والجلال کی دلیل ہیں کہ ہر چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ مصنفؒ نے آیات اور مخلوقات کے درمیان فرق بیان کیا ہے۔ رات و دن سورج و چاند آیات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ آسمان و زمین اور ان میں رہنے والی ساری مخلوقات مخلوقات کے ساتھ خاص ہیں۔ جبکہ ہر ایک آیات کونیہ میں داخل ہیں اور مخلوقات ہیں۔ رات و دن، سورج اور چاند آیات اور مخلوقات ہیں۔ آسمان و زمین اور ان میں رہنے والی ساری مخلوقات آیات و مخلوقات ہیں[798]

جیسا کہ ارشاد باری ہے: { وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ }[799]

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے۔

---

798) تعلیقات علی ثلاثۃ الاصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (19)۔

799) سورۃ الروم، الآیۃ (22)۔

مصنفؒ پر اس کی تفریق کے سلسلہ میں یہاں اعتراض کیا گیا ہے لیکن مصنفؒ کی تفریق دقیق ہے جو درج ذیل باتوں کے مناسب ہے :

(۱)اس میں سیاق قرآنی کی موافقت و متابعت ہے اس لئے کہ قرآن میں عام طور پر جب سورج و چاند اور رات و دن کو ذکر کیا ہے تو آیات کا ہونا بیان ہوا ہے اور جب آسمان و زمین کا ذکر کیا گیا تو ان پر صفت خلق کا اطلاق کیا گیا ہے جیسا کہ عنقریب وہ دلائل آئیں گے جن کو مصنفؒ نے پیش کیا ہے[800]

(۲)آیت اور خلق کی وضع لغوی کے موافق ہے۔آیت زیادہ تر صادق آتی ہے رات و دن کی دلیل پر،اس لئے کہ لسان العرب میں ہے۔واضح علامت جو مراد پر دلالت کرتی ہو،رات و دن،سورج و چاند ظاہری علامتوں میں بدلتے اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ظہور و خفاء کے ساتھ ان کے آنے جانے کی وجہ سے علامتیں ہوتی ہیں۔اس لئے ان کے مناسب لفظ آیت ہوا۔رہا ""خلق"" تو لسان العرب میں تقدیر اندازہ کے معنٰی میں ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔آسمان و زمین میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ ایک ہی حالت پر قائم ہے۔اس

---

800) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (19)؛ والتعلیق المأمول علی ثلاثۃ الأصول، أ.د. عبد الرحمن السدیس (208)۔

لئے اس کے مناسب خلق کا لفظ ہوا۔ ان کے متعلق مخلوقات کہا گیا گرچہ آیات میں سے ہے۔ اس لئے مصنفؒ کا کلام غیر مضطرب (پریشان کن نہیں ہے) بلکہ سیاق قرآنی اور آیت و خلق کی وضع لغوی کے موافق ہے[801]

تیسرا مسئلہ: آیات، صاف طور پر رب کی معرفت کی دلیل ہیں۔

وہ مثالیں جن کو مصنفؒ نے آیات کونیہ کے لئے پیش کی ہیں ان سے اللہ رب العزت والجلال کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ آیات کونیہ کی تخصیص کی وجہ دو ہیں:

(۱) آیات کونیہ، اللہ تعالٰی کی ربوبیت کی دلیل پر ظاہر اور واضح ہے۔ اس جملہ میں اسی کو ثابت کرنا مقصود ہے۔ اس لئے کہ ربوبیت الوہیت کے اقرار کا راستہ ہے۔ بندہ جب اللہ کے رب ہونے کا اقرار کرلیتا ہے تو اس کے معبود ہونے کا بھی اقرار کرلیتا ہے۔

(۲) آیات کونیہ کی معرفت کا عموم: ان کی معرفت میں مومن و کافر، نیک و بد سبھی شریک ہیں۔ اس لئے کہ ظاہر اور زبردست ہیں[802]

---

801) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمی (19)؛ شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز الشیخ (61)؛ والتعلیق المأمول علی ثلاثۃ الأصول، أ.د. عبد الرحمن السدیس (210)۔

آیات کونیہ مخلوقات ہیں۔آیات کونیہ کوآیات اس لئے نہیں کہا کہ جن کو مخلوقات کہا ہے ان سے اخص ہے۔یہ اس اعتراض کا جواب جو بعض لوگوں نے مصنف پر کیاہےآیات اور مخلوقات کے درمیان تفریق کے سلسلہ میں۔ تفریق ان لوگوں کے جال کی رعایت میں جو ان اصول کو سیکھتے ہیں[803] یہاں آیات کی مثال بدلنے والی مخلوقات سے دی گئی جو ایک حالت پر نہیں رہتی ہیں۔رات ودن، سورج اور چاند، یہ جاتی ہے تو وہ آتا ہے۔یہ روشن ہوتا ہے تو وہ ڈوب جاتاہے اور مخلوقات کی مثال دی ایسی مخلوقات سے جو ایک حالت پر ثابت رہتی ہیں۔ بندہ صبح کرتا ہے، شام کرتا ہے، بڑا ہو جاتا ہے، حالانکہ وہ اپنی نگاہ میں ایک ہی حالت پر ہوتا ہے۔وہ صبح کرتا ہے،آسمان وزمین کو دیکھتا ہے کہ وہ ایک ہی حالت پر ہے۔لہٰذا بدلنے والی مخلوقات کاآیات کی مثال ہونا زیادہ ظاہر و واضح ہے۔ان مخلوقات کے مقابلہ

---

802) الشرح الصوتي، تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1437 هجريا۔

803) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (63)۔

میں جو ایک حالت پر ہیں جبکہ ہر ایک آیات کونیہ مخلوقہ ہیں اور ہر ایک معنی مراد کی دلیل ہیں[804]

---

804)تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (19)۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:{وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (37)}[805]

ترجمہ: ”اللہ کی نشانیوں میں سے یہ رات اور دن اور سورج اور چاند، سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس خدا کو سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا کیا ہے، اگر فی الواقع تم اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔“

نیز یہ آیت دلیل ہے:{إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (54)}[806]

---

805) سورۃ فصلت:37۔

806) سورۃ الأعراف:54۔

ترجمہ: ''در حقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر اپنے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے، جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کئے سب اس کے فرمان کے تابع ہیں، خبردار ہو! اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے، بڑا بابرکت ہے، اللہ سارے جہانوں کا مالک وپروردگار۔''

مصنفؒ نے اس بات کی دلیل ذکر کی اللہ تعالیٰ نے رات اور دن سورج اور چاند کو پیدا کیا اور یہ آیات کونیہ میں سے ہے، {وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (37)} یعنی اس کی کمال قدرت، وحدانیت اور اس کی مشیت کے نفاذ کی دلیل ہے۔

رات اور دن، سورج اور چاند اسی ایسی آیات ہیں کہ بندوں کی معشیت قائم ہوتی ہے۔

''سورج اور چاند کو سجدہ کرو یہ دونوں سحر مخلوق ہیں۔''۔ ''صرف اللہ کی عبادت کرو۔''

''گرچہ یہ بڑے ہیں لیکن ان کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔''۔ ''عبادت اسی ایک اللہ کے ساتھ خاص کرو۔''

اس بات کی دلیل کہ اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کو پیدا کیا اور یہ اللہ کی مخلوقات میں سے ہیں۔

:{إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (54)} ''اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو ٹھوس اور مضبوط پیدا کیا'' چھ دنوں میں اتوار سے جمعہ تک۔ پھر اس عظیم عرش پر جلوہ فرما ہوا جو آسمان وزمین اور اس کی ساری چیزوں کو اپنے اندر سما سکتا ہے جو اس کی عظمت اور جلال کے لائق ہے۔ جو رات کی تاریکی کو ڈھانپ لیتا ہے۔ روشن دن پر تو روئے زمین پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور مخلوقات اپنے اپنے ٹھکانے پر چلی جاتی ہیں۔ پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔ کچھ تاخیر نہیں ہوتی۔ جب رات آتی ہے تو دن چلا جاتا ہے اور جب دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے۔ سورج، چاند، تارے سب اللہ کے حکم کے مطابق چلتے ہیں۔ ان ساری چیزوں کو اس نے پیدا کیا ہے۔ اللہ کی ذات اپنے کمال اوصاف اور عظمت

اوصاف کی وجہ سے بری بابرکت ہے۔اللہ تعالیٰ سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ وہ سب پر بھلائی اور فضل کا انعام کرتا ہے[807] اس سیاق میں مصنف کے کلام سے دو مسئلے نکلتے ہیں:

پہلا مسئلہ: پہلی آیت کی دلیل کی وجہ:

مصنفؒ نے پہلی آیت میں اس بات کی دلیل ذکر کی ہے کہ بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت کا ذریعہ وہ آیات ہیں جن کا مشاہدہ آنکھوں سے ہوتا ہے۔ان میں اہم ترین آیات رات اور دن، سورج اور چاند ہیں۔ اس آیت کے سیاق سے مقصود اس بات کا بیان ہے کہ سورج اور چاند، رات اور دن اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ہے جو رب کی عظمت کی دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ واقعی ہر چیز کا رب ہے۔ غور کرنے والا جب رات اور دن میں غور کرتا ہے تو رات کو دن میں داخل ہوتے ہوئے اور دن کو رات میں داخل ہوتے ہوئے پاتا ہے۔دن لمبا ہوتا ہے تو رات چھوٹی یا اس کے برعکس سورج جب اپنی روشنی لے کر آتا ہے تو دن ہو جاتا ہے اور جب سورج ڈوب جاتا ہے، چاند آتا ہے تو رات ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ

---

807) وحاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (29)؛ وتيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (61)؛ حصول المأمل بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (62)؛ المحصول من شرح ثلاثة الأصول، الغنيمان (92)۔

ان چیزوں کا آنا خود بہ خود نہیں ہے بلکہ وہ مفعول ہیں، جس ذات نے ان کو پیدا کیا ہے اسی نے ان کو عجیب وغریب دقیق طریقہ پر چلایا ہے جو رب العالمین ہے [808]

دوسرا مسئلہ: دوسری آیت کی دلیل کی وجہ!

اس آیت سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہونے کا تعارف ہم سے کرایا ہے کہ اس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ ایسی دلیل پیش کرتا ہو جو واضح ہو اور بڑی ہو [809] اللہ تعالیٰ سارے عالم کا خالق ہے۔ یہ مخلوقات اور آیات ہیں یعنی ان کے خالق ان کے صانع اور ان کے نظام کو چلانے والے کی علامات ہیں۔

---

808) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراہیم آل الشیخ (100)؛ شرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد بن عبد اللہ المصلح (24)؛ شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (61)۔

809) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراہیم آل الشیخ (101)۔

مصنفؒ نے کہا: رب ہی معبود ہے:

مصنفؒ نے اس سے پہلے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ، رب، خالق، رازق ہے جس نے اپنی نعمت سے ساری مخلوق کی تربیت کی، وہی معبود ہے، عبادت کا مستحق ہے، مخلوق میں کوئی اس کے علاوہ معبود نہیں ہے۔ اس کی دلیل سورۂ فاتحہ سے بیان کی۔ پھر رب کی معرفت کی رہنما دلیل بیان کی۔ رب کی معرفت اس کی آیات اور مخلوقات سے ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا: "والرب ھو المعبود" یعنی رب، مالک، متصرف اور مربی ہے، نعمتوں کے ذریعہ سے تمام مخلوق کا، وہ ہر چیز کا خالق ہے، وہی عبادت کا مستحق ہے کیوں کہ وہ رب ہے۔ اس کے علاوہ ساری مخلوقات کمزور ہے۔ وہ اپنی ذات کو بھی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے اور نہ عبادت کی مستحق ہے۔ اس لئے کہ وہ مربوب ہے رب نہیں [810]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں:

پہلا مسئلہ: رب ہی عبادت کا مستحق ہے۔

رب کی معرفت دو باتوں پر مشتمل ہے۔

---

810) تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، د. صالح بن فوزان الفوزان (118)۔

(۱) اس بات کی معرفت کہ رب اللہ تعالیٰ ہے۔

(۲) اس بات کی معرفت کہ رب معبود ہے۔

مصنف نے اس سے پہلے پہلی بات سے متعلق کلام کیا چنانچہ کہا "ربي الله الذي رباني وربى جميع العالمين بنعمه" پھر دلیل شرعی و عقلی اس بات پر ذکر کیا کہ رب اللہ تعالیٰ ہی ہے، جب رب کی معرفت کے سلسلہ میں پہلی بات سے متعلق کلام سے فارغ ہوئے اور اللہ کی ربوبیت کو ثابت کیا، ان قطعی دلائل کے اثبات کے ساتھ جن کا مشرکین اقرار کرتے ہیں، یہاں دوسری بات سے متعلق کلام شروع کیا چنانچہ کہا: "والرب هو المعبود" یہ اس کی عظمت میں سے ہے، اس کا حق ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔ اسی سے مانگا جائے۔ اسی پر بھروسہ کیا جائے۔ اس لئے کہ معبود باطل نفع کا مالک ہے نہ نقصان کا۔ تو پھر وہ دوسروں کو کیسے فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ ہلاکت و بربادی ہے ان عقلوں کی جنہوں نے مالک، قہار اور رحیم کی عبادت کو چھوڑ کر کمزور مخلوق کی عبادت کی. [811]

دوسرا مسئلہ: رب ہی معبود ہے کا مفہوم و معنیٰ:

شارحین کا مصنف کے قول: "والرب هو المعبود" میں اختلاف ہے۔

---

(811) ینظر: شرح الأصول الثلاثة، خالد الأنصاري (21)؛ وشرح الأصول الثلاثة، أحمد الصقعوب (32)۔

پہلا قول: مصنف ؒ کا یہاں مقصود اللہ رب العزت والجلال کی عبادت کے استحقاق کو بیان کرنا ہے۔ اس استحقاق کا باعث اللہ تعالیٰ کا رب ہونا ہے۔ جو رب ہوگا اس کا معبود ہونا ضروری ہے۔ رب کے معنی سے مراد جس کے معنی اور دلیل کو اس سے پہلے ثابت کیا ہے۔ یہ ہے کہ وہ معبود ہونے کا مستحق ہے۔[812] یا جس ذات کی عبادت کی جاتی ہے وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اس کے استحقاق کی وجہ اس کی ربوبیت ہے۔ رب وہی ہے جس کا تم نے اقرار کیا کہ وہ خالق، رازق، مدبر ہے۔ وہ اس بات کا مستحق ہے کہ صرف اس کی عبادت کی جائے[813] اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس کی عبادت کی جائے وہ رب ہے[814] رب کے

---

812) ينظر: شرح ثلاثة الأصول، د. محمد أمان الجامي (47)؛ شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (51)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبد الرحمن البراك (18)؛ وشرح الأصول الثلاثة، د. صالح بن فوزان الفوزان (118)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (66)؛ تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (22)؛ شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (27)؛ وشرح ثلاثة الأصول، خالد الباتلي (69)؛ والتعليق المأمول على ثلاثة الأصول، أ.د. عبد الرحمن السديس (226)؛ وشرح الأصول الثلاثة، خالد الأنصاري (21).۔

813) شرح ثلاثة الأصول، أحمد الصقعوب (34)۔

814) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (51۔

معانی سے مطلق معبود مراد نہیں ہے ورنہ یہ لازم آئے گا اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جائے وہ رب ہے اور یہ صحیح نہیں ہے[815] اس کا یہ کلام لفظ رب کی تفسیر نہیں ہے۔ لفظ رب کا اطلاق اہل لغت کے دو قولوں میں سے صحیح قول میں مطلق معبود پر نہیں ہے[816] بلکہ رب ہی معبود ہے سے مراد وہ رب ہے جو ہر چیز کا خالق ہے۔ اپنے بندوں کا اپنی نعمت کے ساتھ مربی ہے۔ وہی عبادت کا مستحق ہے۔ کیوں کہ وہ رب ہے، خالق ہے، قرآن کی بہت سی آیات ربوبیت کی دلیل سے بھری ہوئی ہے اور قرآن اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے بیان

----

815) حصول المأمل بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (66)۔

816) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (21)۔

قال ابن فارس في معجمه (378): الراء والباء يدل على أصول، فالأول: إصلاح الشيء والقيام عليه، فالرب: المالك، والخالق، والصاحب، والرب: المصلح للشيء، والله جل ثناؤه الرب؛ لأنه مصلح أحوال خلقه. والأصل الآخر: لزوم الشيء والإقامة عليه، وهو مناسب للأصل الأول. والأصل الثالث: ضم الشيء للشيء، وهو أيضًا مناسب لما قبله، ومتى أنعم النظر كان الباب كله قياسًا واحدًا۔

وجاء في مفردات القرآن، للراغب الأصفهاني (336): الرب في الأصل: التربية، وهو إنشاء الشيء حالًا فحالًا إلى حد التمام، ولا يقال الرب مطلقًا إلا لله تعالى المتكفل بمصلحة الموجودات۔۔

سے بھرا ہوا ہے۔ کیوں کہ مخلوق اسی کے ذریعہ الوہیت تک پہنچتی ہے۔ لہٰذا جو رب ہو گا اس کا معبود ہونا ضروری ہے[817]

دوسرا قول: مصنف کے قول "والرب ھو المعبود" یعنی رب کے معانی اور جس پر معبود کا اطلاق ہوتا ہے اس سے مراد جب کہ اس کا اطلاق خالق، رازق، مالک، متصرف اور تمام مخلوق کے مربی پر ہوتا ہے[818] یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ رب مطلق بولا جاتا ہے اور اس سے معبود مراد لیا جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: {وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (80)}[819]

ترجمہ: "وہ تم سے ہر گز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا رب بنالو، کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے جب کہ تم مسلم ہو"

---

817) تعلیقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (21)؛ وینظر: شرح ثلاثة الأصول، د. محد أمان الجامی. (47)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبدالرحمن بن ناصر البراک (18)۔

818) حاشية ثلاثة الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (30)۔

819) سورة آل عمران، الآیۃ (80)۔

یعنی وہ اس بات کا تم کو حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں کو یا نبیوں کو معبود بناؤ۔ اس لئے کہ ان سے اختلاف عبادت میں ہے نا کہ پیدا کرنے اور روزی دینے کے سلسلے میں[820] جب یہ کہا جائے کہ رب کے معانی سے مقصود معبود ہے تو ''حق'' کی قید لگانی مناسب ہے۔ اس لئے کہ معبود حق ہوتا ہے اور ناحق بھی ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے رب معبود برحق ہے[821]

بہ ظاہر ان دونوں تفسیر کے درمیان تعارض نہیں ہے۔ معبود کے معنی وہ ذات جو تنہا عبادت کی مستحق ہے کیوں کہ اسی نے پیدا کیا اور اسی نے وجود بخشا۔ اس کے وجود بخشنے میں کوئی شریک نہیں۔ تو متعین ہو گیا کہ اس کی عبادت میں بھی کوئی شریک نہیں ہے۔ اس کا معبود ہونا رب کے مدلول میں سے ہے۔ کیوں کہ رب کا اطلاق معبود سید اور خالق پر ہوتا ہے تو متعین ہو گیا کہ وہی معبود ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی اور کی عبادت کی تو اس نے دوسرے معبود کو رب بنا لیا۔

---

820) شرح ثلاثة الأصول، د. عبد العزيز الريس (44)۔

821) التعليقات البهية على الرسائل العقدية، أحمد بن يحيى النجمي (108)، تحقيق: حسن الدغريري، ناشر: منارة الإسلام، القاهرة، ط. الأولى 1431 هجريہ۔

رب کی تفسیر سید، مالک، متصرف اس کے مطابق ہے لیکن اس کی لازمی تفسیر معبود ہی ہے[822]

تیسرا مسئلہ: ربوبیت اور الوہیت:

مصنفؒ نے یہاں بیان کیا کہ ربوبیت کے معنی عبادت کے ہیں۔ اللہ کی ربوبیت کے معانی میں سے اس کا عبادت کا مستحق ہونا ہے۔ ربوبیت سے بعض مواقع پر الوہیت مراد لیا جاتا ہے۔ کبھی لازم سمجھ کر اور کبھی قصد وارادہ کے ساتھ[823] اس لئے مصنفؒ نے خود ربوبیت کی تفسیر الوہیت سے کی ہے۔ اس آیت میں

{ وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُونِهِ إِلَهًا}[824]

---

822) حاشية على رسالة ثلاثة أصول، طالب الكثيري (8)۔

823) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز الشيخ (64،65)۔

824) سورة الكهف، الآية (14)۔

ترجمہ: ہم نے ان کے دل اُس وقت مضبوط کر دیے جب وہ اٹھے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ "ہمارا رب تو بس وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اُسے چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریں گے۔

یہاں انہوں نے کہا یہ ربوبیت ہی الوہیت ہے[825] بعض علماء کہتے ہیں لفظ الوہیت و ربوبیت ممکن ہے کہ ایک دوسرے میں داخل ہونا رب کے اطلاق کے وقت معبود داخل ہو اور معبود کے اطلاق کے وقت رب داخل ہو[826] مقصود یہ ہے کہ ربوبیت، الوہیت کے لئے لازم ہے۔ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کے وجوب کی دلیل اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وہ ربوبیت میں یکتا ہے۔ اسی کے ساتھ کوئی دوسرا رب نہیں ہے۔ نہ اس کے علاوہ کوئی رب ہے۔ جس نے حقیقت میں اس پر یقین کر لیا تو یہ چیز اس کو توحید عبادت کی طرف لے جائے گی۔ توحید ربوبیت ان لوگوں کے لئے ہے جس نے اس میں غور کیا سمجھا تو اس کے لئے توحید الوہیت کا ہونا لازمی ہے[827] رب ہی معبود ہے اور ان چیزوں کا فاعل ہی

---

825) مؤلفات الشیخ محمد بن عبد الوھاب: القسم الرابع/التفسیر (243)۔

826) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز الشیخ (53)۔

827) الأجوبۃ والبحوث والدراسات المشتملۃ علیھا الدروس العلمیۃ، الشیخ صالح آل الشیخ (54/1)۔

عبادت کا تنہا مستحق ہے۔اس لئے کہ تنہا اسی نے پیدا کیا۔ تنہا اسی نے رزق دیا۔تو عبادت کا مستحق وہی ہے جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا۔ بنایا، وجود بخشا[828] اس تقریر کا فائدہ بعض مخالفین کے شبہ کا رد ہے۔جو یہ کہتے ہیں کہ انسان سے جب اس کی قبر میں پوچھا جائے گا من ربک؟ تمہارا رب کون ہے تو یہ توحید ربوبیت کا سوال ہے نہ کہ توحید الوہیت کا جواب اس کا دو طریقے سے ہے :

(۱)رب کا اطلاق معبود کے معنی میں کہا جاتا ہے جیسا کہ گزرا۔

(۲)جب ربوبیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو یہ الوہیت کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔اس لئے کہ توحید ربوبیت کا اقرار توحید الوہیت کے اقرار کو مستلزم ہے[829]

---

(828)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (64،65)۔

(829)شرح ثلاثۃ الأصول، عبد العزیز الریس (45)۔

مصنف ؒ لکھتے ہیں: دلیل: ارشاد باری ہے: { يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (21) الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (22)}[830]

ترجمہ: لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں اُن سب کا خالق ہے، تمہارے بچنے کی توقع اِسی صورت ہو سکتی ہے۔ وہی تو ہے جِس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق بہم پہنچایا پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان تمام چیزوں کا خالق ان کو بنانے والا ہی عبادت کئے جانے کا مستحق ہے۔

---

(830) سورۃ البقرۃ: 21، 22۔

مصنفؒ کا اس بات کو ثابت کرنے کے بعد کہ رب ہی معبود ہے، عبادت کا مستحق ہے۔ عبادت رب کے ساتھ خاص ہے، یہاں اس کی دلیل ذکر کی ہے۔ چنانچہ یہاں پر اس کی دلیل پیش کی۔

ان آیات میں ان عظیم نعمتوں کی یاد اس لئے دلائی تاکہ اپنے خالق سے ڈریں۔ اس کے حکم بجالائیں۔ ان کی منع کی ہوئی چیز سے بچیں، اور جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا، زمین کو فرش بنایا، آسمان کو چھت، پانی برسایا، پیداوار نکالی وہی تنہا عبادت کا مستحق ہے۔ "فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَنْدَادًا"، ترجمہ: پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مد مقابل نہ ٹھہراؤ۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں، ان چیزوں کو مثال کے بغیر عدم سے وجود بخشنے والا ہی عبادت کا مستحق ہے۔ اللہ کے علاوہ ساری مخلوق مربوب ہے۔[831]

اس میں دو مسئلے ہیں:

---

831) وحاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (30)؛ وتيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (63-64)؛ شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (51-52)؛ المحصول من شرح ثلاثة الأصول، الغنيمان (95-96)؛ وشرح الأصول الثلاثة، د. صالح بن فوزان الفوزان (118)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز الشيخ (65)۔

پہلا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ :

مصنفؒ نے سورہ البقرہ آیت 21 اور 22 سے استدلال کیا ہے۔ یہ قرآن میں پہلی آیت ہے جس میں توحید کا حکم اور شرک کی ممانعت ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سارے انسانوں کو اپنی عبادت کرنے اور دوسروں کی عبادت نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: " يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ" ترجمہ: لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس رب کی۔

یہ تنہا اللہ کی عبادت کرنے کا حکم ہے۔ یہ پہلا اور اہم ترین حکم ہے۔ قرآن میں یہی لا الہ الا اللہ کا معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان معانی کو ذکر کیا ہے جو اس کی عبادت کے متقاضی ہیں۔ وہ یہ کہ ان کو پیدا کرنے والا ہے۔ ان کے آباء واجداد کو، آسمان وزمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہی بارش برساتا ہے۔ رزق بہم پہنچاتا ہے جس کی یہ شان ہے وہی عبادت کا مستحق ہے۔ عبادت کا حکم دینے کے بعد ان چیزوں کے ذکر کی یہ وجہ ہے۔ آیت کے معنی ہوئے واقعی عبادت کا مستحق وہی ہے جو ان صفات سے متصف ہے۔ یہ توحید ربوبیت کے ذریعہ استدلال ہے۔ توحید الوہیت پر آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "فَلَا تَجْعَلُوا لِلهِ أَنْدَادًا"،

یہ شرک کی ممانعت اللہ کے علاوہ معبود کی نفی کو شامل ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے[832]

آیت سے قاعدہ نکلتا ہے "استحقاق العبادة ملازم للربوبية" عبادت کا استحقاق ربوبیت کے لئے لازمی ہے۔رب ہی عبادت کا مستحق ہے، جب رب تنہا اللہ تعالیٰ ہیں تو وہی تنہا عبادت کا مستحق ہے[833] چنانچہ ارشاد ہے: "اعبدوا" اسی ایک اللہ کی عبادت کرو۔اس لئے کہ توحید کے بغیر عبادت کا ہونا عبادت نہیں ہے۔در حقیقت ایسا شخص جو کبھی اللہ کی عبادت کرتا ہو اور کبھی اس کے ساتھ شریک کرتا ہو وہ اللہ کی عبادت کرنے والا نہیں ہے۔ عبادت اسی صورت میں ہو گی جب کہ تمام قسم کی عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو[834]

دوسرا مسئلہ: آیت کی اس کلمہ کی تفسیر:

---

832) شرح الأصول الثلاثة، عبد الرحمن بن ناصر البراک (18)؛ شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (26)۔

833) شرح الأصول الثلاثة، خالد الأنصاري (21)۔

834) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (105)۔

مصنفؒ کہتے ہیں: ابن کثیرؒ نے فرمایا: ان چیزوں کا خالق ہی عبادت کا مستحق ہے۔ ابن کثیرؒ کا کلام ان کی تفسیر میں اس سے مختلف ہے جس کو مصنفؒ نے ذکر کیا ہے[835] لیکن معنی ایک ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ان کی تاریخ میں ہے نہ کہ ان کی تفسیر میں[836]۔[837]

مطلب یہ ہے کہ مذکورہ آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ اسی نے ان چیزوں کو پیدا کیا، عدم سے کسی نمونہ کے بغیر وجود بخشا، وہی اس بات کا مستحق ہے کہ تنہا اس کی عبادت کی جائے۔ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کیا جائے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز مخلوق مربوب ہے[838] یہ دلیل ہے کہ مصنفؒ نے اپنے قول والرب ھوالمعبود سے رب

----

835) جاء في تفسير القرآن العظيم، لابن كثير (194/1): (ومضمونه: أنه الخالق الرازق مالك الدار، وساكنيها، ورازقهم، فبهذا أن يستحق أن يعبد وحده لا شريك به غيره۔

836) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (111)۔

837) جاء في البداية والنهاية، لابن كثير (334/1): (وإنما إلهكم الله الذي لا إله إلا هو ربكم، ورب كل شيء فاطر السموات والأرض الخالق لهما على غير مثال سبق، فهو المستحق للعبادة لا شريك له)۔

838) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (70)۔

کے معانی معبود کا ارادہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس معنی کا ارادہ کیا کہ رب ہی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔اس لئے سورہ البقرہ کی آیت کو لانے کے بعد ابن کثیرؒ کے قول کو ذکر کیا۔ ''ان چیزوں کا خالق ہی عبادت کا مستحق ہے۔''[839] کلام کی تقدیر یہ ہے کہ اعبدوا ربکم میں عبادت کے حکم سے رب ہی مستحق ہے کہ معبود ہو، جب وہ عبادت کا تنہا مستحق ہے تو ربوبیت کا بھی اس آیت میں تنہا مستحق ہے "الذي خلقكم والذين من قبلكم" اس لئے کہ اقرار ربوبیت اقرار الوہیت کے لئے لازمی ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے بیان کیا، ابن کثیرؒ کی تفسیر کے حوالے سے[840]۔

---

839) المصدر السابق (65)۔

840) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (21)۔

مصنفؒ کہتے ہیں: عبادت کی اقسام جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے جیسے اسلام، ایمان اور احسان۔

مصنفؒ نے اصول ثلاثہ میں سے اس اصل میں بیان کیا، وہ ہے معرفۃ العبد ربہ بندہ کا اپنے رب کی معرفت حاصل کرنا، کہ اللہ تعالیٰ ہی رب ہے اور اس کی دلیل بیان کیا، پھر رب کی معرفت کی رہنما دلیل بیان کی۔ ان آیات کو ذکر کیا جو اللہ کی ربوبیت کی دلیل ہیں۔ اس کے بعد اس کو بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ تنہا عبادت کا مستحق ہے کیوں کہ وہ رب ہے۔ جب مصنفؒ نے ہمارے اوپر اللہ کی عبادت کے وجوب کو ثابت کر دیا اور ربوبیت کی وجہ سے عبادت کے استحقاق کو اور اس کے دلائل کو ذکر کیا تو یہاں عبادت کی حقیقت کو بیان کیا۔ اس کے اقسام کی طرف رہنمائی کے ذریعہ اس لئے کہ چیزوں کے اقسام کی معرفت اس کی دلیل ہے۔ چنانچہ عبادت کی ایسی قسموں کو ذکر کیا جن کا اجمالاً و تفصیلاً حکم دیا گیا ہے۔ عبادت کی وہ اقسام جن کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جن کے ذریعہ بہت زیادہ بندوں کو عبادت

کی دعوت دی ہے جیسے اسلام، ایمان اور احسان، یہ تینوں ایسے مراتب ہیں جو پورے دین کو شامل ہیں۔ یہ اصول عبادات ہیں۔ اسی لئے مصنفؒ نے ان سے شروع کیا۔[841]

اس میں دو مسئلے ہیں :

پہلا مسئلہ: عبادت کی اقسام کا ذکر :

امید تھی کہ مصنفؒ عبادت کے اقسام کو اصل ثانی معرفۃ دین الاسلام کے تحت لاحق کر کے ذکر کریں گے۔ اس لئے کہ یہ اس کا جزء ہے لیکن اس کو یہاں مقدم کیا، جب نفوس اللہ کی عبادت اور اس کے تقرب کے لئے تیار ہو گئے، یہ تربیت کا ایک طریقہ ہے۔ اس لئے کہ نفوس جب کسی چیز کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو گئے تو اس میں تاخیر مناسب نہیں ہے[842] مناسب یہ تھا۔ رب کی عبادت کے استحقاق کو ذکر کرنے کے بعد عبادت کی

---

841) ینظر: وحاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (34)؛ حصول المأمل بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ الفوزان (65)؛ وتیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (66)؛ شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن صالح العثیمین (53)؛ شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (65)؛ الشرح الصوتي، تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح العصیمي، برنامج مھمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1441 ھجریا۔

842) تنبیہ العقول إلی کنوز ثلاثۃ الأصول، د. عبد للرحمن الشمسان (336/1)۔

ان اقسام کو ذکر کیا جاتا جو رب معبود کے لئے کی جاتی ہیں اور ان کے ذریعہ اللہ کی عبادت کی جاتی ہے [843] اسی لئے مصنفؒ نے عبادت کی اقسام کے بیان میں ان اقسام کو ذکر کرنا شروع کیا جن کا حکم اجمالاً وتفصیلاً دیا گیا ہے۔

اجمال: اسلام، ایمان اور احسان ہیں اور تفصیل: دعاء، خوف، رجاء، توکل اور رغبت وغیرہ ہے۔ جن کو اخیر تک ذکر کیا ہے [844]

دوسرا مسئلہ: عبادات کے وہ اصول جو عبادت کی اقسام کے لئے مرجع ہیں:

مصنفؒ کہتے ہیں عبادت کی قسمیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے جیسے اسلام، ایمان اور احسان، مصنفؒ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ تینوں عبادت کی اقسام میں سے ہیں لیکن اس میں اشکال ہے اس لئے کہ یہ دین اور اس کے مراتب کے اقسام ہیں [845] لیکن یہ ظاہر مقصود نہیں ہے، بلکہ مصنفؒ کی مراد یہ ہے کہ یہ تینوں مراتب کے آحاد وافراد عبادت کی

---

843) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (65)۔

844) شرح ثلاثۃ الأصول وأدلتھا، صالح بن عبد اللہ العصیمي (36)۔

845) المحصول في شرح الأصول الثلاثۃ، عبد اللہ بن محمد الجھني (25)۔

اقسام میں سے ہے۔ ہر عمل تعبدی ان تینوں مراتب میں داخل ہیں[846] مصنفؒ نے جو اسلام، ایمان اور احسان کو ذکر کیا ہے اس سے مقصود عبادت کے ارکان ہیں۔ بیشک یہ تینوں اصول عبادات ہیں۔اس لئے جب عبادت کے اقسام کے دلائل کو ذکر کیاتوان تینوں مراتب کے دلائل کو ذکر نہیں کیا،اس لئے کہ اس کے بارے میں اصل ثانی میں تفصیلی کلام کریں گے۔ یہ تینوں دین کی اقسام ہیں نہ کہ عبادت کی اقسام[847]مصنفؒ کا مقصود ان کے کلام کے اصول کے ذکر کے ساتھ عبادت کا ذکر ہے۔ اصول عبادات: اسلام، ایمان اور احسان ہیں، یہ تینوں اعلیٰ مراتب دین ہیں۔ عبادت کی اہم قسمیں ہیں، تمام عبادات کا دارومدار ان تینوں اقسام پر ہے۔ اسی وجہ سے مصنفؒ نے ان سے شروع کیا۔[848] اسلام: ظاہری جوارح کی عبادات کا مرجع ہے۔ہر وہ اعمال اسلام جن کااللہ نے حکم دیاہے وہ عبادت ہے جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔ ایمان: اعمالِ باطنہ کے ذریعہ دل کی عبادات کا مرجع ہے جیسے اللہ، فرشتے، کتابوں، رسولوں، آخرت پر ایمان اور اچھی و بری

---

846)شرح الأصول الثلاثة، فهد بن محمد الغفيلي(24)۔

847)المحصول في شرح الأصول الثلاثة، عبداللہ بن محمد الجهني(25)۔

848)وحاشية ثلاثة الأصول، عبدالرحمن بن قاسم(34)۔

تقدیر پر ایمان، اسی طرح خوف، محبت، رجاء اور جن چیزوں کا تعلق دل سے ہے یہ سب عبادت میں داخل ہیں اور احسان: قلبی عبادت کی انتہا ہے۔ عبادت کی اقسام میں اعلیٰ اور عظیم ہیں۔ یہ تینوں مراتب، مراتب دین، اصول دین ہیں۔ ان کی شرح مصنف کے کلام میں اصل ثانی میں آئے گی۔[849]

---

849) ینظر: شرح ثلاثة الأصول، عبد العزیز ابن باز (44)؛ شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (28)۔

مصنفؒ نے کہا: اوراس میں سے دعاء ہے:

مصنفؒ نے عبادت کی اقسام کا ذکر شروع کیا تو کہا: عبادت کی جن اقسام کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے ان میں دعاء ہے۔اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ضرورتوں کو پوری کرتا ہے۔[850]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں:

پہلا مسئلہ: دعاء کے معنی اوراس کے اقسام:

دعاء: لغت میں طلب وسوال (مانگنا) ہے۔ایسے انداز میں جس میں رغبت و گریہ وزاری ہو،[851] اور دعاء کے شرعاًدو معنی ہیں:

(ا) عام:

جس کو دعاء العبادۃ کہتے ہیں۔وہ تعریف وثناء جس میں سوال وطلب (مانگنا) نہ ہو[852] یہ ہراس عبادت کو شامل ہے جن کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔بندہ جب لسان حال سے اللہ تعالیٰ کو چمکارتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے گویا مغفرت اور قبولیت کی درخواست

---

850) تیسیر الوصول شرح ثلاثۃالأصول،د.عبدالمحسن القاسم(67)۔

851) المصباح المنیر للفیومی،بمادۃ دع و(194/1)۔

852) ینظر: مقاصدالتوحید،د.ولیدالحمدان(187)۔

کرتا ہے[853] اللہ کی پکار عبادت کی جس قسم سے ہو، عبادت کے تمام افراد کو شامل ہوتی ہے۔ تمام عبادت کے دروازے میں داخل ہوتی ہے کیوں کہ اس سے مقصود رغبت، رھبۃ، طمع اور خوف ہے۔ یہی عبادت کی روح اور اس کا راز ہے۔ عبادت کرنے والا اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادت سے پکارتا ہے[854] اور افعال جوارح اس دعاء میں داخل ہوتے ہیں جیسے ذبح صدقہ عبادت کو دعاء کہتے ہیں۔[855] اس لئے کہ بندہ ثواب کا طالب ہوتا ہے۔ عبادت میں طلب کے معنی ہیں ہر عمل جس کے ذریعے انسان اپنے رب کی عبادت کرتا ہے۔ اس کے پیچھے اس کا مقصد اللہ کی رضا طلب کرنا ہوتا ہے تاکہ جنت میں داخل ہو جائے اور جہنم سے نجات پاجائے۔[856] دعاء العبادۃ: ہر عبادت ہے جس کے ذریعہ عبادت کی اقسام میں سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے یا تو عمل جوارح سے ہوتا ہے، جیسے نماز، روزہ اور حج وغیرہ یا مانگے بغیر زبان کے ذکر سے ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی تعریف صفات

----

853) حاشیة علی رسالة ثلاثة أصول، طالب الكثيري (11)۔

854) ینظر: مقاصد التوحید، د. ولید الحمدان (187)۔

855) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن ابراهيم آل الشيخ (124)۔

856) ینظر: تیسیر العزیز الحمید في شرح کتاب التوحید، سلیمان بن عبد الله (490/1)۔

کمال اور صفات جلال کے ساتھ کرے۔یوں کہے: لاإلہ الا اللہ، الحمد للہ کثیراً، سبحان اللہ العظیم اللہ تعالیٰ کی تعریف ان جیسے کلمات سے کرے۔ثواب کی غرض سے یا اپنی ضرورت کے لئے اللہ کا وسیلہ ڈھونڈتے ہوئے۔

(۲)خاص:

دعاءالطلب والمسألۃ: اس سے مراد ہے زبان سے اپنی ضرورت کا سوال کرے کہ اے اللہ فلاں چیز میں فائدہ پہنچا اور فلاں چیز کے نقصان کو دور کردے[857] بندہ کا اپنے رب سے ایسی چیز مانگنا ہے جو اس کے لئے مفید ہو اور ہمیشہ ہو یا اس سے نقصان دور ہو۔ یہ صاف طور پر مانگنا ہے[858] دعاء میں تمام مسلمانوں کے نزدیک یہی غالب رہتا ہے، جب کہا جائے: فلاں نے دعاء کی یعنی اپنے رب سے مانگا[859] اس نوع کی دعاء بھی عبادت ہے۔اس لئے کہ بندہ کا اللہ محتاج ہوتا ہے اور اس کے سامنے انکساری کرتا ہے۔دعا کرنے والے کی پکار ہوتی ہے۔

---

857)حاشية على رسالة ثلاثة أصول، طالب الكثيري(11)۔

858)تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي(27)۔

859)التمهيد لشرح كتاب التوحيد، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ(177)، ناشر: دار المنهاج، ط. الرابعة: 1436 هجريا۔

"رب اغفر لي وارحمني وارزقني وعافني" ترجمہ: اے میرے رب میری مغفرت کردے، مجھ پر رحم کر، مجھے رزق عطا کر، مجھے عافیت دے۔

اس کے ذریعہ اللہ کی پناہ بھی ڈھونڈتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ ضرورتوں کو پوری کرے گا۔ اپنے سمع وبصر کے احاطہ، اپنے غناء کی عظمت اپنے فضل کی وسعت اور اپنی قدرت کے کمال کی وجہ سے۔

دوسرا مسئلہ: دعاءِ عبادت کی اہمیت :

چند وجوہات کی وجہ سے مصنفؒ نے عبادات کی اقسام کے ذکر میں پہلے دعاء کی عبادت سے کیا :

(۱)لوگوں سے اکثر شرک اسی میں ہوتا ہے جو بھی قرآنی آیات کی تلاوت کرے گا تو وہ دیکھے گا کہ جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے بچنے کا حکم ہے ان میں اکثر مقامات دعاء میں شرک سے بچنے کا حکم آیا ہے۔

(۲)اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا عبادت کی اقسام میں اہم اور عظیم ہے کیوں کہ اس میں عبادت گزاری کی تمام اقسام جمع ہو جاتی ہیں جو دوسری عبادت میں نہیں ہوتی۔ دعاء عبادات قلبیہ میں سے ہے۔ کیوں کہ دل اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ حضور قلب سے اللہ سے

درخواست کرتا ہے اور اللہ کی عبادت توجہ، قصد وارادہ تحمید وتقدیس، طلب وسوال، اللہ کی نعمت سے رغبت اور اس کے عذاب سے رہبت (ڈرنے) کا نام ہے۔ اسی طرح دعاء عبادات لسانیہ میں سے ہے۔ بندہ زبان سے اللہ سے درخواست کرتا ہے۔

تمجید (بزرگی بیان کرنا)، تحمید (تعریف کرنا) تقدیس (پاکی بیان کرنا) طلب وسوال گریہ و زاری اور عاجزی وانکساری کے ذریعہ۔ دعاء میں بدنی عبادت ہے کیوں کہ بندہ اللہ کے سامنے عاجزی وانکساری کرتا ہے[860] اللہ سے دعا کرنا اہم ترین عبادات اور قربت کا اہم ترین ذریعہ ہے بلکہ عبودیت کا اجتماع ہے۔ اس لئے کہ اس میں رغبت ورہبت، گریہ و زاری، عبودیت کا اظہار، اس کے سامنے فروتنی اور محتاجی ہے[861] اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالی کے نزدیک دعاء سے زیادہ معزز کوئی چیز نہیں ہے۔"[862] دعاء سے

---

860) ينظر: تصحيح الدعاء، بكر بن عبد الله أبو زيد (17،19)، دار العاصمة للنشر والتوزيع.

861) مقاصد التوحيد، د. وليد الحمدان (183).

862) أخرجه ابن حبان في صحيحه، كتاب الرقائق، ذكر البيان أن دعاء المرء لله عز وجل من أكرم الأشياء عليه، برقم (870)؛ والحاكم في مستدركه، كتاب: الدعاء والتكبير والتهليل والتسبيح والذكر، ليس شيء أكرم على الله من الدعاء، برقم: (1821)، وصححه الحاكم، ووافقه الذهبي.

مصنفؒ نے آغاز کیا تاکہ عبادت کی شروعات اجمال سے ہو، نیز اس کی اہمیت کی وجہ سے دعاء سے شروع کیا۔ اس لئے کہ عبادت کی اہم ترین قسم ہے۔ تمام عبادتوں کا مرجع ہے۔[863]

تیسرا مسئلہ: (ومنہ: الدعاء): شارحین کا "منہ" کی ضمیر کے لوٹنے میں اختلاف ہے۔

چند اقوال دیکھئے۔

(۱) ضمیر أمر کی طرف لوٹ رہی ہے یا "نوع العبادة" کی طرف، معنی ہوگا عبادت کے أمر میں سے یا عبادت کی قسم میں سے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا[864] (ومنہ: الدعاء) یعنی جن عبادت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان میں دعاء ہے[865]

(۲) ضمیر فعل عبادت کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی دعاء: فعل عبادت میں سے ہے جس کا تعلق اسلام، ایمان اور احسان سے ہے[866]

---

863) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (120،124)۔

864) ينظر: شرح الأصول الثلاثة، عبد العزيز الراجحي (40)؛ وتنبيه العقول إلى كنوز ثلاثة الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (340/1)۔

865) شرح ثلاثة الأصول، خالد بن عبد العزيز الباتلي (72)، وشرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (75)۔

(۳)"منه" کی ضمیر "الدین" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس لئے دین کے بارے میں کلام کیا ہے یعنی من أنواع الدين أو مراتب الدين.[867]

(۴)"منه" کی ضمیر مذکورہ چیزوں کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی من المذکور الذی ھوالاسلام والإیمان والاحسان ان قسموں کا ذکر عنقریب آئے گا جو ان تینوں اقسام میں داخل ہیں.[868]

(۵) ضمیر "العبادہ" کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہ مؤنث ہے۔ یاالأنواع کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہ جمع ہے۔ اس قول کی بنیاد پر درست لفظ ہوگا: (ومنھا) یعنی من العبادات الکثیرۃ: دعا، خوف اور رجاء وغیرہ اور لفظ (ومنہ) طباعت کی غلطی ہے[869]

---

866) الشرح الصوتي، تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1437 هجريا۔

867) شرح الأصول الثلاثة، فهد بن محمد الغفيلي (24)۔

868) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد الأنصاري (22)۔

869) شرح ثلاثة الأصول، د. محمد أمان الجامي (50)؛ والتعليق المأمول على ثلاثة الأصول، أ. د. عبد الرحمن السديس (234)۔

سابقہ اقوال کی روشنی میں مصنف کا قول یہاں (ومنہ) صحیح ہوگا۔ اس لئے کہ ضمیر "من" انواع یاأمر یادین کی طرف لوٹ رہی ہے اس لئے صیغہ مذکر آیا۔

چوتھامسئلہ: (الدعاء)۔

اس سے پہلے یہ آچکا ہے کہ دعاء کے دو معنی ہیں: (۱) دعاء العبادة۔ (۲) دعاء المسألة والطلب، مصنف کے قول میں یہاں اختلاف ہے۔ (ومنہ: الدعاء): دعا کی دونوں قسموں کو شامل ہے یاایک کو؟

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ دعاء یہاں دعاء العبادۃ اور دعاء المسألۃ دونوں کو شامل ہے۔[870]

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے دعاء کا خاص معنیٰ مراد لیا جائے۔ وہ ہے: سوال و طلب (مانگنا)۔ مصنفؒ نے یہاں عبادت کا اعتبار خشوع و خضوع اور عاجزی و انکساری کے معنیٰ میں کیا ہے اور دعاء کا اعتبار سوال و طلب کے معنیٰ میں کیا ہے۔ عبادت مصنف کے کلام میں دعاء سے عام ہے اور یہ مصنف کا اعتبار کرنا اس رسالہ کے مخاطب کو سمجھانے کے لئے آسان ہے۔ (ومنہ الدعاء) یعنی عبادت کی اقسام میں سے دعاء المسألۃ ہے۔ اس لئے کہ یہ

---

870) شرح الأصول الثلاثة، فهد بن محمد الغفيلي (25)۔

عبادت کو شامل ہے[871] اس قول پر اشکال ہوتا ہے کہ جب کہا جائے کہ یہاں سوال وطلب ہے تو اشکال ظاہر ہو گا۔ اس لئے کہ مصنف ؒ عنقریب عبادت کی اقسام میں سے استعاذہ، استغاثہ اور استعارہ کو ذکر کریں گے اور یہ دعا طلب و سوال ہے اس لئے دعا کو یہاں ایسی چیز پر محمول کرنا ضروری ہے جو دعاء استعانہ، استغاثہ اور استعاذہ نہ ہو تو صرف آخرت میں سوالِ شفاعت اور دنیا میں توسط باقی رہ جائے گا تو دعاء جب یہاں استعانت کے ساتھ جمع ہو گی تو طلب وساطت کے معنی پر عطف نہیں کیا جائے گا۔

پانچواں مسئلہ: دعاء المسألۃ اور دعاء العبادۃ میں تعلق:

محققین اہل علم نے ثابت کیا ہے کہ در حقیقت دعاء المسألۃ اور دعاء العبادۃ کے درمیان فرق نہیں ہے۔ اس لئے کہ دعاء المسألۃ، دعاء العبادۃ کو شامل ہے۔ دعاء العبادۃ، دعاء المسألۃ کو مستلزم ہے۔ دعاء المسألۃ کے دعاء العبادۃ میں شامل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پسند کرتا ہے کہ اس سے مانگے، جب مانگنے والا اپنے رب کو پکارتا ہے تو وہ اپنے مانگنے کو اللہ کے لئے خالص کر دیتا ہے اور یہ افضل عبادات میں ہے۔ دعاء المسألۃ عبادت کو شامل ہے۔ اس لئے کہ دعاء کرنے والا جس سے دعاء کرتا ہے اس کی طرف رغبت کرتا ہے

---

871) شرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ بن سعد أبا حسین (88)۔

اس کے سامنے خشوع و خضوع اختیار کرتا ہے اس سے عاجزی و انکساری کرتا ہے۔ دعاء العبادة، دعاء المسألة کو مستلزم ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہے تو وہ مانگنے کی دعاء کرتا ہے اور یہ اللہ کی عبادت کو شامل ہے۔ اللہ کا ذکر کرنے والا، اس کی کتاب کی تلاوت کرنے والا، نماز پڑھنے والا، قربانی وغیرہ سے اللہ کا قرب حاصل کرنے والا، وہ اس معنی میں اللہ سے مانگنے والا ہوتا ہے کہ وہ دعاء وعبادت میں ہوتا ہے، یعنی جس نے نماز پڑھی تو نماز پڑھنے یہ لازم آتا ہے کہ وہ اللہ سے قبولیت کی درخواست کر رہا ہے اور اللہ سے ثواب کی درخواست کرتا ہے۔ لہٰذا دعاء المسألۃ، دعاء العبادة کو شامل ہوگا اور دعاء العبادة، دعاء المسألۃ کو مستلزم ہوگا[872] یہ تقسیم قرآن کے دلائل کو سمجھنے میں اہم ہے اور ان دلائل کو سمجھنے میں جن کا ذکر اہل علم کرتے ہیں۔ اس لئے کہ شرک دعوت دینے والوں سے یہ بات حاصل ہو چکی ہے کہ وہ ان آیات کی تاویل کرتے ہیں جن میں دعاء کا دعاء العبادة سے ذکر ہے۔ یہ لوگ دعاء العبادة کا انکار نہیں کرتے ہیں لیکن دعاء المسألۃ کے عبادت ہونے کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم اہل قبور کے لئے نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ ان کے لئے سجدہ نہیں کرتے ہیں لیکن ہم ان سے ایک درخواست کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ دعاء

---

(872)ینظر: التمهيد لشرح كتاب التوحيد، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ(179-180)۔

جوآیات میں ہیں وہ عبادت ہے نہ کہ طلب و مسألۃ۔اور عبادت و مسئلہ کے درمیان فرق کیا ہے۔اس تفریق سے ان کا مقصود یہ ہے کہ دعاء المسألۃ شرک نہیں ہے۔ اگر مانگنے والا مردہ کو پکارتا ہے یا غائب یا جمادات کو تو یہ دعاء طلب ہے عبادت نہیں ہے۔اس کے جواب دو ہیں:

(ا)دعاء المسألۃ اور دعاء العبادۃ میں کوئی فرق نہیں ہے۔یہ ایک ہی ہے۔یا شمولیت یا لزوم کے ساتھ ہے۔ معلوم ہے کہ دلیل تضمن یا لزومی راضح لغوی دلیل ہے، قرآن و سنت میں[873] شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس معنی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں معبود کے لئے نفع وضرر کا مالک ہونا ضروری ہے۔جب وہ نفع وضرر کے لئے پکارا جاتا ہے تو دعاء مسألۃ ہے اور جب خوف و رجاء کے طور پر پکارا جاتا ہے تو دعاء عبادت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ دونوں قسمیں لازم وملزوم ہیں۔ ہر دعاءِ عبادت، دعاءِ مسألۃ کو مستلزم ہے اور ہر دعاء

---

873)ینظر: شرح فتح المجید، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(509/1)، تحقیق وعنایۃ: عادل رفاعی، ناشر: مکتبۃ دار الحجاز، ط.1435 ھجریا؛ المحصول من شرح ثلاثۃ الأصول، الغنیمان(97)۔

مسألۃ دعاء عبادت کو مستلزم ہے۔ اسی اصول پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: {وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ}[874]

ترجمہ: ”اور اے نبی، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں

یہ دعاء کی دو قسموں کو شامل ہے اور ان میں سے ہر ایک سے آیت کی تفسیر کی گئی ہے۔ کہا گیا: میں اسے دیتا ہوں، جب وہ مجھ سے مانگتا ہے اور کہا گیا: میں اسے ثواب دیتا ہوں جب وہ میری عبادت کرتا ہے۔ یہ دونوں قول لازم و ملزوم ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ لفظ مشترک کا استعمال دونوں معنی میں ہے۔ یا لفظ کا استعمال حقیقت و مجاز میں ہے بلکہ اس کا استعمال درحقیقت دونوں معنی کو ایک ساتھ شامل ہے۔ غور کیجئے یہ بہت ہی نفع بخش موضوع ہے۔ وہی کہئے جو اس کا مفہوم ہے۔ اکثر قرآن کی آیات دو یا دو سے زیادہ معنی پر

---

874) سورۃ البقرۃ، الآیۃ (186)۔

دلالت کرتی ہیں۔ یہ اس قبیل سے ہے[875] ان لوگوں کا قول باطل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ دعاء المسألۃ عبادت نہیں ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دعا عبادت نہیں ہے ان کا قول کتاب و سنت کے مخالف ہے۔ ارشاد ربانی ہے: {ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ (13) إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ (14)}[876]

ترجمہ: وہی اللہ (جس کے یہ سارے کام ہیں) تمہارا رب ہے بادشاہی اسی کی ہے اُسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پر کاہ کے مالک بھی نہیں ہیں۔ انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

---

875) مجموع الفتاوی (15/10-11)۔

876) سورۃ فاطر: 13 و 14۔

صریح ہے کہ جس دعاء سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے وہ دعاءالمسألة ہے۔ پھر اس کو شرک کے ساتھ متصف کیا۔ارشاد ہے: "يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ"، یہ ان لوگوں کے خیال کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ دعاءالمسألة عبادت نہیں ہے [877]

---

877) ینظر: الرد علی شبهات المستغیثین، أحمد بن إبراهیم بن عیسی (42)، نشره وصححه: عبد السلام بن برجس، ط. الأولى 1409 هجريا۔

مصنفؒ نے کہا: خوف، رجاء، توکل، رغبت، رھبۃ، خشوع، خشیت، انابت، اسعانت، استعاذہ، استغاثہ، ذبح اور نذر۔

مصنفؒ نے یہاں عبادت کی اقسام کی تفصیل شروع کی ہے چنانچہ چودہ عبادات کو ذکر کیا جن سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ سب سے پہلے دعاء سے آغاز کیا اور یہاں جملہ دوسری عبادات کا ذکر کیا چنانچہ کہا عبادت کی وہ قسمیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ مذکورہ بالا عبادات ہیں، یہ ساری عبادتیں صرف اللہ کے لئے ہیں۔ ان عبادات میں بعض اعتقادات، اعمال قلبیہ ہیں۔ بعض اقوال لسانیہ، بعض اعمالِ جوارح، بعض عبادات قلبیہ اور یہی اکثر وغالب ہے۔ جیسے خوف رجاء، توکل، رغبت، رھبت، خشیت، بعض عبادات فعلیہ جیسے نذر، بعض عبادات قولیہ جیسے دعاء، پھر مصنفؒ نے تمام عبادات قولیہ، فعلیہ اور قلبیہ کی

مثال دی ہے[878] اس پر کلام تفصیل سے مصنف کے کلام میں دلائل کا ذکر کرتے وقت آئے گا[879]

----

878) تیسیر الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (67)؛ شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (29)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبد الرحمن بن ناصر البراک (19)؛ تعلیقات علی ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصیمي (26)۔

879) ینظر: ص (291) ومابعدها۔

مصنف کہتے ہیں: اس کے علاوہ عبادت کی اقسام جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

جب مصنفؒ نے ان عبادتوں کی مثالوں کو ذکر کیا جن کا حکم دیا گیا ہے تو یہاں اس ضابطہ کو ذکر کیا جو عبادت کی اقسام کو شامل ہے چنانچہ کہا: اس کے علاوہ عبادت کی بہت سی قسمیں ہیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ ہر وہ عبادت جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے، خواہ وجوب کا حکم دیا ہو یا استحباب کا عبادت ہے جیسے والدین کی فرمانبرداری کرنا، صلہ رحمی کرنا، مہمان کی عزت کرنا، حسن اخلاق سے پیش آنا، عبادت کی تمام اقسام جو ذکر کی گئیں ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ دوسرا ان میں سے کسی چیز کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ نہ مقرب فرشتے، نہ نبی، نہ رسول چہ جائیکہ ان کے علاوہ اس سے زیادہ گمراہ اور ظالم کوئی نہیں ہو سکتا جو کسی مخلوق مربوب کے لئے ان میں سے کچھ کرے.[880]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

---

880) وحاشية ثلاثة الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (34)؛ حصول المأمل بشرح ثلاثة الأصول، عبداللہ الفوزان (72)؛ وتیسیر الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبدالمحسن القاسم (67)۔

پہلا مسئلہ: لغوی وشرعی اعتبار سے عبادت کا مفہوم :

لغت کے اعتبار سے عبادت کی اصل خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری ہے [881] جب اس کی طرف محبت واطاعت کی نسبت ہو جائے تو عبادت شرعیہ ہو جائے گی [882]

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: عبادت کے اصل معنی عاجزی وانکساری ہے۔ طَرِیْقٌ مُعَبَّدٌ اس راستہ کو کہا جاتا ہے جو ہموار ہو اور خوب چالو ہو لیکن جس عبادت کا حکم دیا گیا ہے وہ نرمی، عاجزی وانکساری کے معنی کے ساتھ محبت کے معنی کو بھی شامل ہے۔ یہ اللہ کے لئے انتہائی محبت کے انتہائی عاجزی ونرمی کو شامل ہے [883]

اللہ کی عبادت کے شرعاً دو معنی ہیں :

(۱) عام:

---

881) الصحاح، للجوهري (427/1)۔

882) ينظر: لسان العرب، لابن منظور، فصل: العين المهملة، عبد؛ والمصباح المنير، للفيومي (389/2)؛ وشرح فتح المجيد، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (59/1)۔

883) رسالة العبودية مطبوعة ضمن مجموع الفتاوى (153/10)۔

شریعت کے خطاب کی بجاآوری محبت، عاجزی وانکساری کے ساتھ۔[884]

----

884)«وعُبِّر (بالخضوع) في بيان المعنى العام للعبادة دون الذل لأمرين:

أحدهما: موافقة الخطاب الشرعي؛ لأن (الخضوع) مما يعبد الله به بخلاف (الذل)، فالخضوع يكون دينياً شرعياً، وكونياً قدرياً؛ وأما الذل فهو كوني قدري لا ديني شرعي، فيُتقرب إلى الله بالخضوع ويكون عبادة له، ولا يُتقرب إلى الله بالذل ولا يكون عبادة

دينية شرعية وليست كونية قدرية. وحينئذ يكون الخضوع شرعياً وكونياً بخلاف الذل فإنه لا يكون إلا كونياً قدرياً، والدليل على كون الخضوع عبادة للمخاطبين بالأمر والنهي ما روى البيهقي بسند صحيح في السنن الكبرى في قنوت عمر ﷺ أنه كان يقول:

فإنه أمر قدري كوني۔

والآخر: أن الذل ينطوي على الإجبار والقهر جامعاً محذورين: **الأول**: أن قلب الذليل فارغ من الإقبال الذي هو حقيقة العبادة، **والثاني**: أنه يتضمن نقصاً لا يناسب مقام عبادة الله المورثة كمال الحال، قال تعالى: (خاشعين من الذل) [الشورى: 45]، وقال تعالى: (ترهقهم ذلة) [القلم: 43]، فالعبادة تجمع الحب والخضوع، لا الحب والذل؛ وعليه فما جرى في كلام جماعة من أهل العلم: أن العبادة تجمع الذل والمحبة فيه نظر، وإنما تجمع الخضوع والمحبة؛ لأجل ما ذُكر».

(۲)خاص:

توحید[885]

عام معنی کے اعتبار سے عبادت کی شرعاً متعدد تعریف کی گئی ہے چند یہ ہیں۔

(ا) جس کا شارع نے عقلی تقاضے اور عرف سے ہٹے بغیر حکم دیا ہو[886]

یہ تعریف اکثر علماء کے نزدیک مشہور ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کا حکم دیا گیا ہے وہ عقل کے تقاضے کے خلاف اور عرف سے ہٹ کر نہیں ہے۔ اس لئے وہ عبادت ہے[887] اس لئے کہ عبادت توفیقی ہے لیکن محض عقل اور محض عرف کے مطابق نہیں ہے کیوں کہ عبادت محض عقل اور محض عرف سے ثابت نہیں ہوتی ہے بلکہ

ینظر: تعلیقات علی ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصیمي(22). وشرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضیلة الشیخ صالح بن عبد الله العصیمي(20)، الکتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي1436ھ۔

885) المصدر السابق۔

886) التحبیر شرح التحریر في أصول الفقه، علي بن سلیمان المرداوي(1001/2)، تحقیق: د. عبد الرحمن الجبرین، د. عوض القرني، د. أحمد السراح، ناشر: مکتبة الرشد، الریاض، ط. الأولی 1421 ھجریا۔

887) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(66)۔

شریعت سے ثابت ہوتی ہے[888] شارع نے جس عبادت کا حکم دیا ہے اس کا لحاظ کئے بغیر کہ محض عرف دلالت کرے یا محض عقل دلالت کرے۔

(۲)عبادت ایسا جامع لفظ ہے جو ہر اقوال، اعمال باطنہ و ظاہرہ کے لئے بولا جاتا ہے۔[889] جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور جن سے اللہ راضی ہوتا ہے یہ وہ ہیں جن کا حکم دیا گیا ہے یا جن کے بارے میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور ان سے راضی ہوتا ہے[890] یہ تعریف عبادت کی جامع ہے کیوں کہ عبادت کا ہر فرد اس میں داخل ہے[891]

(۳)عبادت: ہر اس چیز کا نام ہے جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے وجوب کے طور پر یا استحباب کے طور پر دیا ہو۔[892]

---

888)شرح الأصول الثلاثة، د. صالح بن فوزان الفوزان(123)۔

889)رسالة العبودية ضمن مجموع الفتاوی(149/10)۔

890)شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(67)۔

891)وحاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم(34)۔

892)تأسیس التقدیس فی کشف تلبیس داود بن جرجیس، تألیف: عبد اللہ بن عبد الرحمن أبا بطین(101/1)، تحقیق: عبد السلام العبد الکریم، ناشر: مؤسسة الرسالة، ط. الأولی 1422 ھجریا۔

جب کسی چیز کے کرنے کا شرعاً مطالبہ کیا گیا ہو اور اس پر ثواب مرتب کیا گیا ہو تو یہ فعل جس کا حکم دیا گیا ہے عبادت شمار کیا جائے گا۔ اس لئے کہ اس سے اللہ محبت کرتا اور راضی ہوتا ہے[893]۔[894]

بہتر یہ ہے کہ ساری تعریف کو ایک کر کے یوں کہا جائے کہ عبادت ایک ایسا جامع لفظ ہے جو ہر اس چیز کو شامل ہے جس سے اللہ محبت کرتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے خواہ اقوال ہو، یا اعمال باطنہ ظاہرہ واجب و مستحب تاکہ واضح ہو جائے کہ عبادت صرف واجبات کا نام نہیں ہے بلکہ عبادت میں مستحباب بھی داخل ہیں۔[895]

یہ تینوں اقوال عبادت کی تعریف میں ملتے جلتے ہیں۔ مختلف نہیں[896] وہ قول و عمل جن کے کرنے نہ کرنے سے اللہ راضی ہوتا ہے اور ہر وہ قول و عمل جس کے کرنے نہ

---

893) ینظر: شرح فتح المجید، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (59/1)، تحقیق: عادل بن محمد رفاعی۔

894) قال ابن تیمیۃ: الوضوء عبادۃ؛ لأنہ لا یعلم إلا من الشارع، وکل فعل لا یعلم إلا من الشارع، فھو عبادۃ، کالصلاۃ والصوم؛ ولأنہ مستلزم للثواب کما وعد علیہ النبي.. المتوضئ بتکفیر خطایاہ۔

895) شرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد بن عبداللہ المصلح (29)۔

896) شرح فتح المجید، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (60/1)، تحقیق: عادل بن محمد رفاعی۔

کرنے پر ثواب دیا جاتا ہے وہ عبادت ہے۔ان واجبات و مستحبات میں کرنا داخل ہے اور محرمات ومکروہات کانہ کرنا داخل ہے۔عبادت پورے دین کو شامل ہے۔اللہ تعالیٰ سے مکمل اور آخری درجہ کی محبت کو شامل ہے۔اللہ تعالیٰ کے سامنے مکمل عاجزی وانکساری اور آخری درجہ کی عاجزی و نرمی کو شامل ہے۔[897] ہر وہ اقوال و اعمال ظاہرہ و باطنہ جس میں کمال محبت، کمال خوف، کمال رجاء ہو عبادت ہو[898] اگر اس سے خالص اللہ کے لئے کیا نبی ﷺ کی ہدایت کے مطابق تو اس کو اجر و ثواب ملے گا اور اگر اس نے غیر اللہ کے لئے کیا تو شرک اکبر ہوگا۔ ملت سے خارج ہوگا۔ اگر نبی کی ہدایت کے بغیر کیا تو بدعت ہے۔[899]

عبادت کا اطلاق دو چیزوں پر کیا جاتا ہے:

(ا) تعبُّد:

---

897) تصحیح الدعاء، بکر بن عبداللہ أبوزید(235)۔

898) مقاصد التوحید، د. ولید الحمدان(142)۔

899) المصدر السابق۔

وہ عابد کا فعل ہے تو وہ اس معنی میں ہے کہ اللہ کے سامنے عاجزی وفروتنی اختیار کرنا ہے اور اوامر کو کر کے اور نواہی سے بچ کر محبت اور تعظیم کے طور پر۔

(۲) مُتَعَبَّدٌ بِہٖ:

ہر قول یا ظاہر و باطن فعل جس سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کی جائے[900] تو جو بھی عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے کی جاتی ہے اس کا جامع نام ہو گا، جیسے طہارت، صلاۃ، صدقہ، صوم، حج، برالوالدین (والدین کی فرمانبرداری) اور صلۃالأرحام (صلہ رحمی)[901]

عبادت کا اطلاق دو باتوں پر کیا جائے گا۔ اس فعل پر اطلاق ہو جس کو عبادت گزاری کے طور پر کرتے ہیں، کہا جائے گا فلاں نے اپنے رب کی عبادت کی، اس کے اطلاق کے اعتبار سے فعل کا تعارف کرایا جائے گا اس طور پر کہ اللہ کے سامنے عاجزی وانکساری ہو محبت اور تعظیم کے طور پر اس کے اوامر کو انجام دے کر اور نواہی سے بچ کر اور مفعول متعبد بہ پر اطلاق ہوتا ہے۔ اس معنی میں ابن تیمیہؒ نے تعریف کی ہے: ایسا جامع لفظ ہے جو ہر اس

---

900) القول المفید علی کتاب التوحید (10/1)؛ وتفسیر الفاتحۃ والبقرۃ، لابن عثیمین (74/1)۔

901) مجموع فتاوی ورسائل الشیخ محمد بن صالح العثیمین (225/4)۔

اقوال، اعمال ظاہرہ وباطنہ کو شامل ہے جس سے اللہ محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ راضی ہوتا ہے[902]

دوسرا مسئلہ: عبادت کا ضابطہ:

مصنف کا قول: التی أمر اللہ بها۔ علماء کے نزدیک عبادت کی بعض حدود کی طرف اشارہ ہے[903] جو عبادت کی علامت ہے، اس لئے کہ شریعت نے اگرچہ عبادت کی کوئی جامع

---

902) شرح الواسطية، محمد بن صالح العثيمين (26/1)۔

وقد اعترض بعض المعاصرين على هذا الحد لابن تيمية، وغلطوا في اعتراضهم، لانهم لم يفرقوا بين إرادة المفعول والفعل، وابن تيمية لماذ1 كر هذا الحد أراد العبادة المفعولة التي تطلب شرعًا، فالعبادة المفعولة التي تطلب شرعًا هي: كل مايحبه الله من الأقوال والأعمال الباطنة والظاهرة، وأما تعريف العبادة بالنظر إلى كونها فعلًا فهو: تألہ القلب المقترن بالحب والتعظيم، والمراد ب(تألہ القلب) هو تعظيمه وإجلاله، فإن كان هذا التألہ فهو عبادة توحيدية، وإن كان لغير الله فهو عبادة شركية.

فالحد الجامع في تعريف العبادة أنها: تألہ القلب المقترن بالحب والخضوع، وهذا يشمل مايكون لله ومايكون لغيره، وماذكره أبو العباس ابن تيمية لايقال إنه غلط، بل يقال إن له مأخذا معتدًا به، وهو إرادة العبادة المفعولة، أي: من جهة كونها مفعولًا مطلوبًا من العبد، فيكون كلامه صحيحًا، لمن تبين له التفريق بين العبادة المفعولة وبين العبادة التي هي فعل العبد۔ ينظر: تعليقات الشيخ صالح العصيمي على إبطال التنديد، للعلامة حمد بن عتيق۔

تعریف نہیں کی ہے جس کے ذریعہ اس تک پہنچا جائے۔ انہی میں الَّامر بھا جن کا حکم ہے ان میں تعلیق الایمان بھا جن سے ایمان کا تعلق ہے اور انھیں میں مدح عامل بھا جن کے کرنے والے کی تعریف بیان کی گئی ہے جن کے کرنے والے کی تعریف کی گئی ہے وہ اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ جس عمل کو وہ کرتا ہے ایسی عبادت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فعل واجب یا مستحب یا حرام کے چھوڑنے پر ہی تعریف کرتا ہے اور یہ عبادت کی علامت ہے۔ اس لئے کہ عامل کے لئے اللہ کی محبت کا فائدہ دیتا ہے۔ اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ عمل خود عبادت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔ مصنفؒ نے جب اس رسالہ میں مختلف عبادات کو ذکر کیا تو ان کی چھ جہات کو بیان کیا۔ ہر جہت اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے ساتھ ذکر کی گئی چیزیں عبادت ہے[904] اور عنقریب اس کا بیان آئے گا[905]

مصنفؒ کی اس قید (التی أمر اللہ بھا) سے دو باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

---

903) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (112)۔

904) تعليقات الشيخ صالح العصيمي على إبطال التنديد باختصار شرح التوحيد، للعلامة حمد بن عتيق۔

905) ينظر: ص (363-365).

(۱)ہر قول و عمل جس کے بارے میں ثابت ہے کہ یہ شارع کا حکم ہے یا شارع نے اس کی تعریف کی ہے یا کرنے والے کی تعریف کی ہے تو وہ عبادت و قربت ہے اور ہر وہ کام جس کے بارے میں شارع سے نہیں ثابت ہے، یا شارع نے اس کی مذمت کی ہے یا کرنے والے کی مذمت کی ہے تو اس سے باز آجانا، چھوڑ دینا اور دور ہونا بھی عبادت ہے۔

(۲)اللہ تعالیٰ کی طاعت و بندگی ان تمام میں ہو، خواہ توحید ہو ایمان ہو، عبادت ہو، اخلاق ہو، ان میں کسی کو بھی غیر اللہ کے لئے کرنا شرک و کفر ہے[906]

تیسرا مسئلہ: مصنف کے قول کلھا اللہ تعالیٰ کی وضاحت۔

یہ دلیل ہے کہ عبادت ظاہرہ یا باطنہ، قلبیہ یا لسانیہ یا جن کو جوارح سے انجام دیا جاتا ہے۔ یہ سب اللہ ہی کے لئے درست ہے۔ جس نے ان میں کچھ غیر اللہ کے لئے کیا تو یہ اس کے اس اقرار کے منافی ہے کہ اس کا معبود اللہ جل وعلاہی ہے اور یہ شرک ہے اور اس ارشاد کے منافی ہے {يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ} ترجمہ: لوگو! بندگی

---

906) عقيدة محمد بن عبد الوهاب السلفية وأثرها في العالم الإسلامي، المؤلف: صالح العبود (646/1)؛ وينظر: القول السديد في مقاصد التوحيد، عبد الرحمن السعدي (64).

اختیار کرو اپنے اُس رب کی جو تمہارا خالق ہے۔[907]۔ چنانچہ ان عبادات میں سے اگر کسی نے کوئی کام بھی غیر اللہ کے لیے کیا تو وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والا ہو گا، اور یہی شرک ہے۔[908]

----

(907)سورۃ البقرۃ، الآیۃ(21)۔

(908)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(69)۔

مصنفؒ نے کہا: دلیل ارشاد باری ہے: {وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (18)}[909] ترجمہ: اور واقعی مساجد اللہ کے لئے ہیں۔اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔

مصنفؒ نے اس سے پہلے ثابت کیا کہ عبادت کی تمام قسمیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، غیر اللہ کے لئے درست نہیں ہے۔پھر یہاں دلیل ذکر کی وَأَنَّ الْمَسٰجِدَ یعنی نماز کی جگہیں یا سجدہ کے تمام اعضاء اللہ کی ملک اور خلق ہیں۔عبادت کا صرف وہی مستحق ہے۔فَلَاتَدْعُوْا۔ عبادت میں غیر اللہ کی شرکت جائز نہیں ہے،نہ دعاء عبادت میں اور نہ دعا مسألۃ میں ''مَعَ اللّٰہِ أَحَدًا''خواہ کوئی بھی ہو،زمین کی ساری چیزیں تنہا اللہ کی ملکیت ہیں۔اس لئے زمین میں صرف اسی کی عبادت کرو۔[910]

اس سیاق میں مصنف نے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں!

پہلا مسئلہ: لفظ المساجد کی تفسیر۔

---

909) سورۃ الجن،الآیۃ(18)۔

910) تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (69)؛ حصول المأمل بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ الفوزان(72)۔

اس سلسلے میں مفسرین کے اقوال گزر چکے ہیں[911] اس کی دو مشہور تفسیر ہیں :

(۱)وہ جگہیں جو اللہ کی عبادت کے لئے بنائی گئیں ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جگہیں صرف اللہ کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں۔اس میں غیر اللہ کی عبادت مت کرو۔

(۲)وہ اعضاء جن کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے زمین پر اپنا سجدہ کرنے کے لئے پیدا کیا یعنی چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں، ان سے غیر اللہ کو سجدہ نہیں کیا جائے گا اور آیت دو معنی پر مشتمل ہے: وَأَنَّ الْمَسَٰجِدَ یعنی زمین کا وہ حصہ جس میں نماز پڑھی جاتی ہے اور سجدے کے اعضاء سب اللہ جل وعلا کے لئے ہے۔"فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا"،ان مساجد میں نہ دعاء عبادت ہو گی نہ دعاء مسألۃ یعنی ان مساجد میں اور اس زمین کو شرک کی جگہ اور غیر اللہ کی دعاء کی جگہ مت بناؤ بلکہ مساجد کو شرک، بدعت اور گناہوں سے پاک کرنا ضروری ہے۔اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔اس میں وہی چیزیں ہوں گی جن سے اللہ راضی ہوتا ہے۔اس میں قبریں نہیں ہوں گی نہ اس میں غیر اللہ کے لئے دعاء اور نہ اس میں بدعات ہوں گی اور نہ اپنے اعضاء کو غیر اللہ کے سجدہ کے لئے استعمال کرو۔اس لئے کہ اعضاء اللہ کی نعمت ہے جس کو اللہ نے تم کو عطا کیا ہے۔وہ اسی کے لئے ہیں۔اس لئے ان

---

(911)ینظر: ص(142)۔

پر شکر ادا کیا جانااوران کے ذریعہ عبادت کیا جاناضروری ہے۔ان اعضاء سے اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو۔[912]

مساجد عام ہے۔ سجدہ کی جگہوں،عبادت کی جگہوں اور عبادت کے افعال کے لیے[913]۔

دوسرا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ:

آیت تنہااللہ کی عبادت کے وجوب کی دو طرح سے دلیل ہے:

(1) "وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ" مسجد کی جگہوں اور عبادت کے اعضاء کا ہونا تنہااللہ کے لئے ہے۔اس کے ساتھ کوئی اور دعویٰ نہ کرے[914]

(2)"فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا " لفظ اَحداً نکرہ ہے جو نھی کے سیاق میں آیا ہے۔ ہر ایک کو عام ہے،اللہ کے علاوہ جو بھی ہیں ان میں سے کسی کو مت پکارو۔ فرشتہ نہ نبی کو، ولی نہ درخت کو، پتھر نہ جن اور نہ جمادات وغیر کو[915]

---

(912)ینظر: وحاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (35)؛المحصول من شرح ثلاثۃ الأصول، الغنیمان (98)؛ حصول المأمل بشرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ الفوزان (72)۔

(913)فادۃ المسؤول عن ثلاثۃ الأصول، عبداللہ القصیر (58)۔

(914)أضواء البیان في إیضاح القرآن بالقرآن، لمحمد الأمین الشنقیطي (350/8)۔

اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت اس کی دلیل ہے کہ ساری عبادت ایک اللہ کے لئے ہے۔ اس لئے کہ غیر اللہ کی عبادت سے ممانعت اس کے مقابل کے حکم کو مستلزم ہے۔ وہ تنہا اللہ کی عبادت ہے۔ گویا آیت کی ترتیب یوں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو بلکہ صرف اللہ کی عبادت کرو[916] اثبات و نفی کے درمیان جمع انتہائی بلیغ حصر اس کا جو اس کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور یہ انتہائی بلیغ ہے کہ ساری عبادت اللہ کے لئے ہے۔ اس لئے کہ عبادت کو اسی کے لئے ثابت کیا ہے۔ وَأَنَّ الْمَسَٰجِدَ لِلَّهِ اس کے بعد مساجد کی نفی غیر سے کی فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا تو ساری عبادت ایک اللہ کے لئے ہو گئی۔[917]

تیسرا مسئلہ: آیت ودعا کی دونوں قسموں پر مشتمل ہے۔

اس آیت میں نہی دعاء کی دونوں قسم عبادت اور مسئلہ دونوں کو شامل ہے۔ یعنی اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت کرو نہ کسی سے مانگو۔ یہ آیت دلیل ہے کہ تمام قسم کی عبادت تنہا اللہ

---

915) ینظر: شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهيم (114)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبد العزيز الراجحي (26)؛ وشرح الأصول الثلاثة، د. صالح بن فوزان الفوزان (59)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (36)۔

916) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (9،24)۔

917) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي (36)۔

کے لئے واجب ہے[918] اس لئے کہ ہر دعاء عبادت، دعاءِ مسألۃ کو مستلزم ہے اور دعاء مسألۃ دعاء عبادت کو شامل ہے۔ اس تحقیق سے ان لوگوں کی بات کو ردّ ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن جہاں اخلاص دعاء کا حکم ہے اس سے عبادت مراد ہے۔ چنانچہ اس جیسی آیت کے بارے میں کہتے ہیں: فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللهِ أَحَدًا یعنی عبادت نہ کرو، تو ان سے کہا جائے گا کہ اگر دعاءِ عبادت ہی مراد ہے تو اس میں کہاں اس کی نفی ہے کہ دعاءِ مسألۃ عبادت میں داخل نہ ہو۔ اس لئے کہ دعاء عبادت، دعاء مسألۃ کو مستلزم ہے جیسا کہ دعاء المسألۃ عبادت کو شامل ہے اور اگر دعاءِ مسألۃ مراد نہیں ہے تو کیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد مقامات پر ذکر کیا۔[919]

چوتھا مسئلہ: آیت عبادت کی ہر قسم کو شامل ہے۔

{وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (18)} یہ دلیل عام ہے جس سے استدلال درست ہے کہ کسی قسم کی عبادت غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ

---

918) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (70)؛ شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (30)۔

919) تيسير العزيز الحميد في شرح كتاب التوحيد، للشيخ سليمان بن عبد الله آل الشيخ (472/1)، تحقيق: أسامة بن عطايا العتيبي، ناشر: دار الصميعي، ط. الثانية 1429 هجريا۔

تعالیٰ نے عبادت کی جگہوں کا حق اپنے لئے قرار دیا ہے۔اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو کچھ بھی اس میں وہ اللہ ہی کے لئے ہو گا۔اسی لئے تاکید کے ساتھ بیان کیا فَلَاتَدْعُوْا مَعَ اللهِ أَحَدًا اس آیت میں عبادت کی طرف اشارہ کیا گیا تَدْعُوْا اس لئے کہ دعاء تمام قسم کی عبادت کا نام ہے جو اس کی تعظیم کے لئے کی جائیں گی۔اس لئے شریعت کے خطاب میں قرآن وسنت میں بہت سی جگہوں میں عبادت کو دعاء سے تعبیر کیا گیا۔اس لئے کہ دعاء عبادت کا ستون ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: اَلدُّعَاءُ هُوَالعِبَادَةُ دعاء ہی عبادت ہے[920] ۔[921]

---

920) أخرجه أبو داود، باب الدعاء(1479)؛ والترمذي، في أبواب التفسير (2969)، وقال (حديث حسن صحيح)؛ وأخرجه ابن حبان في صحيحه، باب الأدعية، برقم(890)؛ وأخرجه الحاكم في مستدركه، كتاب الدعاء،(1822)، وقال: صحيح الإسناد، ولم يخرجاه۔

921) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالله العصيمي(24)۔

مصنف نے کہا: جس نے ان میں سے کسی چیز کو غیر اللہ کے لئے کیا وہ مشرک کافر ہے۔

اس کا تعلق گزشتہ بیان سے ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اللہ کے علاوہ معبود کی عبادت باطل ہے۔ ناحق، ظلم اور طغیان ہے لسان، قلب اور جوروح کی عبادات کے اقسام بیان کرنے کے بعد اس کی دلیل ذکر کی کہ تمام قسم کی عبادات تنہا اللہ کے لئے واجب ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا:[922] جس نے ان عبادات میں سے کسی کو بھی غیر اللہ کے لئے کیا اور بقیہ عبادات اللہ کے لئے کیا تو وہ مشرک ہے کیوں کہ غیر اللہ کو شریک کیا، کافر ہے اس لئے کہ توحید کا انکار کیا[923] اس سیاق مصنفؒ کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں:

پہلا مسئلہ: غیر اللہ کے لئے عبادت کرنے کا حکم:

عبادت کی اقسام بیان کرنے کے بعد مناسب ہوا عبادت کرنے سے دو مسئلے ذکر کئے جائیں:

---

(922) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (73)۔

(923) وتيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (69)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبد الرحمن بن ناصر البراك (20)؛ شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (30)؛ وإفادة المسؤول عن ثلاثة الأصول، عبد الله القصير (58)۔

(۱)عبادت کو اللہ کے لئے کرنے کا حکم اس کی تفصیل کلھا اللہ کے تحت گزر چکی کہ ساری عبادتیں اللہ کے لئے کرنی واجب ہے۔

(۲)عبادت کو غیر اللہ کے لئے کرنے کا حکم،اس کو مصنف نے یہاں بیان کیا ہے ''جس نے غیر اللہ کے لئے ان میں سے کسی چیز کی عبادت کی وہ مشرک کافر ہے، اگرچہ ایک ہی قسم کی عبادت ہو۔[924] اگر مصنف ؒ لفظ الصرف کی جگہ الجعل استعمال کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا دو وجوہات کی بناء پر۔

(۱)ایک یہ ہے کہ اس آیت میں ہے: فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ[925] اور جب نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے تو آپ نے فرمایا: أَنْ تَجْعَلَ لِلهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ۔[926]

---

924)ینظر: شرح الأصول الثلاثة، خالد الأنصاري (32)۔

925)سورة البقرة، الآية (22)۔

926)أخرجه البخاري في كتاب التفسير برقم (4477)؛ وأخرجه مسلم في كتاب الإيمان، باب كون الشرك أقبح الذنوب، برقم (142)۔

(۲)دوسری وجہ یہ ہے کہ فعل ""الجعل"" قلبی توجہ، عبادت گزاری اور قربت کے قصد و ارادہ کو شامل ہے۔ رہا فعل ""صرف"" تو کسی چیز کو ایک طرف سے دوسری چیز کی طرف قصد وارادہ کاالتزام کئے بغیر پھیرنے کو کہتے ہیں[927]

دوسرا مسئلہ: وہ مشرک کافر ہے :

مشرک، جس نے شرک اکبر کاارتکاب کیااور کافر، ملت سے نکلنے والا، [928]مشرک نے غیر اللہ کواللہ کی عبادت میں شریک کیااور کافر نے اللہ کی حقانیت کاانکار کیاتو مشرک بھی اور کافر بھی۔اسی لئے مصنفؒ نے کہا جس نے ان میں سے کسی چیز کو غیر اللہ کے لئے کیا وہ مشرک کافر ہے۔[929]

کیوں کہ ان اقسام میں تمام قسمیں عبادت میں داخل ہیں۔ان میں کسی عبادت غیر اللہ کے لئے کیاتو شرک اکبر ہے۔ وہ ملت سے خارج ہے، کرنے والا مشرک کافر ہے یاتو کفر

----

927)تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (14)۔

928)حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (35)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، عبدالعزیز بن عبداللہ الراجحي (44)؛ شرح ثلاثۃ الأصول، د. محمد أمان الجامي (55)؛ وتیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبدالمحسن القاسم (69)۔

929)حصول المأمل بشرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ الفوزان (72)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، الشرافي (25)۔

ظاہری ہے یا کفر ظاہری باطنی ایک ساتھ[930] مشرک درحقیقت کافر ہے۔اس لئے کہ اس نے اللہ کے حق اور اس کی عبادت کا انکار کرکے غیر اللہ کے لئے عبادت کی۔ارشاد باری ہے: {وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ (33) لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ (34)}[931]۔

ترجمہ: ”لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب انھیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع کرکے اسے پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ کچھ اپنی رحمت کا ذائقہ انھیں چکھادیتا ہے تو یکایک ان میں سے کچھ لوگ شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ ہمارے کئے ہوئے احسان کی ناشکری کریں،اچھامزے کرلو، عن قریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔“

اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا کہ جب اس نے شرک کیا تو کفر لازماً گیا۔ چنانچہ شرک کفر ہے۔ مصنف ؒ کا قول فھو مشرک کافر اس کی دلیل ہے کہ ہر مشرک کافر ہے۔

تیسرا مسئلہ: کفر وشرک کے درمیان فرق:

---

(930)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ(74)۔

(931)سورۃ الروم،الآیتان(33،34)۔

کفر کی لغوی حقیقت شرک کی حقیقت کے بر عکس ہے۔ کفر کا اطلاق انکار کرنے، چھپانے اور ڈھانکنے پر ہوتا ہے[932] جب کہ شرک کا اطلاق برابری کرنے پر ہوتا ہے[933] جب لغت کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے تو شرعاً دو اقوال ہیں :

(ا)ان دونوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ شرک: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے۔ کفر، اللہ کی نازل کردہ شریعت کا انکار ہے یا بعض احکام کا انکار ہے[934] جس نے رسول کی لائی ہوئی شریعت کا انکار کیا یا بلا تاویل بعض کا انکار کیا تو وہ کافر ہے خواہ کسی دین سے اس کا تعلق ہو۔ خواہ انکار کرنے والا سرکش، جاہل یا گمراہ ہو[935] کافر یا تو اللہ اور غیر اللہ دونوں کی عبادت کرنے والا ہو گا تو وہ کافر مشرک ہے یا صرف غیر اللہ کی عبادت کرنے والا ہو گا تو کافر

----

932)ینظر: معجم مقاييس اللغة، لابن فارس (897)؛ والصحاح، للجوهري (650/1)؛ والقاموس المحيط، للفيروزآبادي (605)۔

933)ینظر: لسان العرب، لابن منظور (99/7)؛ وأساس البلاغة، للزمخشري (489/1)۔

934)الأجوبة والبحوث والدراسات العلمية المشتملة عليها الدروس العلمية، صالح آل الشيخ (63/1)۔

935) تيسير اللطيف المنان في خلاصة تفسير القرآن، عبدالرحمن السعدي (365)۔

منکر ہے[936] شرک اللہ اور غیر اللہ دونوں کی عبادت کرتا ہے۔ کافر اللہ کی عبادت نہیں کرتا ہے۔ کبھی غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے یا کسی کی نہیں کرتا ہے۔ مشرک کا مقابل توحید ہے اور کفر ایمان کی ضد ہے، جس نے رب کا انکار کیا۔ اس کی ذات، یا اسماء یا صفات یا افعال کا انکار کیا۔ یا رسالت کا انکار کیا، یا اصول ایمان میں سے کسی اصل کا انکار کیا تو کافر ہے جیسے ملحد، جس نے خالق و مخلوق کے درمیان اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے کسی چیز میں برابر قرار دیا جیسے الوہیت، اسماء وصفات میں تو وہ شرک ہے۔ جیسے مشرکین قریش، کفر، شرک سے عام ہے۔ مشرک، کفر سے خاص ہے۔ ہر مشرک کافر ہے لیکن کافر کبھی مشرک ہوتا ہے اور کبھی نہیں جیسے ملحد وہ ہے جو رب کے وجود کا انکار کرے اور کسی کی عبادت نہ کرے تو ہر کفر شرک نہیں ہے اس کی مثال کہ غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا شرک ہے اور اس کے بارے کفر بھی کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہنا کفر ہے لیکن اس کے متعلق شرک نہیں کہا جائے گا جس نے دین کی کسی چیز کا انکار کرنے کی بجائے مذاق اُڑایا تو وہ کافر ہے۔ مشرک نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ بلکہ اس کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ یہودی بتوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے

---

(936) حاشیة علی رسالة ثلاثة أصول، طالب الكثيري (10)۔

ہیں لیکن محمد ﷺ پر ایمان نہیں لاتے۔اس لئے کافر ہیں۔اگرچہ شرک نہیں ہے اسی لئے علماء نے کفر کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ان میں ایک شرک ہے[937]

کفر، شرک سے عام ہے۔ مشرک ایک قسم ہے جو کفر میں داخل ہے۔شرک کفر کے افراد میں سے ایک فرد ہے کفر شرک اور شرک کے بغیر ہوتا ہے۔ مشرک کے لئے لازم ہے کہ اس نے کسی کو شریک بنا دیا۔کفر شرک میں کبھی پایا جاتا ہے اور کبھی نہیں پایا جاتا ہے۔ کبھی بندہ کفر، شرک کے ساتھ کرتا ہے اور کبھی شرک کے بغیر[938] شرک و کفر کبھی ان لوگوں میں جمع ہو جاتے ہیں جن میں ایمان نہیں ہے۔ چنانچہ کہا جائے گا وہ مشرک کافر ہے، کبھی شرک بتوں کے ارادہ سے ہٹ کر قبر وغیرہ سے ہوتا ہے اگر وہ اللہ

----

937) فتح الله الحميد المجيد في شرح كتاب التوحيد، حامد بن محمد بن محسن (44/1)، تحقيق: بكر بن عبد الله أبوزيد، ناشر: دار المؤيد، ط. الأولى 1417 هجريا؛ المحصول من شرح ثلاثة الأصول، الغنيمان (98)؛ وتيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (69)۔

938) الشرح الصوتي، تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1437 هجريا۔

تعالیٰ کا اعتراف واقرار بھی کرتا ہے تو اس پر کفر کا اطلاق نہیں ہو گا۔اس لئے کہ کفر کے معنی انکار کے ہیں[939]

امام نووی ؒ فرماتے ہیں: شرک و کفر کبھی ایک معنی میں بولے جاتے ہیں، وہ ہے اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا، کبھی ان دونوں کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔ شرک مخلوقات میں سے بتوں وغیرہ کی عبادت کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا اعتراف کرنے کے ساتھ جیسے کفار قریش ایسی صورت میں کفر، شرک سے عام ہو گا۔[940]

(۲)دوسرا قول یہ ہے کہ شرک و کفر شریعت میں مترادف ہیں۔ ہر کافر مشرک ہے اور ہر مشرک کافر ہے۔ ہر ایک ایک حیثیت سے کافر ہے تو دوسری حیثیت سے مشرک ہے۔ مشرک اس لئے ہے کہ اس نے اپنی خواہش کے مطابق عبادت کی اور جس نے خواہشات کی اور شیطان کی عبادت کی وہ مشرک ہے۔ کافر اس لئے ہے کہ اس نے توحید کا انکار کیا لیکن جب اس نے ایسا فعل کیا جس کا تعلق انکار سے ہے تو یہ کفر کے ساتھ خاص ہے اور جب

---

(939)حصول المأمل بشرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ الفوزان (72)۔

(940)شرح صحیح مسلم (71/2)؛ وحاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (35)۔

عبادت میں شریک ٹھہرانے سے تعلق ہو تو شرک کے ساتھ خاص ہے [941] اکثر شرک میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربوبیت یاالوہیت یااسماء وصفات میں کسی چیز کو شریک ٹھہرانے پر بولا جاتاہے اوراکثر کفر میں انکارپر ہوتاہے لیکن ان میں سے ہرایک ایک اعتبار سے کافر ہے تو دوسرے اعتبار سے مشرک ہے۔ شریعت کے اعتبار سے شرک وکفر کے درمیان فرق نہیں ہے۔اس لئے کہ جس نے اللہ کے ساتھ شریک کیااس نے اس کی توحید کاانکار کیااور جس نے اللہ کی توحید انکار کیااس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کیا یاتو کسی معبود کو شریک یاہمیشہ خواہش کاغلام رہایااس لئے کہ اس نے اللہ کے لئے وہی کیاجو غیراللہ کے لئے کیا[942]

---

941)ينظر: شرح الأصول الثلاثة، عبدالعزيز بن عبدالله الراجحي (44)۔

942)التوضيح الرشيد في شرح كتاب التوحيد، خلدون الحقوي (27)۔

ارشادربانی ہے:{يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (32) هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (33)}۔[943]

ترجمہ: "یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کواپنی پھونکوں سے بجھادیں مگراللہ اپنی روشنی کو مکمل کئے بغیر ماننے والا نہیں ہے خواہ کافروں کو یہ کتنا ناگوار ہو وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پوری جنس دین پر غالب کردے خواہ مشرکوں یہ کتناہی ناگوار ہو۔

اس آیت میں اللہ کاانکار کرنے والے کو کفاراور مشرک کہا گیاہے۔یہ دلیل ہے کہ کافر، مشرک ہے اور مشرک کافر ہے۔اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلاة[944]

واللہ اعلم ظاہر ہوتاہے کہ لفظ شرک وکفر میں سے ہر ایک کادوسرے پراطلاق ہوتا ہے۔جب دونوں ایک جگہ ہوں توہر ایک ایک ہی معنی میں ہوگا۔اگردونوں الفاظ میں

---

943) سورة التوبة، الآيتان (32،33)۔

944) صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب: بیان إطلاق اسم الكفر علی من ترك الصلاة، برقم (134)۔

ایک بولا جائے تو دوسرا اس میں داخل ہوگا۔ جب شرک بولا جائے گا تو کفر داخل ہوگا۔ اس اعتبار سے کہ مشرک اللہ کے حکم کا انکار کرنے والا ہے اور جب کفر بولا جائے گا تو شرک داخل ہوگا۔ اس اعتبار سے کافر نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنالیا جیسا کہ ارشاد باری ہے:

{وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللهِّ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ (117)}[945]

ترجمہ: ”اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے جس کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے، ایسے کافر کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔“

نیز ارشاد خداوندی ہے: {ذَلِكُمُ اللهُّ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ (13) إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ

---

945) سورۃ المؤمنون، الآیۃ (117)۔

سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ (14)}[946]۔

ترجمہ: "وہی اللہ جس کے یہ سارے کام ہیں) تمہارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پر کاہ کے مالک بھی نہیں ہیں۔ انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کردیں گے۔ حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

اس آیت میں غیر اللہ کو پکارنے کو شرک قرار دیا اور پہلی آیت میں کفر، جب دونوں ایک ساتھ ہوں تو ایک ایک خاص معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے: {إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا}

[947]۔

---

946) سورة فاطر، الآيتان (13، 14)۔

947) سورة البينة، الآية (6)۔

ترجمہ: ’’اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یقیناً جہنم کی آگ میں جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔‘‘

جب دونوں الفاظ الگ الگ ہوں تو ایک معنی میں ہو جاتے ہیں اور جب دو الفاظ ایک جگہ ہوں تو الگ الگ معنی میں ہو جاتے ہیں۔ رہا آخرت میں تو کافر و مشرک کا انجام ایک ہے۔ اللہ کی پناہ! یہ دونوں ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

چوتھا مسئلہ: ان لوگوں کی تکفیر جس نے غیر اللہ کے لئے کوئی عبادت کی۔

مصنفؒ نے ذکر کیا کہ جس نے غیر اللہ کے لئے کوئی عبادت کی تو وہ مشرک کافر ہے۔ یہی مطلق حکم ہے۔ ان لوگوں کا جس نے غیر اللہ کے لئے کوئی عبادت کی۔ تکفیر مطلق اور تکفیر معین میں فرق ہے۔ پہلی صورت میں تکفیر کا لفظ کرنے والے پر بولا جاتا ہے جو کفر سے ملوث ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے اس نے ایسا کہا یا ایسا کیا تو کافر ہے لیکن کسی متعین شخص نے کہا یا کیا تو اس پر کفر کا فیصلہ مطلق نہیں کیا جائے گا۔ جب تک یہ شرطیں جمع نہ ہو جائیں اور اس سے رکاوٹیں ختم نہ ہو جائیں۔ اس وقت اس کے خلاف وہ دلیل حجت ہو گی جس کا چھوڑنے والا کافر ہے۔ ظاہر فعل پر حکم ہو گا کہ وہ کافر ہے۔ یہ حکم شرعی کے بیان سے متعلق ہے۔ یہ فعل پر حکم ہے نہ کہ فاعل پر، چنانچہ تکفیر مطلق، تکفیر معین کے لئے لازم نہیں ہے۔ اس لئے اس کی شرطیں اور رکاوٹیں ہیں جو معین کے حق میں بالغ ہیں۔ چنانچہ اس وعید کے

ذریعہ کفر جس پر قول کا اطلاق ہوتا ہے لیکن معین کے لئے حکم نہیں لگایا جائے گا۔اس کے اس مطلق میں داخل ہونے سے، یہاں تک کہ وہ تقاضے پورے نہ ہو جائیں جن میں کوئی تعارض نہیں ہے۔[948]

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں تکفیر معین کا مسئلہ، مشہور مسئلہ ہے۔جب کسی نے ایسی بات کہی جس نے کہنے سے کفر ہوتا ہے تو کہا جائے گا کہ اس نے ایسی بات کہی اس لئے کافر ہے، لیکن معین شخص نے اگر ایسا کہا ہو تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔یہاں تک کہ اس پر حجت قائم نہ ہو جائے جن کا چھوڑنے والا کافر ہے[949]

---

948)نواقض الإیمان القولیة والعملیة،د.عبدالعزیز آل عبداللطیف(52-54)،ناشر:دارلاوطن،ط.الأولی1414 ھجریا؛والتعلیق المأمول علی ثلاثة الأصول،أ.د.عبدالرحمن السدیس(239)؛وشرح العقیدة الطحاویة،صالح آل الشیخ (579/1)؛ومعجم التوحید،إبراھیم أبا حسین(479/1)،ناشر:دارالقبس،الریاض،ط.الأولی1435ھجریا۔

949)الدررالسنیة(244/8)۔

مصنفؒ لکھتے ہیں: دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: {وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ (117)}[950]-

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے، جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے ایسے کافر کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

مصنفؒ نے اس سے پہلے بیان کیا کہ جس نے غیر اللہ کی عبادت کی وہ مشرک کافر ہے جس کی دلیل سورہ المومنون آیت ۱۱۷، پیش کی ہے۔اس آیت میں غیر اللہ کو پکارنے والے کے لئے بڑی دھمکی ہے۔اس لئے کہ حساب کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہو گا۔إنہ جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کیا لَایُفْلِحُ وہ دنیا و آخرت میں کامیاب نہیں ہو گا۔ یہ مشرکین الکافرون کا بھی ہیں۔ ملت اسلام سے خارج ہیں۔آیت میں اس بات کی واضح ترین دلیل ہے کہ جس نے غیر اللہ کو پکارا وہ کافر ہے اس لئے کہ غیر اللہ کو پکارنے والے کو

---

950) سورۃ المؤمنون، الآیۃ(117)۔

اللہ تعالیٰ نے کافر قرار دیا ہے[951] اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ!

مصنف ؒ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا کفر ہے، اس کی دو وجوہات ہیں۔

(۱) اس فعل کے کرنے پر دھمکی دی گئی ہے۔ ارشاد ہے: "وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ"۔ اس میں فعل مذکور غیر اللہ کی عبادت ہے اور اس کی طرف دعاء سے اشارہ کیا گیا۔ اس لئے کہ دعاء تمام عبادت کو کہتے ہیں جیسا کہ گزرا۔ تقدیر کلام ہوگا: "ومن يعبد مع الله إله آخر"۔

(۲) انجام کے بیان کے ساتھ حساب کی دھمکی ہے۔ ارشاد ہے: "فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ" جس نے اس کا ارتکاب کیا وہ کافر ہے کیوں کہ حساب کے بعد اس کے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا۔ ارشاد ہے "إنه لا يفلح الكافرون"، یہ دلیل ہے کہ فعل مذکور کافرین کے افعال میں سے

---

951) حاشية ثلاثة الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (35)؛ المحصول من شرح ثلاثة الأصول، الغنيمان (100)؛ وتيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبدالمحسن القاسم (70)؛ تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالله العصيمي (26)۔

ہےاوران کی کامیابی کی نفی دلیل ہے کہ ان کاکفر، کفراکبرہے۔اس لئے کہ فلاح کی نفی کرنا دراصل بندہ کاملت سے نکل جاناہے۔گویااس آیت مفہوم ہے جودوسرے معبود کی عبادت کرے گااگراس نے کافرین کے افعال میں سے کیاتواس کافعل مذکورشرک کرنے والے کے کفرکاسبب ہے۔غیراللہ کے لئے کسی عبادت کاکرناشرک ہےاورکرنے والاکافرہے۔

اس لئے کہ کفرشرک وغیرہ کے ساتھ ہوتاہےاوراس سے یہاں شرک مذکورہے[952]

آیت اس بات کی دلیل ہے کہ غیراللہ کوپکارناایساہے جیسے اس نے شرک کیا۔جب کسی دوسرے معبود کواللہ کے ساتھ پکارا جائے تو وہ کفرہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "إنہ لایفلح الکافرون"۔[953]

دوسرامسئلہ: آیت دعاءکی دونوں قسموں (المسألۃوالعبادۃ) پرمشتمل ہے۔

قرآن میں دعاءکبھی دعاءمسألۃہےاورکبھی دعاءعبادت،اگردلیل میں کوئی قرینہ موجودنہ ہوتودونوں معنی میں سے ایک متعین ہوجائے گا۔دونوں معنی پرایک ساتھ بھی محمول کیا

---

952)تعلیقات علی ثلاثۃالأصول،صالح بن عبداللہ العصیمي(25)۔

953)شرح ثلاثۃالأصول،صالح بن عبدالعزیزآل الشیخ(75)۔

جائے گا۔اس لئے کہ نص کو دونوں معنی میں سے کسی ایک معنی پر محمود کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ جائز نہیں ہے [954]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ذکر کیا اس میں ایک مفید قاعدہ ہے۔ چنانچہ کہا: ہر ایسی جگہ جہاں مشرکین کا اپنے بتوں کو پکارنا ذکر کیا گیا ہے تو وہاں دعاء عبادت کے ساتھ دعاءِ مسألۃ مراد ہے [955] یہ سفید ضابطہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مشرکین کی دعاء و پکار کے سیاق میں بیان فرمایا ہے۔اس سے مقصود دعاء عبادت کے ساتھ دعاء مسألۃ ہے۔ [956] اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ"، یہ نکرہ شرط کے سیاق میں ہے جو ہر پکاری جانے والی چیز کو عام ہے اور ہر پکار کو بھی عام ہے۔ لہٰذا یہ عموم مدعو و پکاری جانے والی چیز اور فعل (پکارنے) کو بھی شامل ہے۔ چنانچہ دعاء العبادۃ اور دعاء المسألۃ کو شامل ہے [957]

---

954) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (77)۔

955) مجموع الفتاوی (13/15)۔

956) شرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد بن عبد اللہ المصلح (31)۔

957) المصدر السابق (30)۔

تیسرا مسئلہ: "لَا بُرْهَانَ لَهُ" کی وضاحت :

اس میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ جس چیز کو اللہ کے ساتھ پکارا جائے یہ پکارنے والے اس صفت سے متصف ہیں کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ ایک کھلا ہوا وصف ہے کہ جو لوگ اللہ کے علاوہ کسی کو پکارتے ہیں وہ بلا دلیل پکارتے ہیں[958] کھلے ہوئے وصف کا فائدہ بیان و تاکید کی زیادتی ہے کہ جن لوگوں نے غیر اللہ کو پکارا انہوں نے دلیل کے بغیر پکارا۔ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس پر کوئی دلیل ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے۔[959] علامہ شنقیطی لکھتے ہیں: برھان: ایسی دلیل کو کہتے ہیں جس کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو۔ ارشاد ہے: "لَا بُرْهَانَ لَهُ" ایسے ہی ارشاد ہے: {وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا}[960]

---

958) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(74)۔

959) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن صالح العثیمین(55)؛ حصول المأمل بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ الفوزان(73)؛ شرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد بن عبد اللہ المصلح(30)۔

960) سورۃ الحج:71۔

ترجمہ: یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہیں جن کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں نازل کی گئی ہے۔

سلطان، یہ واضح حجت ہے برہان کے معنی میں ہے۔اس آیت میں ہے: "فإنما حسابه عند ربه "اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے "إنه لا يفلح الكافرون"، وہ بڑے درجہ کا کافر ہے جو دوسرے معبود کو اللہ کے ساتھ بلا دلیل پکارتا ہے۔ان سے کامیابی و فلاح کی نفی ان کی ہلاکت کی دلیل ہے۔وہ جہنمی ہیں۔اس مسئلہ میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ لَا بُرْهَٰنَ لَهُۥ کا مفہوم مخالف مراد لیا جائے۔کسی کے لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے جس نے غیر اللہ کی عبادت کی اور اس کے پاس دلیل ہے تو غیر اللہ کی عبادت کر سکتا ہے۔اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت کی دلیل کے وجود کے محال ہونے کی وجہ سے۔نہیں یہاں دلیل سے دلیل قطعی متواتر مراد ہے۔اس قسم کی دلیل معبود واحد کے لئے ہے صرف اور صرف ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی غیر اللہ کی عبادت کی دلیل پا جائے۔لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ۔یہ واقعہ کے عین مطابق ہے۔اس لئے کہ اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو پکارنے والے بلا دلیل پکارتے ہیں۔

اس آیت میں جو وصف ذکر کیا گیا ہے۔ واقعہ کے مطابق ہے نہ کہ منطوق کے حکم سے مفہوم نکالنے کی وجہ سے ہے [961]

----

961) أضواء البیان في إیضاح القرآن بالقرآن (364/5)۔

مصنفؒ کہتے ہیں: حدیث میں ہے: الدعاءمخ العبادة[962] دعاءعبادت کا مغز ہے۔

جب مصنفؒ نے عبادت کی قسموں کو اجمالاً ذکر کیا تو اس کے دلائل کو ذکر کرنا شروع کیا۔ اوّلاً اس دعاء سے شروع کیا جو عبادات کی اصل اور بنیاد ہے۔ چنانچہ کہا: (وفی الحدیث) جو عبادت کی اقسام میں دعاء کی اہمیت کی دلیل ہے۔ کیوں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (الدعاء) اللہ سے ضرورتوں کا سوال کرنا (مخ) مغز و خلاصہ ہے (العبادة) جن عبادات کا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو حکم دیا ہے۔[963]

پہلا مسئلہ: دعاء کے عبادت ہونے کا حدیث میں اشارہ:

مصنفؒ نے اس سے پہلے عبادت کی اقسام کو ذکر کیا چنانچہ ۱۴ عبادات کا ذکر کیا جن سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور عبادت کے اقسام کے دلائل کو ذکر کیا جن کا اجمالاً

---

962) أخرجه الترمذي، كتاب الدعوات، باب فضل الدعاء برقم (3371)، وقال (هذا حديث غريب من هذا الوجه لا نعرفه إلا من حديث ابن ربيعة أخرجه الطبراني في المعجم الأوسط برقم (3196) وقال (لم يروهذا الحديث عن أبان إلا عبيد الله، تفرد به لابن لهيعة) فإسناده فيه ضعف۔

963) ينظر: وحاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (36)؛ وتيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (71)؛ حصول المأمل بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (75)۔

ذکر کیا۔ ان عبادات کی دلیل کا ہونا عبادت ہے اور مصنفؒ نے ان ۱۴ عبادات کو بڑی اور اہم عبادت کے ذریعہ شروع کیا۔ وہ ہے عبادۃ الدعاء اور حدیث کو اس کے عنوان کے طور پر ذکر کیا۔

حدیث میں ہے: الدعاء مخ العبادۃ یہ کلام کی نئے جملہ سے شروعات ہے اور سابقہ مسئلہ کی دوسری دلیل نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے بلکہ عبادات کی اقسام کو شمار کرنے میں شروع کرنے کا اعلان ہے اور اس کے دلائل کا ذکر ہے۔ گویا یوں کہتے ہیں: عبادت کی قسموں میں دعا ہے، مصنفؒ کا اپنے طریقہ سے دعاء کی طرف اشارہ کرنے میں عدولی کی وجہ اس کے مقام کا لحاظ ہے۔ جب دعاء کو عبادات میں اہم مقام حاصل ہے تو مصنفؒ نے حدیث سے اس کے بارے میں بیان کیا۔ اگرچہ اس میں ضعف ہے۔ دوسرے ائمہ کی پیروی کرتے ہوئے ایسا اکثر امام بخاریؒ بھی کرتے ہیں۔ بسا اوقات ضعیف حدیث سے اپنے مقصود پر دلالت کرنے کی وجہ سے ترجمہ الباب قائم کرتے ہیں۔ چنانچہ مصنف نے حدیث کو عنوان بنایا ان عبادات کی پہلی قسم کا جن کے استدلال کا انہوں

نے ارادہ کیا۔ وہ ہے: عبادۃ الدعاء[964] چنانچہ اس کے بعد اس کے مندرجہ ذیل نظائر کی تقدیر ہے، (اور دعاء کی دلیل : ارشاد باری ہے: {وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ}[965] ترجمہ: تمہارا رب کہتا ہے "مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔

دوسرا مسئلہ: "الدعاء مخ العبادۃ" کی وضاحت۔

مخ الشئ: ہر چیز کا جوہر اور خالص حصہ جس پر وہ چیز قائم ہوتی ہے۔ عبادت دعاء سے قائم ہوتی ہے جیسے انسان دماغ سے، دعاء اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور غیر اللہ سے اعراض کی دلیل ہے[966]

اس حدیث کی دوسری حدیث توضیح و تفسیر کرتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: الدعاء ھو العبادۃ[967] دعا کو عین عبادت قرار دیا۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ دعا عبادات کی اہم قسم ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

----

964) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (26)؛ وحاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (36)؛ حصول المأمل بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ الفوزان (74)۔

965) شرح ثلاثۃ الأصول وأدلتھا، أملاہ فضیلۃ الشیخ صالح بن عبد اللہ العصیمي (40)۔

966) شرح الأصول الثلاثۃ، عبد العزیز الراجحي (45)؛ حصول المأمل بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ الفوزان (75)۔

(ا)ضمیر فعل "ہو"کالانااور ضمیر فعل تاکید کافائدہ دیتاہے۔

(2) خبر کو الف لام کے ساتھ معرفہ لایا گیا ہے۔ العبادۃ جو حصو کی دلیل ہے۔ بیشک عبادت، دعاء سے مختلف نہیں ہے بلکہ دعاء عین عبادت ہے، یوں کہا: دعاء ہی عبادت ہے[968] اس لئے کہ جو بھی عبادت ہے اس میں دعاء لفظاہے یالازم اور ضروری سمجھ کر[969]

---

967)سبق تخریجہ۔

968)حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (36)؛ حصول المأمل بشرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ الفوزان (74)۔

969)شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراھیم آل الشیخ (121)۔

مصنفؒ کہتے ہیں اور دلیل ارشاد باری ہے:{وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ}[970] ۔

ترجمہ: ”تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔ جو لوگ گھمنڈ میں آکر میری عبادت سے منھ موڑتے ہیں، ضرور وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔“

اس آیت کو مصنفؒ اس بات کے بیان کے لئے لائے ہیں کہ دعاء عبادت ہے، جب ثابت ہو گیا کہ دعاء عبادت ہے تو اس کے ذریعہ صرف اللہ کی طرف توجہ کی جائے گی۔ ان چیزوں میں جس پر دوسرا کوئی قادر نہیں ہے[971] کتاب اللہ سے دلیل یہ ہے کہ دعاء عبادت کی اقسام میں سے ہے۔ یہ آیت دعاء کے حکم پر مشتمل ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ دعاء عبادت ہے اور دعاء ان عبادات میں ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے[972]

---

970) سورۃ غافر، الآیۃ(60)۔

971) ینظر: التمهید لشرح کتاب التوحید، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(178)؛ شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثیمین(56)۔

972) تیسیر الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم(71)۔

اس سیاق میں مصنفؒ کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں:

پہلا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ:

آیت سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ دعاء تین وجوہات کی بناء پر عبادت ہے:

(۱)اس کا حکم دیا گیا ہے۔ارشاد ہے: "اُدْعُونِیْ" اور ہر وہ چیز جس کا اللہ نے حکم دیا ہے وہ عبادت ہے۔

(۲)دعاء کرنے والے کی دعاء کی قبولیت کا وعدہ ہے: "أَسْتَجِبْ لَكُمْ" اور مقبول وہی کام ہوتا ہے جو اللہ کو پسند اور محبوب ہے اور ہر وہ چیز جس کو اللہ پسند کرتا ہے وہ عبادت ہے۔

(۳)عبادت کی صراحت ہے: "عَنْ عِبَادَتِي" دعا کے ذکر کرنے کے بعد عبادت کی تصریح کی گئی اور اس کو عبادت کہا گیا۔ چنانچہ دعاء ان عبادات میں سے جس کو صرف اللہ کے لئے کرنا واجب ہے[973]

دوسرا مسئلہ: آیت دعاء کی دونوں قسموں پر مشتمل ہے:

---

(973) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (123)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (76)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبد الرحمن بن ناصر البراک (21)؛ والشرک في القديم والحديث، أبو بكر زكريا (161/2)۔

آیت میں جس دعاء کا حکم دیا گیا ہے وہ دعاء کی دونوں قسموں کو شامل ہے۔ دعاء عبادت اور دعاء مسألۃ کو اگر دعاء عبادت ہے تو اللہ تعالیٰ اس دعاء کو قبول کرتا ہے اور اس عبادت پر ثواب دیتا ہے اور اگر دعاء مسألۃ ہے تو اللہ تعالیٰ دعاء کو قبول کرتا ہے اور دعاء کرنے والے کے مطلوب و مقصود کو عطا کرنے کے ساتھ اس پر ثواب بھی دیتا ہے۔ اس لئے کہ جس نے بھی دعاء کی اگرچہ اس کی دعاء دنیوی کاموں کے لئے ہو پھر بھی اس دعاء پر ثواب دیا جاتا ہے اور مطلوب کا حصول کبھی دیر سے ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کی وجہ سے یا آخرت میں اس کا ذخیرہ کرنے یا شر کو دور کرنے کی وجہ سے یا تو وہی شر ختم ہو جائے یا اس جیسا شر ختم ہو جائے [974]

تیسرا مسئلہ: شرکیہ دعاء کی صورتیں:

غیر اللہ سے ایسی چیزوں میں دعاء کرنا جو اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے۔ العیاذ باللہ شرک اکبر ہے۔ [975] جیسے میت سے دعاء کرنا، یا غائب سے دعاء کرنا یا حاضر سے ایسی چیزوں میں دعاء کرنا جس پر اللہ کے علاوہ کوئی قادر نہیں ہے۔

---

974) شرح الأصول الثلاثة، عبد العزيز الراجحي (46)؛ وحاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (36)۔

975) شرح ثلاثة الأصول، عبد الله بن إبراهيم القرعاوي (45)، ناشر: دار الصميعي، ط. الأولى 1434 ھجریا۔

عبادت الدعاء میں شرک کی صورتیں:

(۱) دعاء کرنے والا غیر اللہ سے ایسی چیز مانگے جس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی قادر نہیں ہے۔ خواہ جس سے دعاء کی جارہی ہے وہ زندہ ہو یا مردہ[976] جیسے کسی مخلوق سے بارش کا برسانا یا مردہ کو زندہ کرنا یا اس مصیبت کو دور کرنا مانگنا جس کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں دور کرسکتا ہے۔ مصنفؒ نے اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں: جس نے غیر اللہ سے دعاء کی اس سے ایسی چیز مانگنا جس پر اللہ کے علاوہ کوئی قادر نہیں ہے۔ خواہ خیر کا حاصل کرنا ہو یا تکلیف کا دور کرنا، اس نے اللہ کی عبادت میں شریک کیا[977]

(۲) مانگنے والا جس سے مانگ رہا ہے عبادت کے طور پر مانگے اس طریقہ سے کہ اس کے مانگنے میں رغبت، رہبت، محبت اور گریہ وزاری شامل ہو۔[978] شیخ اسحاق بن عبدالرحمٰن

---

976) ینظر: مجموع الفتاوی، لابن تیمیة (1/110، 124)؛ شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثیمین (56)۔

977) الدرر السنیة (1/541)۔

978) القول المفید علی کتاب التوحید، لابن عثیمین (1/261)، ناشر: دار ابن الجوزي۔

نے کہا: خطاب کی نسبت غیر اللہ کی طرف کسی ایسی چیز میں کرنا یا ندا کے ساتھ جب کہ رغبت ورہبت پر مشتمل ہو تو یہی وہ دعا ہے جس کو غیر اللہ کیلئے کیا تو شرک ہے[979]

(۳) جس سے دعاء کی جارہی ہے وہ دعاء کرنے والے سے دور ہو، جیسے مردہ یا غائب سے دعاء کی اس عقیدہ کی وجہ سے اس کو تصرف کا حق ہے دنیا میں یا وہ غیب جانتا ہے اس لئے کہ سننے کی گنجائش دور سے اللہ رب العالمین کے ساتھ خاص ہے جو تمام بندوں کی آواز کو سنتا ہے۔[980]

مصنفؒ نے اپنے بعض رسالے میں ان لوگوں سے متعلق کہا جو غیر اللہ انبیاء صالحین یا اولیاء سے دعا کرتے ہیں۔ اس جاہل سے کہا جائے گا اگر تم جانتے ہو کہ اِلہ معبود ہے اور تم جانتے ہو کہ دعاء عبادت میں سے ہے تو تم کیسے کسی مخلوق، مردہ، بے بس شخص

---

979) الدرر السنية (541/1)۔

980) ينظر: الإخنائية (أو الرد على الإخنائي) لابن تيمية (348)؛ ومجموع الفتاوى (265/1، 350)؛ شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (56)۔

سے دعاء کرتے ہو؟ اور تم زندہ، قیوم، حاضر، رؤف، رحیم اور قدیر سے نہیں کرتے ہو۔[981]

چوتھا مسئلہ: دعاء کی جائز صورتیں:

زندہ، موجود، قادر ہو جو کسی چیز پر ایسی مخلوق سے دعاء کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ شرک شمار نہیں ہوگا۔ یہ ان اسباب میں سے ہے جن کو اللہ نے بندوں کے درمیان کیا ہے جس میں ایک دوسرے کو مذاق بنایا جاتا ہے[982] یہ دعاء العبادت کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ طلب مباح کے قبیل سے ہے[983] دعاء غیر اللہ سے مفادات اور طلب کے طور پر چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔

(ا)وہ دعاء گریہ وزاری، رغبت ورہبت اور عبادت گزاری کے طور پر نہ ہو۔

----

981)الدرر السنية (104/2)۔

982)ينظر: شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (56)؛ وشرح ثلاثة الأصول، عبد الله بن إبراهيم القرعاوي (49)؛ وشبهات المبتدعة في توحيد العبادة، عبد الله بن عبد الرحمن الهذيل (360/1)، ناشر: مكتبة الرشد، ط. الثانية 1433 هجريا۔

983)شرح الأصول الثلاثة، أحمد الصقعوب (37)۔

(۲)ایسی چیز میں جس پر وہ قادر ہو جس سے دعاء کی جارہی ہے،

(۳)جس سے دعاء کی جارہی ہو وہ زندہ موجود ہو [984]

---

984)مقاصد التوحید، د.ولید الحمدان (190)۔

مصنفؒ فرماتے ہیں: اور خوف کی دلیل: ارشاد باری ہے: {فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (175)}[985]، ترجمہ: لہٰذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحب ایمان ہو۔

مصنفؒ نے اس سے پہلے عبادات کی اقسام کو ذکر کیا جیسے خوف، رجاء، رغبت، رہبت، خشوع، توکل، ذبح اور نذر وغیرہ عبادات کی اقسام کے ساتھ دلائل بھی ذکر کئے جس نے ان مذکورہ عبادات میں سے کسی کو غیر اللہ کے لئے کیا تو اس نے کفر کیا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی کیا دلیل ہے چنانچہ اس کی دلیل لائے، چنانچہ کہا: خوف قلبی عبادات میں ہے جو صرف اللہ سے جائز ہے۔ اس کی دلیل سورہ آل عمران: آیت ۱۷۵ ہے۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ غیر اللہ سے خوف کھانا ممنوع ہے۔ ڈرنے کا حکم صرف اللہ سے ہے۔ لہٰذا یہ عبادت ہے[986]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں:

پہلا مسئلہ: مختلف دلائل جو مصنف اس باب میں پیش کریں گے۔

---

985) سورۃ آل عمران، الآیۃ (175)۔

986) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (37)؛ شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آلشیخ (77)۔

(1) **دلیل عام:** ایسی دلیل سے استدلال کیا جائے کہ ان مذکورہ باتوں کا عبادت ہونا ثابت ہو چنانچہ خوف کا عبادت کی اقسام میں سے ہونا ثابت ہو جائے گا اور درجہ کا عبادت ہونا ثابت ہو جائے گا۔ جب اس کا عبادت ہونا ثابت ہو جائے گا تو سابقہ دلائل سے استدلال کیا جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (18)}[987]

اور ارشاد باری: { إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي }[988]- اور اس کے علاوہ علم دلائل جو اس بات کی دلیل ہیں کہ جس نے غیر اللہ کی عبادت کی طرف توجہ کی وہ مشرک ہے۔ دلائل کی یہ قسم دو چیزوں سے مرکب ہے:

(۱) اس بات کی دلیل قائم کی جائے کہ وہ عبادت ہے۔ پھر اس پر استدلال کیا جائے کہ 'خوف' 'عبادت' میں سے ہے اور اس بات پر کہ رجاء عبادت میں سے ہے اور اسی طرح۔

(۲) جب دلیل اور استدلال اس پر قائم کیا جائے کہ وہ عبادت ہے تو دلائل عامہ سے استدلال کیا جائے کہ جس نے غیر اللہ کی عبادت کی وہ مشرک ہے۔

---

987) سورۃ الجن، الآیۃ (18)۔

988) سورۃ غافر، الآیۃ (60)۔

(2) **دوسری قسم: دلیل خاص:** عبادات کی ان اقسام میں سے ہر قسم کی دلیل خاص ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کرنا شرک ہے۔

عبادت کی ان تمام قسموں صرف اور صرف اللہ کے لئے کرنا واجب ہے۔

مصنفؒ عنقریب ان دلائل کو ذکر کریں گے جن میں بعض کا تعلق پہلی قسم سے ہے اور بعض کا تعلق دوسری قسم سے ہے [989]

دوسرا مسئلہ: خوف کا معنیٰ:

خوف قلبی عبادات میں سے ہے بلکہ عبادت کا رُکن اعظم ہے اور دین کو اللہ کے لئے خاص کئے بغیر درست نہیں ہے [990] خوف مستقبل میں ناپسندیدہ بات کی توقع اور اللہ کو کہتے ہیں۔ [991] دلوں میں ناپسندیدہ چیز کا تاثر پیدا ہونا کسی یقینی و باطنی علامت کی وجہ

---

989) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز الشیخ (78)۔

990) حاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (37)۔

991) ینظر: مدارج السالکین، لابن القیم (513/1)؛ وبلغة السالک لأقرب المسالک، للصاوي (438/4)۔

سے،خوف کی ضد امن ہے اس کا استعمال دنیوی اور اخروی امور میں ہوتا ہے[992] خوف کی شرعی تعریف: دل کا اللہ تعالیٰ ڈراور خوف کی وجہ سے متوجہ ہو جانا۔[993]

تیسرا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ :

اس سے پہلے مصنفؒ نے عبادۃ الدعاء سے شروع کیا اور یہاں دوسری عبادت کی دلیل ذکر کی وہ ہے عبادۃ الخوف وہ آیت جس کو مصنفؒ نے پیش کیا ہے۔اس بات کی دلیل ہے کہ خوف عبادت ہے۔ غیر اللہ سے خوف کھانا جائز نہیں ہے۔اس کی دو وجوہات ہیں:

(ا)اللہ تعالیٰ نے دوسروں سے ڈرنے سے منع فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ کہا: "فلا تخافوهم وخافون"،ان سے مت ڈرو مجھ سے ڈرو،جب اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے ڈرنے کا حکم دیا ہے تو اس سے صادق آتا ہے کہ "خوف" عبادت ہے کیوں کہ عبادت ہر اس چیز کا نام ہے جس کو اللہ پسند کرتا ہے اور جس سے وہ راضی ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کا حکم نہیں دیتا ہے جو اس کو پسندیدہ نہ ہو۔ دلیل عام سے معلوم

---

992) المفردات في غريب القرآن، للراغب الأصفهاني (303)، ومقاصد التوحيد، د. وليد الحمدان (184)۔

993) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (27)۔

ہوتا ہے کہ جس نے غیر اللہ کے لئے کوئی عبادت کی وہ مشرک ہے۔ یہ قسم اول کی دلیل ہے۔

(۲)خوف پر ایمان کو معلق کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وخافون إن کنتم مؤمنین"، ایمان کے حصول کو اللہ سے خوف کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے جس میں اللہ کا خوف نہیں ہے۔ وہ مومن نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم مومن ہو تو مجھ سے ڈرو۔ ان سے مت ڈرو۔ اس آیت میں اس کی دلیل ہے کہ خوف کھانا صرف اور صرف اللہ سے واجب ہے۔ جب انسان غیر اللہ سے عبادت گزاری کے طور پر خوف کھائے تو یہ شرک ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خوف کو ایمان کے تقاضے میں سے قرار دیا ہے تو جس نے غیر اللہ سے خوف کیا وہ مومن نہیں ہے۔ یہ دلیل ہے دوسری قسم کی۔ وہ یہ کہ خوف کا اللہ کے لئے ہونا واجب ہے[994]

چوتھا مسئلہ: خوف العبادة :

---

994) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (126)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (79)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (78)؛ وحاشية على رسالة ثلاثة أصول، الكشيري (11)۔

وہ خوف جس کا صرف اللہ کے لئے کرنا واجب ہے جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے کیا وہ مشرک کافر ہے۔ یہ خوف کی ایک قسم ہے۔ تمام قسم خوف العبادۃ یا خوف العبودیۃ نہیں ہے بلکہ وہ قسم خوف العبادۃ ہے جس میں عاجزی وانکساری اور تعظیم کا پہلو ہو۔اس کے دو ضابطے ہیں۔

(ا) غیر اللہ سے ایسی چیز میں ڈرے جس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی قادر نہیں ہے۔[995] جیسے وہ مردہ سے ڈرتا ہے یا غائب زندہ شخص سے ڈرتا ہے جس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ اس کو کسی ناپسندیدہ چیز کی مصیبت پہنچائے گا یا کسی موجود شخص ایسی چیز میں ڈرتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو قدرت نہیں ہے تو یہ شرک اکبر ہے۔اس لئے کہ اس نے غیر اللہ کو اللہ کے برابر کر دیا ان چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے کیوں کہ مخلوق سے اس کا ڈرنا اللہ سے ڈرنے کے مقابلہ میں ہے[996]

---

995) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (126)؛ شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشيخ (80)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، د. صالح بن فوزان الفوزان (133)۔

996) إفادۃ المسؤول عن ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ القصیر (51)۔

(۲) غیر اللہ سے اس کا ڈرنا عبادت گزاری مکمل عاجزی وانکساری اور محبت کے ساتھ ہو۔ چنانچہ وہ اس سے ڈرنے کے ساتھ اس کی تعظیم بھی کرتا ہے[997] اس طرح سے اس کا ڈرنا کہ اس میں عاجزی وانکساری اور عبادت گزاری کا پہلو ہو جو چھپے خوف اور چھپی بندگی کا سبب ہو کیوں کہ وہ جس سے ڈرتا ہے اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس کو مشیت نافذہ اور قدرت مطلقہ حاصل ہے اور وہ نفع و نقصان کا مالک ہے حالانکہ اس قسم کا خوف اللہ وحدہ لا شریک لہ کے لئے واجب ہے[998]

خوف شرکی کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر غیر اللہ سے کیا تو وہ شرک ہے۔ یہ خوف کی ایک قسم ہے۔ اس کو خوف السر کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ جس سے ڈر رہا ہے اس سے کسی مصیبت کے پہنچنے کا اپنے دل میں اندیشہ کرے۔ جیسے اللہ تعالیٰ ظاہری اسباب کے بغیر مصیبت پہنچاتا ہے اور کسی چیز کا اس سے بچنا ممکن نہ ہو[999] یعنی یہ عقیدہ رکھے قوت و تصرف ہے جس سے بغیر سبب کے تکلیف پہنچاتا ہے چنانچہ وہ چھپی ہوئی خاص قدرت و قوت کی وجہ سے ڈر رہا ہے جس

---

997) المحصول من شرح ثلاثة الأصول، الغنيمان (102)۔

998) مقاصد التوحيد، د. وليد الحمدان (191)۔

999) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (80)۔

میں احساس نہیں ہے۔ ”خوف السر“ جس کا بعض نجدی دعوت کے ائمہ سے ذکر کیا ہے جیسے شیخ سلیمان بن عبداللہ نے تیسیر العزیز الحمید میں پھر ان کی ایک جماعت نے اتباع کی ہے۔ اس سے وہ مراد نہیں ہے جیسا کہ ہم عصر علماء نے سمجھا ہے کہ وہ خوف جو باطن میں ہو۔ یہاں ”سر“ سے انسان کا باطن سمجھا اور اس پر اعتراض کیا کہ خوف کا اصل محل باطن ہی ہے۔ ائمہ دعوت یہ معنی مراد نہیں لیتے ہیں بلکہ ”سر“ سے مراد تاثیر کی قدرت ہے۔ بعض لوگوں کا اپنے اولیاء کے تعلق سے عقیدہ ہے۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان میں تاثیر کی قدرت ہے۔ خواہ وہ دور ہوں۔ اس جیسی شکل کو ”خوف السر“ کہتے ہیں اور یہی سر کا معنی ہے جو اہل بدعت کے کلام میں ذکر کیا جاتا ہے جیسا کہ ان کی دعاء میں کہا جاتا ہے "فلان قدّس اللہ سرّہ"، ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نفع و نقصان ان کی تاثیر کو بڑھا دے۔

حق و باطل میں فرق کرنے والی بات اہل سنت اور اہل بدعت کے درمیان اس جگہ یہ ہے کہ اہل سنت معزز مردہ کے حق میں کہتے ہیں قَدَّسَ اللہُ رُوحَہُ ان کی روح کو پاک بنا دے اور ان کے درجات بلند کر دے۔ اہل بدعت کہتے ہیں فُلانٌ قَدَّسَ اللہُ سِرہ اس سے

وہی معنی مراد لیتے ہیں جو ابھی گزرا[1000] چنانچہ "خوف السر" وہ خوف ہے جس سے اس ذات کا قرب حاصل ہوتا ہے اور ڈرنے والے کے اندر عبادت کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے[1001] چنانچہ وہ ڈرتا ہے اگر بتوں کے لئے ذبح نہیں کیا تو وہ اس کو اور اس کی اولاد کو نقصان پہنچائے گا۔ اگر اس نے ولی کی عبادت نہیں کی تو اس کو ضرر لاحق ہوگا اور اگر قبر کا طواف نہیں کیا اور قبروں کا طواف کرنے والے کی نکیر کی تو قبر والا اس کو تکلیف پہنچائے گا[1002] جیسا کہ مشرکین اپنے معبود سے ڈرتے ہیں۔ یہ بھی خوف السر ہے کہ ان کو یہ معبود، یہ سردار یا ولی نقصان پہنچائیں گے جیسے ان کو اللہ تعالیٰ نقصان پہنچاتا ہے چیزوں کے ذریعہ سے تو ان کے دلوں میں اس معبود کی جانب سے اسی قسم کا خوف بیٹھ جاتا ہے جیسے اللہ کا ہوتا ہے۔ یہی وہ خوف ہے ان جیسی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔{ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَيُّ

1000) فوائد من تقریرات الشیخ صالح بن عبد اللہ العصیمي، علی شرح ثلاثة الأصول، للعلامة الشیخ عبد العزیز ابن باز، مفرغ ومنشور علی الشبکة العنکبوتیة۔

1001) ینظر: تیسیر الوصول إلی شرح ثلاثة الأصول، عبد اللہ بن حمود الفریح (43)۔

1002) ینظر: شرح الأصول الثلاثة، أحمد الصقعوب (38)۔

الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (81) }[1003] ترجمہ: ”اور آخر میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں، جب کہ تم اللہ کے ساتھ اُن چیزوں کو خدائی میں شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے لئے اس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی ہے؟ تم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ بے خوفی واطمینان کا مستحق ہے؟ بتاؤ! اگر تم کچھ علم رکھتے ہو۔“

اس لئے کہ یہ لوگ اپنے معبود سے اسی قسم کے خوف سے ڈرتے ہیں۔ اس لئے تم ان کے دلوں کو اپنے معبودوں کے ساتھ لٹکا ہوا پاتے ہو اس لئے کہ وہ ان سے خوف السر کے طور پر ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قوم ہودؑ کے قول کے بارے میں خبر دیتے ہوئے کہا: جب انہوں نے ہودؑ سے کہا: {إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ}[1004]، ترجمہ: ”ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے۔“ تو وہ لوگ معبود سے ڈرے اس لئے ان کے خیال میں وہ مصیبت پہنچاتے

(1003)سورۃ الأنعام: 81۔

(1004)سورۃ ھود، الآیۃ(54)۔

ہیں[1005] یہ خوف کی قسم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ غیر اللہ کے لئے ایسا خوف شرک اکبر ہے۔ اس لئے غیر اللہ میں سے کسی کے بس میں نہیں ہے کہ وہ جس کو چاہے مصیبت پہنچائے[1006] اللہ کے علاوہ اسباب کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا ہے وہ کسی چیز کو ہو جا کہتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔ ساری چیز اسی کی ملکیت میں ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی کے قبضہ میں معاملہ کا پھیرنا ہے۔ وہ جس خیر کو چاہتا ہے بھیجتا ہے اور جس خیر کو چاہتا ہے روک لیتا ہے۔[1007]

جب غیر اللہ سے اسی طرح خوف ہو تو یہ ربوبیت اور الوہیت میں شرک ہے:

(ا)اس نے ربوبیت میں شرک کیا کیوں کہ اس کا یہ عقیدہ ہے کہ مخلوق میں کوئی ہے جس کو تصرف، تدبیر، نفع و نقصان پر قدرت ہے حالانکہ ان چیزوں کی قدر صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

1005)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(82)۔

1006)الشرک في القدیم والحدیث(1086/2)۔

1007)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(80)۔

(۲)اس نے الوہیت میں شرک کیا کیوں کہ جس سے ڈر رہا ہے اس کا خوف اس کی تعظیم اس کے دل میں ہے اور اس کے سامنے عاجزی وانکساری کرتا ہے[1008] لیکن جب خوف عقیدہ اور عبادت گزاری کے طور پر نہ ہو تو یہ انسان کی کمزوری کے نتائج ہیں۔اس کا سبب ظاہر ہے یا فطری سبب ہے۔یہ خوف کی قسم جائز ہے۔یہ فطری خوف ہے جیسے انسان درندہ آگ ڈوبنے یا دشمن سے ڈرتا ہے یا خوف ویران سنسان جگہوں میں یا تاریکی میں اسی جیسی چیزوں میں ہوتا ہے۔ فطری اسباب سے ڈرنا ''خوف شرکی'' میں داخل نہیں ہے۔[1009] اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت اسی کے مطابق بنایا ہے۔اگر بغیر عذر شرعی کے کسی چیز سے ڈر ہو تو یہ خوف حرام ہے[1010] اسی طرح کی ظالم سے اس کے ظلم کا خوف ہو لیکن اس کی تعظیم دل میں نہ ہو بلکہ اس کی پکڑ سے بچنے کے لئے ڈرتا ہے اور دل اس سے نفرت کرتا ہے یا اس کو ناپسند کرتا ہے تو یہ عبادت نہیں ہے[1011]

(1008)شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز الشیخ(80)۔

(1009)مقاصد التوحید، د. ولید الحمدان(178)۔

(1010)ینظر: شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثیمین(57)؛ وشرح الأصول الثلاثة، أحمد الصقعوب(39)۔

(1011)المحصول من شرح ثلاثة الأصول، الغنیمان(102)۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں" رجاء کی دلیل ارشاد ربانی ہے{ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (110) }[1012]، ترجمہ: پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔

صاحب کتاب نے تیسری عبادت کی دلیل کے طور پر "رجاء" کو ذکر فرمایا کہ رجاء ایک ایسی عبادت ہے جو غیر اللہ سے نہیں کی جاسکتی۔ارشاد خداوندی ہے: "جو اپنے سے ملاقات کی امید رکھتا ہے، اللہ رب العزت والجلال کے پاس جانے کا خواہش مند ہے اور اللہ تعالیٰ کا دیدار قیامت کے دن چاہتا ہے تو اسے نیک اعمال لازماً کرنا چاہیے۔جو ریا و نمود سے پاک اور شریعت الٰہی کے موافق ہو، نیز اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیے۔"[1013]

اس سیاق میں مصنف کے کلام کی روشنی میں درج ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں

:

(1012)سورۃ الکھف:110۔

(1013)حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم(37)؛شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ(85)۔

پہلا مسئلہ: رجاء کا مفہوم۔

قرینے کی بنیاد پر رجاء کو خوف کے بعد ذکر کیا کیونکہ انسان کے دو بازو ہیں جن سے وہ پرواز کرتا ہے اور اسی کے ذریعے پناہ گاہ تک پہنچتا ہے۔[1014] چنانچہ ''عبودیت'' میں خوف ور جاء لازم وملزوم ہیں، اس لیے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے تو اس کے لیے ''رجاء'' کا دروازہ کھولنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہونا اور اس کی رحمت سے پرامید ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ یہی اللہ تعالیٰ سے ''خوف'' کا مقصود و مطلوب ہے۔[1015]

لغت کے اعتبار سے ''رجاء'' کے معنی امید وآرزو کے ہیں۔ رجاء اور تمنی کے درمیان فرق یہ ہے کہ رجاء ایسی امید کا نام ہے جس سے عمل جڑا ہوا ہو اور تمنی ایسی خواہش کا نام ہے جس سے عمل کا مربوط ہونا ضروری نہیں ہے۔[1016]

(1014) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (33)۔

(1015) مقاصد التوحید، د. ولید الحمدان (185)۔

(1016) مقاصد التوحید، د. ولید الحمدان (190)۔

اصطلاحاً، کسی محبوب چیز کی تمنا کا نام ہے، خواہ وہ علم یقینی کے ذریعے ہو یا علم ظنی کے ذریعے۔[1017]

رجائے الٰہی کا شرعی مفہوم: کامل توکل اور پوری کوشش کرنے کے بعد مقصود و مطلوب کے حصول کے سلسلے میں بندے کا اپنے رب سے امید لگانے کا نام ہے۔[1018]

لہٰذا رجاء کا مطلب یہ ہے کہ بندہ خیر کے حصول کی تمنا وآرزو کرے اور خیر کی توقع من جانب اللہ عبادت ہے۔ درحقیقت اللہ تعالٰی اپنے بندوں کے لیے فائدہ چاہتا ہے۔ اور ہر انسان اپنے رب کی رحمت کی امید اور اس سے عفو و درگزر کی تمنا رکھتا ہے۔ گناہ کے ارتکاب سے ڈرتا ہے۔ اگر یہ کیفیت بندے میں پیدا ہو جائے تو یہ افضل ترین عبادت ہے۔[1019]

رجاء ایک ایسی قلبی عبادت ہے جس کی حقیقت کسی پر امید چیز کے حصول میں دلچسپی اور خواہش کا پیدا کرنا ہے۔[1020]

1017) المفردات في غريب القرآن، للأصفهاني (303)۔

1018) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (27)۔

1019) المحصول من شرح ثلاثة الأصول، الغنيمان (103)۔

1020) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (85)۔

دوسرا مسئلہ: آیت کی روشنی میں طریقۂ استدلال :

صاحب کتاب فرماتے ہیں "رجاء کی دلیل ارشاد باری ہے { فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (110) }، طریقۂ استدلال یوں ہے کہ رجاء ایک ایسی عبادت ہے جو غیر اللہ کے لیے دو وجوہات کی بناپر جائز نہیں ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت والجلال نے اس شخص کی تعریف کی ہے جس نے اس رجاء کو انجام دیا اور وہ وہی ہے جو اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اور جس نے اس عمل صالح کے راستے کو اختیار کیا اور شرک سے کنارا کشی اختیار کی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ رجاء کی یہ صورت اس کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے جس پر عبادت کی حد صادق آتی ہے کیونکہ یہ ایک ایسا جامع لفظ ہے جو ہر اس چیز کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور جس سے راضی ہے، اس لیے کہ آیت کریمہ میں اس شخص کی تعریف کی گئی ہے جس نے اس "رجاء" کو انجام دیا اور یہ ایک ایسی عبادت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہے۔[1021]

(1021) شرح ثلاثۃ الاصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (85)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت والجلال نے اس عمل کا حکم دیا ہے جو رجائے حقیقی کی علامت ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رجاء عبادت ہے۔ جب رجاء عبادت ہے تو غیر اللہ سے امید قائم کرنا شرک ہے۔[1022]

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ رجاء عبادت ہے تو بندے پر واجب ہے کہ لو لگائے تو صرف اللہ تعالیٰ سے، نہ کہ کسی مخلوق سے۔ نہ بندے کی طاقت و قوت اور نہ ہی عمل سے، گرچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اسباب مقرر فرمایا ہے لیکن اسباب مستقل بالذات نہیں ہیں بلکہ اس کے لیے معاون کا ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ رکاوٹ پیدا ہو جائے اور وہ چیز حاصل نہ ہو، اس لیے کہ مشیت باری کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔[1023]

تیسرا مسئلہ: رجاء العبادة :

1022) تنبیہ العقول إلی کنوز ثلاثة الأصول، د. عبدالرحمن الشمسان (517/1)۔

1023) مجموع الفتاوی، لابن تیمیة (256/10)۔

”رجاء العبادة“ سے مقصود وہ رجاء وامید ہے جس میں عاجزی اور انکسار شامل ہو اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے، غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہے۔[1024] رجاء کو غیر اللہ کے ساتھ معلق کرنا جس میں دل کا خضوع اور انکسار و عاجزی شامل ہو، شرک کی ایک قسم ہے۔[1025] لہٰذا جس نے غیر اللہ سے اس چیز کے سلسلے میں امید قائم کی، جس چیز پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے اور اس چیز کی تمنا کی جس کا مالک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے تو اس نے شرک اکبر کا ارتکاب کیا۔[1026] گویا مرض سے شفا کی امید، جنت میں داخل ہونے کی امید اور جہنم سے نجات پانے کی امید یا مصیبت سے چھٹکارا پانے وغیرہ کی امید، یہ رجاء کی ایسی قسمیں ہیں جن کی امید و تمنا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں کی جاسکتی۔ یہ مفہوم ہے رجاء العبادۃ کا۔[1027] تو رجاء سے مراد وہ رجاء ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے

1024)ینظر: شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن صالح العثیمین (58)؛ حصول المأمل بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ الفوزان (79)۔

1025)شرح الأصول الثلاثۃ، أحمد الصقعوب (40)۔

1026)شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراھیم آل الشیخ (129)؛ وحاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (38)۔

1027)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (85)۔

۔اس کا مطلب یہ ہے کہ امید صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے لگائی جائے، جیسے پریشانی، مصیبت، تکلیف کو دور کرنے کی امید، پریشان حال کی دعائوں کو قبول کرنے کی امید، آسمان سے بارش برسانے کی امید، روزی میں وسعت وفراخی پیدا کرنے، اولاد عطا کرنے اور گناہ وغیرہ کو معاف کرنے کی امید۔ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے۔[1028] رہی وہ صورت جب کسی چیز کی امید کسی ایسے شخص سے ہو جو اس کا مالک ہے، تو یہ رجاء طبیعی فطری امید ہے، رجاء العبادۃ نہیں ہے۔[1029]

چوتھا مسئلہ: طلب الرجاء الجائز:

کسی نے یہ کہا، مجھے آپ سے امید ہے وغیرہ... تو یہ جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ ایسی امید ہے جو بندے سے پوری ہوتی ہے اور یہ "طلب" کے قائم مقام ہے لیکن دو شرطوں کا لحاظ ضروری رکھنا ضروری ہے۔

1028) صیانۃ الإنسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان، لمحمد بشیر السھسوانی (64/2)، اعتنی بہ نبیل صلاح سلیم، ناشر: دار التوحید للتراث، مصر، ط. الأولی 1431 ھجریا۔

1029) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز الشیخ (85)؛ وینظر: شرح الأصول الثلاثۃ، عبد العزیز الراجحي (50)؛ وشرح الشیخ د. عبد اللہ بن عبد العزیز العنقري علی ثلاثۃ الأصول وأدلتھا (36)۔

پہلی شرط یہ ہے کہ دل میں عاجزی وانکسار ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جس سے امید قائم کی جائے، وہ زندہ، موجود اور قادر ہو

۔[1030]

لہٰذا دل کا کسی ایسے شخص کی طرف مائل ہونا جس کے قبضے میں کوئی چیز ہے تو یہ فطری جذبہ ہے، شرک نہیں ہے، لیکن مناسب یہ ہے کہ ''رجائے حقیقی''اس کے دل میں قائم ہو کہ مسبّب الاسباب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ جب چاہے گا، تبھی وہ چیز حاصل ہو گی، ورنہ نہیں ہو گی۔[1031] اور جب مخلوق سے امید باندھی ایسی چیز پر جس پر وہ قادر ہیں اور اسے کسی واجب کے ترک کرنے یا حرام کے کرنے پر آمادہ کیا تو یہ شرک اصغر ہے، لیکن ایسا ہونا شاذ ونادر ہے۔''رجاء''کی یہ تینوں قسمیں ہم تو نہیں جانتے، البتہ دلیل اور مفہوم ومعنی صحیح ہیں۔[1032]

پانچواں مسئلہ: کسی کا یہ کہنا''لک خالص الرجاء'' ۔

(1030) سبیل الوصول إلى مقاصد ثلاثة الأصول، تألیف: عبداللہ الشهراني، وعلي القحطاني.(25)۔

(1031)شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ(129)۔

(1032)شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ(130)۔

آپ سے خالص امید ہے یا آپ کی ذات سے مجھے امید ہے، یہ جملہ اس قبیل سے ہے کہ اس میں اختصاص اور کمال کی صفت موجود ہے جو جائز نہیں ہے کیونکہ یہ عبادت ہے اور خالص عبادت اللہ رب العزت ذوالجلال کے لیے ہے۔ جس میں عربی قواعد کے اعتبار سے جار مجرور مقدم ہو یا جس کا حق موخر ہونے کا ہو، وہ مقدم ہو تو یہ اختصاص کی شان ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے۔ اسی طرح لفظ شکر، تحیات اور تعظیم ہیں۔ مثلاً کسی کا یہ کہنا "لک خالص الشکر" یا "مع خالص التحیات" یہ سارے الفاظ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ خالص شکر، تحیات، نقدیر، قدر اور تعظیم یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ کسی انسان کے لیے یہ کہا جائے گا کہ آپ کا بہت بہت شکریہ! لہٰذا لفظ شکر و رجاء وغیرہ جب اس میں تجرید اور اخلاص کامل ہو تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے اور یہ ہوں گے قول خالص کے ساتھ، جیسے "مع خالص الرجاء"، "مع خالص الشکر" یا "لک شکری" اور "فیک رجائی" وغیرہ۔[1033]

1033) الأجوبة والبحوث والدراسات العلمية المشتملة عليها الدروس العلمية، صالح آل الشيخ (67)۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں ”توکل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے {وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (23)}[1034]، اور { وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ }[1035]، ترجمہ: جو اللہ پر بھروسا کرے اس کے لیے وہ کافی ہے۔

صاحب کتاب نے چوتھی عبادت "توکل" کے دلائل کا ذکر کیا، اور اس کی دلیل پیش کی، اور دلیل میں کہا گیا کہ صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھو، اور سارے معاملات اسی کے حوالہ کرو، اگر تم مؤمن ہو تو، توکل کو ایمان کی شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کسی میں توکل نہیں ہے تو اس میں ایمان نہیں ہے، دوسری دلیل یہ ہے کہ "توکل "ایسی عبادت ہے جو صرف اللہ ہی سے کی جا سکتی ہے، ارشاد باری ہے" ومن یتوکل علی اللہ "جو شخص دنیا و آخرت کے معاملہ میں اللہ پر توکل کرے گا، "فھو حسبہ"، اللہ اس کے لیے کافی ہو گا[1036]۔

مصنف کے کلام کی روشنی میں اس سیاق میں درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

1034) سورۃ المائدۃ، الآیۃ (23)۔

1035) سورۃ الطلاق، الآیۃ (3)۔

1036) ینظر حاشیۃ الأصول لابن قاسم، (39)، وتیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول: د. القاسم (79)۔

پہلا مسئلہ: توکل کا معنی ومفہوم۔

لغت کے اعتبار سے:

توکل کے معنی ہیں، کسی پر بھروسا کرنا، حوالے کرنا، سپرد کرنا۔[1037]

اصطلاح میں:

توکل کہتے ہیں، کوئی معاملہ کسی کو سونپ دینے اور کسی پر بھروسا واعتماد کرنے کو۔[1038]

شرعاً:

توکل اس بات کا نام ہے کہ اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے، قضا و قدر کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے، مشروع اسباب و وسائل کو اختیار کرتے ہوئے، ان اسباب پر بھروسا کیے بغیر تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرکے ہر معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا جائے۔[1039]

1037)ينظر: معجم مقاييس اللغة،لابن فارس(1063)؛والصحاح،للجوهري(1371/2)؛وكتاب العين،للفراهيدي (1066)،ناشر:دارإحياءالتراث العربي،بيروت،ط.الأولى1421هجريا۔

1038)مقاصدالتوحيد،د.وليدالحمدان(190)۔

توکل دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔

۱ ۔پہلی چیز یہ ہے کہ سارے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کردے اور اس بات کا یقین رکھے کہ کوئی چیز اللہ کے حکم کے بغیر نہیں ہوسکتی اور اللہ تعالیٰ نے جتنا مقدر فرمایاہے،اتناہی ہوسکتاہے اور اللہ رب العزت ذوالجلال کے علاوہ کوئی طاقت نہیں ہے جو اس چیز کو تکمیل کی منزل سے ہمکنار فرمادے۔

۲ ۔دوسری چیز یہ ہے کہ اسباب ووسائل کو اختیار کرے کیونکہ سبب کا اختیار کرنا توکل کی حقیقت میں داخل ہے۔اس کے بغیر توکل کا مفہوم پورا نہیں ہوسکتا،البتہ سبب کی طرف توجہ نہ کی جائے کیونکہ تنہا سبب سے مقصود حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ دونوں بات کا امکان ہے کہ مقصود حاصل ہو جائے اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ مطلوب حاصل نہ ہو

1039)حاشیۃ ثلاثۃ الأصول،عبدالرحمن بن قاسم (38)؛وشرح ثلاثۃ الأصول،ابن باز (51)؛وإفادۃ المسؤول عن ثلاثۃ الأصول،عبداللہ بن صالح القصیر (51)۔وقیل:التوکل شرعًا:إظھار العبد عجزہ للہ،واعتمادہ علیہ،مع بذل الأسباب؛ لأن بذل الأسباب شرط للتوکل،وشرط الشيء خارج عن حقیقتہ۔

ینظر:شرح ثلاثۃ الأصول وأدلتھا،أملاہ فضیلۃ الشیخ صالح بن عبداللہ العصیمي (41)،الکتاب الثاني،برنامج مھمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436ھجریا۔

۔اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، البتہ ہر صورت میں تنہا اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا رکھا جائے۔[1040]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”جس نے اسباب و وسائل کا انکار کیا، اس نے صحیح توکل نہیں کیا، لیکن اسباب کو سب کچھ نہ سمجھ بیٹھے بلکہ اس کے دل کی حالت یہ ہو کہ یہ کام اللہ کے حکم کے بغیر پائے تکمیل کو نہیں پہنچے گا اور اس کے اعضاء و جوارح سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہو کہ اصل اللہ کا حکم ہے۔[1041]

دوسرا مسئلہ: توکل کے عبادت ہونے کے دلائل۔

توکل اہم ترین عبادت اور توحید کے اعلیٰ مدارج میں ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”توکل آدھا دین ہے اور آدھا دین انابت ہے، اس لیے کہ دین، استقامت و عبادت کا نام ہے۔ چنانچہ توکل، استعانت ہے اور انابت عبادت ہے اور اس کا مقام و مرتبہ

(1041)ینظر: شرح فتح المجید، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (457/2)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز الشیخ (90)۔

(1041)مدارج السالکین (120/2)۔

بہت بلند ہے۔‘‘[1042] مصنف نے توکل کے عبادت ہونے کی کتاب اللہ سے دو دلیلیں پیش کی ہیں۔

پہلی دلیل:

ارشاد ربانی ہے {وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (23)}۔توکل کے عبادت ہونے پر آیت کریمہ سے تین طریقوں سے انھوں نے استدلال کیا ہے۔[1043]

ا ۔اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر توکل کرنے کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ انھیں چیزوں کا حکم دیتا ہے جو اسے پسند اور محبوب ہوتی ہے جو دلیل ہے کہ توکل علی اللہ عبادت ہے۔

۲ ۔اللہ تعالیٰ نے توکل علی اللہ کو ایمان کے لیے شرط قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا {وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (23)}۔جو دلیل ہے اس بات کی کہ جس میں ایمان نہیں، اس میں توکل نہیں اور جس آدمی میں توکل نہیں، اس میں ایمان نہیں۔اس

(1042)مدارج السالکین(113/2)۔

(1043)شرح ثلاثۃ الاصول، محمد بن ابراھیم آل الشیخ(132)۔

کا مطلب یہ ہے کہ ایمان توکل علی اللہ کے ذریعے ہی حاصل ہوتا ہے، لہٰذا جب توکل علی اللہ نہ ہو تو بندہ مومن نہیں ہے۔[1044]

۳۔ جار مجرور ایسا عامل ہے جس کا حق ہے کہ بعد میں آئے لیکن یہاں پہلے آیا ہے۔ ارشاد باری ہے {وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا}۔ اصل کلام ہے "توکلوا علی اللہ"، لیکن معمول "وعلی اللہ" کو عامل "توکلوا" پر مقدم کیا اور جس چیز کا حق بعد میں آنے کا ہو، وہ پہلے آئے تو حصر وقصر یا اختصاص کا فائدہ دیتا ہے۔ تو آیت کا معنی ہو گا، تم اگر مومن ہو تو اللہ ہی پر بھروسا رکھو۔ اور یہ دلیل ہے کہ توکل ایک ایسی عبادت ہے جو اللہ کے سوا کسی اور سے نہیں کیا جا سکتا۔[1045]

دوسری دلیل:

ارشاد خداوندی ہے {وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ}، طریقۂ استدلال یہ ہے کہ اللہ رب العزت والجلال نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی عمل کی تعریف کرتا ہے جو اسے محبوب اور پسند ہوتا ہے اور جس چیز

1044) المحصول من شرح ثلاثۃ الاصول، الغنیمان (104)؛ شرح ثلاثۃ الاصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (91)۔

1045) شرح ثلاثۃ الاصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (91)؛ وحاشیۃ ثلاثۃ الاصول، عبد الرحمن بن قاسم (39)۔

سے وہ محبت کرتا ہے اور جس سے وہ راضی ہوتا ہے ، وہ عبادت کی اقسام میں داخل ہے ۔[1046] توکل کے عبادت ہونے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس کے اجر و ثواب کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہوگا۔ کسی چیز پر اجر و ثواب کا مرتب ہونا عبادت کی نشانی ہے۔ [1047]

پھر یہ کہ "من" شرطیہ فعل شرط اور ثواب کو ذکر فرمایا اور اس کے بعد جزاء کو ذکر کیا جو دلیل ہے اس کی کہ یہ ایسی عبادت ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب بھی عطا کیا جائے اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا کافی ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ توکل اسی پر کیا جائے گا جو اس کے لیے کافی ہوگا اور اس وصف سے متصف صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔[1048]

مصنف کا طرز تحریر یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت کی دلیل کے طور پر صرف ایک آیت لاتے ہیں لیکن یہاں دو آیت لائے ہیں۔ پہلی آیت میں توکل کے وجوب کی دلیل کو

1046)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(91)۔

1047)تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي(31)۔

1048)شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن ابراھیم آل الشیخ(133)۔

بیان کرنے کے لیے ارشاد باری ہے "فتوکلوا" اور دوسری آیت "فھو حسبہ"، میں توکل کے ثواب و جزا کو بیان کرنے کے لیے، لھٰذا اللہ پر بھروسا کرنے والا اپنے مکلوب اور اپنی مراد کو حاصل کرلیتا ہے۔[1049]

اور دلیل یہاں استدلال کی ان دونوں قسموں سے مرکب ہے جس کا بیان پہلے ہوا ہے اور وہ یہ ہیں :

۱ ۔عام استدلال:

وہ یہ کہ انھوں نے ثابت کیا کہ توکل عبادت ہے، اس لیے جس کسی نے اللہ کے علاوہ پر توکل کیا تو وہ مشرک ہے۔

۲ ۔خاص استدلال:

وہ اس طرح کہ دلیل خاص کی وجہ سے جب ثابت ہو گیا کہ توکل عبادت ہے تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی پر توکل و بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ ارشاد خداوندی ہے "{وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا

1049) ینظر: تیسیر الوصول إلی شرح ثلاثة الأصول، عبد اللہ بن حمود الفریح (47)؛ شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد اللہ المصلح (33)۔

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (23) }۔ یہاں جس چیز کا حق بعد میں آنے کا تھا، اسے پہلے لانا اختصاص کی دلیل ہے۔[1050]

تیسرا مسئلہ: عقیدۃً اور لفظاً توکل کے باب میں اللہ تعالیٰ کا اکیلا اور تنہا ہونا۔

توکل خالص قلبی عبادت ہے، لہٰذا توکل کے باب میں اللہ تعالیٰ کو یکا و تنہا سمجھنا واجب ہے اور غیر اللہ پر توکل کرنا شرک ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ سارے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا جائے۔[1051] چنانچہ توکل کے سلسلے میں لفظاً و عقیدتاً اللہ تعالیٰ کو اکیلا سمجھنا واجب اور ضروری ہے۔[1052]

ا ۔ عقیدہ توکل کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کو ایک سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ دل کا میلان یا اس کا اعتماد غیر اللہ پر نہ ہو بلکہ ضروری ہے کہ کلی اعتماد اللہ پر کرے، نہ کہ کسی مخلوق یا کسی سبب پر۔ اگر مخلوق کو کسی قسم کی قدرت حاصل ہو، پھر بھی اعتماد نہ کرے بلکہ بندہ

1050) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز الشیخ (91)۔

1051) المصدر السابق (90)۔

1052) شرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد بن عبد اللہ المصلح (33)؛ والتعلیق المأمول علی ثلاثۃ الأصول، أ.د. عبد الرحمن السدیس (272)۔

صرف اور صرف اللہ پر بھروسا کرے، اس لیے کہ توکل اللہ تعالیٰ ہی کے لیے درست ہے۔ پھر یہ کہ معاملات اسی کے حوالے کیے جا سکتے ہیں جن کے قبضۂ قدرت میں سارا معاملہ ہے اور مخلوق کے قبضے میں نہ کوئی چیز ہے اور نہ وہ کسی چیز پر مستقل قادر ہے بلکہ وہ ایک سبب ہے۔ سبب پر توکل کرنا جائز نہیں ہے۔ اسے صرف سبب سمجھے۔ اس سلسلے میں جس میں اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہے اور اس سبب کے نفع کے معاملے کو اللہ کے حوالے کر دے۔[1053] اس لیے کہ توکل قلبی عبادت ہے۔ جس نے غیر اللہ پر توکل کیا، اس چیز میں جس پر وہ قادر نہیں ہے تو شرک اکبر میں ملوث ہو گیا۔ اور جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے قدرت عطا فرمائی، اس پر توکل کیا تو شرک خفی اصغر کا ارتکاب کیا۔ غیر اللہ پر توکل کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: دل سے اعتماد کرنا غیر اللہ پر اس معاملے میں جس معاملے میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی قادر نہیں ہے تو یہ شرک اکبر ہے، جیسے مخلوق پر گناہ کے بخشنے، اخروی

1053) حاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (38)؛ حصول المأمل بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (85)؛ والتمهيد لشرح كتاب التوحيد، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (360)؛ والشرک في القديم والحديث (1099/2)؛ شرح الأصول الثلاثة، أحمد الصقعوب (45)۔

بھلائی کے حاصل کرنے یااولاد یاشفاکے حاصل کرنے کے سلسلے میں توکل کرنا۔ یہ صورت اکثر وبیشتر قبرپرستی اوراولیاپرستی میں مبتلا شخص کے یہاں پائی جاتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دل سے ان زندوں پراعتماد وبھروسا کرے جو موجود ہیں اوراللہ تعالیٰ کی عطاکی ہوئی قدرت کی بناپر نفع پہنچانے یانقصان دور کرنے پر قادر ہیں تو یہ شرک اصغر ہے۔[1054]

جب اس نے بے کسی کو مخلوق کے سامنے ظاہر کردیایااس پراس سلسلے میں بھروسا کیا جس سلسلے میں اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے، جیسے غائب پر یامردہ وغیرہ پر بھروسا کرے تو یہ شرک اکبر ہے،دووجوہات کی بناپر۔ایک تو یہ کہ اس نے مخلوق کے سلسلے میں ایسا عقیدہ رکھاجو خصائص الٰہی میں سے ہے اوراسے ایسے افعال کے ساتھ خاص کیاجس پراللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ بے بسی اور محتاجی کو غیر اللہ کے سامنے ظاہر کیا۔وہ توکل جس میں اسباب پر ظاہری اعتماد ہو،اس طریقے سے کہ دل مطمئن

1054) المصادر السابقة۔

ہو، ان اسباب سے اور اس پر بھروسا بھی رکھتا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ نتائج و ثمرات انھیں اسباب سے حاصل ہوں گے تو یہ شرک اصغر کے قبیل سے ہے۔[1055]

۲ ۔لفظاًتوکل کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کو اکیلا سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کہنا جائز نہیں کہ میں نے فلاں پر بھروسا کیا۔اس لیے کہ توکل کی ساری صورتیں عبادت ہیں اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔[1056]اسی طرح یہ کہنا بھی جائز نہیں ہے کہ

1055)مقاصدالتوحید،د.ولیدالحمدان(211)۔

1056)ینظر: فتاوى الشيخ محمد بن إبراهيم آل الشيخ (170/1)؛ وتيسير العزيز الحميد، للشيخ سليمان بن عبد الله (993/2)؛والمحاورات لطلب الأمر الرشيد في تفهم كتاب التوحيد،عبدالله الغنيمان(797/2)؛والتمهيد لشرح كتاب التوحيد،صالح آل الشيخ(360)؛شرح الأصول الثلاثة،د.خالد بن عبدالله المصلح(33)؛وشرح الأصول الثلاثة،حمد الحمد (14)۔

جاء في الفتاوى،لابن تيمية(395/3):فكل من غلا في حي؛أو في رجل صالح كمثل علي أو(عدي)أو نحوه؛أو فيمن يعتقد به الصلاح؛كالحلاج أو الحاكم الذي كان بمصر أو يونس الفتي ونحوهم، وجعل فيه نوعا من الإلهية مثل أن يقول: كل رزق لا يرزقنيه الشيخ فلان ما أريده، أو يقول إذا ذبح شاة،ويعبده بالسجود له أو لغيره، أو يدعوه من دون الله تعالى مثل أن يقول: يا سيدي فلان اغفر لي أو ارحمني أو انصرني أو ارزقني أو أغثني أو أجرني أو توكلت عليك أو أنت حسبي، أو أنا في حسبك أو نحو

میں نے اللہ پر بھروسا کیا، پھر فلاں پر۔ اس لیے کہ مخلوق کا توکل میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ توکل در حقیقت سارے معاملات کو دل کی گہرائی سے اس ذات کے حوالے کر دینے کا نام ہے جس کے قبضہ وقدرت میں سارا معاملہ ہے اور وہ اللہ رب العزت ذوالجلال کی ذات ہے ۔ مخلوق کا سرے سے اس میں کوئی حق نہیں ہے۔[1057] بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اس طرح کہنا جائز نہیں کہ میں نے اللہ پر بھروسا کیا، پھر فلاں پر۔ جبکہ یہ ایسے معاملے میں ہو جس پر اسے قدرت حاصل ہے۔[1058] اس لیے کہ بندے پر توکل کرنا اللہ تعالیٰ پر توکل

هذه الأقوال والأفعال التي هي من خصائص الربوبية التي لا تصلح إلا لله تعالى، فكل هذا شرك وضلال يستتاب صاحبه، فإن تاب وإلا قتل، فإن الله إنما أرسل الرسل وأنزل الكتب لنعبد الله وحده لا شريك له ولا نجعل مع الله إلها آخر۔

1057) ينظر: فتاوى ورسائل الشيخ محمد بن إبراهيم (170/1)؛ والتمهيد لشرح كتاب التوحيد، صالح آل الشيخ (360)؛ شرح الأصول الثلاثة، حمد الحمد (14)؛ وشرح ثلاثة الأصول، عبد الله أبا حسين (114)؛ وشرح ثلاثة الأصول، د. عبد العزيز الريس (60)، والتعليق المأمول على ثلاثة الأصول، أ.د. عبد الرحمن السديس (272) وشرح الشيخ عبد العزيز العنقري على ثلاثة الأصول وأدلتها (43)۔

1058) ينظر: فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (377/1)؛ والتعليقات البهية على الرسائل العقدية، أحمد بن يحيى النجمي (120)۔

کرنے کے بعد کیونکہ اللہ کی ایک مشیت ہے اور بندے کی ایک مشیت ہے اور بندے کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔[1059]

لیکن علمائے متقدمین اس طرح کہنے کو جائز قرار نہیں دیتے، اس لیے کہ توکل عمل قلبی ہے اور عمل قلبی کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہے۔ بہر حال جو لوگ جائز سمجھتے ہیں، وہ ظاہر لفظ کا اعتقاد رکھتے ہیں، نہ کہ قلبی معنی مراد لیتے ہیں اور نہ توکل شرعی مراد لیتے ہیں۔[1060]

چوتھا مسئلہ: توکل اور توکیل میں فرق۔

توکیل مشہور لفظ ہے جو فقہاء کے نزدیک "باب الوکالۃ" میں مستعمل ہے۔ وکالت دوسرے پر اعتماد کرنے کا نام ہے۔ ایسے فعل میں جسے نیابت کے طور پر کرنے پر قادر ہو۔ یہ جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی بعض کاموں میں وکیل بنایا ہے۔ توکیل اور وکالت فقہ سے متعلق ہے۔ رہا توکل، تو یہ قلبی عمل ہے۔[1061] لہٰذا یہ جائز ہے کہ کسی

1059) فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والإفتاء (377/1)۔

1060) الأجوبۃ والبحوث والدراسات العلمیۃ المشتملۃ علیھا الدروس العلمیۃ، صالح آل الشیخ (136/1)۔

1061) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن صالح العثیمین (59)؛ شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (91)؛ شرح الشیخ عبد العزیز العنقري علی ثلاثۃ الأصول وأدلتھا (44)۔

مخلوق کی طرف تصرف کی نسبت کی جائے لیکن کسی چیز کے حصول میں جس کا اسے وکیل بنایا گیا ہے، اعتماد و بھروسا نہیں کیا جاسکتا، نہ اس پر توکل کیا جاسکتا ہے بلکہ توکل صرف اللہ تعالیٰ پر کیا جائے گا۔اس کام میں آسانی پیدا کرنے کے سلسلے میں خواہ اس کام کو خود کیا ہو یا کسی نائب نے کیا ہو، یہ توکل نہیں بلکہ توکیل ہے۔[1062]

(1062) حصول المأمل بشرح ثلاثة الأصول، عبداللہ الفوزان (85)۔

صاحب کتاب لکھتے ہیں ”رغبت، رہبت اور خشوع کی دلیل ارشاد باری ہے {إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ (90)}[1063] - ترجمہ: ”یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔ “

صاحب کتاب نے عبادات کی اقسام پر دلیل بیان کرتے ہوئے کہا، جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس سے رغبت کا ہونا، اللہ کے عذاب سے ڈرنا اور اس کے لیے خشوع و خضوع اختیار کرنا عبادت کی اقسام میں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور صالحین کی تعریف کی ہے تو یہ ان کے اپنے رب سے کمال معرفت کی دلیل ہے۔[1064]

مصنف کے کلام کے سیاق میں درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

پہلا مسئلہ: رغبت کا معنی۔

1063) سورۃ الأنبياء، الآیۃ(90)۔

1064) ینظر: حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (39)؛ وتیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (93)۔

پانچویں عبادت کے طور پر مصنف نے رغبت کو ذکر کیا۔ رغبت کے معنی ہیں، کسی چیز کی طرف مائل ہونا، کسی چیز کی خواہش کا ارادہ کرنا۔[1065] "رغباء" کسی چیز کو عاجزی و انکسار کے ساتھ مانگنا۔[1066] رغبت کسی چیز کی شدید خواہش کرنا۔

اور اس میں امید سے قریب ہونا ہے۔[1067] چنانچہ وہ سوال کرنا، عاجزی و انکسار اختیار کرنا، کسی محبوب چیز تک پہنچنے کی محبت میں ہے۔[1068] جب انسان دعا کرتا ہے اور اپنے مطلوب کے حصول کی قوت اس کے پاس ہوتی ہے تو اس کا نام رغبت ہے۔[1069] چنانچہ رغبت اس پختہ امید کا نام ہے جو اسے اس سے ہوتی ہے جس سے امید رکھتا ہے۔ اس

1065) الصحاح، للجوهري (159/1)؛ والقاموس المحيط، للفيروزآبادي؛ وينظر: الكليات لأبي البقاء أيوب بن موسى الكفوي (482)، ناشر: مؤسسة الرسالة ط. الثانية: 1419 هجريا۔

1066) لسان العرب، لابن منظور، مادة (ر غ ب)۔

1067) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (138)۔

1068) ينظر: حاشية ثلاثة الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (39)؛ وشرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (59)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبدالعزيز الراجحي (54)؛ وحصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبدالله الفوزان (87)۔

1069) وشرح الأصول الثلاثة، عبدالعزيز الراجحي (54)۔

سے محبت اور عاجزی وانکسار کے نتیجے میں ۔ اور اسی کیفیت کا پیدا ہونا تمام عبادات میں ضروری ہے۔ جس کی عظمت اس کے دل میں ہوتی ہے، اسی سے امید بھی ہوتی ہے۔[1070]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو حکم دیا کہ اللہ رب العزت والجلال کی طرف رغبت کریں "وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ"۔[1071] ترجمہ: "اور اپنے رب ہی کی طرف راغب ہو"[1072]

لہٰذا انسان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ مطلوب کا حصول اللہ تعالیٰ ہی سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اس پر کوئی قادر نہیں۔ اور اگر رغبت کسی کے ہاتھ میں کوئی چیز ہو، اس سے ہو تو جائز ہے، لیکن کامل رغبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا ضروری ہے۔[1073]

دوسرا مسئلہ: رہبت کا معنی۔

مصنف رحمہ اللہ نے چھٹی عبادات کے طور پر رہبت کو ذکر کیا ہے۔ لغت کے اعتبار سے رہبت کی اصل خوف ہے۔[1074] رہبت ایسے خوف کا نام ہے جس کے ساتھ عمل جڑا

(1070) المحصول من شرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ الغنیمان (105)۔

(1071) سورۃ الشرح، الآیۃ (8)۔

(1072) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (27)۔

(1073) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن ابراہیم آل الشیخ (138)۔

ہوا ہو۔[1075] امام راغب لکھتے ہیں ”رہبت ایسے ڈر کا نام ہے جس میں احتیاط، بچنا اور پریشان ہونا پایا جائے۔[1076] اس لیے خوف سے اخص ہے۔ خوف ناپسندیدہ چیزوں سے بھاگنے کا نام ہے اور رہبت ناپسندیدہ چیزوں سے بھاگنے کے سلسلے میں غور و فکر کرنے کا نام ہے ۔[1077]

شرعاً رہبت ڈر اور خوف سے اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگنے کا نام ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اس سے ایسا عمل جڑا ہوا ہو جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔[1078]

مخلوق کا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا فطری اور طبعی ہے لیکن بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا ڈر پیدا کرے کہ اس کے پورے اعضا و جوارح پر چھا جائے۔[1079]

1074)الصحاح، للجوهري (161/1)؛ والعين، للفراهيدي (372)۔

1075)شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (59)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبد العزيز الراجحي (54)۔

1076)مفردات ألفاظ القرآن (366)۔

1077)مدارج السالكين، لابن القيم (508/1)، ناشر: دار الكتاب العربي، بيروت، ط: الثالثة: 1416 هجريا۔

1078)تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (27)۔

1079)شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (139)۔

تیسرا مسئلہ: رغبت ورہبت کے درمیان فرق۔

جب کسی چیز کی طلب کی خواہش شدید ہو جائے تو اس کا نام رغبت ہے۔[1080]

رہبت خوف کی ایک قسم ہے۔ اعلیٰ درجے کی امید کا نام ''رغبۃ'' ہے اور آخری درجے کے خوف کا نام ''رہبت'' ہے۔[1081] گویا ''رغبت و رہبت'' رجاء اور خوف سے مربوط ہے۔ رجاء، رغبۃ کے مقابلے میں اغلب ہے اور خوف، رہبت کے مقابلے میں اغلب ہے۔[1082]

چوتھا مسئلہ: خشوع کا معنی۔

مصنف رحمہ اللہ نے ساتویں عبادت کے طور پر خشوع کو ذکر کیا ہے۔ خشوع کے معنی لغت میں خضوع کے ہیں۔ خضوع کے معنی پست ہونے، جھکنے، تواضع اور خاکساری کے ہیں۔[1083] خشوع ایسے سکون کا نام ہے جس میں نرمی اور خضوع ہو۔ مگر خضوع عام

(1080) مدارج السالکین، لابن القیم (56/2)۔

(1081) ینظر: شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (94)۔

(1082) مدارج السالکین، لابن القیم (158/1)۔

(1083) الصحاح، للجوهري (934/2)۔

طور پر بدن میں ہوتا ہے اور خشوع بدن کے علاوہ آواز اور نگاہ میں بھی ہوتا ہے۔[1084] خشوع، خضوع سے بلیغ ہے، اس لیے کہ دل میں ہوتا ہے جو خشوع کا مقام ہے، نگاہ میں ہوتا ہے جس سے آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں اور کان میں ہوتا ہے جس سے خشیت پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے{وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ }[1085]، ترجمہ: ”اور آوزیں رحمان کے آگے دب جائیں گی۔“ نیز ارشاد ہے {خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ}[1086]، ترجمہ: "ان کی نگاہیں نیچے ہوں گی"۔

چنانچہ خشوع اللہ تعالیٰ کے تواضع و خاکساری اختیار کرنے اور اللہ کی ذات سے مانوس ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ تواضع، حرکت و بڑائی کو ترک کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔ یعنی ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے حکم کی تعمیل میں اس کی مکمل فرماں برداری کی وجہ سے چھوڑ دے اور مامور سے مانوس ہو جائے۔ اسے کسی قسم کا تردد اور پس و پیش نہ ہو۔

1084) لسان العرب (71/8)؛ والعين، للفراهيدي (246)؛ حاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (39)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (94)۔

1085) سورة طه، الآية (108)۔

1086) سورة القلم، الآية (43)۔

لہذا خشوع عبادت ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر نرمی ہو اور اللہ کی ذات سے انسیت ہو اور یہ اسباب کے منافی نہیں ہے۔[1087]

خشوع شرعی:

یہ ہے کہ دل اللہ کے لیے، مارے خوف اور ڈر کے بے چین و بے قرار ہو اور اس کے اندر خضوع کی کیفیت بھی ہو۔[1088]

خشوع شرکی:

یہ ہے کہ بندہ غیر اللہ کے لیے خشوع اختیار کرے، اللہ سے تقرب اختیار کرنے کے لیے اور اس چیز کی امید لگائے جو اس کے پاس ہے۔اسی طرح غیر اللہ سے کسی قسم کا خوف پیدا کرے۔[1089]

پانچواں مسئلہ: مذکورہ باتوں کے عبادات شرعیہ ہونے کی دلیل۔

1087) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (139)۔

1088) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (31)۔

1089) ينظر: تنبيه العقول إلى كنوز ثلاثة الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (438/1)۔

صاحب کتاب نے ”رغبت“، ”رہبت“اور ”خشوع“ کے عبادات ہونے کی دلیل ہوں دی کہ یہ عبادت اللہ کے لیے خاص ہیں۔ غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے{ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ}، اس آیت سے استدلال اس طرح ہے کہ اللہ رب العزت والجلال نے ان انبیاء ورسول کی تعریف کی ہے جن کا ذکر سورۃ انبیاء میں آیا ہے کہ وہ اللہ سے رغبۃ ورہبت کے ساتھ دعا کرتے ہیں اور دعا کے ساتھ دل، نگاہ اور کان کا خشوع ہوتا ہے اور دعا یہاں عبادت کی دعا اور مسالۃ (اللہ سے کسی چیز کی درخواست کرنا، مانگنا) کی دعا کو شامل ہے۔[1090] دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء ورسول کی تعریف اس طرح کی ہے کہ یہ حضرات ان تینوں صفات سے متصف ہیں۔ جو دلیل ہے اس بات کی کہ یہ افعال اللہ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ لہٰذا عبادات کی تعریف میں داخل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی ہے کہ یہ رغبۃ والے، رہبت والے اور خشوع والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کی تعریف کرتا ہے جو اسے محبوب ہے۔ اس سے یہ اخذ کیا کہ یہ صفات عبادات ہیں

(1090) ینظر: شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن صالح العثیمین (60)؛ والمحصول من شرح ثلاثۃ الأصول، للغنیمان (107)۔

۔ جن کی اللہ تعالیٰ تعریف کرتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ رب العالمین کو ان حالات میں پکارتے ہیں۔ رغبۃ، رہبت اور خشوع کی حالت میں جو عبادات کی شان ہیں۔[1091] عبادت ہر اس قول، اعمال ظاہرہ و باطنہ کا نام ہے جو اللہ کو محبوب و پسندیدہ ہے۔آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں قسمیں عبادات کی اہم ترین قسم میں ہیں۔ لہٰذا جس نے ان میں سے کسی چیز کو غیر اللہ کے لیے کیا، وہ مشرک و کافر ہے۔[1092]

لہٰذا مشرکین کا اپنے معبودوں کے پاس اور قبر پرستوں کا زیارت کے وقت ان حالات میں ہونا شرک ہے۔ یہ تمام صفات صرف اللہ کے لیے جائز ہیں جو اس آیت کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔[1093] استدلال کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آیت خاص دلیل کے ساتھ متعلق ہے۔ارشاد ہے {وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ}، یہاں جار مجرور کو مقدم کیا گیا ہے۔اصل کلام ہے "کانوا خاشعین لنا"، اور یہ حصر، قصر اور اختصاص کا فائدہ دیتا ہے۔[1094]

(1091) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (141)۔

(1092) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (39-40)۔

(1093) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (94)۔

(1094) ینظر: المصدر السابق (91، 95)۔

معلوم ہوا کہ خشوع اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ بالعموم عبادت کو اللہ تعالیٰ اپنے لیے خاص کرکے ذکر فرماتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے {بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ (66)}[1095]، ترجمہ: ”لہٰذا (اے نبی!) تم بس اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ[1096]۔

(1095) سورۃ الزمر، الآیۃ (66)۔

(1096) مجموعۃ الرسائل والمسائل النجدیۃ (390/4)۔

”خشیت“ کی دلیل ذکر کرتے ہوئے مصنف نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: { فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي }[1097] ترجمہ: "تو ان سے تم نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔"

مصنف نے آٹھویں عبادت ”خشیت“ کی دلیل ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ عبادت ہے۔ غیر اللہ سے جائز نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے { فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي }، ”لہٰذا مشرکین سے مت ڈرو۔ یہ لوگ خشیت کے لائق نہیں ہیں۔ بلکہ اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہاری مدد ان کے خلاف کی اور جس نے انھیں ذلیل ورسوا کیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ سے عبادت میں خشیت سے منع فرمایا ہے اور صرف اپنی خشیت کا حکم دیا ہے۔[1098]

اس ذیل میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: خشیت کا معنی۔

1097) سورة البقرة، الآية (150)۔

1098) السعدي (220)؛ حاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (39)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبد العزيز الراجحي (54)۔

لغت کے اعتبار سے ""خشیت"" کی اصل ""خوف"" ہے۔[1099] لیکن ایسے خوف کو کہتے ہیں جس میں تعظیم کا پہلو ہو۔ اکثر یہ بات اس چیز کے علم کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جس سے خشیت ہوتی ہے۔[1100] خشیت، خوف کی ایک قسم ہے لیکن اس سے اخص ہے۔ خوف و خشیت میں دو اعتبار سے فرق ہے۔ پہلا فرق یہ ہے کہ خشیت اس چیز کا اعلم اور اس چیز کی حالت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جن سے خشیت ہوتی ہے اور خوف کبھی جاہل سے بھی ہوتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ خشیت اس ذات کی عظمت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جن سے خشیت ہوتی ہے۔ اس کے بر خلاف خوف کبھی خائف کی کمزوری سے ہوتا ہے، نہ کہ اس کی قوت وطاقت کی وجہ سے جن سے ڈرا جاتا ہے۔[1101]

خشیت اس خوف کا نام ہے جو علم پر مبنی ہو۔ اس ذات کی عظمت کی وجہ سے جن سے انسان ڈرتا ہے اور اس کے کمال کی وجہ سے خشیت پیدا ہوتی ہے۔[1102] یہی وجہ ہے کہ

(1099) الصحاح، للجوهري (1694/2)؛ والعين، للفراهيدي (247)۔

(1100) مفردات القرآن، للراغب الأصفهاني (283)۔

(1101) القول المفيد على كتاب التوحيد، لابن عثيمين (73/2)۔

(1102) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (60)۔

اللہ تعالیٰ نے اس صفت کے ساتھ علما کو خاص کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے {إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ }[1103]، ترجمہ: ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے ہی اس سے ڈرتے ہیں۔[1104]

خشیت، خوف سے اعلیٰ درجے کی چیز ہے، اس لیے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے اور علم و معرفت کے بقدر خشیت پیدا ہوتی ہے۔[1105]

خشیت شرعی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکم کی وجہ سے مارے ڈر اور خوف کے اللہ تعالیٰ کے لیے بے قرار و بے چین ہو۔[1106] خشیت ایسا خوف ہے جس سے استقامت مع اللہ پیدا ہوتی ہو، اس طور پر کہ وہ اللہ کے حکم کو بجالائے گا اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے رک

(1103)سورة فاطر، الآية(28)۔

(1104)ينظر: تنبيه العقول إلى كنوز ثلاثة الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان(445/1)۔

(1105)شرح الأصول الثلاثة، أحمد الصقعوب(52)۔

(1106)تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي(28)۔

جائے گا۔ یعنی ایساڈر اور خوف پیدا ہو کہ وہ مامورات کو انجام دے کر اور منہیات سے رک کر اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ جائے۔ 1107

دوسرا مسئلہ: خشیت، رہبت اور خشوع کے درمیان فرق۔

جب علم کے ساتھ خوف پیدا ہو تو خشیت ہے، جب عمل کے ساتھ خوف پیدا ہو تو رہبت ہے اور جب عاجزی وانکسار شامل ہو تو خشوع ہے۔ جب خوف انسان کے اندر سما جاتا ہے تو وہ دل اللہ کے لیے بے چین و بے قرار ہو جاتا ہے۔ ڈر اور خوف کا ایسا عالم ہوتا ہے کہ عبادت الٰہی کی طرف پلٹتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل رجوع کرتا ہے۔ یہ ہے خشیت کی حقیقت۔ 1108

خوف، رہبت اور خشیت کے مراتب ودرجات ہیں۔ سب سے اعلیٰ مرتبہ خشیت کا ہے۔ پھر رہبت اس کے بعد خوف کا ہے۔ لہٰذا ہر خاشی وراہب خائف ہے لیکن ہر خائف، راہب وخاشی نہیں ہے۔ 1109

1107) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراھیم آل الشیخ (142)۔

1108) المصدر السابق (28)۔

1109) تنبیہ العقول إلی کنوز ثلاثۃ الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (449/1)۔

تیسرا مسئلہ: طریقۂ استدلال۔

خشیت کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فلا تخشوھم واخشون"، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے خشیت سے منع فرمایا ہے اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی خشیت کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ اسی چیز کا حکم دیتا ہے جو اسے محبوب و پسند ہے۔[1110]

چوتھا مسئلہ: شرکیہ خشیت۔

خشیت اہم ترین عبادت میں ہے، اس لیے غیر اللہ سے خشیت کا ہونا شرک اکبر ہے۔[1111]

خشیت شرکیہ یہ ہے:

کہ غیر اللہ سے اس چیز میں خشیت ہو جس پر اللہ رب العزت ذوالجلال کے سوا کوئی قادر نہیں ہے۔[1112] خواہ خشیت تعظیم ہو یا عبادت یا طاعت۔[1113]

(1110) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراھیم آل الشیخ (142)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ الفوزان (89)؛ وشرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ القرعاوي (63)۔

(1111) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (40)۔

خشیت کے احکام کے سلسلے میں وہی بات کہی جاتی ہے جو احکام خوف کے اقسام کے سلسلے میں کہی جاتی ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔[1114]

1112) التعليقات البهية على الرسائل العقدية، أحمد بن يحيى النجمي (122)۔

1113) ينظر: المحرر الوجيز، لابن عطية (148/8)؛ وإعانة المستفيد بشرح كتاب التوحيد، صالح الفوزان (54/2)، ناشر: مؤسسة الرسالة، ط. الثانية: 1422 هجريا۔

1114) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (61)؛ وينظر: شرح ثلاثة الأصول، محمد أمان الجامي (62)۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں " انابۃ کی دلیل ارشاد باری ہے : {وَأَنِيبُوا إِلَى رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ}[1115]، ترجمہ: "پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور مطیع بن جاؤ"۔

مصنف رحمہ اللہ نے نویں عبادت "انابت" کی دلیل یوں بیان کی ہے کہ انابۃ عبادت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس کا حکم دیا ہے۔ اپنے ارشاد {وَأَنِيبُوا إِلَى رَبِّكُمْ} میں کہ اللہ کی طرف دل سے پلٹ آؤ، " وَأَسْلِمُوا لَهُ": اعضاء وجوارح سے اس کے مطیع و فرماں بردار بن جائو۔ توحید کو اس کے لیے خالص کر دو۔ ظاہر ہے کہ یہ عبادت ہے۔[1116]

اس سیاق میں مصنف رحمہ اللہ کے کلام سے درج ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: انابت کا معنی۔

(1115) سورۃ الزمر، الآیۃ (54)۔

(1116) ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (40)؛ تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبدالمحسن القاسم (99)۔

انابت کے معنی رجوع، پلٹنے کے ہیں۔ لغت کے اعتبار سے کسی جگہ لوٹنے یا کسی کے پاس جانے کے معنی میں ہے۔[1117] توب کہتے ہیں، کسی چیز کا بار بار پلٹنا، لوٹنا۔ کہا جاتا ہے فلان ینتاب فلانا": فلاں بار بار اس کے پاس جاتا ہے۔[1118]

انابت شرعی یہ ہے کہ:

محبت، خوف اور امید کی وجہ سے سارے جہاں سے رخ موڑ کر اللہ رب العزت کی طرف دل سے پلٹا جائے۔[1119] عمل کے ساتھ رجوع کرنا، پلٹنا، عاجزی وانکسار اور تعظیم و تکریم کے معنی کو شامل ہے۔[1120]

صاحب کتاب نے جو ترتیب قائم کی ہے، وہ بہت ہی عمدہ ہے کیونکہ انابت، خشیت کے بعد ہی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ جب بندہ کو اللہ تعالیٰ سے خشیت پیدا ہوتی ہے تو اس کا لازمی تقاضا ہے کہ بندہ اللہ سے ڈرتا ہے۔ پھر اس کی طرف انابت کرتا ہے، پلٹتا ہے۔[1121]

(1117) معجم مقاییس اللغة، لابن فارس (966)۔

(1118) مفردات ألفاظ القرآن، للراغب الأصفهاني (827)۔

(1119) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح العصيمي (28)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (97)۔

(1120) المحصول من شرح ثلاثة الأصول، عبد الله الغنيمان (108)۔

دوسرا مسئلہ: انابت اور توبہ کے درمیان فرق۔

انابت، توبہ کے معنی میں ہے لیکن توبہ سے زیادہ موکد اور اس سے اعلیٰ وبلند ہے، اس لیے کہ انابت اللہ رب العزت ذوالجلال کی طرف متوجہ ہونے کا نام ہے اور توبہ گناہ کو ختم کرنے، اس کی طرف دوبارہ نہ لوٹنے کے عزم وارادہ اور کیے ہوئے برے افعال پر نادم و شرمندہ ہونے کا نام ہے اور انابت میں یہ تینوں معانی شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ایک زائد معنی ہے۔ عبادات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنا، متوجہ ہونا، جب بندہ توبہ کے بعد عبادات کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو وہ منیب، اللہ کی طرف پلٹنے والا کہلاتا ہے۔[1122] توبہ کے ساتھ انابت ایسے ہی ہے جیسے خوف کے ساتھ خشیت۔ انابت کا ایک زائد معنی ہے، وہ اللہ کی طرف توبہ کے ساتھ متوجہ ہونا اور طاعت، بندگی میں اضافہ کرنا۔[1123]

(1121) تنبیہ العقول إلی کنوز ثلاثة الأصول، د. عبدالرحمن الشمسان (449/1)۔

(1122) ینظر: شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهیم آل الشیخ (143)؛ حاشیة ثلاثة الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (40)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبداللہ الفوزان (90)؛ شرح الأصول الثلاثة، أحمد الصقعوب (55)۔

(1123) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهیم آل الشیخ (143)۔

انابت، طاعت وبندگی کی طرف متوجہ ہونے کے ساتھ توبہ کو بجالانا ہے۔[1124] یہی وجہ ہے کہ مصنف نے انابت کے ذکر پر اکتفا کیا اور توبت کی نسبت سے عبادت کی صورت توبہ کی بہ نسبت زیادہ واضح اور روشن ہے۔ عبادت کی طرف متوجہ ہونے کی زیادتی کی بنا پر اور اس لیے بھی کہ انابت زیادہ علم ہے توبہ سے۔[1125]

تیسرا مسئلہ: طریقۂ استدلال آیت کریمہ کی روشنی میں۔

مصنف کا استدلال یہ ہے کہ ارشاد باری: {وَأَنِيبُوا إِلَى رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ} کی روشنی میں انابت عبادت سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انابت کا اپنی طرف حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں چیزوں کا حکم دیتا ہے جو اس کے نزدیک محبوب، پسندیدہ ہے۔ اس لیے انابت اور عبادت کی تعریف میں داخل ہے۔[1126]

(1124) شرح الأصول الثلاثة، أحمد الصقعوب (55)۔

(1125) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (91)۔

(1126) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (143)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (98)۔

یہ عبادت ہونے کی عام دلیل ہے اور جس چیز کا ہمیشہ ہونا ثابت ہو، وہ عبادت ہے۔

انابت کے ساتھ غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونا جائز نہیں ہے۔ غیر اللہ کی طرف انابت کے ساتھ متوجہ ہونا کفر ہے۔اس عام دلیل میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے {وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (18)}[1127] ترجمہ: "اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لیے ہیں، لہٰذا ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو"۔

نیز ارشاد ہے

{وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ (117)}[1128] "اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ ایسے کافر کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔"[1129]، اور اس جیسی دیگر آیات۔

1127)سورۃ الجن، الآیۃ(18)۔

1128)سورۃ المؤمنون، الآیۃ(117)۔

1129)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(98)۔

چوتھا مسئلہ: خاص دلیل کہ انابت عبادت ہے۔

دلیل خاص یہ ہے کہ انابت تنہا اللہ کے لیے واجب ہے۔ ارشاد خداوندی ہے {عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ (88)}[1130]، ترجمہ: "اس پر میں نے بھروسا کیا اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں"۔

یہ کلام شعیبؑ کی زبان سے ادا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر تعریف کے ذیل میں ہے۔ انھوں نے کہا "میں نے اس پر بھروسا کیا۔" عربی زبان کی یہ ترکیب حصر، قصر اور اختصاص کے وجوب کی دلیل ہے۔ پھر فرمایا "اور ہر معاملے میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔" یہ دلیل ہے کہ انابت، عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔[1131]

اس دلیل خاص کی روشنی میں انابت عبادت میں شامل ہے۔

پانچواں مسئلہ: شرکیہ انابت۔

دین و شریعت کے معاملے میں غیر اللہ کی طرف انابت کرنا جیسا کہ بہت سے شیوخ کے مریدین جب اس کی خدمت میں پہنچتے ہیں تو ان کے پاس گناہوں کا اعتراف،

(1130) سورۃ هود، الآیة (88)۔

(1131) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (98)۔

عاجزی وانکسار اور توبہ وانابت کرتے ہیں۔ چنانچہ جب شیخ نے ان کی توبہ کو قبول کر لیا تو انھوں نے اس توبہ وانابت کو اللہ کے حضور پہنچا دیا اور ان کے خیال میں ان کی توبہ قبول ہو گئی۔[1132]

چھٹا مسئلہ: دیگر قلبی عبادات اور انابت کے درمیان ربط و تعلق۔

انابت کا ربط و تعلق دل سے ہے مگر صرف دل کے ساتھ اپنا کام انجام نہیں دیتا بلکہ دیگر عبادات کے ساتھ مل کر اپنا کام کرتا ہے۔ انابت کی حقیقت یہ ہے کہ دل ساری چیزوں سے منھ موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے اور یہ رجوع، محض رجوع نہ ہو بلکہ امید و تعلق کے ساتھ ہو کیونکہ درحقیقت انابت تنہا قائم نہیں ہوتی بلکہ دل ودماغ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو اور اس کے ساتھ بہت سی عبادات انجام پاتی ہوں جیسے رجاء، خوف اور محبت وغیرہ۔ واقعہ یہ ہے کہ قلب منیب وہی ہے جس نے ہر چیز سے کٹ کر اللہ کی طرف توجہ کر لی ہو اور اللہ سے محبت، خوف اور امید ہو۔[1133] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں تنہا اپنے لیے انابت کی تخصیص کی ہے جیسا کہ انبیاء علیھم السلام کی حکایت اللہ تعالیٰ نے

(1132) تنبیہ العقول إلی کنوز ثلاثۃ الأصول، د. عبدالرحمن الشمسان (453/1)۔

(1133) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (97)۔

بیان کی ہے، ارشاد باری ہے" {رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ (4)} ۔ [1134]، ترجمہ: "اے ہمارے رب! تیرے ہی اوپر ہم نے بھروسا کیااور تیرے ہی طرف ہم نے رجوع کر لیااور تیرے ہی حضور ہمیں پلٹنا ہے"۔

اسی طرح شعیبؑ کی حکایت کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایاہے اور محمد ﷺ کی حکایت اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتے ہیں : {ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ (10) } [1135]، ترجمہ:" وہی اللہ میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسا کیااور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں"۔

اور جب نبی ﷺ تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ دعا کرتے : "اللهم لك أسلمت، وبك آمنت، وعليك توكلت، وإليك أنبت"[1136]۔

1134) سورۃ الممتحنۃ، الآیۃ(4)۔

1135) سورۃ الشوریٰ، الآیۃ(10)۔

1136) أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب: التهجد، باب: التهجد بالليل، برقم(1120)؛ وأخرجه مسلم، كتاب: صلاة المسافرين وقصرها، باب: الدعاء في صلاة الليل وقيامه، برقم(769)۔

صاحب کتاب کہتے ہیں ”استعانت کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد {إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (5)}[1137]، ترجمہ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إذا استعنت فاستعن بالله[1138]" ترجمہ: اگر تم مدد مانگو تو صرف اللہ ہی سے مانگو۔[1139]

مصنف رحمہ اللہ نے دسویں عبادت استعانت کی دلیل ذکر کی کہ استعانت عبادت کی اقسام میں سے ہے۔ ارشاد باری ہے ”ہم عبادت کو تنہا تیرے ساتھ خاص کرتے ہیں۔“۔ ”ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، نہ کہ تیری مخلوق سے۔ لہٰذا اللہ کے سوا نہ کسی کی عبادت کی جائے گی اور نہ اس کے سوا کسی سے مدد مانگی جائے گی۔ استعانت کے عبادت ہونے کی مزید دلیل

1137) سورة الفاتحة: 5۔

1138) سنن الترمذي: رقم 2516۔

1139) سقط من (خ، ن)۔

یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے استعانت کا حکم دیا ہے۔ارشاد نبوی ہے "إذا استعنت فاستعن باللہ"، چنانچہ استعانت کو تنہا اللہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔[1140]

اس ذیل میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: استعانت کا مفہوم۔

استعانت کے معنی میں مدد چاہنا، ہر وہ لفظ جس کے شروع میں الف، سین اور تاء ہو ۔لغت کے اعتبار سے طلب کے اوپر دلالت کرتا ہے۔جب استقان یا استغاث کہا جائے گا تو اس کا مطلب ہوگا، مدد چاہنا اور فریاد چاہنا۔[1141] استعانت کسی مسئلے کی دعا ہے کیونکہ استعانت طلب اور سوال کا نام ہے۔[1142]

استعانت شرعیہ:

1140)ینظر: حاشیة ثلاثة الأصول، لابن قاسم (41)؛ وتیسیر الوصول، د. عبد المحسن القاسم (100)۔

1141)شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز الشیخ (97)۔

1142)شرح ثلاثة الأصول، خالد بن عبد العزیز الباتلی (92)۔

مقصود تک پہنچنے میں اللہ سے مدد طلب کرنے[1143] یا دینی اور دنیوی امور کے ہونے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کا نام ہے۔[1144]

دوسرا مسئلہ: ارشاد باری {إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (5)} کی وضاحت:

مصنف نے استعانت کے عبادت ہونے کی دو دلیلیں دی ہیں، ایک آیت اور ایک حدیث۔ فرماتے ہیں "استعانت کی دلیل ارشاد باری {إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (5)} ہے اور کلام کی اصل "نعبد إیاک" ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مفعول بہ کو مقدم کیا تو یہ حصر و قصر اور اختصاص کا فائدہ دیتا ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور اس بات کا بھی فائدہ دیتا ہے کہ عبادت اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ یہ تمام عبادات بین دلیل عام ہے۔ پھر اس کے بعد کہا "وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ"، یہ مصنف کے استدلال کا مقصود بھی ہے کہ عبادت کے بعد استعانت کا ذکر اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے اقرار کی فرع اور جز ہے، اس لیے کہ جس نے اقرار کر لیا کہ اللہ ہی معبود ہے، وہ تنہا اسی سے مدد طلب کرے گا۔ اس لیے کہ معبود ہی

1143) تعلیقات علی ثلاثۃ الاصول، صالح العصیمي (28)۔

1144) شرح الاصول الثلاثۃ، د. خالد بن عبداللہ المصلح (34)۔

اپنے اوصاف میں کامل ہوتا ہے[1145] اور اس لیے بھی اللہ تعالیٰ سے استعانت کے بغیر صحیح طریقے سے عبادت ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔[1146] یہ سورۂ فاتحہ کی ہے جسے مسلمان روزانہ فرض وواجب نمازوں میں سترہ مرتبہ پڑھتا ہے۔ یہ عہد واقرار ہے انسان کا اس بات پر کہ ان کلمات کا کہنے والا صرف اللہ کی عبادت کرے گا اور اس کے سوا کسی سے مدد نہیں چاہے گا اور اس کے اوپر اس عہد کا پورا کرنا واجب ہے۔ عبادت واستعانت اللہ کے اخلاص کے ساتھ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں ہے۔[1147]

استعانت کے عبادت ہونے پر استدلال آیت کریمہ کی روشنی میں تین طریقے سے :

پہلا طریقہ : معمول "إِيَّاكَ" کو مقدم کیا۔ اصل کلام ہے "نستعين إياك"، معمول کا عامل پر مقدم کرنا اختصاص کا فائدہ دیتا ہے یا حصر وقصر کا فائدہ دیتا ہے۔ ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ تیرے سوا کسی سے مدد نہیں چاہتے۔ اللہ تعالیٰ سے استعانت کو خاص کیا اور

1145) ینظر: شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (100)؛ شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد اللہ المصلح (34)۔

1146) إتحاف العقول بشرح الثلاثة الأصول، عبید بن عبد اللہ الجابري (75)۔

1147) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (101)؛ وشرح ثلاثة الأصول، عبد الرزاق البدر (239)۔

یہ تمام امور میں ہے جن پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے۔اس لیے اللہ کے سوا کسی سے استعانت جائز نہیں ہے۔اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔[1148]

دوسرا طریقہ: اس کے ذریعے مومنین کی طرف انبیاء وغیرہ کے تقرب کی نسبت کرنا اور مومنین کے افعال کا قرب خداوندی کا ذریعہ ہونا عبادت ہے۔[1149]

تیسرا طریقہ: ہمارا اپنے رب سے مدد چاہنا عبادت کی دلیل ہے۔ہم ہر حال میں اسے اپنی عبادت میں کہنے پر مامور ہیں۔جو دلیل ہے کہ استعانت عبادت ہے۔ہم جانتے ہیں کہ اللہ ہم سے راضی وخوش ہوتا ہے اور ہم اسے نماز میں کہتے ہیں۔[1150]

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ استعانت اللہ کے سوا کسی سے جائز نہیں ہے۔یہ اللہ کے ساتھ خاص ہے اور یہ عبادت ہے، لہٰذا غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک وکفر ہے۔[1151]

تیسرا مسئلہ: حدیث سے دلیل "إذا استعنت فاستعن بالله" کی وضاحت:

1148) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (100)۔

1149) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح العصیمی، (31)۔

1150) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهیم آل الشیخ (146)۔

1151) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (101)۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ استعانت عبادت ہے کیونکہ اس کا حکم دیا ہے اور حکم ایسی چیز کا دیا جاتا ہے جو عبادت ہے ۔[1152] پھر یہ کہ اس حدیث میں اللہ سے استعانت کی تخصیص ہے۔ غیر اللہ سے مدد نہیں مانگی جاسکتی۔[1153] استعانت باللہ کا حکم جواب شرط کے طور پر ہے جو حصر و تخصیص کی دلیل ہے۔اس لیے اللہ کے سوا کسی سے مدد نہیں مانگی جاسکتی۔[1154]

چوتھا مسئلہ: استعانت کے عبادت ہونے کی عام دلیل۔

استعانت کے معنی طلب، مانگنے کے ہیں اور جس چیز میں طلب کا معنی پایا جائے، وہ عبادات کے قبیل سے ہے اور ہر وہ چیز جس میں تنہا اللہ تعالیٰ سے دعا و سوال واجب ہو، وہ عبادت ہے۔ ارشاد باری ہے {وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ}[1155] ”مجھے

1152) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح العصیمي (31)۔

1153) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (147)۔

1154) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (103)۔

1155) سورۃ غافر، الآية (60)۔

پکارو، میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا۔'' یہ استعانت، استعاذہ اور استغاثہ وغیرہ کے عبادت ہونے کی دلیل ہے۔[1156]

پانچواں مسئلہ: شرکیہ استعانت۔

استعانت باللہ کے لیے تین باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) مکمل طور پر اللہ تعالی کے لیے خضوع وتذلل ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ پر قابل اعتماد و بھروسا ہو۔

(۳) اور اس بات پر پورا اعتماد ہو کہ اللہ کے سوا اسے کوئی پورا نہیں کر سکتا۔

لہٰذا ان تینوں باتوں کے ساتھ غیر اللہ سے استعانت شرک ہے۔[1157] چنانچہ استعانت شرکیہ ہے ہی اس بات کا نام کہ جس چیزوں پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے، ان چیزوں میں غیر اللہ سے استعانت کی جائے۔[1158] جیسے مردوں سے استعانت یا غیر موجود زندوں

1156) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (104)۔

1157) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن صالح العثیمین (62)؛ حصول المأمل بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ الفوزان (92)۔

1158) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن ابراهیم آل الشیخ (145)۔

سے استعانت یا موجود زندوں سے اس چیز پر استعانت جس پر وہ قادر نہیں ہیں تو یہ شرک ہے کیونکہ مدبر اور اس چیز کو کرنے پر قادر اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔[1159]

چھٹا مسئلہ: استعانت کا طلب کرنا جائز ہے۔

استعانت، بطور عبادت، صرف اللہ سے واجب ہے۔ رہا مخلوق سے امور عادیہ میں استعانت تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس وقت جبکہ کسی سے مدد مانگی جارہی ہو، وہ زندہ، موجود اور قادر ہو مدد کرنے پر۔[1160] جیسا کہ ذوالقرنین نے ان لوگوں سے مدد طلب کی جن لوگوں نے ان سے یاجوج ماجوج کی شکایت کی۔ بالآخر ان کے لیے دیوار کی تعمیر کی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے {قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا (95)}[1161] ترجمہ: ”اس نے کہا، جو کچھ میرے رب نے مجھے دے رکھا

1159) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (63)؛ حصول المأمل بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (93)؛ تيسير الوصول، د. عبد المحسن القاسم (102)؛ وتنبيه العقول، د. الشمسان (459/1)۔

1160) شرح الأصول الثلاثة، عبد العزيز الراجحي (59)؛ وينظر: مجموع الفتاوى لابن تيمية (357/1)۔

1161) سورة الكهف (الآية: 95)۔

ہے، وہ بہت ہے۔ تم بس محنت سے میری مدد کرو۔ میں تمہارے اور ان کے درمیان بند بنائے دیتا ہوں۔“

لہذا زندہ مخلوق سے جو موجود بھی ہو اور کسی چیز کے کرنے پر قادر بھی ہو یا غالب ہو اور اس چیز سے اس کا تعلق براہ راست ہو، یا تحریری طور پر ہو، استعانت ممنوع نہیں ہے، لیکن بندے کے کمال ایمان کی علامت ہے کہ اسے ترک کردے، اس لیے دراصل لوگوں سے مانگنا اور سوال کرنا ممنوع ہے۔[1162]

1162) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (34)؛ وإتحاف العقول بشرح ثلاثة الأصول، عبيد بن عبد الله الجابري (75)؛ وتنبيه العقول إلى كنوز ثلاثة الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (459/1)۔

صاحب کتاب لکھتے ہیں کہ استعاذہ کی دلیل ارشاد باری ہے {قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (1)}[1163]---[1164]، ترجمہ: کہو، میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی۔{قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ (1)}[1165]، ترجمہ: کہو، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی۔

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے گیارہویں عبادت کی دلیل پیش کی ہے جو کہ استعاذۃ ہے، اور اس کی دلیل ذکر کی، کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کہا: کہ دو اور خطاب پوری امت کے لیے ہے کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی اور کہو، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی[1166]۔

اس ضمن میں مصنف رحمہ اللہ کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: استعاذہ کا معنی۔

استعاذہ کے معنی ہیں، پناہ لینا، پناہ چاہنا، حفاظت میں آنا۔اور عوذ کے معنی ہیں، کسی کی پناہ میں آنا، کسی سے بچ کر کسی کی حفاظت میں آنا۔[1167] استعاذہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس

(1163)سورۃ الفلق:1۔

(1164)سقطت من (خ،ن)۔

(1165)سورۃ الناس:1۔

(1166) تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول د.عبد المحسن القاسم(103)۔

کی پناہ چاہتا ہے جو کسی ممنوع چیز سے منع کرتا ہے۔اس وجہ سے کہ وہ اس کی اس چیز سے دفاع کرے گا۔[1168]

استعاذہ شرعی:

کسی کا خوف دامن گیر ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ لی جائے۔[1169]

استعاذہ باللہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس بات کی پناہ مانگی جائے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ناپسندیدہ چیزوں سے بچائے گا اور اس سے حفاظت کرے گا۔[1170] اس میں اللہ تعالیٰ کے ناموں اور اس کی صفات کے ساتھ استعاذہ داخل ہے۔[1171] یہ دعا کی اقسام میں سے ہے لیکن دعا عام ہے۔ ہر استعاذہ دعا ہے لیکن ہر دعا استعاذہ نہیں ہے۔ یہ ضرر و نقصان کو دور

(1167)الصحاح، للجوهري (471/1)؛ ومعجم مقاييس اللغة لابن فارس (693)۔

(1168)حاشية ثلاثة الأصول، لابن قاسم (42)؛ وشرح الأصول الثلاثة، صالح الفوزان (174)۔

(1169)تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح العصيمي (28)۔

(1170)شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (148)۔

(1171)مجموع الفتاوى، لابن تيمية (336/1)۔

کرنے کے ساتھ خاص ہے۔ رہا دعا، تو ضرر کو دور کرنے کی طلب اور منفعت کے حصول کی طلب کو شامل ہے۔[1172]

دوسرا مسئلہ: استعاذہ کے عبادت ہونے کی دلیل۔

استعاذہ کے عبادت ہونے کی دلیل کے طور پر مصنف نے سورۂ فلق اور سورۂ ناس کی آیت نمبر ایک کو پیش کیا ہے۔ طریقۂ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کی پناہ چاہیں، کسی چیز کا حکم دینا عبادت کی شان ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کا حکم دیتا ہے جو اسے محبوب و پسند ہے۔ چنانچہ استعاذہ باللہ کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ استعاذہ عبادت ہے۔[1173]

تیسرا مسئلہ: استعاذہ شرکیہ۔

(1172) شرح ثلاثۃ الأصول، خالد بن عبد العزیز الباتلی (95)۔

(1173) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراھیم آل الشیخ (149)؛ شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (107)۔

جس چیز پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے، اس چیز میں غیر اللہ سے استعاذہ (ان کی پناہ چاہنا) خواہ وہ مردہ ہو یا زندہ، غائب ہو یا حاضر شرک ہے۔[1174]

جس چیز کے کرنے پر زندہ، حاضر، مخلوق قادر ہے، ان سے استعاذہ کے سلسلے میں علمائے کرام کی رائیں مختلف ہیں۔ مثلاً یوں کہا جائے، میں آپ کی آپ کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔ یا آپ کی فلاں کے شر سے پناہ چاہتا ہوں، یا میں اللہ کی، پھر آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ ان اقوال کے سلسلے میں دو مشہور قول ہیں اور ان دونوں پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔[1175]

پہلا قول: استعاذہ صرف اللہ تعالیٰ سے جائز ہے۔ جس طرح توکل اللہ کے سوا کسی سے درست نہیں ہے، یہ جائز نہیں ہے کہ کہا جائے "میں نے فلاں پر بھروسا کیا۔" یا کہا جائے "اللہ پر بھروسا کیا، پھر فلاں پر بھروسا کیا۔" اس لیے کہ توکل کی تمام صورتیں عبادت ہیں اور عبادت صرف اللہ کی کی جاتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ کہا

1174) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (64)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (95)؛ تنبيه العقول إلى كنوز ثلاثة الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (469/1)۔

1175) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (107)۔

جائے، میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں یا اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، پھر آپ کی۔[1176] اس لیے کہ استعاذہ دل کی توجہ، دل سے کسی کی پناہ لینے، دل سے کسی کو چاہنے اور اس سے ڈرنے کا نام ہے۔ استعاذہ کے لفظ میں یہ تمام معانی شامل ہیں اور یہ سارے معانی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے درست ہیں۔[1177] چنانچہ استعاذہ میں قول و فعل سے پہلے دل سے پناہ چاہنا اور دل کا پر جوش ہونا پایا جاتا ہے اور جس کا یہ حال ہو، وہ غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ جو چیز کسی سے طلب کی جائے گی، اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس کا مالک ہو اور مخلوق اس چیز کے سوا کسی چیز کی مالک نہیں ہے جو اللہ نے اسے عطا فرمایا ہے۔ مخلوق اتنی کمزور ہے کہ وہ آپ نے بچے کے شر بھی نہیں روک سکتی ہے۔[1178]

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استعاذہ مخلوق سے درست نہیں ہے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے اور انھوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ

1176) المحاورات لطلب الأمر الرشيد في تفهم كتاب التوحيد، عبد الله الغنيمان (336/1)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (106)؛ وشرح الأصول الثلاثة، حمد الحمد (14)۔

1177) شرح فتح المجيد، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (488/1)۔

1178) المحاورات لطلب الأمر الرشيد في تفهم كتاب التوحيد، عبد الله الغنيمان (335/1)۔

ملام الٰہی غیر مخلوق ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے۔[1179] نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے "أعوذ بكلمات الله التامات من شر ما خلق"، اسی لیے یہ حضرات کہتے ہیں کہ استعاذہ مخلوق سے نہیں ہو سکتا۔[1180] اور یہ درست نہیں ہے کہ ایک مخلوق دوسری مخلوق سے استعاذہ کرے۔[1181]

دوسرا قول: جس کی پناہ لینا ممکن ہو، اس سے استعاذہ جائز ہے، اس لیے کہ استعاذہ حفاظت اور بچاؤ کے لیے ہے۔ اس لیے جو مخلوق زندہ ہے، شر کو دور کرنے پر قادر ہے، اس کی پناہ لینا جائز ہے۔ جیسے اعوذ بک یا اعوذ باللہ ثم بک کہنا جائز ہے۔[1182] لیکن اعوذ باللہ وبک

1179) أخرجه مسلم، كتاب: الذكر والدعاء، باب: في التعوذ من سوء القضاء ودرك الشقاء، برقم (2708).

1180) اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم (2/323)، تحقيق: د. ناصر بن عبد الكريم العقل.

1181) الأسماء والصفات، للبيهقي (241).

1182) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (149)؛ وتأسيس التقديس في كشف تلبيس داود ابن جرجيس، عبد الله أبا بطين (83)؛ وحاشية كتاب التوحيد، عبد الرحمن بن قاسم (110)؛ وفوائد من شرح كتاب التوحيد، لابن باز (311/2، 313)؛ اعتنى بإخراجه: عبد السلام السليمان، ط. الأولى: 1433 هجريا.؛ شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (64)؛ وشرح ثلاثة الأصول، عبد العزيز الريس (64).

کہنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ شرک اصغر ہے۔ "واؤ" شرک کا تقاضا کرتا ہے۔[1183] اور جس چیز پر صرف اللہ تعالیٰ قادر ہے، اس میں اللہ کے سوا کسی کی پناہ لینا جائز نہیں ہے، جیسے دعا۔ استعاذہ کی مختلف قسمیں ہیں۔[1184] ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے منقول ہے، اعوذ باللہ ثم بک کہنا جائز ہے۔[1185] جن حضرات کا یہ موقف ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں بہت سی دلیلیں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جن چیزوں پر مخلوق قادر ہے، ان چیزوں کے بارے میں مخلوق کی پناہ لینا جائز ہے۔ انھیں میں سے ایک حدیث ہے جو فتن کے سلسلے میں ہے "ومن وجد فيها ملجأ أو معاذا فليعذ به"، جو ان حالات میں کوئی پناہ پائے تو انھیں پناہ لے لینا چاہایے۔[1186] صحیح مسلم میں ہے کہ قبیلۂ بنو مخزوم کی ایک خاتون نے چوری کی تو اسے

(1183) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (150)۔

(1184) تيسير العزيز الحميد (462/1)۔

(1185) رواه عبد الرزاق بن معمر في جامعه (19811)؛ وابن أبي الدنيا في كتاب الصمت (344)۔

(1186) أخرجه البخاري، كتاب الفتن، باب: تكون فتن القاعد فيها خير من القائم؛ ومسلم: كتاب الفتن، باب: نزول الفتن كمواقع القطر۔

نبی ﷺ کے پاس لایا گیا تو اس نے ام سلمہؓ کی پناہ چاہی۔[1187] نیز آپ کا ارشاد گرامی ہے "یعوذ عائذ بالبیت فیُبعث إلیه بعث..."[1188]۔

خلاصہ یہ ہے کہ استعاذہ پناہ لینے، پناہ چاہنے کا نام ہے۔اور اعوذ کے معنی ہیں، میں پناہ لیتا ہوں، میں پناہ چاہتا ہوں۔اور یہ قلبی عبادت ہے۔اور اگر زبان سے کوئی کہے، میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں، یا مجھے پناہ دیجیے وغیرہ، اس مسئلے میں اہل علم کی مختلف رائے ہیں۔ بعض حضرات نے ظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے کہا کہ اگر مخلوق کے بس میں پناہ دینا ہو، کسی معاملے میں تو جائز ہے۔اس کے برعکس بعض حضرات نے مطلقاً ممنوع قرار دیا ہے۔اس لیے کہ اس کا تعلق دل سے ہے اور یہ اللہ کے سوا کسی سے درست نہیں ہے۔ جیسے توکل ہے ۔اس لیے کہ اگر افعال ظاہرہ سے ہو تو افعال جوارح، قلب کے تابع ہوتے ہیں۔اور عاقل سے جب کوئی فعل صادر ہوتا ہے تو اس سے پہلے قلب کا فعل ہوتا ہے۔لہٰذا ہر عبادت میں قلب کے فعل کے ساتھ جوارح کے فعل کا اجتماع ضروری ہے اور اگر بظاہر استعاذہ کی اجازت ہو تو کبھی کبھی اجازت دل کو تابع بنا لیتی ہے۔دل کے تعلق کی وجہ سے اس شخص

1187) رواہ مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف وغیرہ۔

1188) أخرجه مسلم، کتاب الفتن، باب: الخسف بالجیش الذي یؤم البیت۔

کے نزدیک جس نے مراد کو نہیں سمجھا۔[1189] اور "اعوذ بک" کہنا اجازت کے سلسلے میں زیادہ بعید ہے۔[1190] چنانچہ ایسا کہنا مکروہ ہے۔[1191] رہا "اعوذ باللہ ثم بک" کہنا تو اس سلسلے میں تفصیل ہے۔اس طرح کا جملہ استعاذہ میں عمل ظاہر اور عمل باطن دونوں ہے۔ عمل ظاہر یہ ہے کہ پناہ مانگے۔ وہ یہ کہ اس شر سے اس کی حفاظت کی جائے یا اس شر سے اسے نجات دیا جائے۔اور عمل باطن توجہ قلب، سکینت قلب اور اضطرار قلب کا نام ہے اور اس کی نسبت اس کی طرف ہوتی ہے جس سے پناہ مانگی جاتی ہے۔ جب استعاذہ مین یہ دونوں صورتیں جمع ہو جائیں تو ایسی صورت میں اللہ کے سوا کسی سے استعاذہ درست نہیں ہے، اس لیے جو عمل قلبی ہے، وہ بالاجماع اللہ کے سوا کسی کے لیے درست نہیں ہے اور اگر استعاذہ

(1189)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (105-107)؛ المحاورات لطلب الأمر الرشید في تفهم کتاب التوحید، عبد اللہ الغنیمان (334/1)۔

(1190)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (106)۔

(1191)شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهیم آل الشیخ (150)؛ والمفید علی کتاب التوحید، عبد اللہ القصیر (103)۔

سے صرف عمل ظاہر مراد ہو، وہ کسی کی پناہ چاہتا ہے تو ایسی صورت میں مخلوق کی پناہ مانگنا جائز ہے جس کے جواز پر دلائل موجود ہیں۔[1192]

1192) شرح فتح المجید، صالح آل الشیخ (1/488)؛تنبیہ العقول إلی منوز ثلاثۃ الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (1/470)۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں " استغاثہ کی دلیل آیت کریمہ : {إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ}[1193] ہے۔[1194] ۔ ترجمہ: "اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کررہے تھے، پھر اللہ نے تمہاری سن لی۔ "

بارہویں عبادت استغاثہ کی دلیل مصنف رحمہ اللہ نے ذکر کرتے ہوئے کہا ،

استغاثہ کی دلیل ارشاد باری "إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ" ہے۔ جب تم اپنے رب سے بدر کے دن فریاد کررہے تھے اور اس سے مدد و نصرت کی درخواست کررہے تھے " فَاسْتَجَابَ لَكُمْ" تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی اور تمہارے دشمنوں کے خلاف اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور اس دن کو یوم الفرقان قرار دیا۔[1195]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: استغاثہ کا معنی۔

1193) سورۃ الأنفال: 9۔

1194) سورۃ الأنفال (الآیۃ: 9)۔

1195) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، لابن قاسم (43)۔

استغاثہ کے معنی ہیں، مدد طلب کرنا، فریاد چاہنا، اور غوث کے معنی ہیں، مصیبت کے وقت مدد طلب کرنا۔[1196]

استغاثہ شرعی: مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا۔[1197] مصیبت اور پریشانی کے وقت ہی ہوتا ہے۔ استغاثہ مصیبت زدہ کی خاص دعا ہے۔ رہا دعا کا معاملہ تو وہ مصیبت اور بغیر مصیبت دونوں صورتوں میں کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصیبت زدہ کی دعا کو استغاثہ کہا جاتا ہے۔[1198]

دوسرا مسئلہ: استغاثہ کے عبادت ہونے کی دلیل۔

استغاثہ کے عبادت ہونے کی دلیل ارشاد باری : {إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ} ہے۔ یہ غزوۂ بدر کے موقع کا بیان ہے جب نبی ﷺ نے مشرکین کی

(1196) معجم مقاييس اللغة، لابن فارس (778)۔

(1197) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي (43)؛ الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا۔

(1198) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (156)؛ حاشية ثلاثة الأصول، لابن قاسم (43)؛ تيسير الوصول، د. عبد المحسن القاسم (106)۔

تعداد ایک ہزار اور صحابہ کرام کی تعداد تین سو تیرہ دیکھی تو آپ خیمے میں داخل ہوئے اور اپنے رب سے قبلہ رو ہاتھ اٹھا کر باآواز بلند دعا کرنے لگے :

" اللهم انجز لي ما وعدتني، اللهم إن تهلك هذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في الأرض "ترجمہ: ”اے اللہ ! جس چیز کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اسے پورا کیجیے۔ اے اللہ ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر آپ کی عبادت نہیں کی جائے گی۔ “

آپ ہاتھ اٹھا کر برابر دعا کرتے رہے کہ آپ کی چادر آپ کے کندھے سے گر گئی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھا کر کندھے پر ڈال دی۔ پھر آپ کے پیچھے سے ذمے داری لیتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے نبی ! آپ کی یہ دعا کافی ہے۔ بس کیجیے، آپ کے رب نے آپ کی دعا قبول کر لی۔ یقیناً آپ کے وعدے کو پورا فرمائیں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔[1199]

استغاثہ کے عبادت ہونے پر آیت کریمہ سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے تعریف کے سیاق میں بیان فرمایا ہے اور قبول کرنے کا بھی ذکر فرمایا ہے اور یہ ایسا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب و پسندیدہ ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ یہ عبادت ہے

1199) أخرجه مسلم، كتاب السير والجهاد، باب: الإمداد بالملائكة في غزوة بدر، برقم (1763)۔

۔[1200] جس کی دلیل یہ آیت ہے: "إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ"، عبادت دو وجہ سے ہے۔ پہلی وجہ مومنین کی تعریف کرنا اور اللہ تعالیٰ کا اس عمل کو پسند فرمانا ہے اور ہر وہ عمل جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، وہ عبادت ہے۔

دوسری وجہ اسے قبول کرنا ہے۔ ارشاد باری ہے" فَاسْتَجَابَ لَكُمْ"[1201]۔

تیسرا مسئلہ: استغاثہ اور ربوبیت۔

استغاثہ، استعاذہ کی طرح ہے۔ اس میں بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا مکمل ضرورت مند سمجھتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہی کافی ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ استعاذہ شر کے آنے سے پہلے شر کو دور کرنے کی درخواست ہے اور استغاثہ شر کے ہونے کے بعد شر کو دور کرنے کی درخواست ہے۔[1202] اور استغاثہ و استعاذہ دونوں کا تعلق ربوبیت سے ہے۔ استغاثہ کے ربوبیت سے متعلق ہونے کی دلیل ہے اور استعاذہ کے ربوبیت سے متعلق ہونے

(1200) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (108)؛ شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهیم آل الشیخ (157)۔

(1201) من تقریرات الشیخ صالح بن عبداللہ العصیمي، علی شرح ثلاثة الأصول، للعلامة الشیخ عبد العزیز ابن باز۔

(1202) حصول المأمل بشرح ثلاثة الأصول، عبداللہ الفوزان (97)؛ تیسیر الوصول، د. عبد المحسن القاسم (106)۔

کی دلیل "قل اعوذ برب الفلق" اور "قل اعوذ برب الناس" ہے، اس لیے کہ فریاد کو سننا اور پناہ دینا ربوبیت کا تقاضا ہے۔ لہٰذا جو رب، مالک اور مدبر ہوگا، وہی فریاد سنے گا اور وہی پناہ دے گا۔[1203]

چوتھا مسئلہ: استغاثہ شرکیہ۔

غیر اللہ سے اس چیز کے سلسلے میں زیادہ چاہنا جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے۔ جیسے گناہوں کا بخشنا اور ہدایت کے راستے پر لگا دینا اور بارش برسانا وغیرہ۔ یا غیر اللہ سے فریاد چاہنا، اس چیز میں جس پر وہ قادر نہیں ہے جس سے فریاد چاہی جا رہی ہے، جیسے غائب یا مردہ یا زندہ موجود شخص سے اس چیز کی فریاد چاہنا جس پر قادر نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ وہ باتیں ہیں جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا اور یہ ربوبیت کا حصہ ہے۔[1204]

1203) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (108)۔

1204) ينظر: مجموع الفتاوى، لابن تيمية (106/1)؛ والدر النضيد في إخلاص كلمة التوحيد/ محمد ابن علي الشوكاني (9)، ناشر: دار ابن خزيمة، ط. الأولى 1414 هجريا؛ حاشية ثلاثة الأصول، لابن قاسم (43)؛ شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (66)؛ تنبيه العقول إلى منوز ثلاثة الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (476/1)۔

اس کا ضابطہ یہ ہے کہ غیر اللہ سے اس چیز میں فریاد چاہے جس پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے۔[1205] اور اگر ان چیزوں میں غیر اللہ سے فریاد چاہے جن پر وہ قادر ہے تو شرک نہیں ہے۔ جیسے کوئی ڈوب رہا ہو اور وہ ایسے شخص سے فریاد چاہے جو اچھی طرح تیرنا نہ جانتا ہو، اس لیے کہ یہ مخلوق سے اس چیز میں فریاد چاہتا ہے جس پر وہ قادر نہیں ہے تو بظاہر استغاثہ ہے، لیکن دل کا عمل نہیں ہے، جیسے استعاذہ۔ اس لیے مخلوق سے استغاثہ کے لیے دو شرطیں ہیں :

پہلی شرط یہ ہے کہ جس سے زیادہ چاہ رہے ہوں، زندہ اور حاضر ہوں۔ اگر وہ مردہ یا غائب ہوں اور یہ عقیدہ ہو کہ جس سے فریاد چاہی جا رہی ہے، وہ سنتے ہیں اور قادر ہیں تو اس قسم کا استغاثہ شرک ہے۔[1206] اس لیے کہ پکارنے والے نے غیر اللہ کو پکارا، حالانکہ اس کا یہ عقیدہ ہے کہ اس چیز پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے۔ اس کے باوجود اپنا قلبی

1205) ینظر: التمھید لشرح کتاب التوحید، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (176)؛ وشرح فتح المجید، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (506/1)؛ والقول المفید علی کتاب التوحید، محمد العثیمین (260/1)۔

1206) شرح ثلاثۃ الاصول، صالح بن عبد العزیز الشیخ (109)۔

تعلق اس سے قائم کیااور اس سے فریاد چاہی، جبکہ استغاثہ عبادت ہے اور مغیث اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔

اگر میں نے دور سے دعا کی اور مخلوق کی طرف نسبت کی اور یہ عقیدہ رکھا کہ اسے علم غیب حاصل ہے۔[1207] جبکہ تمام مردے اور نگاہوں سے غائب لوگ مدد کرنے پر قادر نہیں ہیں، ان کے سلسلے میں کسی نے یہ عقیدہ رکھا ہو کہ وہ قادر ہیں کہ فریاد سنے اور ان کے سلسلے میں ان چیزوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے تو یہ شرک اکبر ہے۔ زندہ شخص سے کبھی وہ چیز مانگی جاتی ہے جس پر وہ قادر ہیں لیکن اگر وہ موجود نہیں ہیں تو یہ استغاثہ ہے اور غیر حاضر سے دلی تعلق کا ہونا شرک ہے۔[1208]

دوسری شرط یہ ہے کہ جس سے مدد طلب کی جارہی ہو، وہ زندہ، حاضر اور اس چیز کو کرنے پر قادر ہو۔ اب اگر اس سے وہ چیز مانگی گئی جس پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں

(1207) ینظر: تصحیح الدعاء، بکر بن عبد اللہ أبو زید (249)۔

(1208) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (109،110)۔

ہے[1209] اور وہ یہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا اسے کرنے پر کوئی قادر نہیں ہے تو یہ شرک اکبر ہے۔[1210]

مقصود یہ ہے کہ استغاثہ مردہ سے یا زندہ غیر موجود سے یا زندہ موجود سے ایسی چیزوں میں جن پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے، جائز نہیں ہے۔[1211]

1209) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (111)؛ وإفادة المسؤول عن ثلاثة الأصول، عبد الله القصير (55)۔

1210) ينظر: التمهيد لشرح كتاب التوحيد، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (176)۔

1211) الرد على البكري لابن تيمية (11/1)؛ شرح الأصول الثلاثة، عبد العزيز الراجحي (60)؛ تنبيه العقول إلى منوز ثلاثة الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (478/1)؛ وشرح الشيخ د. عبد الله العنقري على ثلاثة الأصول وأدلتها (37)۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں ذبح کے عبادت ہونے کی دلیل فرمان باری ہے {قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (162) لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (163)} ترجمہ: "آپ فرمادیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔[1212]

مصنف رحمہ اللہ نے تیرہویں عبادت ذبح کی دلیل یہ بیان کی کہ ذبح اہم ترین مالی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ آپ کہہ دیجیے ان مشرکین سے جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔بے شک میرا نماز کے ذریعے عبادت کرنا، میرا قربانی کرنا، زندگی میں نیک عمل کو انجام دینا اور نیک عمل پر مرنا یہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کا مستحق نہیں ہے۔اس لیے کہ وہ رب العالمین، معبود لاشریک لہ ہے۔یہ سارے اعمال اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہیں۔

(1212)سورۃ الأنعام (الآیتان:162-163)۔

یہ ایسا یقینی حکم ہے جس کی تعمیل واجب ہے اور اس امت میں ان امور کو انجام دینے میں پہلا مسلمان میں ہوں۔ اور اس أمت میں ان أوامر پر عمل کرنے والا شخص ہوں۔[1213]

اس ذیل میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: ذبح کا معنی۔

ذبح کے معنی ہیں، پھاڑنا، چیرنا۔[1214] اور ''ذبح الحیوان'' کے معنی ہیں، جانور کا گلا کاٹنا، ذبح کرنا۔[1215] ذبح شرعی یہ ہے کہ جانور کا گلا کاٹا جائے اور اس کی سانس کی رگ کو کاٹا جائے۔ خاص صفت کے ساتھ، اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے۔

ذبح عبادت کا مقصود مذبوح (جس کے لیے ذبح کیا گیا) کی تعظیم اور اس کے تقرب کے لیے خون بہانا ہے۔[1216] یعنی جانور کو اللہ تعالیٰ کے قرب کے لیے ذبح کیا جائے۔[1217]

(1213) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، لابن قاسم (43)؛ تیسیر الوصول، د. عبدالمحسن القاسم (108)۔

(1214) ینظر: معجم مقاییس اللغۃ، لابن فارس (372)، والصحاح، للجوھري (325/1)۔

(1215) العین، للفراھیدي (315)۔

(1216) المحاورات لطلب الأمر الرشید في تفھم کتاب التوحید، عبداللہ الغنیمان (288/1)۔

(1217) طؤیق الوصول إلی إیضاح ثلاثۃ الأصول، زید بن محمد المدخلي (191)۔

ذبح کرنے کی عبادت اللہ رب العزت کے لیے مخصوص ہے۔اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ کے ذریعے اور انھیں جانوروں کے ساتھ شرعی ذبیحے ہدی، عقیقہ اور قربانی مخصوص ہیں۔ذبح کرنے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب انھیں جانوروں کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔[1218] ان کے علاوہ جو جانور ہیں، ان سے اللہ کا قرب ذبح کے ذریعے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اللہ کا قرب اس کا گوشت صدقہ یا ہدیہ کر کے حاصل ہوتا ہے۔جیسے مرغی ہے ۔اس کا گوشت صدقہ کر کے ہی قرب الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔اب اگر ان جانوروں سے غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو کفر و شرک ہے کیونکہ عبودیت کا مفہوم اس عظیم ہستی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو قابل تعظیم ہے۔[1219]

گائے، بکری وغیرہ کو ذبح کیا جائے گا اور اونٹ کو نحر کیا جائے گا کیونکہ ذبح، نحر کو شامل ہے۔عام طور پر نحر کا اطلاق اونٹ کے لیے کیا جاتا ہے۔[1220]

دوسرا مسئلہ: ذبح کی عبادت کی اہمیت۔

1218) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح العصیمي (28)۔

1219) المصدر السابق۔

1220) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (112)۔

ذبح کرنااور نحر کرنااللہ تعالیٰ کے لیے ایک ایسی عبادت ہے جو اہم ترین طاعات اور عظیم ترین قربات میں سے ہے۔اس سے مقصود خون بہانا ہے اور خون بہانے کا تعلق دل سے ہو۔جب اللہ کے لیے خون بہایا تو دل کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑ گیا۔چنانچہ ذبح کرنا ایک ظاہری عبادت ہے جو دل کے تابع ہے یا ایسی عبادت ہے جس کا داعیہ اندرون قلب سے پیدا ہوتا ہے۔ذبح ایک ظاہری عمل ہے جس میں ہاتھ اور زبان کی تحریک شامل رہتی ہے اور اس عبادت کا تعلق چونکہ دل سے ہے،اس لیے جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا،وہ کھلے شرک میں مبتلا ہو گیا۔وہ دونوں اعتبار سے شرک میں مبتلا ہو گیا۔اس اعتبار سے بھی کہ اس نے غیر اللہ کے لیے عبادت کی اور اس اعتبار سے بھی کہ اس کے دل کا تعلق غیر اللہ کے ساتھ جڑ گیا۔[1221]

تیسرا مسئلہ:ذبح کے عبادت ہونے پر آیت کریمہ کے دلیل ہونے کی وجہ۔

مصنف رحمہ اللہ کا استدلال "قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ "سے ہے۔ایک رائے یہ ہے کہ صلاۃ،دعا کے معنی میں ہے۔دوسری رائے یہ ہے کہ نماز کے معنی میں ہے جس کی شروعات تکبیر تحریمہ سے ہوتی ہے اور اختتام

(1221)شرح ثلاثۃ الأصول،صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(113-116)۔

سلام پر ہوتا ہے۔[1222] "ونسکی" کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنے کو "نسک" کہتے ہیں۔ایک رائے یہ ہے کہ ہر وہ عبادت جو اللہ تعالیٰ کے لیے کی جائے، وہ "نسک" ہے۔چنانچہ مناسک کے مفہوم میں صرف ذبح کرنا اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہی شامل نہیں ہے بلکہ ذبح کے علاوہ دوسری عبادت بھی شامل ہے۔[1223]

ذبح کے عبادت ہونے پر آیت کریمہ سے استدلال کی دو صورتیں ہیں ۔ پہلی صورت یہ ہے کہ "للہ" کا لام استحقاق کے لیے ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ میری قربانی کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے جیسا کہ نماز اللہ ہی کا حق ہے۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ذبح کرنا ایک ایسی عبادت ہے جس کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

1222)ینظر: الجامع لأحكام القرآن، للقرطبی(138/9)۔

1223)ینظر: جامع البیان، للطبري (420/5)؛ الجامع لأحكام القرآن، للقرطبی(138/9)؛ ومجموع الفتاوی، لابن تیمیة(368/27)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ "وبذلک أمرت" یہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنے کی دلیل ہے اور جس چیز کا حکم دیا جائے، وہ عبادت ہے۔[1224]

اس کے مثل {فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (2)}[1225] ترجمہ: "پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو"۔ میں نماز اور قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز اور قربانی یہ دونوں ایسی عبادت ہیں جنھیں اللہ کے سوا کسی کے لیے کرنا جائز نہیں ہے۔[1226]

چوتھا مسئلہ: ذبح، عبادت ہے۔

ذبح کرنا اگر عبادت کے طور پر ہو تو قصداً ولفظاً اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا ضروری ہے۔ قصداً ضروری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صرف اور صرف اللہ وحدہ لا شریک کا قرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کرے اور لفظاً ضروری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت اللہ

1224) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (114)؛ شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (159)۔

1225) سورة الكوثر (الآية: 2)۔

1226) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (114)۔

تعالیٰ کا نام ذکر کرے۔ اگر اس نے غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیا تو وہ شرک ہے۔اور اگر اللہ کے لیے قصداً ذبح کیا لیکن نام اس نے لفظاً غیر اللہ کا لیا تو وہ مشرک ہے اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا استعانت ہے،اس لیے کہ ذبح کرنے کے وقت جب بندہ اللہ کا نام لیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتا ہے۔ اس لیے بھی کہ بسم اللہ میں " باء" کا مطلب ہے، میں بابرکت ذات کے نام سے اور اس کی مدد چاہتے ہوئے ذبح کر رہا ہوں۔ لہٰذا تسمیہ کا رخ اختیار کرنا استعانت کا رخ اختیار کرنا ہے۔ رہا قصد و ارادہ سے کرنا، تو یہ عبودیت ہے۔ جس نے اللہ کے نام سے ذبح کیا، وہ اللہ کے لیے ہے۔ اللہ کے ساتھ استعانت ہے اور قصداً ذبح کرنا اللہ رب العزت ذو الجلال کے لیے تقرب کا ذریعہ ہے [1227]۔

ذبح میں غیر اللہ کا ارادہ کرنا عبودیت میں شرک ہے اور ذبیحے پر غیر اللہ کا نام لینا استعانت میں شرک ہے۔ مشرک پر غیر اللہ کا نام لینا استعانت میں مشرک ہے۔ مشرک

1227) التمھید لشرح کتاب التوحید، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(140)۔

ذبح میں دو طریقے سے ہوتا ہے یا تو استعانت کے طور پر جبکہ ذبیحے پر غیر اللہ کا نام لیا جائے یا عبودیت و تعظیم اور خون بہانے کے اعتبار سے غیر اللہ کے لیے۔[1228]

اس طرح اس کی چار صورتیں ہوتی ہیں :

۱ ۔اللہ کے نام سے اللہ کے لیے ذبح کرے تو یہ توحید ہے۔

۲ ۔اللہ کے نام سے غیر اللہ کے لیے ذبح کرے تو یہ عبادت میں شرک ہے۔

۳ ۔ غیر اللہ کے نام سے ذبح کرے اور ذبیحے کو اللہ کے لیے خاص کرے تو استعانت میں شرک ہے۔

۴ ۔ غیر اللہ کے نام سے غیر اللہ کے لیے ذبح کرے تو یہ استعانت میں شرک ہے اور عبادت میں بھی شرک ہے۔[1229]

پانچواں مسئلہ: جائز ذبح۔

ذبح کرنا اگر تعبد و تقرب کے طور پر نہ ہو بلکہ اس سے گوشت مقصود ہو تو گویا یہ مہمان کے اکرام کے لیے ہے۔ یہ شرک نہیں ہے کیونکہ خون کا بہانا تبعاً ہے، قصداً نہیں

1228)التمهيد لشرح كتاب التوحيد، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ(142)۔

1229)المصدر السابق(141)۔

ہے۔ برخلاف اس ذبح کے جو توحید کے ابواب میں ہے کیونکہ خون کا بہانا اس میں قصداً ہے ،نہ کہ تبعاً۔[1230] ذبح میں یہ شرط نہیں لگائی جائے گی کہ ذبح کرنے والا ذبیحے سے تقرب الی اللہ کی نیت کرے۔اب اگر اس نے ذبح کیا اور ذبیحے سے غیر اللہ کے لیے تقرب کا ارادہ نہیں کیا اور نہ اللہ کے لیے تقرب کا ارادہ کیا اور اللہ کے نام سے ذبح کیا اور اس سے گوشت کھانے کا ارادہ کیا تو یہ جائز ہے۔[1231]

1230) تنبيه العقول إلى كنوز ثلاثة الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (488/1). و قواعد و مسائل في توحيد الإلهية، عبد العزيز الريس (76)۔

1231) التمهيد لشرح كتاب التوحيد، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (141)۔

صاحب کتاب لکھتے ہیں "سنت سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا لعنت بھیجنا جس نے غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا"۔ "لعن الله من ذبح لغير الله"[1232]۔

مصنف رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ سنت سے یہ ثابت ہے کہ ذبح کرنا عبادت ہے، اس لیے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کیا جاسکتا ہے "لعن اللہ" کا مطلب ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونا۔

"من ذبح لغیر اللہ" یہ عام ہے۔ ہر مذبوح کو شامل ہے، خواہ اونٹ ہو یا گائے، مرغی ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز۔ اور ہر اس چیز کو شامل ہے جو اللہ کے علاوہ ہیں۔ جیسے اگر کسی نے نبی کے لیے ذبح کیا یا فرشتے کے لیے یا جنات کے لیے یا ان کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے۔[1233]

اس میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: حدیث میں لعنت سے مراد۔

(1232) أخرجه مسلم في صحيحه كتاب الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى، برقم (1978)۔

(1233) حاشية ثلاثة الأصول، لابن قاسم (45)؛ والقول المفيد على متاب التوحيد، محمد بن صالح العثيمين (222/1)؛ تيسير الوصول، د. عبدالمحسن القاسم (109)۔

یہاں اس بات کا احتمال ہے کہ ”اخبار“ کے قبیل سے ہو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ انشاء کے قبیل سے ہو۔ اگر خبر ہے تو اس کا مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر لعنت فرماتے ہیں جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا۔ خبر کے لفظ سے اگر انشاء مراد ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان لوگوں پر بد دعا کرتے تھے جس نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا۔ اسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کر دے[1234]۔

دوسرا مسئلہ: ذبح کے عبادت ہونے پر حدیث سے استدلال کی وجہ۔

حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ذبح عبادت ہے۔ استدلال کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی لعنت کے ذریعے مذمت کی ہے جس نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا اور لعنت کسی بھی ملعون فعل کی حرمت کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ دلیل ہے کہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ یہ ان افعال میں سے ہے جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ذبح کے ذریعے تنہا اللہ تعالیٰ کا تقرب اللہ تعالیٰ کو محبوب و پسندیدہ ہے۔ لہٰذا یہ

1234) حصول المأمل بشرح ثلاثة الأصول، عبد اللہ الفوزان (100)؛ والقول المفید علی متاب التوحید، محمد بن صالح العثیمین (222/1)۔

عبادت ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ عبادت ہے تو ذبح کرنا صرف اللہ کے لیے ضروری ہے ۔[1235] اللہ تعالیٰ کا لعنت فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے بلکہ اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ عبادت کی شان اور اس کا حق ہے کہ صرف اللہ کے لیے کی جائے، اس لیے کہ ساری عبادتیں اللہ ہی کے لیے مخصوص ہیں۔[1236]

(1235) شرح ثلاثۃ الاصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (117)۔

(1236) شرح ثلاثۃ الاصول، محمد بن ابراھیم آل الشیخ (159)۔

صاحب کتاب لکھتے ہیں: نذر کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: {يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا (7)}[1237]- ترجمہ: یہ وہ لوگ ہونگے جو (دنیا میں) نذر پوری کرتے ہیں، اور اُس دن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی۔

چودھویں عبادت ''نذر'' کی دلیل مصنف رحمہ اللہ نے یہ ذکر کی کہ یہ ایک عبادت ہے جو صرف اللہ کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اپنی نذر پوری کرتے ہیں "یوفون بالنذر"۔ اور اللہ تعالیٰ عبادت کرنے والے ہی کی تعریف کرتا ہے۔ اور جب انسان کسی مصیبت پریشانی سے ڈرتا ہے تو اللہ ہی کی رحمت کا امیدوار ہوتا ہے" وَيَخَافُونَ يَوْمًا "يعني عسيرا، "كَانَ شَرُّهُ "یعنی اس میں جو ہولناکیاں ہیں "مُسْتَطِيرًا "یعنی جو اس میں پھیلی ہوئی ہیں اِلا کہ وہ شخص جس کو اللہ نے محفوظ رکھا[1238]۔

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: نذر کا معنی۔

(1237)سورۃ الإنسان:7۔

(1238)حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، لابن قاسم(45)؛ تیسیر الوصول، د.عبد المحسن القاسم(110)۔

نذر، لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے اوپر واجب کرلیتا ہے۔[1239] امام راغب لکھتے ہیں ""نذر"" اسے کہتے ہیں جسے انسان اپنے اوپر واجب کرلیاتا ہے، نہ کہ کسی واقعے کے پیش آنے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔[1240] **شرعاً** اس کو کہتے ہیں کہ مکلف شخص اپنے اوپر منذور کی تعظیم کی وجہ سے اپنے اوپر ایسی چیز کو واجب کرلے جو شریعت کی طرف سے واجب نہیں تھی۔[1241]

دوسرا مسئلہ: نذر کے عبادت ہونے کی دلیل۔

ارشاد باری "یوفون بالنذر" سے ثابت ہوتا ہے کہ نذر عبادت ہے۔ آیت سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ نذر کے پوری کرنے کو تعریف کے طور پر ذکر فرمایا ہے جو دلیل ہے اس کی یہ ایسا فعل ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے اور ہر وہ عمل جو

(1239) كتاب العين، للفراهيدي (951)۔

(1240) مفردات ألفاظ القرآن (797)۔

(1241) حاشية ثلاثة الأصول، لابن قاسم (45)؛ تيسير الوصول، د. عبدالمحسن القاسم (110)۔

اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، وہ عبادت ہے۔[1242] اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی فعل کی تعریف کرتا ہے جو عبادت ہے۔ معلوم ہوا کہ نذر عبادت ہے۔[1243]

تیسرا مسئلہ: نذر کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

نذر ان عبادات میں سے ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا واجب ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، تعظیماً، لہٰذا عبادت ہوگئی۔[1244] غیر اللہ کے نام پر نذر ماننا شرک ہے۔ غیر اللہ کے نام پر نذر ماننے کا مطلب یہ ہے، وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ تصرف اور عطا کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اس لیے کہ نذر بغیر اعتقاد کے ممکن نہیں ہے۔[1245] نذر ماننے والا غیر اللہ سے اس عقیدے کے بغیر نذر نہیں مانتا۔ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ نفع و نقصان، دینے اور نہ دینے پر قادر ہے۔ یا تو فطری اعتبار سے یا قوت سببیہ کی وجہ سے جو ان

(1242) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (122)؛ شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (67)۔

(1243) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (160)۔

(1244) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (161)۔

(1245) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (121)؛ ومعجم التوحيد، إبراهيم بن سعد أبا حسين (467/3)۔

میں ہے۔اس عقیدے کی دلیل یہ ہے کہ نذر ماننے والا جب سخت مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ نذر مانتا ہے، کسی کے لیے، کسی قبر والے سے۔اس طرح اس کی مصیبت دور ہو جاتی ہے[1246]۔

چوتھا مسئلہ: نذر کی ممانعت۔

تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ نذر عبادت ہے۔اس کے باوجود حدیث ابن عمر رضي الله عنه کی وجہ سے ممانعت ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا "إنه لا يرد شيئا ولكنه يستخرج به من البخيل"[1247] ترجمہ: "کوئی تقدیری فیصلہ بدلتا نہیں ہے۔البتہ اس سے بخیل کے مال کو نکال لیا جاتا ہے"۔

1246) التوضيح عن توحيد الخلاق في جواب أهل العراق، محمد بن علي غريب (705/2)، دراسة وتحقيق: د. أمين بن أحمد السعدي، ناشر: دار التوحيد؛ الرياض، ط. الأولى 1435 هجريا۔

1247) رواه البخاري، كتاب القدر، برقم (6693)؛ ورواه مسلم في صحيحه بلفظ: (إنه لا يأتي بخير، وإنما يستخرج به من البخيل) كتاب النذر، باب النهي عن النذر، برقم (1639)۔

جب نذر ممنوع ہے تو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ عبادت کیسے ہے ؟ جواب یہ ہے کہ نذر عبادت نہیں ہے بلکہ نذر کا پورا کرنا عبادت ہے لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ نذر کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: نذر مطلق:

وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے اوپر کسی قید کے بغیر اللہ تعالٰی کے لیے عبادت کو لازم کرلے۔ یہ محمود ہے۔ اسے نبی کریم ﷺ نے مکروہ قرار نہیں دیا۔

دوسری قسم: نذر مقید:

وہ کسی چیز کے مقابلے میں ہو۔ بندہ اپنے اوپر اللہ کی عبادت کو کسی چیز کے مقابلے میں لازم کرلے۔ جیسے کسی نے کہا، اگر میں شفایاب ہو گیا تو ایک دن کا روزہ رکھوں گا۔

یہ قسم مکروہ ہے کیونکہ بخیل اس صورت میں عبادت کرتا ہے جب اس کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ بہرحال نذر اصل کے اعتبار سے عبادت ہے جس سے اللہ راضی ہوتا ہے اور اسے پسند کرتا ہے۔ مکروہ نذر مقید ہے۔[1248] تو کراہیت وصف کی وجہ سے، نہ کہ اصل کی وجہ سے۔ اس طرح نذر کی دو صورتیں ہیں :

1248) التمہید لشرح کتاب التوحید، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ(158)۔

پہلی صورت یہ ہے کہ نذر مقید کی وجہ سے مکروہ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس نذر کو پوری کرنا جسے اپنے اوپر لازم کیا ہے، واجب ہے۔ اور اس اعتبار سے عبادت ہے۔ جب اس نے اللہ کے لیے نذر مقید مانگی اور شروط حاصل ہو گیا تو اس نذر کو پوری کرنا اس پر واجب ہو گیا۔ یہ اگرچہ مقید ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے لیکن اسے پوری کرنا واجب ہے۔ لیکن غیر اللہ سے نذر ماننا شرک ہے۔[1249] اس مسئلے میں تحقیق یہ ہے کہ تین شرطوں کے ساتھ عبادت ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ نفل سے متعلق ہو، نہ کہ واجب یا فرض سے۔ اس لیے بندے پر اصلاً لازم ہیں۔ لہٰذا جس نے رمضان کا روزہ رکھنے کی نذر مانگی تو یہ نذر قابل عبادت شمار نہیں ہو گی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ نذر معین ہو، مبہم نہ ہو۔ مبہم قربت الٰہی کا ذریعہ نہیں ہے اور اس پر نذر کا کفارہ ہے۔

1249) المصدر السابق (160)۔

تیسری شرط یہ ہے کہ نذر کسی نعمت کے مقابل معلق نہ ہو، بلکہ مطلق ہو۔[1250] لہٰذا جس نے یہ کہا، اگر میں بیماری سے اچھا ہو گیا تو تین دن روزہ رکھوں گا۔ اس لیے یہ قربت شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ عوض اور مقابلے کے طور پر ہو۔

مذکورہ بالا شرائط کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ نذر عبادت ہے، جبکہ نفل ہو۔ غیر معین اور غیر معلق ہو۔ جب یہ تینوں اوصاف جمع ہو جائیں گے تو نذر عبادت ہو گی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے گا۔[1251]

پانچواں مسئلہ: معرفت رب: اصل اول پر کلام کا خاتمہ۔

اللہ تعالیٰ مصنف رحمہ اللہ کو اجر و ثواب سے نوازے کہ انھوں نے ان تینوں اصول میں سے اصل اول پر کلام کا خاتمہ کیا جن کی معرفت انسان پر واجب ہے۔ وہ بندے کا اپنے رب کو جاننا، اپنے معبود کو جاننا ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی رب

1250) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح العصیمي (30)، وتقریرات الشیخ صلح بن عبد اللہ العصیمي، علی شرح ثلاثۃ الأصول، للعلامۃ الشیخ عبد العزیز بن باز رحمه الله۔

1251) شرح ثلاثۃ الأصول وأدلتها، أملاہ فضیلۃ الشیخ صالح بن عبد اللہ العصیمي (45)، الکتاب الثاني: برنامج مھمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 ھجریا۔

اور مربی ہے جس نے ساری دنیا کی اپنی نعمت سے تربیت کی۔ وہی معبود ہے، وہی عبادت کا مستحق ہے۔اس کے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے۔ پھر اس دلیل کو بیان کیا جو رب کی معرفت کی رہنمائی کرنے والی ہے اور ان آیات کو ذکر کیا جو اللہ رب العزت ذوالجلال کی ربوبیت کی دلیل ہیں۔ان دلائل کو ذکر کیا جن سے تنہا اللہ عبادت ثابت ہوتی ہے۔اس کے بعد ثابت کیا، رب ہی معبود ہے جو مستحق عبادت ہے۔اس عبادت کی اقسام کو ذکر کیا جو رب، معبود کے لیے کی جاتی ہیں اور جس کا کرنا تنہا اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہے۔ پھر چودہ عبادتوں کو ذکر کیا جن سے اللہ رب العزت ذوالجلال کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔ان کا آغاز دعا سے کیا اور اختتام نذر پر کیا۔اس کے بعد عبادت کی اقسام کو اجمالاً ذکر کیا۔ان اقسام کے دلائل کو بیان کیا جو عبادت کی تعریف میں داخل ہیں۔اور عبادت کی ہر قسم کے دلائل کو بیان کیا اور اسے بھی ذکر کیا کہ جس نے غیر اللہ کے لیے ان میں سے کوئی عبادت کی تو وہ مشرک ہے۔ مجموعی طور پر مصنف رحمہ اللہ نے سولہ دلائل کو ذکر کیا جن میں چودہ آیات اور دو احادیث ہیں۔اور ان دلائل کے وجوہات کو ذکر کیا جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔وجوہات درج ذیل ہیں :

ا ۔کسی چیز کا کتاب وسنت میں حکم ہونا، جیسے ارشاد خداوندی ہے " قل أعوذ برب الفلق "یہ دلیل ہے کہ استعاذہ کا حکم ہونے کی وجہ سے استعاذہ عبادت ہے۔اور ارشاد باری

ہے "وأنيبوا إلى ربكم وأسلموا له" یہ دلیل ہے کہ انابت عبادت ہے اور ارشاد حق ہے "فلا تخشوهم واخشوني" یہ دلیل ہے کہ خشیت عبادت ہے ، جیسے حدیث ہے "فإذا استعنت فاستعن باللہ" یہ دلیل ہے کہ استعانت عبادت ہے،اس لیے کہ انھیں چیزوں کا حکم دیا جاتا ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے۔

۲ ۔ ایمان پر معلق کرنا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے "وعلى الله فتوكلوا إن كنتم مؤمنين" یہ آیت دلیل ہے کہ توکل عبادت ہے،ایمان کو اس پر معلق کرنے کی وجہ سے۔

۳ ۔ کرنے والے کی تعریف کرنا،جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے "يوفون بالنذر" یہ دلیل ہے کہ نذر عبادت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نذر کو پورا کرنے والے کی تعریف کی ہے۔

۴ ۔ان اعمال پر ثواب کا ذکر یا ثواب دینا یا قبول کرنا، جیسے ارشاد باری ہے "ومن يتوكل على الله فهو حسبه" یہ دلیل ہے کہ توکل عبادت ہے،اس لیے کہ اجر وثواب انھیں عبادتوں پر دیا جاتا ہے جس کا حکم ہے۔

۵ ۔مومنین کی طرف ان اعمال کے ذریعے تقرب کی نسبت کرنا۔

۶ ۔ غیر اللہ کے نام پر کرنے والوں کے لیے وعید کا آنا، جیسے حدیث میں ہے "لعن الله من ذبح لغير الله"۔

یہ وہ چھ وجوہات ہیں جن سے کسی چیز کا عبادت ہونا اور نہ ہونا معلوم ہوتا ہے

1252۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ استدلال کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت استدلال عام ہے ۔کتاب و سنت کے عمومی دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا واجب ہے اور ہر وہ عبادت جس کا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے درست ہے، اس کا غیر اللہ کے لیے کرنا شرک ہے اور کرنے والا مشرک ہے۔

دوسری صورت استدلال خاص ہے۔ وہ دلائل جو خصوصی نوعیت کے ہیں، جیسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا خصوصی دلائل کی بنا پر حرام ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ سے استعاذہ اور استغاثہ کرنا واجب ہے اور ہر وہ عبادت جو خصوصی دلائل سے ثابت ہیں، غیر اللہ کے لیے کرنا شرک ہے۔ اس طرح کی تمام عبادات کا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا واجب ہے

1253۔

1252) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح العصيمي (31)؛ وينظر: حاشية على رسالة ثلاثة أصول، طالب الكثيري (10)؛ وشرح الأصول الثلاثة وأدلتها، محمد بن مبارك الشرافي (59)۔

1253) ينظر: ص (301)۔

دوسرا أصول: دلائل کے ذریعے دین اسلام کی معرفت

اسلام نام ہے توحید کا اقرار کرتے ہوئے اللہ کے آگے مکمل طور سے جھک جانے کا، مکمل طور سے اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کا، مشرکین اور ان کے شرک سے برأت کا اعلان کرنے کا[1254]۔

اور اس کے تین مراتب ہیں: اسلام، ایمان اور احسان اور ہر مرتبہ کے اپنے ارکان ہیں جن پر وہ مشتمل ہے۔

اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔[1255] اس بات کی گواہی (شہادت) دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ نماز ادا کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزہ رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا، شہادت کی دلیل کے طور پر اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

1254) في (خ، ن): (والخلوص من الشرک)، وفي (ص): (والبراءة والخلوص من الشرک وأهله)۔

1255) في نسخة (خ، ص، د، ن) زيادة: (والدليل من السنة: حديث ابن عمر: قال: قال رسول الله...: بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ، وحج البيت.) وزاد في (ص و(د) بعده: (والدليل قوله تعالى: ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وهو في الآخرة من الخسرين.) وزاد في (ص): والدليل قوله تعالى: (إن الدين عند الله الاسلام)" سورة آل عمران: 85، 19"۔

{شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (18)}[1256]

ترجمہ: اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، اور (یہی شہادت) فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے وہ انصاف پر قائم ہے اُس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔

اور اس کا مطلب ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں۔[1257]

پہلا مرتبہ: اسلام

[1258]چنانچہ لاالہ (اللہ کے علاوہ تمام دوسرے معبودوں کا انکار ہے اور الااللہ تمام عبادتوں کو صرف اور صرف اللہ کے لئے خاص کردینے کا اقرار ہے۔ جس کا اس کی عبادتوں میں کوئی شریک نہیں۔ جیساکہ اس کی بادشاہت میں کوئی اس کا شریک اور ساجھے دار نہیں۔[1259]

(1256)سورۃ آل عمران:18۔

(1257)في(د):زيادة:(وحد النفي من الاثبات)۔

(1258)في(خ،ن):زيادة(و)۔

(1259)في(د،م)،وحاشية ابن قاسم(52):(كما أنه لا شريك في ملكه)۔

اس بات کی مزید وضاحت اللہ رب العزت کے اس فرمان سے ہوتی ہے: { وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ (26) إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ (27) وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (28)} 1260

ترجمہ: یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ "تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا تعلق صرف اُس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی کرے گا۔ اور ابراہیمؑ یہی کلمہ اپنے پیچھے اپنی اولاد میں چھوڑ گیا تاکہ وہ اِس کی طرف رجوع کریں۔

{قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (64)} 1261

(1260)سورۃ الزخرف:26-28۔

(1261)سورۃ آل عمران:64۔

ترجمہ: کہو، "اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے" اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی و اطاعت کرنے والے) ہیں۔

اس بات کی شہادت[1262] کی دلیل کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، ارشاد باری ہے: {لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (128)}[1263]

ترجمہ: دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔

1262) قوله: (شهادة) هذه الزيادة ليست موجودة في (ن)۔

1263) سورة التوبة: 128۔

اس بات کی شہادت کا مطلب کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں یہ ہے کہ انہوں نے جو احکامات دیئے ہیں ان پر عمل کیا جائے، انہوں نے جو باتیں بتائی ہیں، ان کی تصدیق کی جائے۔ جن چیزوں نے انہوں نے منع کیا ہے اور دور رہنے کو کہا ہے اس کے قریب بھی نہ بھٹکا جائے اور اللہ کی عبادت اسی طرح کی جائے جس طرح اس نے بتایا ہے۔

نماز و زکوۃ کی دلیل اور توحید کی وضاحت کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (5)}[1264]

ترجمہ: اور اُن کو اِس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اُس کے لیے خالص کر کے، بالکل یکسو ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں یہی نہایت صحیح و درست دین ہے۔

روزہ[1265] کی دلیل کے طور پر ارشادِ باری ہے: {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (183)}[1266]

(1264) سورة البينة: 5۔

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیا کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔

حج کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: {وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (97)}[1267]

ترجمہ: لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

دوسرا مرتبہ: ایمان۔

(1265) في (خ): (الصوم)۔

(1266) سورۃ البقرۃ: 183۔

(1267) سورۃ آل عمران: 97۔

ایمان کے ستر سے زائد مراتب ہیں۔ سب سے اعلیٰ مرتبہ[1268] لا الہ الا اللہ کا اقرار ہے اور سب سے ادنیٰ مرتبہ نقصان اور تکلیف پہنچانے والی چیز کو راستہ سے ہٹا دینا ہے اور شرم وحیاء ایمان کا حصہ ہے۔

ایمان کے چھ ارکان ہیں: اللہ پر ایمان لانا، اس کے فرشتوں پر ایمان لانا، اس کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانا، اس کے بھیجے گئے رسولوں پر ایمان لانا، قیامت کے دن پر ایمان لانا، قضاء وقدر پر ایمان لانا چاہے وہ اچھی ہو یا بری۔[1269] ـــ[1270]

ان ارکان کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ}[1271]

1268) في (خ، م، ن): (فأعلاها). وكذا في حاشية ابن قاسم (61)۔

1269) في (م) وحاشية ابن قاسم (63): (وتؤمن بالقدر خيره وشره)؛ وفي (ن): (وبالقدر)۔

1270) في (خ، ص، د، ن): زيادة: (كله من الله)۔

1271) سورة البقرة: 177۔

ترجمہ: نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے

اور قضاء وقدر پر ایمان لانے کی دلیل ارشاد باری ہے: { إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (49) }[1272]

ترجمہ: ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

تیسرا مرتبہ: احسان۔

اس مرتبہ کا صرف ایک رکن ہے[1273] اور وہ یہ کہ "أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك"[1274]۔۔۔[1275] ترجمہ: تم اللہ تعالی کی عبادت ایسے کرو گویا تم اس کو دیکھ رہو، اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو لازما دیکھ رہا ہے۔

1272) سورۃ القمر: 49۔

1273) في (ن): (وهو رکن واحد، والدلیل قوله تعالی: ومن یسلم وجهه إلی الله وهو محسن)۔

1274) صحیح البخاري، رقم: 50۔

اس بات کی دلیل فرمان الٰہی ہے:[1276] {إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (128)}[1277]۔۔۔[1278]

ترجمہ: اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔

اور{ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (217) الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ (218) وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (219) إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (220)}[1279]

ترجمہ: اور اُس زبردست اور رحیم پر توکل کرو۔ جو تمہیں اس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم اٹھتے ہو۔ اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہاری نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

(1275)في(ن): زيادة: (وحده)۔

(1276)في(خ،ص،د): زيادة: (والدليل: قوله تعالى: ومن يسلم وجهه إلى الله وهو محسن)"لقمان:22"۔

(1277)سورة النحل:128۔

(1278)في(ص): زيادة: (وقوله تعالى: ومن يتوكل على الله فهو حسبه)"الطلاق:3"۔

(1279)سورة الشعراء:217-220۔

اور{ وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ}[1280]

ترجمہ: اے نبیؐ، تم جس حال میں بھی ہوتے ہو اور قرآن میں سے جو کچھ بھی سُناتے ہو، اور لوگو، تم بھی جو کچھ کرتے ہو اُس سب کے دوران میں ہم تم کو دیکھتے رہتے ہیں۔

سنت سے ان باتوں کی دلیل وہ حدیث ہے جو حدیث جبرئیل[1281] کے نام سے مشہور

صلى الله عليه وسلمذات يوم[1283] إذ طلع علينا رجل شديد بياض الثياب، شديد سواد الشعر، لا يرى عليه أثر السفر، ولا يعرفه منا أحد، حتى جلس إلى النبي صلى الله عليه وسلم،[1284] فأسند ركبتيه إلى

(1280) سورۃ یونس: 61۔

(1281) في (ص، م) وحاشية ابن قاسم (68): (جبرائيل)۔

(1282) في (خ، ص، م، ن)، وحاشية ابن قاسم (68): زيادة: (جلوس)۔

(1283) في (خ، ن) (عند النبي ﷺ)۔

(1284) في (خ، ن) (ولا يعرفه منا أحد فجلس إلى النبي ﷺ)۔

ركبتيه، ووضع كفيه على فخذيه، وقال: يا محمد أخبرني عن الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «الإسلام[1285] أن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله صلى الله عليه وسلم، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتصوم رمضان، وتحج البيت إن استطعت إليه سبيلا»، قال: صدقت، قال: فعجبنا له يسأله، ويصدقه، قال: فأخبرني[1286] عن الإيمان، قال: «أن تؤمن بالله، وملائكته، وكتبه، ورسله، واليوم الآخر، وتؤمن بالقدر[1287] خيره وشره[1288] قال صدقت[1289] قال فأخبرني[1290] عن الإحسان،

1285) قوله: (الإسلام) هذه الزيادة ليست موجودة في (خ، ن).

1286) في (خ، ن): (أخبرني).

1287) في (خ): (واليوم الآخر والقدر)، وفي (ص، ن): (واليوم الآخر وبالقدر خيره وشره).

1288)) قوله (خيره وشره): هذه الزيادة ليست موجودة في (خ).

1289) قوله (صدقت) ليست موجودة في (خ، ن).

1290) في (ن): (أخبرني).

قال: «أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك»[1291] قال فأخبرني[1292] عن الساعة، قال: «ما المسئول عنها بأعلم من السائل» قال: فأخبرني[1293] عن أمارتها، قال: «أن تلد الأمة ربتها، وأن ترى الحفاة العراة العالة رعاء الشاء يتطاولون في البنيان»، قال: ثم انطلق فلبثت

(1291) في (ص): زيادة: (قال صدقت).

(1292) في (ن) أخبرني.

(1293) في (ن) أخبرني.

مليا،[1294] ثم قال لي[1295] يا عمر أتدري[1296] من السائل؟» قلت[1297]: الله ورسوله أعلم، قال: «فإنه جبريل أتاكم يعلمكم دينكم[1298]»

یہ حدیث جبریل ہے جس کے راوی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی ہمارے پاس آئے جن کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی کالے تھے۔ان پر سفر کا اثر نہیں تھا،نہ ہم میں سے کوئی پہچانتا تھا،یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھ گئے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنی دونوں ران پر رکھا۔فرمایا" اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے۔"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا" اسلام یہ ہے کہ آپ اس کا اقرار کریں کہ اللہ کے سوا

(1294) في (خ،م،ن): وحاشية ابن قاسم (73) (قال: فمضى فلبث مليا).

(1295) في (خ،ن): (فقال).

(1296) في (خ،ن): (أتدرون).

(1297) في (خ،ن): قلنا.

(1298) في (م) وحاشية ابن قاسم (74): (قال: هذا جبرائيل أتاكم يعلمكم أمر دينكم)، وفي (خ،ن): (قال: هذا جبريل أتاكم يعلمكم أمر دينكم).

کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کریں، زکوۃ دیں، رمضان کا روزہ رکھیں اور خانہ کعبہ آنے جانے کی صلاحیت ہو تو حج کریں۔" فرمایا "آپ نے سچ کہا۔" "ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ سوال بھی اور تصدیق بھی۔ فرمایا "ایمان کے بارے میں بتائیے۔" فرمایا "اللہ پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر، رسولوں پر، آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائیں۔" فرمایا "آپ نے سچ کہا۔" فرمایا "مجھے احسان کے بارے میں بتائیے۔" "آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کی عبادت اس شان کے ساتھ کریں کہ آپ اللہ کو دیکھ رہے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو یہ خیال کریں کہ اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔" فرمایا "قیامت کے بارے میں بتائیے۔" فرمایا "جن سے پوچھا جا رہا ہے، ان سے زیادہ پوچھنے والا جانتا ہے۔" فرمایا "اس کی علامت کے بارے میں بتائیے۔" فرمایا "باندی آقا جنے، ننگے پاؤں، ننگے بدن والے اونچی اونچی عمارتوں میں رہنے لگیں، بکریوں کے چرواہے عمارتوں پر فخر کرنے لگیں۔" فرمایا "پھر وہ چلے گئے۔ ہم لوگ کچھ دیر ٹھہرے رہے۔ پھر مجھ سے کہا، اے عمر! سائل کو جانتے ہو؟ میں نے کہا، اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا، یہ جبریلؑ تھے جو تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔"

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دوسرا اصول: دلائل کی روشنی میں دین اسلام کی معرفت۔

مصنف رحمہ اللہ نے پچھلے باب میں الأصل الأول کے بارے میں بتایا تھا، کہ وہ بندہ کی اپنے رب ومعبود کی معرفت ہے، اس کو کافی تفصیل سے بیان کیا تھا، اس کے بعد مصنف رحمہ اللہ الأصل الثاني کے بارے میں بتارہے ہیں کہ وہ بندہ کا دین اسلام کے بارے میں جاننا ہے، جس کے ساتھ نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا جو خاتم ادیان وانبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ دین اسلام کے سوا کسی دین کو قبول نہیں کرتا۔[1299] صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ دوسرا اصول دین کے ان تین اصولوں میں ہے جس کی معرفت ضروری ہے جس پر عمل کرنا، جس کی دعوت دینا اور اس راہ کی تکلیف کو برداشت کرنا ضروری ہے۔ وہ دین اسلام کی معرفت ہے۔ یعنی اس چیز کو جاننا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لیے مشروع کیا اور جس کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا اور جس توحید کو آپ کی رسالت شامل ہے اور بندے کا اپنے دین کی معرفت حاصل کرنا

(1299) شرح ثلاثة الأصول، حمد بن عبد الله الحمد (15)۔

شامل ہے۔ کتاب و سنت کے دلائل کو تاکہ بندہ اندھی تقلید سے نکلے اور اس کا اعتقاد اس کے ساتھ پختہ ہو۔ علم و معرفت کی بنیاد پر، نہ کہ لوگوں کی دیکھا دیکھی۔[1300]

اس میں مصنف کے کلام سے دو مسئلے نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: دین کا معنی۔

دین کے لغوی معنی تابع داری کے ہیں۔ یہ انقیاد و ذل (کسی کے سامنے جھکنا) کی جنس سے ہے۔[1301] اس سے مجاز ہے، انسان پرہیز گار اور فرماں بردار ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جو شخص تابع دار ہو جائے گا، وہ اس کی تعلیمات کے آگے جھک جائے گا۔

شرعاً دین ہر اس طریقے کا نام ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، اس کے حکموں کو بجا لایا جائے اور اس کی منع کی ہوئی چیز رکا جائے اور یہ تعریف تمام رسولوں کی رسالت کو شامل ہے۔

(1300) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (123)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (103)۔

(1301) ينظر: كتاب العين، للفراهيدي (312)؛ والصحاح، للجوهري (1556/2)؛ ومعجم مقاييس اللغة، لابن فارس (353)۔

بہر حال دین شرعی اعتبار سے ہر اس اوامر ونواہی کا نام ہے جن کے ساتھ انبیائے کرام مبعوث کیے گئے۔[1302] ہر وہ طریقہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبان پر مشروع کیا۔[1303]

دوسرا مسئلہ: دلائل کی روشنی میں دین اسلام کی معرفت۔

کتاب وسنت کے دلائل اس بات کی تنبیہ کے لیے ہیں۔اندھی تقلید جائز نہیں ہے بلکہ دلائل کا ہونا ضروری ہے تاکہ اسے دین کے لیے بصیرت ہو۔اس لیے کہ اسلام کی معرفت کے لیے دلائل کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً قبر میں سوال سے متعلق مسئلہ ہو تو اس کا دلائل کے ذریعے جاننا ضروری ہے بلکہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے بندے پر واجب کیا ہے، اسے دلائل کے ذریعے جاننا واجب ہے۔[1304] مسلمانوں کے لیے واجب ہے کہ وہ دینی

(1302)شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ(82-83)۔

(1303)حاشية على رسالة ثلاثة أصول، طالب الكثيري(14)۔

(1304)شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ(163)۔

احکام کو کتاب و سنت کے ذریعے جانے، خواہ فرض عین ہو یا فرض کفایہ۔ اگر وہ دلائل کو جان سکتا ہو تو ضرور جاننے کی کوشش کرے۔[1305]

دین اسلام کی معرفت کو دلائل پر معلق کرنا سابقہ بحثوں کے خلاف نہیں ہے، اس لیے کہ بندے کا اپنے رب، اپنے نبی اور دین اسلام کی معرفت کے لیے دلائل مطلوب و مقصود ہیں۔ یہاں دین اسلام کی معرفت کے سلسلے میں دلائل کا اعادہ کیا گیا ہے، اس لیے کہ دین اسلام کی معفت تینوں معارف کے سلسلے میں زیادہ اہمیت کا حامل ہے، لہٰذا آخری دونوں اصولوں کے مقابلے میں دین اسلام کے دلائل کو جاننا زیادہ ضروری ہے۔[1306] بہر حال جب دین اسلام کی معرفت کے مسائل زیادہ ہیں تو ان کے دلائل کا ذکر دوبارہ کرنا بھی زیادہ مناسب ہے۔[1307]

1305) المحصول في شرح الأصول الثلاثة، عبد الله بن محمد الجهني (31).

1306) الشرح الصوتي: (تعليقات على ثلاثة الأصول)، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1441 هجريا.

1307) الشرح الصوتي: (تعليقات على ثلاثة الأصول)، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1437 هجريا.

صاحب کتاب لکھتے ہیں "اسلام نام ہے توحید کا اقرار کرتے ہوئے اللہ کے آگے مکمل طور سے جھک جانے کا، مکمل طور سے اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کا، مشرکین اوران کے شرک سے برأت کا اعلان کرنے کا"۔

مصنفؒ نے یہاں ''دین اسلام'' کی تفسیر و توضیح عمومی معنی میں کی ہے۔ چنانچہ فرمایا: اسلام عمومی اعتبار سے اللہ کے سامنے جھکنے اور اس کی تابع داری کا نام ہے اور اس کی اطاعت وفرماں برداری توحیدی مزاج کے ساتھ کرے۔ تنہا اس کی عبادت کرے، اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ جس نے تنہا اللہ کی عبادت کی اور کسی کو شریک نہیں کیا تو اس کا فرماں بردار ہو گیا۔ بندے کی فرماں برداری کے ساتھ اس کی اطاعت کا یقین ضروری ہے۔ اس کے اوامر کو انجام دے اور نہی سے بچے اور اطاعت و فرماں برداری'' براءت'' کو شامل ہے کہ مسلمان شرکیہ اعمال واقوال سے پرہیز کرے اور اس کے باطل ہونے کا عقیدہ رکھے اور مشرکین سے بے زاری اختیار کرے، نہ کہ قول و فعل میں ان کی مشابہت اختیار کرے۔ یہی ہے اسلام کی حقیقت۔[1308]

اس میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

(1308) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، لابن قاسم (46)؛ تیسیر الوصول، د. عبدالمحسن القاسم (113-116)۔

پہلا مسئلہ: اصطلاح "اسلام"۔

شرعی اسلام کے دو اطلاق ہیں :

۱ ۔عام: تمام انبیاورسولوں کا مشترک دین ہے۔ وہ ہے، ایک اللہ کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ یہی وہ بات ہے جس کے ساتھ تمام انبیاء مبعوث کیے گئے اور اسی کے ساتھ تمام مخلوق مخاطب کی گئی۔ جس کی تعریف مصنف نے یہاں اپنے الفاظ میں یوں کی ہے "ایک اللہ کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دینا اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کرنا۔ شرک اور اہل شرک سے بے زاری اختیار کرنا۔ اصل توحید کے ساتھ اللہ کو ماننا اور تسلیم کرنا ہے۔" اس کے بعد کے دونوں جملے تابع ہیں جو اسلام کے لیے لازم ہیں۔ اس لیے کہ بندہ اس وقت اطاعت و فرماں برداری کرتا ہے اور شرک اور اہل شرک سے بے زاری اختیار کرتا ہے جب ایک اللہ کو مانتا اور تسلیم کرتا ہے، لیکن ان دونوں کی صراحت مزید توجہ کے لیے کی گئی۔ اسلام کی حقیقت کو واضح کرنے کے سلسلے میں مبالغے کے طور پر کی گئی۔ اگر اسلام کی حقیقت کو بیان کرنے کے سلسلے میں اللہ کی توحید کو ماننے اور اسے تسلیم کرنے ہی کو بیان کیا جاتا تو کافی ہوتا، اس کی حقیقت کی تعیین و تمیز کے سلسلے میں۔

۲ ۔خاص: اس کے دو مطلب ہیں۔

ایک وہ جس دین، شریعت اور طریقے کو خاص طور پر محمد ﷺ نے کیا، اس کا نام اسلام ہے۔ چنانچہ وہ دین جس کے ساتھ ہمارے نبی محمد ﷺ مبعوث کیے گئے، وہ اسلام ہے۔ اس کی حقیقت ہے، ظاہر و باطن سے اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرنا، خواہ مقام مشاہدہ ہو یا مراقبہ محمد ﷺ پر نازل کردہ شریعت کی روشنی میں اللہ کی عبادت کرنا۔[1309]

دوسرے وہ جسے اعمال ظاہرہ کا نام دے سکتے ہیں۔ اسے اسلام اس معنی میں کہتے ہیں جب اس کے ساتھ ایمان واحسان کو شامل کرلیا جائے۔[1310]

دوسرا مسئلہ: توحید کے ساتھ اللہ کا فرماں بردار ہونا۔

مصنف رحمہ اللہ نے اسلام کا تعارف اس کے عمومی معنی کے اعتبار سے تین اوصاف کے ساتھ کرایا ہے۔ پہلا وصف ہے، توحید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہونا۔

1309) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي؛ الشرح الصوتي: (تعليقات على ثلاثة الأصول)، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1441 هجريا۔

1310) ينظر: الفتاوى، لابن تيمية (7/635-636)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (125)؛ وتعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (32)۔

ارشاد باری ہے{وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ}[1311] ترجمہ: "پلٹ آئو اپنے رب کی طرف اور فرماں بردار بن جائو۔"

چنانچہ "الاستسلام للہ" کا مطلب رضا و خوشی سے اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہونا۔ یہی وہ عمومی معنی اسلام کا ہے جس کے مخاطب تمام مخلوق ہیں اور اسی کی طرف تمام رسولوں نے دعوت دی ہے۔[1312]

اور اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہونے کے دو مفہوم ہیں:

پہلا مفہوم ہے:

اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنا۔ یہ شامل ہے اس چیز کو بھی جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اس چیز کو بھی جس سے منع کیا ہے، جس کا فیصلہ کیا ہے اور قدرت بھر صبر کو بھی۔

دوسرا مفہوم ہے:

خالص اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنا، نہ کہ کسی اور کی جیسا کہ ارشاد باری ہے{ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ}[1313]، ترجمہ: "اور دوسرا شخص پورا کا پورا ایک ہی آقا کا غلام ہے۔"

(1311)سورۃ الزمر (الآیۃ:54)۔

(1312)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز الشیخ(126،127)۔

لہٰذا جس شخص نے خالص اپنے رب کی فرماں برداری نہیں کی، وہ مسلمان نہیں ہے اور جس نے تنہا اسی کی فرماں برداری کی، وہ مسلمان ہے۔[1314]

لفظ ''توحید'' الوہیت، ربوبیت، اسماو صفات سب کو شامل ہے۔ان تینوں صفات میں مقصود اور خاص توحید الوہیت وعبادت ہے، اس لیے کہ لڑائی جھگڑا اسی مسئلے میں پیدا ہوتا ہے۔ توحید الوہیت آخری دونوں قسموں کو شامل ہے۔[1315] چنانچہ توحید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنے کا مطلب ہے، یقین کرنا، پیروی کرنا اور اللہ کے سامنے توحید ربوبیت، الوہیت اور اسماء وصفات کے ساتھ جھکنا۔اس کی عبادت اب صرف اللہ کے لیے ہوگی، نہ کہ کسی اور کے لیے۔[1316] اسلام لانا ہی ہے۔ توحید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا کہ بندہ اللہ رب العالمین کی فرماں برداری کرے اور کسی کو شریک نہ کرے۔ اللہ

(1313) سورۃ الزمر (الآیۃ: 29)۔

(1314) ینظر: مجموع الفتاوی، لابن تیمیۃ (174/28). وجامع المسائل، لابن تیمیۃ (219/6)، تحقیق: محمد عزیز؛ وکتاب النبوات، لابن تیمیۃ (328/1)، تحقیق: د. عبدالعزیز الطویان۔

(1315) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (127)۔

(1316) شرح الأصول الثلاثۃ، أحمد الصقعوب (68)۔

کی عبادت واطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت سے تکبر نہ کرے کیونکہ اسلام شرک و کبر کے منافی ہے۔[1317]

تیسرا مسئلہ: طاعت کے ساتھ اللہ کی فرماں برداری کرنا۔

اسلام کے عمومی معنی کے اعتبار سے یہ دوسرا وصف ہے۔ وہ ہے، طاعت کے ذریعے اللہ کی پیروی کرنا، یعنی بغیر کسی رکاوٹ کے اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرماں بردار ہونا اور اللہ تعالیٰ کی طاعت و بندگی سے اعراض نہ کرنا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ پختہ یقین کے ساتھ اللہ کی فرماں برداری کرنا۔[1318] اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب جن چیزوں کا اللہ نے حکم دیا ہے، ان میں اطاعت کی جائے اور جن چیزوں سے منع کیا ہے، ان سے بچا جائے اور اس کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے سامنے جھک جائے۔[1319] اس لیے کہ انسان مسلمان اسی وقت ہوگا جب ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں اللہ کی اطاعت کرے گا۔ یہی دین اسلام ہے جس سے اللہ راضی اور خوش ہوتا ہے جیسا کہ کتاب و سنت کے دلائل سے معلوم ہوتا

1317) جامع المسائل، لابن تیمیة (230/6)، تحقیق: محمد عزیز، مطبوعات: مجمع الفقه الإسلامي۔

1318) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (128)۔

1319) شرح الأصول الثلاثة، أحمد الصقعوب (68)۔

ہے، لہٰذا اگر کسی نے ظاہری طور پر اطاعت و فرماں برداری کی اور باطن اس کے خلاف ہے تو وہ منافق ہے۔ اللہ کی اطاعت کرنا اسلام کے لوازم میں ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے مستقل ذکر اس لیے کیا تاکہ اس تعریف میں ظاہری و باطنی اسلام کا احاطہ ہو جائے۔

اسلام، اطاعت و فرماں برداری کا نام ہے۔ ہر وہ طاعت و بندگی جسے بندے نے اپنے رب کی فرماں برداری میں کیا اور اس کے حکم کی تعمیل میں کیا، وہ اسلام ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے { قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا} (سورہ الحجرات: ۱۴)[1320] ترجمہ: ”یہ بدوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ ان سے کہو، تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے۔ “

1320) اختلف في معنى الآية: فقيل معنى: (قولوا أسلمنا): انقذنا بظواهرنا، فهم منافقون بالحقيقة، وهذا أحد قولي المفسرين في هذه الآية الكريمة، والقول الآخر، وهو الراجح، أن معناها: أنهم ليسوا بمؤمنين كملي الإيمان، لا لأنهم منافقون، كما نفى الإيمان عن القاتل، والزاني، والسارق، ومن لا أمانة له، ويؤيد هذا سياق الآية، فإن السورة من أولها إلى هنا في النهي عن المعاصي، وأحكام بعض العصاة، ونحو ذلك، فليس فيها ذكر للمنافقين؛ ولهذا قال بعد ذلك: إِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا. الحجرات (14)، ولو كانوا منافقين ما نفعتهم الطاعة. ينظر: شرح العقيدة الطحاوية (349). قال ابن تيمية في كتاب الإيمان (189): (والذين قالوا من السلف: إنهم خرجوا من الإيمان إلى الإسلام، لم يقولوا: إنهم لم يبق معهم من

اس آیت میں ان سے ایمان کی نفی کی گئی ہے اور اسلام کا اثبات کیا گیا ہے اور مقصود اطاعت و فرماں برداری کو ثابت کرنا ہے۔ [1321]

چوتھا مسئلہ: شرک اور اہل شرک سے بے زاری۔

اسلام کے عمومی معنی کے اعتبار سے یہ تیسرا وصف ہے۔ یہ دلیل ہے کہ اسلام مشرکین سے بے زاری کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔ توحید کے ساتھ اللہ تعالی کی اطاعت گزاری اس وقت ثابت ہو گی جب شرک اور اہل شرک سے بے زاری اختیار کی جائے گی۔ ارشاد باری ہے "اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔ " [1322]

الإيمان شيء، بل هذا قول الخوارج، والمعتزلة. وأهل السنة الذين قالوا هذا يقولون: الفساق يخرجون من النار بالشفاعة، وإن معهم إيمانا يخرجون به من النار، لكن لا يطلق عليهم إسم الإيمان، لأن الإيمان المطلق هو الذي يستحق صاحبه الثواب، ودخول الجنة، وهؤلاء ليسوا من أهله، وهم يدخلون في الخطاب بالإيمان؛ لأن الخطاب بذلك هو لمن دخل في الإيمان وإن لم يستكمله۔

1321) كتاب الإيمان، لابن تيمية (163)، تحقيق: محمد ناصر الدين الألباني، المكتب الإسلامي۔

1322) سورة البقرة (الآية: 256)۔

اس نے مضبوط سہارا تھام لیا، دو باتوں پر۔ ایک اللہ پر ایمان لا کر اور دوسرے طاغوت کا انکار کر کے۔ طاغوت سے انکار کرنے کا مطلب ہے، اس سے نفرت کرنا، اس سے بے زاری اختیار کرنا اور اہل طاغوت سے دشمنی رکھنا۔ اہل طاغوت، مشرک ہیں۔

براءت کے لغوی معنی ہیں، کسی چیز سے دوری اور جدائی اختیار کرنا۔[1323] براءت کے اصطلاحی معنی ہیں، شرک اور مشرکین سے اعتقاداً، عملاً اور اطمیناناً دوری اختیار کرنا، شرک، مشرک اور دار الشرک سے بے زاری اختیار کرنا تین طریقے سے ہوتا ہے۔

پہلا: براءت قلبی:

دل سے بے زاری اختیار کرنا، دین مشرک سے نفرت اور کراہت کے ذریعے اور یہ کسی سے ختم نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت مالک الأشجعي عن أبيه روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" جس نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا اور غیر اللہ کی عبادت سے انکار کیا تو اس نے اپنے مال اور اپنے خون کو محفوظ کر لیا اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔"[1324]

1323) ینظر: معجم مقاييس اللغة، لابن فارس (111)؛ والقاموس المحيط، للفيروز آبادي (42)۔

1324) أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب: الإيمان، باب: الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله محمد رسول الله، برقم (23)۔

دوسرا: براءت قولی:

زبان سے مشرکین کو کافر قرار دینا، ان سے صاف صاف نفرت کرنا اوران کے دین کو باطل قرار دینا۔ ارشاد باری ہے {قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ (1) لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (2)}

(سورۃ الکافرون:2،1)۔

تیسرا: براءت فعلی:

ان سے قتال کرنا اوران کے باطل معبودوں کو ختم کرنا۔ ارشاد خداوندی ہے {يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (73)} (سورہ التوبہ: ۷۳)، ترجمہ: "اے نبی! کفار اور منافقین دونوں کا پوری قوت سے مقابلہ کرو اوران کے ساتھ سختی سے پیش آئو۔ آخر کار ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بد ترین جائے قرار ہے۔"

اور یہ اوراس سے پہلے کا ایمان کا جو درجہ ہے، وہ بندے کی صلاحیت پر موقوف ہے 1325۔

(1325)حاشیة علی رسالة ثلاثة أصول، طالب الكثيري (14)۔

براءت کی متعدد تفسیر کی گئی ہے:

اصل اور جزئیات کی شکل میں۔ براءت کی اصل ہے، دل سے شرک اور اہل شرک سے نفرت کرنا۔اس نفرت کے تابع ان سے دشمنی کرنا، اللہ اور رسول کا انکار کرنے والے کی تکفیر کرنااور جنگ کے وقت ان سے قتال کرنا ہے۔ یہ ساری باتیں علم کے تابع ہے۔ عام لوگ جو عالم نہیں ہیں، ان کی ذمے داری صرف ان سے نفرت کرنا ہے جو براءت کی جڑ اور اصل ہے۔ رہااس کی جزئیات کا معاملہ، تو یہ علم کے درجات کے اعتبار سے ہے۔ مشرک سے نفرت کرنا ہر صورت میں ضروری ہے۔ اگر وہ اسلام اور مسلمان سے محبت کرتا ہے لیکن شرک اور مشرک سے نفرت نہیں کرتا تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ کبھی شرک اور اہل شرک سے نفرت کرتا ہے اصل کے اعتبار سے لیکن بعض مشرکین سے کسی دنیاوی غرض کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو یہ شرک نہیں ہے بلکہ وہ ناقص مسلمان ہے۔[1326]

"ثلاثۃ الأصول" کے بعض نسخے میں "والخلوص من الشرک" ہے۔ "والبراءۃ من الشرک وأھلہ" کی جگہ اور یہ معتمد نسخے میں نہیں ہے بلکہ معتمد نسخے میں ہے " الاستسلام للہ بالتوحید والانقیادلہ بالطاعۃ، والبراءۃ من الشرک وأھلہ" اور لفظ "البراءۃ من

1326) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (128،129)۔

الشرک و أهله" لفظ "الخلوص من الشرک" کے مقابلے میں معنی مراد پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔اس لیے "خلوص من الشرک" شرک سے نکلنا ہے۔اس میں شرک اور اہل شرک سے بے زاری کا مفہوم نہیں پایا جاتا۔اس کے مناسب "البراءة من الشرک و أهله" ہی ہے ۔ مصنف نے سورۂ زخرف کی جس آیت کو استدلال کے طور پر پیش کیا ہے، اس کے بھی مناسب یہی لفظ ہے {وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ (26)} [1327]، ترجمہ: یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ "تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔

اس آیت میں لفظ "البراءة" آیا ہے اور یہی اس تعریف کے مناسب ہے۔ [1328]" براءة" کی تعبیر "خلوص" کی تعبیر سے زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ یہ خطاب شرعی میں وارد

1327) سورة الزخرف:٢٦۔

1328) ایہ نبیهات المختصرة شرح الواجبات المتحتمات المعرفة علی کل مسلم ومسلمة، ابراهيم الخريصي (21)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالعزيز الشيخ (124)۔

ہے، نیز خلوص کا لفظ پورے طور پر چھوڑنے کے معنی پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ ”براءۃ“ کا لفظ دلالت کرتا ہے۔[1329]

پانچواں مسئلہ: اسلام کی تعریف عام معنی کے اعتبار سے۔

اسلام اور اصول اسلام کی شرعی حقیقت کے درمیان اس کے عام معنی کے اعتبار سے مصنف نے اسلام کی تعریف کی ہے۔ لغوی معنی جنھیں اہل لغت نے اپنی تعریف میں ذکر کیا ہے، اخلاص، انقیاس، سلامت اور براءۃ کے لفظ سے، یہ اس سے افضل ہے جن لوگوں نے اسلام سے تعریف کی اور پھر اس کی تفسیر و توضیح کی ہے۔ اس کے اصول و قواعد بیان کیے، جامع ومانع تعریف کی، لیکن بندے کا اسلام اسی وقت صحیح ہوگا جب وہ موحد ہوگا ۔اللہ کا فرماں بردار ہوگا اور شرک واہل شرک سے بے زاری اختیار کرے گا۔[1330]

بہر حال ان تینوں اوصاف سے متصف ہونا بندہ کے لیے ضروری ہے تاکہ کامل مسلمان ہو۔ اس لیے مسلمان ایمان کی کمی زیادتی کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ جب بندہ

1329) التعليقات على القول السديد فيما يجب لله تعالى على العبيد، للشيخ صالح بن عبد الله العصيمي (19)۔

1330) ينظر: شرح ثلاثة الأصول، حمد بن عبد الله الحمد (16)۔

پورے طور پر فرماں بردار ہو جاتا ہے تو اس کا اسلام مکمل ہوتا ہے اور نہ کوتاہی کی وجہ سے ناقص ہوتا ہے۔ کیوں کہ اعلیٰ وادنیٰ کے درمیان بہت سے درجات ہیں۔[1331]

1331) شرح الأصول الثلاثة، أحمد الصقعوب (68)۔

مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں" وہ تین مراتب ہیں: اسلام، ایمان اور احسان۔ "

اس سے پہلے مصنف رحمہ اللہ نے اس کے عمومی معنی کے اعتبار سے اسلام کی تعریف کی ہے اور خصوصی معنی کے اعتبار سے یہاں اسلام کی تعریف کرنا مقصود ہے۔ خصوصی معنی کے اعتبار سے وہ دین ہے جس کے ساتھ محمد ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔اس کے تین درجات ہیں۔ بعض، بعض سے اعلیٰ واکمل ہے۔ وہ ہے اسلام کا مرتبہ، ایمان کا مرتبہ اور احسان کا مرتبہ۔ مسلمان ان تین مراتب میں سے کسی ایک مرتبے میں ہوتا ہے۔ پہلا مرتبہ اسلام ہے، دوسرا مرتبہ ایمان کا ہے اور تیسرا مرتبہ جو سب سے اعلیٰ ہے، احسان ہے ۔جو اس آخری مرتبے پر پہنچ گیا، وہ اس سے پہلے مرتبے پر پہنچ گیا۔ چنانچہ محسن، مومن ہے ۔مومن مسلم ہے لیکن مسلم کے لیے مومن ہونا ضروری نہیں۔[1332]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: دین کی اجمالی و تفصیلی معرفت۔

مصنف کے بیان کے مطابق دین کی معرفت دو باتوں کو شامل ہے۔

ا ۔دین کی اجمالی تعریف:

(1332)حاشیۃ ثلاثۃ الأصول،لابن قاسم(47)؛ تیسیر الوصول،د.عبدالمحسن القاسم(120)۔

اس کا بیان، مصنف کے قول کی روشنی میں گزر چکا ہے۔(وہ ہے، توحید کے ساتھ اللہ کی فرماں برداری کرنا، طاعت و بندگی کے ساتھ اس کے سامنے جھکنا اور شرک و اہل شرک سے بے زاری اختیار کرنا)۔

۲ ۔دین کی تفصیلی معرفت:

اس کا بیان یہاں مقصود ہے۔اس کے تین مرتبے ہیں: اسلام، ایمان اور احسان۔

پہلی بات کا تعلق دین کی عمومی تعریف کے اعتبار سے ہے اور **دوسری بات کا تعلق** دین کی خصوصی تعریف کے اعتبار سے ہے۔ یہاں مصنف دین کی تفصیلی تعریف بیان کی ہے۔اس کے مراتب کے ساتھ اور ہر مرتبہ کے ارکان کا بھی ذکر کیا ہے۔[1333]

دوسرا مسئلہ: دین اسلام خصوصی معنی کے اعتبار سے ۔

دین اسلام کی خصوصی تعریف سے مقصود مصنف کے نزدیک دوسرا اصول دین اسلام کی معرفت ہے ۔ یعنی اس خاص دین اسلام کی معرفت جس کے ساتھ نبی ﷺ مبعوث کیے گئے، جو تمام اوامر و نواہی اور دعوت کو شامل ہے۔اسلام اپنے خصوصی معنی کے اعتبار سے اسلام کے عمومی معنی کو بھی اپنے احاطے میں لے لیتا ہے اور وہ ہے (توحید کے

1333) ینظر: شرح الأصول الثلاثة، خالد الأنصاري (37)۔

ساتھ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنا، طاعت کے ساتھ اس کی اطاعت کرنا، شرک اور اہل شرک سے براءت اختیار کرنا)۔ چنانچہ جس نے اس دین کو اختیار کیا جسے لے کر محمد ﷺ آئے تو توحید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے فرماں برداری ثابت ہوگئی۔ طاعت کے اس کی طاعت، شرک اور اہل شرک سے بے زاری محقق ہوگئی۔[1334] محمد ﷺ کی بعثت کے بعد اس اسلام سے مقصود جس کا لوگوں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اسے اختیار کریں اور اس کا عقیدہ رکھیں، وہ وہی ہے جس کے ساتھ نبی ﷺ کی بعثت ہوئی، جو عقیدۂ اسلام اور شریعت اسلام دونوں پر مشتمل ہے اور اور وہی وہ دین ہے کہ اگر اسے نہ مانیں تو قبر میں عذاب اور فتنہ ہوگا۔[1335]

دین اسلام جس کے ساتھ محمد ﷺ مبعوث کیے گئے، اس کے تین مرتبے ہیں:

۱۔ ظاہری اعمال کا مرتبہ جس کا نام اسلام ہے۔

۲۔ باطنی عقیدے کا مرتبہ جس کو ایمان کہتے ہیں۔

1334) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي (52)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا۔

1335) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (127، 128)۔

۳ ۔ان دونوں کے یقین کا مرتبہ جس کا نام احسان ہے اور ان مراتب کی حقیقت مشاہدہ یا مراقبے کے مقام پر اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔[1336]

یہ تینوں مرتبے ایک دوسرے میں داخل ہیں۔اسلام کا دائرہ سب سے وسیع ہے جو ایمان واحسان دونوں کو شامل ہے۔ اسلام سے زیادہ خاص ایمان ہے اور ایمان سے زیادہ خاص احسان ہے۔

تیسرا مسئلہ: دین اسلام کے تینوں مراتب کو جاننا واجب ہے۔

مصنف نے دین کے مراتب کو یہاں اجمالاً ذکر کیا ہے اور اس کی تفصیل بعد میں بیان کریں گے۔ دین کے اہم مقاصد میں ہے، بندہ کے لیے اس چیز کو جاننا واجب ہے جو ان تین مراتب میں ہے۔یعنی اسلام،ایمان اور احسان اور ان مرات میں جو چیزیں واجب ہیں، ان کے لیے تین اصول کو ذہن میں محفوظ رکھنا ضروری ہے۔[1337]

ا ۔اعتقاد:

1336) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز الشيخ (130)؛ وتعليقات على ثلاثة الأصول، صالح العصيمي (32)۔

1337) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي (49)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا۔

ایمان کے ارکان ستہ کے اصول کا علم اور اس میں جو چیز ضروری ہے، اس کا علم جو بذات خود حق کے موافق ہو۔ اور عقیدہ میں حق وہی ہے جو شریعت میں موجود ہے۔

۲ ۔ فعل:

اور جو چیزیں اس میں ضروری ہیں، بندہ کی اختیاری حرکات ظاہری و باطنی طور پر شریعت کے امر و حلال کے موافق ہونا۔

مناسب یہ ہے کہ بندہ کے افعال امر و حلال کے درمیان ہو۔ یا تو مامور بہ فرض یا نفل کی جنس سے ہو یا اس حلال کی جنس سے ہو جس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

۳ ۔ ترک:

(چھوڑنا) جو جو چیزیں اس میں واجب ہے، بندے کا کسی چیز کو چھوڑنا اور اس سے پرہیز کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا و خوش نودی محرمات کے ان پانچ اصول کا علم جس پر تمام انبیائی دین متفق ہیں۔ وہ یہ ہیں: فواحش، گناہ، ظلم وزیادتی، شرک، علم کے بغیر اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بات کہنا۔

یہ تینوں اصول عقیدہ، فعل اور ترک فعل اس چیز کو واضح کردیتے ہیں کہ اسلام، ایمان اور احسان میں سے کون سی چیز بندے پر واجب ہے اور اس چیز کی وضاحت کردیتے ہیں کہ ان تینوں اصول میں سے کس کی معرفت ضروری ہے۔ علم ضروری کے اسباب میں

لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے اس کا محفوظ رکھنا ممکن نہیں ہے۔[1338] علم ضروری کے سلسلے میں سب سے بہتر یہ ہے کہ کہا جائے، ہر وہ چیز جس کا علم ضروری ہے، اس کی ادائیگی سے پہلے اس کا سیکھنا واجب ہے۔[1339]

1338) ینظر: مفتاح دار السعادة، لابن القیم (444/1) مطبوعات المجمع؛ وتعلیقات علی ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصیمي (32)۔

1339) الشرح الصوتي: (تعلیقات علی ثلاثة الأصول)، الح بن عبد الله العصیمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1437 هجریا۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں "ہر مرتبے کے ارکان ہیں۔ چنانچہ اسلام کے ارکان پانچ ہیں: لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اقرار، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کا روزہ رکھنا اور خانہ کعبہ کا حج کرنا۔ "

جب مصنفؒ نے اجمالاً دین اسلام کے تینوں مراتب کو ذکر کیا تو ان مراتب میں سے ہر ایک کے ارکان کو بھی ذکر کیا۔ دین کے مراتب میں سے پہلا مرتبہ (اسلام) کے ارکان سے آغاز کیا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ دین کے تینوں مراتب میں سے ہر ایک کے ارکان ہیں جس پر وہ مرتبہ قائم ہے۔ ارکان اسلام پانچ ہیں جن کے بغیر اسلام نہ سیدھا ہو سکتا ہے اور نہ اس کے بغیر ثابت ہو سکتا ہے۔ ان پانچوں ارکان میں سے اول اور اہم شہادتین ہیں۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کی شرط بشیر ونذیر بنا کر بھیجا۔ دوسرا رکن نماز کو تمام شرائط، ارکان و واجبات کے ساتھ قائم کرنا۔ تیسرا رکن، اس زکوٰۃ کو ادا کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے بندے پر فرض کیا ہے۔ چوتھا رکن، صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ کو

توڑنے والی تمام چیزوں کو روک کر ماہ رمضان کا روزہ رکھنا اور پانچواں رکن، خانہ کعبہ کا حج کرنا ہے انھیں جو آنے جانے کا خرچ برداشت کر سکتا ہو۔[1340]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: ارکان کا معنی۔

ارکان، رکن کی جمع ہے۔ کسی چیز کا قوی ترین پہلو۔[1341] اصطلاحی اعتبار سے کسی چیز کا وہ پہلو یا حصہ جس پر وہ قائم ہے اور وہ اس کے لیے سہارا ہو۔[1342] اس کے وجود سے کسی چیز کا وجود ضروری ہو اور اس کے نہ ہونے سے کسی چیز کا نہ ہونا لازم ہو۔ چنانچہ ارکان شئ کا مطلب ہے، کسی چیز کے وجود میں اس کے اجزاء کا موجود ہونا اور اس کی حقیقت میں داخل ہونا۔ اس وجہ سے اسے تشبیہ دی گئی، اس گھر کے ستون سے جس پر گھر قائم رہتا ہے

(1340) حاشية ثلاثة الأصول، لابن قاسم (47)، تيسير الوصول، د. عبدالمحسن القاسم (120-122)۔

(1341) ينظر: معجم مقاييس اللغة، لابن فارس (398)؛ وكتاب العين، للفراهيدي (367)؛ والصحاح، للجوهري (1561/2)۔

(1342) الكليات، لأبي البقاء الكفوي (481)۔

عبادات کے ارکان، اس کا وہ پہلو ہے جس پر اس کی عمارت قائم ہے اور جس کے چھوڑنے سے اس کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔[1343] ارکان اسلام سے مقصود اس کی وہ بنیاد اور اہم ستون ہیں جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔[1344] ارکان اسلام سے مقصود وہ رکن نہیں ہے جسے علمائے اصول ذکر کرتے ہیں کہ وہ ماہیت میں داخل نہیں ہے اور کسی چیز کی صحت اس پر موقوف ہے بلکہ علماء نے جس معنی کو اختیار کیا ہے، وہ بہت ہی اہم ہے۔ اسی وجہ سے علماء کی رائیں مختلف ہیں، ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے شہادتین کے علاوہ ارکان اسلام میں کسی چیز کو چھوڑ دیا۔[1345]

حج اور روزہ یہ دونوں ارکان اسلام ہیں۔ علماء کی رائیں مختلف ہیں کہ جس نے ان دونوں کو چھوڑ دیا، وہ مسلمان ہے یا نہیں؟ البتہ اس پر اتفاق ہے کہ جس نے ارکان ایمان میں سے ایک رکن کو بھی چھوڑ دیا، وہ بالکل مومن نہیں ہے۔ اس تفصیل کا انحصار اس پر ہے کہ

1343) معجم مصطلحات أصول الفقه، د. قطب مصطفى سانو(223)، ناشر: دار الفکر، دمشق، ط. الأولى: 1423 هجریہ۔

1344) مفردات ألفظ القرآن، للراغب الأصفهاني(365)۔

1345) حاشیة کتاب اعتقاد أهل السنة، لأبي بکر الرحبي(66)، تحقیق: ریاض حسین الطائي، ناشر: دار المقتبس، لبنان، ط. الأولى: 1435 هجریہ؛ وینظر: الفتاوى، لابن تیمیة(609/7)۔

رکن کی اصطلاح نئی ہے اور اہل علم نے سمجھانے کے لیے الفاظ کو اختیار کیا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو ہم علماء کے الفاظ اور ان کی اصطلاحات کو نصوص پر فیصل اور حکم نہیں بنا سکتے بلکہ ہم نصوص کو حکم بنائیں گے، اہل علم کی اصطلاحات پر۔ پھر ہم سمجھیں گے، اصطلاحات کو نصوص کی روشنی میں۔[1346]

دوسرا مسئلہ: اسلام کے ارکان خمسہ۔

شہادت، اسلام کا ایک رکن ہے۔ توحید کے ساتھ اللہ کی شہادت دینا اور رسالت کے ساتھ اللہ کے نبی محمد ﷺ کی شہادت دینا۔ نماز دوسرا رکن ہے۔ رات و دن میں پانچ وقت کی نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ متعین مال میں فرض زکوٰۃ ادا کرنا۔ چوتھا رکن روزہ ہے۔ پورے سال میں رمضان کے مہینہ کا روزہ رکھنا۔ پانچواں رکن ہے، حج کرنا پوری عمر میں ایک بار۔

(1346) ینظر: شرح الأربعين النووية، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (56)؛ تحقيق: عادل بن محمد مرسي، ناشر: دار العاصمة، الرياض، ط. الأولى 1431 ھجریا۔

ان پانچوں رکن کے علاوہ اگر کوئی چیز ہے تو وہ انھیں پانچ میں شامل ہے۔ان ارکان کی حقیقت میں داخل نہیں ہوگا، خواہ واجب ہی کیوں نہ ہو بلکہ اس سے خارج ہوگا۔ مثلاً ادائے حقوق کے سلسلے میں شہادت، نذر کے روزے اور نذر کے حج وغیرہ۔[1347]

تیسرا مسئلہ: شہادتین کو ایک رکن قرار دینے کی وجہ۔

شہادتین کو ایک واجب دو وجوہات کی بنا پر قرار دیا گیا ہے۔ **پہلی وجہ** یہ ہے کہ شہادتین اعمال کی قبولیت و صحت کی بنیاد ہیں، اس لیے کہ عمل اسی وقت قابل قبول ہوگا اور صحیح ہوگا جب دو باتیں پائی جائیں، توحید خالص اور اتباع رسول۔ جب اخلاص پایا گیا تو لا الٰہ الا اللہ کا اقرار ثابت ہو گیا اور جب اتباع رسول پایا گیا تو محمد رسول اللہ ﷺ کا اقرار ثابت ہو گیا۔ **دوسری وجہ** یہ ہے کہ رسول، اللہ کی جانب سے مبلغ ہیں، لٰہذا رسول کی رسالت کا اقرار لا الٰہ الا اللہ کے اقرار کی تکمیل ہے۔ گویا دوسرا پہلے کے لیے تکملہ ہے۔[1348]

چوتھا مسئلہ: اسلام کے پانچوں ارکان کی معرفت۔

1347) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (36)۔

1348) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن صالح العثیمین (70)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ بن صالح الفوزان (107)؛ تیسیر الوصول، د. عبدالمحسن القاسم (121)۔

یہ پانچوں ارکان دین اسلام میں اعمال کے اصول ہیں۔ چنانچہ ان کی معرفت دلائل کی بنیاد پر ضروری ہے۔ان اعمال کی معرفت کے درجات لوگوں کے احوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں۔ نماز کی معرفت ہر مسلمان پر واجب ہے۔حج کی تفصیلی معرفت ہر ایک کے لیے ضروری نہیں بلکہ انھیں کے لیے ضروری ہے جن پر حج فرض ہے۔[1349]

پانچواں مسئلہ: دین اسلام کی دلیل اس کے خصوصی معنی کے اعتبار سے۔

"ثلاثۃالأصول" کے بعض نسخے میں یہ دلیل زائد ہے۔ارشاد باری ہے

{إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِّ الْإِسْلَامُ}[1350]، ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی معتبر ہے۔"

نیز ارشاد خداوندی ہے {وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (85)}[1351]ترجمہ:"اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور

1349)شرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد بن عبداللہ المصلح(5)۔

1350)سورۃ آل عمران:19۔

طریقہ اختیار کرنا چاہے، اس کا وہ طریقہ ہر گز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامرادرہے گا۔ ‘‘

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ جس دین کی پیروی واجب ہے، وہ دین اسلام ہے۔ یہ دو آیات اسلام کے عمومی معنی سے متعلق ہیں اور وہ ہے، توحید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنا، اسلام کا خصوصی معنی مراد لینے کی صورت میں بھی یہ آیات دلیل ہو سکتی ہیں جیسا کہ مصنف نے اس میں شامل کیا اور اس کا ایک فرد قرار دیا ہے۔

اسلام، خصوصی معنی میں وہ ہے جس کے ساتھ نبی ﷺ کی بعثت ہوتی ہے۔ اس مفہوم میں اسلام کا عمومی معنی شامل ہے۔ وہ ہے، توحید کے ساتھ اللہ کی فرماں برداری کرنا، طاعت کے ساتھ اس کی پیروی کرنا، شرک اور اہل شرک سے بے زاری اختیار کرنا۔ لہٰذا اگر کسی نے اس دین کو اختیار کر لیا جسے لے کر آپ ﷺ مبعوث کیے گئے تو توحید کے ساتھ

(1351) سورۃ آل عمران: 85۔

اللہ کی اطاعت گزاری، طاعت کے فرماں برداری اور شرک واہل شرک سے بے زاری ثابت ہوگئی۔[1352]

1352) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي (52)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شہادت کی دلیل کے طور پر اللہ رب العزت کا فرمان ہے: {شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (18)}[1353]۔ ترجمہ: اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، اور (یہی شہادت) فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے وہ انصاف پر قائم ہے اُس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔

جب مصنف رحمہ اللہ نے اسلام کے پانچوں ارکان کا ذکر کیا تو یہاں انھوں نے ہر رکن کی دلیل کو بیان کرنے کا ارادہ کیا، اس لیے پانچوں ارکان کے دلائل کو بیان کرنا شروع کیا اور آغاز اسلام کے پہلے رکن کی دلیل سے کیا۔ اسلام کا پہلا رکن ہے، اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اسلام کے پہلے رکن کی دلیل مذکورہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو بتایا ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا

(1353) سورۃ آل عمران: 18۔

نہیں ہے۔اس لیے اس کا کسی کو شریک کرنا ممنوع ہے اور جو صفات اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں،ان میں کسی کو برابر قرار دینا ممکن نہیں ہے۔[1354]

اس سیاق میں مصنف رحمہ اللہ کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: شہادت کا معنیٰ۔

مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے،اہم ترین شہادت ہے،اس لیے اس کا اطلاق کسی اور پر نہیں ہو گا۔[1355]

اپنے علم کے مطابق یقینی خبر کا نام شہادت ہے۔[1356] یہ شَهِدَ يَشْهَدُ شُهُودًا وَشَهَادَةً سے ماخوذ ہے۔جب دل سے یقین ہو،زبان سے اس کی خبر دے اور دوسرے کو بتائے تو یہ شہادت ہے۔ابن فارس کہتے ہیں: شین،ہاء اور دال دراصل حضور، علم اور اعلام کی دلیل ہیں۔سابقہ تفصیلات سے باہر نہیں ہے۔کہا جاتا ہے: شهد فلان عند القاضي.اس وقت جبکہ

1354)حاشیۃ ثلاثۃ الأصول،لابن قاسم(48)؛تیسیر الوصول،د.عبد المحسن القاسم(123)؛شرح الأصول الثلاثۃ، د.خالد بن عبد اللہ المصلح(42)۔

1355)حاشیۃ ثلاثۃ الأصول،لابن قاسم(48)۔

1356)ینظر:الصحاح،للجوهري(421/1)؛ولسان العرب(239/3)۔

قاضی کے پاس بیان دے۔ان کے سامنے حق کو بتائے اور جس کے خلاف ہے،اسے بتائے[1357]۔

شہادت اسی وقت ہوتی ہے جب اس میں تین مرتبے ہوں۔

پہلا مرتبہ یہ ہے کہ جس چیز کی شہادت دے رہا ہے،اس کا اسے یقین ہو۔ **دوسرا مرتبہ** یہ ہے کہ جس چیز کی شہادت دے رہا ہے،اسے زبان سے ادا کرے یا تحریری طور پر بتائے۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ جس بات کی شہادت دے رہا ہے،اسے دوسروں کو بھی بتائے۔

لہٰذا شہادت کے معنی یہاں ہیں،اس بات کا علم کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اسے زبان سے ادا کرے اور لوگوں کو بتائے بھی۔[1358] یعنی دل کا جاننا،زبان سے بیان کرنا، کہ "لاإلہ إلا اللہ"[1359]،اور مذکورہ آیت میں اللہ تعالی کا اپنی وحدانیت کی شہادت ان تینوں مراتب پر مشتمل ہے،جس سے مصنفؒ نے استدلال کیا ہے،چنانچہ اس میں اللہ کے علم کے

(1357) معجم مقاييس اللغة(517،518)۔

(1358)ينظر: مدارج السالكين، لابن القيم (418/2)؛ وشرح الأربعين النووية، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (86)۔

(1359)ينظر: تهذيب اللغة،للأزهري(47/6)۔

بارے میں بھی ہے، اس کہ بولنے کے بارے میں بھی، اور مخلوق کو اس کے بارے میں بتانے کے بارے میں بھی۔ **چوتھا مرتبہ** یہ بھی شامل ہے کہ اس کا حکم دے اور اسے ضروری قرار دے کہ ایک معبود ہونا خالص اللہ کا حق ہے۔[1360]

دوسرا مسئلہ: اللہ تعالیٰ کی شہادت کے وجوب کی دلیل۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے {شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (18)}، اس استدلال کی وجہ یہ ہے کہ ایک اللہ کی شہادت واجب ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خود شہادت دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے اور اس کی شہادت کافی ہے کیونکہ وہ سب سے سچا اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے۔ اللہ کی شہادت حکم، قضا اور وجوب تینوں کو شامل ہے۔ اللہ کی وحدانیت کی شہادت فرشتوں نے بھی دی ہے جو آسمان کو آباد رکھنے والے ہیں اور اس کی شہادت جنات و انسان میں سے اہل علم نے بھی دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شہادت دینے کے بعد فرشتے اور اہل علم کی شہادت کی

1360) ينظر: مدارج السالكين، لابن القيم (419/2)؛ وشرح العقيدة الطحاوية، لابن أبي العز، تحقيق: د. عبدالله التركي، وشعيب الأرنؤوط (46،44/1)؛ حاشية ثلاثة الأصول، لابن قاسم (48)۔

خبر دی ہے اور اس مضمون کے ساتھ دوبارہ خبر دیتے ہوئے فرمایا " لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ"، تکرار سابقہ شہادت کی تاکید کے لیے ہے۔اس کا پڑھنے والا تنہا تلفظ کرتا ہے تو وہ گواہی دینے والوں میں ہو جاتا ہے۔ یہ اس آیت سے استدلال کی وجہ ہے۔[1361] یہ اہم ترین دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ الوہیت کے اعتبار سے اکیلا ہے۔ چنانچہ مکلفین پر اس انصاف اور سچائی پر مبنی شہادت کو قبول کرنا ضروری ہے۔

"قَائِماً بِالْقِسطِ " کے اعراب کی دو وجہیں ہیں۔**ایک یہ کہ** وہ اللہ سے حال ہے۔

اس صورت میں معنی ہو گا، اللہ نے شہادت اس حال میں دی ہے کہ وہ انصاف پر قائم ہے۔ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ''لا الٰہ الا ھو'' کی ضمیر سے حال ہے۔اس صورت میں معنی ہو گا، اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، اس حال میں کہ وہ انصاف پر قائم ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے دو باتوں کی شہادت دی ہے۔ایک یہ کہ اپنی ذات کے لیے الوہیت کی شہادت دی۔ دوسرے یہ کہ وہ انصاف پر قائم ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اس مفہوم کو شامل ہے کہ فرشتے اور اہل علم شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی

1361) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (132)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد المصلح (42)۔

خدا نہیں ہے۔ یہ آیت اور یہ شہادت اس کو بھی شامل ہے کہ اللہ واحد و یکتا ہے۔ اس کی ذات میں کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ عادل ہے، اس کی ذات ظلم کے خلاف ہے۔ اس کی قوت و طاقت اور اس کا زبردست ہونا بے بسی کے منافی ہے اور اس کی حکمت، جہالت اور عیب کے منافی ہے۔ غرض اس کے لیے توحید کی شہادت دینا، عدل، قدرت، علم و حکمت کو شامل ہے، اس لیے یہ اہم ترین شہادت ہے۔ [1362]

تیسرا مسئلہ: شہادت "اعتقاد" کی وضاحت۔

شہادت کے معنی ہیں: یقینی اعتقاد، تاکید اور یقین کے طور پر لفظ شہادت اختیار کیا گیا ۔ لفظ اعتقاد اختیار نہیں کیا گیا۔ اس بات کی وضاحت کے لیے کہ یقینی اعتقاد ضروری ہے، گویا تم اس چیز کی شہادت دیتے ہو جس کا اعتقاد کرتے ہو اور جس کا مشاہدہ کرتے ہو۔ اس کی شہادت دیتے ہو۔ یہی حکمت ہے جسے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کہا جائے: شھادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدا رسول اللّٰہ، نہ کہ اعتقاد کہا جائے۔ [1363]

1362) ینظر: مدارج السالکین، لابن القیم (426/3). وشرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (42)۔

1363) تیسیر الوصول، د. عبد المحسن القاسم (120)۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں ”اس کا مطلب ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ “

شھادۃ أن لا الہ الا اللہ کی دلیل ذکر کرنے کے بعد مصنف رحمہ اللہ نے اس عظیم کلمہ کے معنی کو بیان کیا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے، عبادت کا مستحق اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ یہ اللہ واحد کے لیے عبادت کے اثبات کو شامل ہے جس طرح اس بات کو شامل ہے کہ اللہ تعالٰی کے سوا تمام معبود باطل ہیں، اس لیے کہ ناحق معبود ہیں۔ معبود ہونے کا حق ان میں سے کسی کو نہیں ہے۔ [1364]

اس سیاق میں مصنف رحمہ اللہ کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: الٰہ ہی معبود ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے ”لا الٰہ الا اللہ“ کی تفسیر و توضیح یوں کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ الٰہ کی تفسیر، معبود سے کی۔ یہ تفسیر الٰہ فعال بمعنی مفعول ”مألوہ“ کے مطابق ہے۔ ”لا الٰہ“ کے معنی ہیں، کوئی معبود نہیں ہے۔ اس لیے کہ ”الٰہ“ کلام عرب میں ”معبود“ کے معنی میں ہے۔ اَلَہَ یَاْلُہُ، اِلٰھَۃً وَألوھۃ سے ماخوذ ہے۔ جب بندہ امید و

1364) تیسیر الوصول، د. عبدالمحسن القاسم (124)۔

رجاء، ڈر وخوف اور محبت سے عبادت کرتا ہے تو وہ اسے معبود بنالیتا ہے۔[1365] لسان العرب میں ہے کہ ہر وہ چیز جس کی عبادت کی جائے، وہ معبود ہے۔ جمع آلِھَة بمعنی بت۔ یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ ان کا اعتقاد تھا کہ عبادت کا حق اس کا ہے۔[1366] نیز کہا: الإلاھة، الألُوهَة اورالألُوهِيَّة اور کبھی پڑھا گیا: ویذرک وآلھتک اور ابن عباس نے پڑھا: "ویذرک وإلاھتک"، ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ۔ یعنی وعبادَتک۔ یہ آخری قراءت ثعلب کے نزدیک ہے۔ گویا یہی پسندیدہ ہے۔ اس لیے کہ فرعون کی عبادت کی جاتی تھی۔ وہ عبادت نہیں کرتا تھا۔ اس بنا پر وہ عبادت کیا جانے والا تھا، نہ کہ عبادت کرنے والا۔ لیکن پہلی قراءت اکثر ہے اور اسی پر اکثر قراء کا عمل ہے۔ ابن مزی رحمہ اللہ کہتے ہیں، ابن عباس کی قراءت زیادہ قوی ہے، فرعون کا یہ کہنا تھا کہ "أنا ربكم الأعلى" اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کہا "فأخذه الله نكال الآخرة والأولى" اسی کی طرف جوہری نے ابن عباس کے قول سے اشارہ کیا ہے کہ فرعون کی عبادت کی جاتی تھی۔[1367]

1365) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز الشیخ (133)۔

1366) لسان العرب، لابن منظور (467/13)۔

1367) لسان العرب، لابن منظور (468/13)۔

تَأَلَّهُ: عبادت گزار بننا۔ والتألیہ: معبود بنانا، خدا کا درجہ دینا۔ رؤبۃ بن العجاج نے رجز یہ شعر کہا[1368]

لِلّٰہِ دُرُّ الغانیات الْمُدَّہِ *** سَبَّحْنَ وَاسْتَرْجَعْنَ مِنْ تألُّهِي[1369]

یعنی مِنْ عِبَادَتِیْ۔ چنانچہ تَأَلَّهُ کے معنی ہیں، عبادت کرنا، عبادت گزار ہونا۔ قرآن میں ہے {أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ}[1370] "صرف اللہ کی عبادت کرو۔" اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ تفسیر اجتہادی نہیں ہے بلکہ اس لفظ کی قرآنی تفسیر ہے۔ لہٰذا کوئی یہ خیال کرے کہ اس دعوت کے امام کے اجتہاد سے یہ تفسیر ہے تو قرآن کریم سے جاہل ہے۔ چنانچہ "الٰہ" کی تفسیر "معبود" سے کرنا قرآن اور لغت عرب کے موافق ہے۔ اس کے برعکس "الٰہ" کی تفسیر "رجاء" سے کرنا یعنی لفظ "لا الٰہ الا اللہ" کی تفسیر اس سے کرنا کہ کوئی خالق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایجاد کرنے پر کوئی قادر نہیں ہے تو یہ بالکل غلط تفسیر ہے، اس لیے کہ لغت عرب اور قرآن کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ "الٰہ" کا

1368) ھو رؤیۃ بن العجاج، ینظر: تفسیر ابن کثیر (20/1)۔

1369) لسان العرب، لابن منظور (468/13)۔

1370) سورۃ فصلت (الآیۃ: 14)۔

مادہ ”رب“ کے مادہ سے الگ ہے۔ ”الٰہ“ کے معنی معبود کے ہیں۔[1371] اس لیے بعض لوگوں نے ”الٰہ“ کی تفسیریوں کی ہے، وہ ذات جو دوسرے سے بے نیاز ہو اور یہ چیز اس کی محتاج ہو۔[1372] یہ تفسیر ہے، ربوبیت کے معنی کی۔ لہٰذا ان کے نزدیک لفظ توحید کے معنی میں ہے۔ توحید فی الربوبیت کا مطلب ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق، رازق اور تدبیر کرنے والا نہیں ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ توحید محض اللہ کی وحدانیت کا اعتقاد ہے، اس کی ذات، صفات اور افعال میں۔[1373] حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی

1371) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (134، 136)۔

1372) السنوسية مع شرحها أم البراهين في العقائد الأشعرية، تأليف: أحمد بن عيسى الأنصاري (135)۔

1373) وحقيقة الألوهية عندهم: اعتقاد استقلالية المطلوب وقدرته على الإختراع، فالتوحيد عندهم اعتقادي فقط، ولهذا التزموا بأنه لا شرك بالتقرب إلى غير الله بالعبادة إلا إذا تضمن اعتقاد استحقاق المعبود للعبادة من دون الله، وأن المعبود متفرد بالخلق والتدبير، فصرف شيء من العبادة لغير الله ليس شركا لذاته عندهم إلا إذا تضمن اعتقاد استحقاق العبادة لمن صرفت له؛ ولهذا اشتد الخلاف بين المصنف وبعض علماء عصره حين بين لهم أنه كما يكون الشرك في الاعتقاد فإنه كذلك يكون في اتخاذ الوسائط في الطلب، وفي التقرب إلى غير الله بالعبادة، ولو لم تكن متضمنة الشرك في الاعتقاد۔ ينظر: الشرك في القديم والحديث، تأليف: أبو بكر محمد زكريا (1/36-38)۔

کتاب میں مشرکین کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ اس معنی میں لفظ توحید کا اقرار کرتے ہیں۔[1374] ان کی تفسیر کی غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ توحید کی یہ تفسیر نہ دورِ رسالت میں ہوئی، نہ بعد میں۔ یہ تفسیر نصوص، آثار اور سلف کے خلاف ہے۔ اس لیے "الٰہ" کی تفسیر "صانع" (بنانے والا)، "مخترع" (ایجاد کرنے والا)، "خالق" (پیدا کرنے والا) یا "رب" (پرورش کرنے والا) سے کرنا لغت اور شریعت دونوں اعتبار سے غلط ہے۔ اس لیے کہ "رب" اور "الٰہ" دونوں لفظ کا الگ الگ مفہوم ہے، لغت و شریعت کے اعتبار سے۔[1375]

دوسرا مسئلہ: معبود برحق، صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے جس کی عبادت کی جائے۔ لہٰذا اسی کی عبادت درست ہے اور اس کے علاوہ کی عبادت باطل ہے۔[1376] اسی لیے جب مصنف رحمہ اللہ نے "لا الٰہ الا اللہ" کے معنی کو بیان کیا تو لائے نفی جنس کی خبر "بحق" کو محذوف

1374) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (135)۔

1375) ينظر: الشرک في القديم والحديث، تأليف: أبو بكر محمد زكريا (46/1)۔

1376) شرح الأصول الثلاثة وأدلتها، محمد بن مبارك الشرافي (92)۔

مانا۔ ''لا'' حرف ہے جنس کی نفی کے لیے۔ ''الٰہ'' اس کا اسم ہے، مبنی علی الفتح۔ ''الا اللہ'' استثناء ہے، خبر نہیں۔[1377] اس لیے وہ نہ لفظاً خبر ہو سکتا ہے، نہ معناً۔ لفظاً اس لیے نہیں ہو سکتا کہ ''لا'' نکرہ میں اثر انداز ہوتا ہے اور ''اللہ'' معرفہ ہی نہیں بلکہ اعرف المعارف ہے ۔ لہٰذا لفظاً و لغتاً عمل کرنا ناممکن ہے۔ معنی کے اعتبار سے خبر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اس کے معنی ہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ یہاں اللہ کے علاوہ بہت سے معبود ہیں۔ چنانچہ لائے نفی جنس کی خبر ''لا الٰہ الا اللہ'' میں محذوف ہے۔ عرب لائے نفی جنس کی خبر کو واضح ہونے کی صورت میں محذوف کر دیتے ہیں، جیسا کہ ابن مالک نے ''الفیہ'' میں لائے نفی جنس کے باب میں کہا

وشاع فی ذا الباب اسقاط الخبر *** اذا المراد مع سقوطه ظهر

(1377) هناک من یری أن الکلام تام لا یحتاج إلی تقدیر خبر، ف(لا إله) مبتدأ، و(إلا الله) خبره۔ ینظر: رسالة التجرید في إعراب کلمة التوحید، تألیف: الشیخ علي القاري، المتوفی سنة 1014 هجریا۔

لائے نفی جنس کے سلسلے میں یہ مشہور ہے کہ جب حذف کی مراد واضح ہو تو خبر حذف کر دی جاتی ہے۔[1378] بیشتر نحویین سے یہ غلطی ہوئی۔ وہ کہتے ہیں کہ خبر محذوف لفظ ''موجود'' ہے۔ عبارت ہوگی ''لا الٰہ موجود الا اللہ'' اس لیے کہ خبر محذوف کے لیے وہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ اسم فاعل یا اسم مفعول یا جملہ اسمیہ یا جملہ خبریہ ہو۔ چنانچہ انھوں نے کہا کہ خبر لفظ ''موجود'' ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ''لا الٰہ موجود الا اللہ'' کہنا درست نہیں ہے کیونکہ یہاں اللہ کے علاوہ مخلوق موجود ہے، درخت، پتھر، انسان وغیرہ۔[1379] اس لیے اس طرح خبر محذوف ماننا درست نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مشرکین کا اختلاف اس بات میں نہیں ہے کہ دوسرے معبود بھی موجود ہیں بلکہ وہ جانتے ہیں کہ بہت سے معبود موجود ہیں، اس لیے ''لا الٰہ'' کی خبر ''موجود'' کو درست مانا جائے۔ اس لیے بھی کہ ان مشرکین نے کہا {أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا}، ''کیا اس نے سارے خدائوں کی جگہ بس

1378) ینظر: شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (43)؛ التمهید لشرح کتاب التوحید، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (77)۔

1379) المحصول من شرح ثلاثة أصول، عبد اللہ الغنیمان (139)۔

.اس لیے یہ کہنا درست نہیں ہے بلکہ اس کی خبر معلوم ہے جس کی تعیین و توضیح زبان رسالت سے ہوئی ہے اور وہ ہے" لا معبود حق الا اللہ "اس لیے کہ نبی ﷺ عبادت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید کے لیے مبعوث کیے گئے اور غیر اللہ کی عبادت کو باطل قرار دینے کے لیے کیونکہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔اللہ کے سواہر معبود کی عبادت باطل ہے، ظلم ہے، سرکشی اور مخلوق کے ساتھ ظلم ہے۔[1381] اس عبارت اور اس جملے سے مقصود اس بات کا اثبات ہے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ارشاد باری ہے {ذٰلک بِأَنَّ اللّٰہَ ھوَ

کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور اسے چھوڑ کر جن دُوسری چیزوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں، اور (اس وجہ سے کہ) اللہ ہی بزرگ و برتر ہے۔اور ارشاد باری ہے:{ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ

1380)سورۃ ص(الآیۃ:5)۔

1381)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(137،138)۔

1382)سورۃ لقمان:(الآیۃ:30)۔

وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ (62)[1383]} ترجمہ: ”تب تو یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے ۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ آخر یہ تم کدھر پھرائے جا رہے ہو؟“۔

جب یہ آیت قرآن کی دو سورتوں میں آتی ہے اور اس بات پر مشتمل ہے کہ اللہ کی عبادت حق ہے اور غیر اللہ کی عبادت باطل ہے، اس لیے مناسب یہی ہے کہ یہاں محذوف لفظ ”حق“ یا ”بحق“ ہو، اس لیے کہ آیات اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ پس ”لا الٰہ الا اللہ“ کا معنی ہوا، اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اللہ کے سوا جتنے معبود ہیں، سب باطل ہیں۔ یہ تقدیر زیادہ مناسب ہے۔[1384] علامہ قرافی کہتے ہیں کہ ”الٰہ“ کے معنی صرف معبود کہا جائے اور دیگر معبودوں کی نفی نہ ہو، جیسے بتوں اور ستاروں وغیرہ کی تو یہ شہادت جھوٹ ثابت ہوگی، اس لیے لازماً یہ صفت محذوف ماننا ہوگی کہ عبادت کے مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔[1385]

تیسرا مسئلہ: مصنف کے قول: "بحق" کی وضاحت:

1383) سورۃ الحج (الآیۃ: 62)۔

1384) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز الشیخ (139)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد المصلح (43)۔

1385) الذخیرۃ، للقرافي (57/2)۔

صحیح یہ ہے کہ ''لا معبود حق الا اللہ'' بغیر باء کے ہو۔[1386] اور عوام کو سمجھانے کے لیے ''لا معبود بحق الا اللہ'' بھی درست ہے۔[1387] لیکن باء کے بغیر قرآن کے موافق ہے۔ ارشاد ہے {ذَلِكَ بِأَنَّ اللهَّ هُوَ الْحَقُّ}[1388] یہ صحیح ترین لغت ہے۔اس میں دوسری تقدیر ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔اس لیے کہ جار مجرور خبر کسی محذوف سے متعلق ماننا ہوگا، جیسے ''لا معبود کائن بحق''[1389]

1386) شرح عقیدۃ أهل السنة والجماعة، للشيخ محمد العثيمين (60)، من إصدارات مؤسسة الشيخ الخيرية، ط. الأولى: 1437 هجريا؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز الشيخ (138)۔

1387) ينظر: بلوغ المأمول بشرح الثلاثة الأصول، عصام بن أحمد مامی (230)۔

1388) سورة الحج، الآية (62)۔

1389) شرح عقيدة أهل السنة والجماعة، المتن والشرح، للشيخ محمد بن صالح العثيمين (60)۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں "لا الٰہ اللہ کے سوا تمام معبود کی نفی کرتا ہے اور الا اللہ تنہا اللہ کی عبادت کو ثابت کرتا ہے کہ اس کی عبادت میں ویسے ہی کوئی شریک نہیں ہے جیسے اس کی بادشاہت میں کوئی ساتھی نہیں ہے۔"

شہادت نفی اور اثبات سے مرکب ہے بلکہ یہ دونوں رکن ہیں۔ "لا الٰہ" نفی ہے اور "الا اللہ" اثبات ہے۔اس لیے معبود کا ایک اکیلا، تنہا ہو ناضروری ہے۔[1390]

پہلا مسئلہ: توحید کی شہادت نفی اور اثبات دونوں کو شامل ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "لا الٰہ" تمام معبودان باطلہ کی نفی کرتا ہے اور "الا اللہ" سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اس لیے صرف اسی کی عبادت کی جائے گی۔اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کیا جائے گا۔[1391] اس لیے جو لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے، وہ تمام معبودان باطلہ کی عبادت کی نفی کرتا ہے اور اللہ کی عبادت

(1390)شرح الأصول الثلاثة، عبدالرحمن بن ناصر البراک(26)۔

(1391)حاشیة ثلاثة الأصول، لابن قاسم(52)؛ والمحصول من شرح ثلاثة الأصول، عبداللہ الغنیمان(140)۔

کو ثابت کرتا ہے۔"لاالٰہ" سے معبودان باطلہ کی نفی ہوتی ہے،نہ کہ تمام معبود کی۔اس لیے "الااللہ"لا کر اللہ کا استثناء کیا گیا اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا۔[1392]

دوسرا مسئلہ: جیسے اللہ کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں ہے، ویسے ہی اس کی عبادت میں کوئی شریک نہیں ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی بادشاہت میں اکیلا ہے، ویسے ہی عبادت میں اکیلا قرار دیا جانا واجب ہے۔یہ انتہائی ظلم ہے کہ اس مخلوق کو جو اس کی بادشاہت میں شریک نہیں ہے، اسے اللہ کی عبادت میں شریک کیا جائے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے جس طرح بادشاہت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔یہ توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال ہے۔قرآن مجید میں صاف صاف بیان کیا گیا ہے{قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَابْتَغَوْا إِلَى ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا (42)}، ترجمہ:"اے نبی! ان سے کہو کہ اگر اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ مالک عرش کے مقام کو پہنچنے کی ضرور کوشش کرتے۔ "[1393]

(1392)حاشية ثلاثة الأصول،لابن قاسم(52)؛وشرح ثلاثة الأصول،عبداللہ بن ابراھیم القرعاوي(81)۔

(1393)سورة الإسراء،الآية(42)۔

اگراس کے ساتھ کوئی معبود ہوتا جو عملاً عبادت کا مستحق ہوتا تو یہ بات لازم آتی کہ اللہ کی بادشاہت میں ان کا حصہ ہو، عبادت کا مستحق وہی ہے جو نفع ونقصان پہنچانے کا مالک ہے۔جب اپنی بادشاہت میں اکیلا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ عبادت میں تنہا مستحق ہو[1394]۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی واضح تفسیر ارشاد باری ہے { وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ (26) إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ (27) وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (28)}

[1395]، ترجمہ: یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ "تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا تعلق صرف اُس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی کرے گا۔ اور ابراہیمؑ یہی کلمہ اپنے پیچھے اپنی اولاد میں چھوڑ گیا تاکہ وہ اِس کی طرف رجوع کریں۔

(1394) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشيخ (140)؛ وینظر: شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (43)۔

(1395) سورة الزخرف، الآيات (26-28)۔

مصنف رحمہ اللہ نے اپنی تشریح کے بعد کلام الٰہی سے "لاالٰہ الااللہ" کی تفسیر کی ہے کیونکہ اس سے زیادہ واضح کلام کوئی اور نہیں ہو سکتا جس کے آگے پیچھے سے باطل نہیں آسکتا اور نہ کسی کے لیے ممکن ہے کہ کلام الٰہی کے مقابلے میں اپنا کلام پیش کر سکے۔ ایسا کرنے کی جسارت وہی کر سکتا ہے جس کے دل میں ٹیڑھ ہو گا۔[1396] یہ مصنف کے حسن تالیف کی دلیل ہے۔

حضرت ابراہیمؑ سب سے بے زاری اختیار کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ وہی مجھے اپنے سچے اور سیدھے دین کی رہنمائی کرے گا، اس لیے کہ ہدایت دینا اسی کے قبضہ و قدرت میں ہے اور یہ دلیل ہے کہ ان سب معبودان باطلہ سے بے زاری اختیار کرنا جن کی وہ عبادت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے ہے۔ یہی نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے ہدایت حاصل کی بلکہ اگلی نسلوں بالآخر حضرت محمد ﷺ میں چھوڑ گئے تاکہ اہل مکہ وغیرہ ان تمام ادیان باطلہ

1396) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (45)۔

سے ابراہیمؑ کے دین کی طرف رجوع کرے اور ان کی اقتدا کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی نسلوں میں ہدایت دی ہے۔[1397]

اور اس میں دو مسئلے ہیں۔

پہلا مسئلہ: آیت کی تفسیر توحید کی شہادت کے لیے۔

کلمہ ”لا الٰہ الا اللہ“ کی تفسیر ہے، اللہ کی عبادت کا اثبات اور ماسویٰ اللہ کی نفی ۔[1398] ”لا الٰہ الا اللہ“ نفی اور اثبات دونوں کو جامع ہے۔ اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے، اس کی نفی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کا اثبات ہے۔ غیر اللہ کی نفی کو ابراہیمؑ نے یوں بیان کیا "إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ"، اور اللہ تعالیٰ کے عبادت کے اثبات کو اس طرح بیان کیا "إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي"، ”لا الٰہ“ کے معنیٰ کو بیان کیا، اپنے اس قول سے "

1397) ينظر: مختصر تفسير البغوي "المسمى معالم التنزيل" (844/2)؛ وتفسير السعدي (764)؛ حاشية ثلاثة الأصول، لابن قاسم (53)؛ تيسير الوصول، د. عبد المحسن القاسم (132)؛ وشرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (44).

1398) شرح الأصول الثلاثة وأدلتها، محمد بن مبارك الشرافي (96).

إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ" "الا اللہ" کے معنی کواپنے اس قول سے بیان کیا "إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي "۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ "لاالٰہ الا اللہ" کے معنی ہیں، اللہ کے سواہر ایک کی عبادت سے بے زاری اختیار کرنااور تمام اقسام کے ساتھ خالص اللہ کی عبادت کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیاہے کہ اس توحید کے امام کے ساتھ ہمدردی کریں، نفی و اثبات دونوں صورتوں میں۔[1399] جیساکہ ارشاد خداوندی ہے {قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ}[1400]، ترجمہ: "تم لوگوں کے لیے ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھانمونہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا، ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جنھیں تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو، قطعی بے زار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیااور

(1399)حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، لابن قاسم(54)؛ شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ(142)۔

(1400)سورۃ الممتحنۃ، الآیۃ(4)۔

ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ "

چنانچہ یہ کلمہ براءت وبے زاری اور ولایت ووفاداری دونوں پر مشتمل ہے۔ چنانچہ براءت "لاالٰہ "میں تجرید (دنیا کے باطل خدائوں سے دوری وبے زاری) ہے اور ولایت "الا اللہ " میں تفرید (ایک اللہ کی عبادت کرنا) ہے۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ تفرید، تجرید، نفی، اثبات، ولاء اور براء ہے۔[1401]

دوسرا مسئلہ: توحید کی شہادت، شرک اور اہل شرک سے بے زاری کے لیے لازم ہے۔

آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کی وجہ سے ان تمام معبود باطل سے براءت لازم ہے، اس لیے کہ توحید اسی وقت درست ہو گی جب ایک اللہ کی عبادت کی جائے گی۔ شرک اور اہل شرک سے بے زاری اختیار کی جائے گی۔[1402] "

إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ " میں نفی وبغض دونوں ہے۔ نفی اسی صورت میں ہو گی جب

1401)شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن ابراھیم آل الشیخ(180)۔

1402)ینظر: شرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد المصلح(45)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، عبدالرحمن البراک(27)۔

مکمل غیر اللہ کی عبادت سے انکار کیا جائے گا اور نفرت کی جائے۔ "براءت" کے معنی بغض ونفرت کے بھی ہیں، لہٰذا آیت نفی اور بغض دونوں پر مشتمل ہے۔[1403]

1403) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (142)۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں " یہ آیت بھی شہادت توحید کی تفسیر کرتی ہے{قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (64) }[1404]، ترجمہ: کہو، "اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے "اس دعوت کو قبول کرنے سے اگروہ منہ موڑیں توصاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی واطاعت کرنے والے) ہیں۔

"لا الٰہ الا اللہ" کے اقرار سے لازمی طور پر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ بندہ اللہ کا فرماں بردار ہو۔ کسی کو رب نہ بنائیں، اللہ کے سوا کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے میں ان معبودان باطلہ کی اتباع کرے۔ اگر کسی کی پیروی کی، اس چیز کو حرام کرنے میں جسے اللہ نے حلال قرار دیا ہے یا اس چیز کو حلال کرنے میں جسے اللہ نے حرام کیا ہے تو اس نے اللہ کے سوا

(1404)سورۃ آل عمران، الآیۃ(64)۔

دوسرے کورب بنالیا۔اب اگروہ منھ موڑلیتا ہے توصاف کہہ دیجیے کہ گواہ رہو کہ ہم توحید خالص کے ساتھ صرف اللہ کی بندگی واطاعت کرنے والے ہیں۔[1405]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ۔

یہ آیت ”لاالٰہ الا اللہ ” کے معنی کی تفسیر کو شامل ہے "أَلَّا نَعْبُدَ " یہ نفی کلمہ ”لا الٰہ ”میں ہے۔ ”الا اللہ ” یہ اثبات ہے۔یہی تفسیر کلمہ توحید کی ہے اوراس معنی کی تاکید آیت میں آئی ہے "وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ"، یعنی اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ بنائے۔ربوبیت کی تفسیر یہاں الوہیت سے کی ہے،اس لیے کسی مخلوق کے سلسلے میں ان لوگوں نے یہ دعویٰ نہیں کیاکہ وہ رب ہے۔اس معنی میں کہ وہ پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔دوسری آیت میں یہ ثابت کیاگیاہے کہ جو اسے نہ مانے، وہ مسلمان نہیں ہے۔ارشاد خداوندی ہے "فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا

1405) ينظر: المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير، بإشراف، صفي الرحمن المباركفوري (177)؛ ومختصر تفسير البغوي "المسمى معالم التنزيل" (125/1)؛ حاشية ثلاثة الأصول، لابن قاسم (53)؛ تيسير الوصول، د. عبد المحسن القاسم (133)۔

مُسْلِمُونَ "، "اگراس کلمہ پر تم یقین نہیں رکھتے ہو جو ہمارے اور تمہارے درمیان ہے تو صاف اعلان ہے۔"، "أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا"، "تم مسلمان نہیں ہو۔"[1406] یہ دونوں آیات اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ جب تک یہ دونوں رکن عظیم دلوں میں پیوست نہیں ہوں گے،اس وقت تک ایمان ثابت نہیں ہو گا۔

ایک رکن ہے ،اللہ رب العزت ذوالجلال کے لیے عبادت کا اثبات۔ اور دوسرا رکن ہے،اللہ تعالٰی کے سوا جو بھی ہے،اس کی عبادت سے انکار۔[1407]

دوسرا مسئلہ: اس آیت کی عظمت۔

نبی ﷺ اس آیت کے ذریعے بادشاہان اہل کتاب کو خطوط لکھتے تھے۔ سنت فجر کی دوسری رکعت میں پڑھتے تھے،دین واحد کی دعوت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے۔ جس چیز پر تمام انبیاء اور رسولوں کا اتفاق ہے، توحید الوہیت، تنہا اللہ کی عبادت کو اپنے اندر شامل کیے ہوئے ہے۔اس میں اس عقیدے کو بھی بیان کیا گیا ہے،سارے انسان اور ساری مخلوق میں

(1406)شرح ثلاثۃ الأصول،صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ(143)۔

(1407)شرح الأصول الثلاثۃ،د.خالد المصلح(46)۔

کوئی ربوبیت اور الوہیت کی خصوصیت کا مستحق نہیں ہے۔ اگر اہل کتاب وغیرہ اسے مان لیتے ہیں تو وہ ہدایت یافتہ ہیں، ورنہ اپنی گمراہی میں بھٹک رہے ہیں۔ 1408

تیسرا مسئلہ: مصنف کا دونوں دلیل سے مقصود۔

خلاف عادت مصنف رحمہ اللہ نے یہاں دو دلیل کو جمع کیا ہے۔ اس لیے کہ ہر ایک دلیل ایک ایسی چیز کو بیان کرتی ہے جسے دوسری دلیل بیان نہیں کرتی۔ "لاالٰہ الااللہ" کی شہادت کا تقاضا ہے، دشمنان خدا سے بغض و نفرت، عداوت و دشمنی اور ان سے مکمل علاحدگی، جیسا کہ سورۂ زخرف کی آیت نے پہلی دلیل میں ثابت کیا اور دوسری دلیل میں ایسے مسئلہ کا بیان ہے جس سے بیشتر لوگ غافل ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ان سے علاحدگی و دوری انھیں اسلام کی دعوت دینے میں رکاوٹ نہیں ہے اور نہ ان کا اسلام میں داخل ہونے کے سلسلے میں مانع ہے۔ 1409

1408) ینظر: المصباح المنیر في تهذیب تفسیر ابن کثیر (177)؛ تیسیر الوصول، د. عبد المحسن القاسم (134)۔

1409) تنبیه العقول إلی کنوز ثلاثة الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (614/2)۔

مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔اس اقرار کی دلیل ارشاد باری ہے

{لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (128)}[1410] ترجمہ: دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ اسلام کا پہلا ”لا الٰہ الا اللہ“ اور ”محمد رسول اللہ“ کا اقرار ہے۔ مصنف ”لا الٰہ الا اللہ“ کے اقرار کی دلیل بیان کر چکے۔ یہاں محمد رسول اللہ کے اقرار کی دلیل بیان کی ہے۔ارشاد باری ہے "لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ "تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا جو تم ہی میں سے ہے۔ تم ان کے نسب اور ان کی صداقت (سچائی) کو جانتے ہو۔ تمہاری زبان بولتے ہیں جسے تم سمجھتے ہو۔اس کی صفات یہ ہے کہ جو بھی امت پر پریشانی آتی ہے، وہ اس پر شاق گزرتی ہے اور امت کا شرک میں مبتلا ہونا اس پر بہت دشوار ہے۔اور یہ کہ تمہاری کامیابی کا وہ حریص ہے۔اس کی شدید خواہش ہے کہ بندے ہدایت

(1410)سورة التوبة:128۔

پاجائیں اور جہنم سے بچ جائیں۔ وہ مومنین پر شفیق و مہربان ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے شہادت رسول کی رسالت اوراس کی صفات کی۔[1411]

اس میں دو مسئلے زیر بحث ہیں۔

پہلا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ۔

"لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ"، "لَقَدْ"قسم ہے۔"لام"قسم کے لیے ہے۔ ہمیشہ "قَدْ" کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ قسم محذوف ہے۔ عبارت یوں ہو گی: وَاللّٰہِ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ. قسم کھانے والا اللہ تعالیٰ ہے جس نے ہم ہی میں سے رسول کے آنے پر قسم کھائی ہے۔ یہ کلام کی تاکید و تعظیم کے لیے ہے اور یہ اس بات کی صاف صاف دلیل ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔[1412] یہ نبی ﷺ کی رسالت پر قرآن سے دلیل ہے۔ رسالت کے دلائل میں یہ بھی ہے ایک دلیل ہے۔ ارشاد باری ہے{إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا

1411)حاشیة ثلاثة الأصول، لابن قاسم (56)؛ تیسیر الوصول، د. عبد المحسن القاسم (135)؛ المحصول من شرح ثلاثة الأصول، عبد اللہ الغنیمان (144)۔

1412)شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز الشیخ (144)؛ المحصول من شرح ثلاثة الأصول، عبد اللہ الغنیمان (143)۔

نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ (1) [1413]، ترجمہ:"اے نبی! جب یہ منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ،ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ہاں،اللہ جانتا ہے کہ تم ضرور اس کے رسول ہو مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم نے رسول کی رسالت کو ثابت کیا بلکہ جب رسول اللہ ﷺ سے رسالت کی دلیل کا مطالبہ کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے کہا{ قُلْ كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ}[1414]،اللہ کی شہادت رسالت کے اثبات کے لیے کافی ہے۔[1415]

دوسرا مسئلہ: دونوں شہادتیں واجب ہیں۔

(1413)سورۃ المنافقون،الآیۃ(1)۔

(1414)سورۃ الإسراء،الآیۃ(96)۔

(1415)شرح الأصول الثلاثۃ،د.خالد المصلح(47)۔

اللہ تعالیٰ کے لیے توحید کی شہادت اور رسول کی رسالت کی شہادت واجب ہے۔ ان دونوں کی حیثیت رکن کی ہے۔ اس کے علاوہ شہادت کے معنی اس سے خارج ہیں، اگرچہ واجب ہوں۔[1416]

1416) التعلیقات علی القول السدید فیما یجب للہ تعالی علی العبید، للشیخ صالح بن عبد اللہ العصیمي (20)۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں ”محمد رسول اللہ کے اقرار اور شہادت کا مطلب ہے، اس چیز میں آپ ﷺ کی اطاعت کی جائے جس کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے۔ اس چیز کو سچا سمجھا جائے جس کی آپ ﷺ نے خبر دی ہے۔ اس چیز سے بچا جائے جس سے آپ ﷺ نے منع کیا ہے اور اللہ کی عبادت اسی طرح کی جائے جیسے مشروع ہے۔“

مصنف رحمہ اللہ نے شہادت کی دلیل ذکر کرنے کے بعد اس کے مطلب کو یہاں بیان فرمایا ہے۔ ”محمد رسول اللہ“ کی شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ ان چیزوں میں آپ ﷺ کی اطاعت کی جائے جن کا حکم دیا جائے، مثلاً توحید، نماز، زکوٰۃ، واجبات اور مستحبات وغیرہ۔ ان چیزوں میں آپ کی تصدیق کی جائے جن چیزوں کی خبر دی ہے، جیسے آخرت، مرنے کے بعد زندہ ہونا، جنت، دوزخ، گزشتہ امتوں کے واقعات یا آئندہ پیش آنے والے امور وغیرہ۔ اس چیز سے بچا جائے جس سے منع فرمایا ہے، جیسے شرک، بدعت، والدین کی نافرمانی وغیرہ ۔اور اللہ تعالیٰ کی انھیں چیزوں میں عبادت کی جائے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں مشروع کیا

ہے اور جسے لے کر اللہ کے رسول آئے ہیں۔ لہٰذا جس نے اللہ کی عبادت ایسی چیزوں میں کی جو شریعت کی رو سے جائز نہیں ہے تو اس کا عمل مردود و باطل ہے۔[1417]

اس میں چند مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ: محمد رسول اللہ کے اقرار کا معنی و مفہوم۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ شہادت اس صورت میں ہو گی جب اس میں تین مراتب جمع ہوں۔ شہادت دینے والے کو اس کا علم ہو، اس چیز کے صحیح ہونے کا عقیدہ ہو جس کی وہ شہادت دے رہا ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ شہادت دینے والا اپنی زبان سے اقرار کرے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ شہادت دینے والا اسے دوسرے کو بتائے۔ پس محمد رسول اللہ ﷺ کے اقرار کا مطلب یہ ہے کہ بندہ جانے، عقیدہ رکھے، زبان سے اقرار کرے اور دوسرے کو بتائے کہ محمد بن عبد اللہ (ﷺ) ہاشمی، قرشی، مکی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام مخلوق کی

(1417) حاشیۃ ثلاثۃ الاصول، لابن قاسم (57)؛ تیسیر الوصول، د. عبد المحسن القاسم (137)؛ وشرح الاصول الثلاثۃ، عبد الرحمن البراک (28)۔

طرف خواہ انسان ہو یا جنات، رسول ہیں۔ان پر وحی نازل کی گئی جس کی انھوں نے تبلیغ کی۔

اس لیے کہ رسول مبلغ ہیں۔[1418]

دوسرا مسئلہ: محمد رسول اللہ کے اقرار کے تقاضے۔

اقرار کا سب سے اہم مقصد وہ چار باتیں ہیں جن کا ذکر مصنف نے یہاں کیا ہے

۔[1419]

پہلی بات:

جن باتوں کا حکم دیا ہے،ان کی طاعت کی جائے۔اگر وہ خبر ہے تو اس میں تصدیق واجب ہے ۔اگر حکم ہے تو اطاعت و فرماں برداری واجب ہے۔[1420] اب اگر اس کے حکم کی پیروی کوئی نہیں کرتا تو وہ اپنے اقرار میں جھوٹا ہے۔وہ منافق ہے۔اس کی شہادت نا قابل اعتبار ہے ۔لیکن اگر وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ رسول کی اطاعت ان چیزوں میں واجب ہے جن کا آپ

(1418)ینظر: شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثیمینی (75)۔

(1419)شرح الأصول الثلاثة وأدلتها، محمد بن مبارک الشرافي (100)۔

(1420)شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (48)۔

ﷺ نے حکم دیا ہے، اس کے باوجود خواہشات کے غلبے کی وجہ سے عمل نہیں کرتا تو گنہگار ہے۔اس نے محمد رسول اللہ کے اقرار کو ثابت کرنے میں اپنی مخالفت کے بقدر کمی کی۔ [1421]

جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں۔ایک وجوب کے طور پر ہے جس میں اطاعت واجب ہے۔ دوسرے استحباب کے طور پر ہے جس میں اطاعت مستحب ہے۔ [1422]

دوسری بات:

اس چیز کی تصدیق کی جائے جس کی آپ ﷺ نے خبر دی ہے۔ جس طرح حکم اطاعت کو واجب کرتا ہے، ویسے ہی خبر تصدیق کو واجب کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے غیب کی خبر وحی کی بنیاد پر دی ہے۔ ہر وہ بات جس کا تعلق غیب کی خبروں سے ہے، مثلاً کلام الٰہی، اسمائے الٰہی، صفات الٰہی، افعال الٰہی کے بارے میں جنت، دوزخ، غیب کی خبروں، گزشتہ قوموں

(1421) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (145)۔

(1422) ومن تأمل في السير والأخبار الثابتة من شهادة كثير من أهل الكتاب والمشركين له -صلى الله عليه وسلم - بالرسالة وأنه صادق، فلم تدخلهم هذه الشهادة في الإسلام. علم أن الإسلام أمر وراء ذلك وأنه ليس مجرد المعرفة فقط. ولا المعرفة والإقرار فقط۔ بل المعرفة والإقرار والانقياد والتزام طاعته ودينه ظاهرا وباطنا۔ ینظر: زاد المعاد (3/638)۔

کے واقعات کے سلسلے میں۔ چونکہ ان سب کا تعلق وحی الٰہی سے ہے، لہٰذا شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی دی ہوئی تمام خبروں کی تصدیق کی جائے اور دل میں ان خبروں کے حق ہونے کے سلسلے میں کوئی شبہ نہ ہو۔ مومن درحقیقت وہی ہے جو رسول کی خبروں کی تصدیق کرتا ہو، خواہ عقل میں آئے یا نہ آئے، خواہ اس کا ادراک اپنی نگاہ سے کیا ہو یا نہ کیا ہو۔
1423

تیسری بات:

اس چیز سے بچا جائے جس سے آپ نے منع کیا ہے۔ جس چیز کو آپ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے یا منع فرمایا ہے، اس سے آپ کی اطاعت کے پیش نظر بچنا واجب ہے۔[1424] جیسا کہ ارشاد باری ہے {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا}[1425]،

ترجمہ: ”جو کچھ رسول تمھیں دے، لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے، اس سے رک جائو۔

1423) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (146)۔

1424) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (147)۔

1425) سورة الحشر، الآية (7)۔

لفظ ’’اجتناب‘‘ کی تعبیر ’’ترک‘‘ کے مقابلے میں بہتر ہے۔ اس لیے کہ ’’اجتناب‘‘ کے معنی دور ہونے کے ہیں۔ اس طور پر کہ منہیات ایک کنارے ہو اور بندے دوسرے کنارے ہو۔ یہ بات اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب بندہ کے سامنے حلال و حرام واضح ہو۔[1426]

چوتھی بات:

اللہ تعالیٰ کی عبادت انھیں چیزوں میں کی جائے جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہے۔ اللہ کی عبادت خواہشات، بدعات، خیالات اور مختلف استحسانات کے ذریعے نہ کی جائے۔ اللہ کی عبادت کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے، رسول کا اللہ کی طرف سے لایا ہوا راستہ۔[1427] مصنف کے قول ’’وَاَنْ لَا یُعْبَدَ اللّٰہُ اِلَّا بِمَا شَرَعَ‘‘ میں ضمیر مستتر فعل ’’شَرَعَ‘‘ سے متعلق ہے۔ ضمیر اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے، نہ کہ رسول کی طرف۔ عبارت ہو گی: وان لا یُعْبَدَ اللّٰہُ اِلَّا بِمَا شَرَعَہُ اللّٰہُ. اس لیے کہ رسول کو شریعت سازی کا حق نہیں ہے بلکہ شریعت

1426) تنبیہ العقول إلی کنوز ثلاثۃ الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (635/2)۔

1427) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (147)۔

سازی کا حق اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ نبی ﷺ صرف شریعت کے مبلغ ہیں۔[1428] اگر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے تو اس کی شہادت مکمل ہو گئی کہ محمد ﷺ رسول خدا ہیں اور وہ واقعتاً مسلمان ہو گیا۔[1429] پھر شہادت کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ محض اقرار کرے بلکہ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔[1430]

شہادت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ربوبیت کا، دنیا کے نظام میں تصرف کا بالکل عقیدہ نہ رکھا جائے اور یہ بھی عقیدہ نہ رکھا جائے کہ عبادت میں ان کا کوئی حق ہے بلکہ آپ ﷺ ایک بندے ہیں جن کی عبادت نہیں کی جائے گی، رسول ہیں جنھیں جھٹلایا نہیں جائے گا اور مشیت الٰہی کے بغیر آپ نہ خود کو نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ کسی اور کو۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے {قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ}[1431]،

(1428)ینظر: تعلیقات علی ثلاثة الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي(37)۔

(1429)شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(148)۔

(1430)شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشیخ(188)۔

(1431)سورة الأنعام، الآية(50)۔

ترجمہ: ”اے نبی! ان سے کہو، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔“، آپ مامور (حکم دیے ہوئے) بندہ ہیں۔ آپ ﷺ کو جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے، اس کی اتباع کرتے ہیں۔[1432]

تیسرا مسئلہ: اسلام کے پہلے رکن میں جن باتوں کی معرفت بندے پر لازمی ہے اس کی وضاحت۔

سابقہ تفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ اسلام کے پانچوں رکن میں سے پہلے رکن میں سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ شہادتین کے معنی کو جانے، اسے زبان سے ادا کرے اور جن باتوں کی رہنمائی ہوئی ہے، ان باتوں پر عمل کرے۔[1433]

(1432)شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثیمین (75)۔

(1433)حاشیة ثلاثة الأصول، لابن قاسم (58)۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں نماز وزکوٰۃ کی دلیل اور توحید کی وضاحت کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (5)}[1434]، ترجمہ: اور اُن کو اِس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اُس کے لیے خالص کر کے، بالکل یکسو ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں یہی نہایت صحیح ودرست دین ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے دلیل دینا شروع کی ہے کہ ارکان اسلام میں نماز فرض ہے اور زکوٰۃ واجب ہے۔ جہاں نماز وزکوٰۃ کی دلیل ہے، وہیں اس آیت میں دوسری بات کی بھی دلیل ہے۔ وہ ہے، توحید کی تفسیر۔ یہ وہ بنیاد ہے جس کے بغیر کسی کا اسلام درست نہیں ہو سکتا۔ ہر زمانے میں تمام کفار کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ کی بندگی کریں، اپنی عبادت کو اس کے لیے خالص کر کے، تمام ادیان باطلہ سے منھ موڑ کر دین اسلام کی طرف یکسو ہو کر۔ یہ توحید کی تفسیر ہے۔ جس طرح اللہ نے حکم دیا ہے، اسی طرح فرض نمازوں کو وقت پر قائم کرے۔ حکم الٰہی کے مطابق زکوٰۃ مستحقین کو ادا کرے۔ یہی صحیح دین ہے جو

(1434)سورۃ البینۃ:5۔

انبیاء پر اتارا گیا۔ یہ دین اسلام ہے جس کی اتباع ضروری ہے۔اس دین کے علاوہ کسی کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے کہ اس سے وہ سیدھی راہ کا ارادہ کرے۔[1435]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: مصنف رحمہ اللہ کا پہلے رکن کی حقیقت بیان کرنے پر اکتفاء:

شہادتین کے سلسلے میں رکن کی حقیقت کو مصنف نے تفصیل سے بیان کیا ہے کیونکہ ان دونوں کے معنی و مفہوم کو واضح کرنے کی سخت ضرورت تھی اور اکثر و بیشتر لوگوں کا اختلاف انھیں دونوں کے سلسلے میں پایا جاتا ہے۔بقیہ ارکان اسلام کے صرف دلائل کو ذکر کرنے پر اکتفا کیا۔ مصنف کا بیان ہے، بعض رسالے میں کہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کی معرفت نماز وروزہ کی فرضیت سے پہلے فرض ہے،اس لیے بندے پر اس کے معنی و مفہوم کی تحقیق ضروری ہے بلکہ نماز وروزہ کے مفہوم کی تحقیق سے زیادہ اہم ہے۔

1435)ینظر: حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، لابن قاسم (58)؛ تیسیر الوصول، د. عبد المحسن القاسم (139)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، د. صالح الفوزان (187)؛ المحصول من شرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ الغنیمان (146)؛ وتعلیات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (41)؛ وحصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (122)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اس کا اقرار کرے کہ ساری عبودیت اللہ کے لیے ہے۔ عبادت میں کسی نبی، کسی فرشتہ اور نہ کسی ولی کا حق ہے۔[1436]

دوسرا مسئلہ: جس امر و بیان پر آیت مشتمل ہے اس کی وضاحت۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں، یہ آیت اقامت نماز، ادائے زکوٰۃ پر جس طرح مشتمل ہے، اسی طرح توحید کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ اعمال میں نماز و زکوٰۃ کی اہمیت کے باوجود نہ قابل قبول ہو سکتے ہیں اور نہ توحید کے بغیر فائدہ مند ہو سکتے ہیں۔[1437] اور اس آیت میں اس کا بھی بیان ہے کہ یہ دین عقیدہ و عمل کے اعتبار سے سیدھا سچا دین ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی چاہے کہ راہ راست حاصل ہو جائے تو نہیں حاصل ہو سکتا۔[1438] مقصود یہ ہے کہ یہ آیت دو باتوں کی رہنمائی کرتی ہے:

پہلی بات: نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم ہے "وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ"، کیونکہ یہ دونوں ارکان اسلام میں ہیں جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

1436) الدرر السنية (121/2)۔

1437) تنبيه العقول إلى كنوز ثلاثة الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (648/2)۔

1438) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (50)۔

''يُقِيمُوا'' فعل معطوف ہے، ''لِيَعْبُدُوا'' فعل پر جس پر لام امر داخل ہے۔ عبارت ہو گی: لیعبد وا ولیقیموا ولیو توا. لفظ ''یُقِیمُوا'' امر کے طور پر ہے۔ امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی طرح لفظ ''یُؤتُوا'' میں نماز کو قائم کرنے کا حکم ہے اور زکوٰۃ دینے کا حکم ہے۔[1439] آیت میں اس بات کی تخصیص ہے کہ انھیں باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔[1440]

دوسری بات: توحید کی تفسیر ہے۔ وہ خدا کے سوا ہر ایک کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کرنا ہے "وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ"، حصر کے ساتھ اس کا حکم ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کرنا ہے، کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا ہے۔ یہ لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم ہے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور یہ اسی صورت میں مکمل ہو سکتا ہے جب تنہا اللہ ہی کی عبادت کی جائے۔[1441]

تیسرا مسئلہ: مقام توحید کا اہتمام۔

1439) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبداللہ بن صالح الفوزان (121)۔

1440) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن ابراھیم آل الشیخ (190)۔

1441) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبداللہ بن صالح الفوزان (121)۔

بعض ارکان اسلام نماز اور زکوٰۃ کے ضمن میں توحید کی تفسیر مقام توحید کے اہتمام کے پیش نظر ہے۔[1442] یہ تینوں مصنف کی نگاہ میں اہم ترین ارکان اسلام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب وسنت میں متعدد جگہوں پر دونوں کو جمع کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: { فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ}[1443]، اگر شرک سے توبہ کرلیں تو یہ اہم ترین اصول ہے کہ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے ۔اس کے بعد نماز قائم کرے۔ پانچوں نماز اسلام کا ستون ہیں۔ یہ توحید کے بعد اہم ترین فرض ہے۔اس کے ساتھ ساتھ کتاب وسنت میں زکوٰۃ کا بھی تذکرہ ہے۔[1444]

1442) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (41)۔

1443) سورۃ التوبۃ، الآیۃ (11)۔

1444) شرح الأصول الثلاثۃ، عبدالرحمن البراک (28)۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: روزہ کی دلیل یہ آیت ہے{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (183)}[1445] ، ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیا کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔ حج کی دلیل کے طور پر فرمانِ الٰہی ہے: {وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (97)}[1446]، ترجمہ: لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے بعض ارکان اسلام کے دلائل بیان کرنے کے بعد یہاں اسلام کے آخری دونوں رکن روزہ اور حج کو ذکر کیا ہے۔

1445)سورۃ البقرۃ:183۔

1446)سورۃ آل عمران:97۔

اسلام کے پانچوں ارکان میں سے ایک رمضان کے مہینے کا روزہ رکھنا ہے۔ روزہ سنہ ۲ھ میں فرض کیا گیا اور حج مکلف پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ اگر کوئی حج نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو ان کی ضرورت نہیں ہے بلکہ سارے لوگ اللہ کے محتاج ہیں۔[1447]

اس میں دو مسئلے زیر بحث ہیں۔

پہلا مسئلہ: روزہ اور حج کی تعریف۔

"صیام" روزہ کے معنی ہیں: طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کے پیش نظر روزہ کو توڑنے والی باتوں سے رکنا۔ اور حج کے معنی ہیں: مخصوص زمانے میں مناسک حج کی ادائیگی کے لیے مکہ کا ارادہ کرنا۔[1448]

دوسرا مسئلہ: روزہ اور حج کے دلائل۔

صاحب کتاب نے روزہ کے وجوب کی دلیل "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ" ہے۔ اس کے بعد حج کے وجوب کی دلیل سورۂ آل

1447) حاشية ثلاثة الأصول، لابن قاسم (59)؛ تيسير الوصول، د. عبدالمحسن القاسم (139)؛ شرح الأصول الثلاثة، عبدالعزيز الراجحي (71)۔

1448) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبدالله بن صالح الفوزان (123، 125)۔

عمران آیت ۹۷ ذکر کی ہے۔اس آیت میں لفظ "عَلَیٰ" وجوب کی دلیل ہے۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ اسلام ان ارکان کے بغیر نہیں ہے۔اسی سے پہلا مرتبہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ دوسرے اصول (دین اسلام کی معرفت دلائل کی روشنی میں) یہ اسلام کا مرتبہ ہے۔اسلام کے پانچ ارکان ہیں اور ہر رکن کے دلائل ہیں۔[1449]

اسلام کے پانچوں رکن میں سب سے اہم رکن شہادتین ہے۔ طالب علم پر لازم ہے کہ اصل الاصول کا اہتمام کریں۔وہ شہادتین کی تفسیر ہے۔شہادتین کے معنی دل میں واضح ہو، اسے سمجھنے والا ہو اور ان کے اوپر ان دلائل کو یاد کرنا ضروری ہے جن میں شہادتین کے معنی اوراس کی تفسیر ہے۔[1450]

1449)ینظر: شرح ثلاثة الأصول، د. محمد أمان الجامي(79)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (148)۔

1450)شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ(184،149)۔

صاحب کتاب لکھتے ہیں "دوسرا مرتبہ ایمان ہے۔ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں۔ان میں سب سے اعلیٰ لاالٰہ الا اللہ ہے اور ان میں ادنیٰ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ہے اور حیا ایمان کا اہم ترین شعبہ ہے۔ "

یہاں دوسرے مرتبے کا ذکر ہے۔ مرتبہ ایمان، مرتبۂ اسلام سے اعلیٰ ہے کیونکہ اس کا تعلق دل کے اعتقاد سے ہے۔ایمان کی معنی عمومی کے اعتبار سے ستر سے زائد شاخیں ہیں۔ان میں اعلیٰ وادنیٰ اور حیا کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔[1451]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: ایمان کے لغوی معنی۔

ایمان، امن سے مشتق ہے۔ لفظ ایمان کی اصل لغت کے اعتبار سے یہ ہے کہ تصدیق، اقرار یا عمل کے ذریعے امن حاصل کیا جائے۔ایمان کی تعریف کتب لغت میں تصدیق کے ساتھ مشہور ہے۔[1452] تصدیق کے ساتھ عمل کا ہونا ضروری ہے، ورنہ

1451) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (150)؛ حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، لابن قاسم (60)؛ تیسیر الوصول، د. عبدالمحسن القاسم (141)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، البراک (29)۔

1452) کتاب العین، للفراھیدي (40)؛ ومعجم مقاییس اللغۃ (71)؛ والصحاح، للجوھري (1524/2)۔

تصدیق بہتر نہیں ہے۔ صحاح میں ہے ''صدیق'' (سچا تعلق رکھنے والا دوست)۔ فسیق کی ضد ہے جس کے معنی ہیں، بہت بڑا گنہگار۔ صدیق وہ ہے جو ہمیشہ سچا تعلق رکھن ے والا ہو اور بات کی تصدیق عمل ہی سے ہوتی ہے۔[1453] چنانچہ ایمان اس پکے یقین کا نام ہے جس کے ساتھ ایسا عمل جڑا ہو کہ اس سے مومن مامون و محفوظ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کے بھائیوں سے اپنے والد کو جو خبر دی تھی، اسے بیان فرمایا ہے {وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ }[1454]، ترجمہ: ''آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے، چاہے ہم سچے ہی ہوں۔'' اس لیے کہ آپ ہماری گرفت ہمارے کیے پر نہ کیجیے۔[1455]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان محض تصدیق کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ اطاعت و فرماں برداری لازم ہے۔ اسی طرح ''ھُدیٰ'' محض حق کو جان لینے کا نام نہیں ہے

1453) الصحاح، للجوهري (1144/2)۔

1454) سورة يوسف، الاية (17)۔

1455) شرح العقيدة الطحاوية، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (2/34-37)۔

بلکہ اس کے پیچھے عمل کا ہونا ضروری ہے۔اس لیے صرف تصدیق سے ایمان کا ہونا ثابت نہیں ہوگا۔[1456]

دوسرا مسئلہ: ایمان کی شرعی تعریف۔

شرعی اعتبار سے ایمان کے دو معنی ہیں۔

پہلا عام: جو دین کے تینوں مراتب کو عام ہو۔اعمال ظاہری، اعمال باطنہ اور مرتبہ احسان پر مشتمل ہو۔شرعاً ایمان کی حقیقت ہے کہ ظاہر وباطن کے اعتبار سے پکا یقین ہو۔ اللہ کی عبادت اس شریعت کی روشنی میں ہو جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے، بطور مشاہدہ یا بطور مراقبہ۔[1457] اگر لفظ ایمان مطلق بولا جائے تو اسلام شامل نہیں ہوگا کیونکہ اسلام تمام مراتب دین کو عام ہے۔ایمان اپنے عام معنی کے اعتبار سے ان تمام چیزوں کی تصدیق کا نام

1456) الصلاۃ وأحکام تارکھا (56)۔

1457) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (38)۔

ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔اس کے ساتھ وہ ارکان اسلام بھی شامل ہو جسے لے کر نبی ﷺ مبعوث کیے گئے۔[1458]

دوسرا خاص : باطنی عقیدے کو کہتے ہیں۔ یہی معنی اس صورت میں مقصود ہے جب ایمان کے ساتھ اسلام واحسان جڑا ہوا ہو اور یہ دین کے دوسرے مرتبے کے مناسب ہے اور وہ ہے باطنی عقیدہ۔اللہ پر ایمان، فرشتوں، آسمانی کتابوں، رسولوں، آخرت اور اچھی و بری تقدیر پر ایمان۔[1459]

ایسی صورت میں ایمان کے دو معنی ہیں : عام اور خاص۔ عام معنی کے اعتبار سے ایمان، اعتقاد بالقلب، اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ہے۔ خصوصی معنی کے اعتبار سے اعتقاد قلبی کا نام ہے۔اس سے مذکورہ بالا چھ ارکان مراد ہیں۔ جب نصوص کتاب و سنت میں ایمان بولا جاتا ہے تو اس میں اسلام داخل ہوتا ہے اور جب اسلام بولا جاتا ہے تو

1458) ینظر: شرح ثلاثۃ الأصول، لابن باز (61)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ بن صالح الفوزان (126)۔

1459) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (38)؛ شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (153)۔

ایمان داخل نہیں ہوتا۔ اگر کسی کے لیے ایمان ثابت ہو جائے تو اسلام اس کے لیے خود بخود ثابت ہو جائے گا۔[1460] مسلمان در حقیقت وہی ہے جس کے اندر ایمان ہو، ورنہ وہ منافق ہے۔ وہ اس کا مستحق نہیں ہے کہ اس کی تعریف و توصیف بیان کی جائے بلکہ اس کا ایمان

1460) قال ابن رجب في جامع العلوم والحكم (1/1129): ومن هنا قال المحققون من العلماء: كل مؤمن مسلم، فإن من حقق الإيمان، ورسخ في قلبه، قام بأعمال الإسلام، كما قال صلى الله عليه وسلم: ألا وإن في [ص:109] الجسد مضغة، إذا صلحت، صلح الجسد كله، وإذا فسدت، فسد الجسد كله، ألا وهي القلب فلا يتحقق القلب بالإيمان إلا وتنبعث الجوارح في أعمال الإسلام، وليس كل مسلم مؤمنا، فإنه قد يكون الإيمان ضعيفا، فلا يتحقق القلب به تحققا تاما مع عمل جوارحه بأعمال الإسلام، فيكون مسلما، وليس بمؤمن الإيمان التام، كما قال تعالى: قالت الأعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولكن قولوا أسلمنا ولما يدخل الإيمان في قلوبكم (الحجرات: 14، ولم يكونوا منافقين بالكلية على أصح التفسيرين، وهو قول ابن عباس وغيره بل [ص:110] كان إيمانهم ضعيفا ويدل عليه قوله تعالى: وإن تطيعوا الله ورسوله لا يلتكم من أعمالكم شيئا (الحجرات: 14، يعني لا ينقصكم من أجورها، فدل على أن معهم من الإيمان ما يقبل به أعمالهم. وكذلك قول النبي صلى الله عليه وسلم لسعد بن أبي وقاص لما قال له: لم تعط فلانا وهو مؤمن، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أو مسلم يشير إلى أنه لم يحقق مقام الإيمان، وإنما [ص:111] هو في مقام الإسلام الظاهر، ولا ريب أنه متى ضعف الإيمان الباطن، لزم منه ضعف أعمال الجوارح الظاهرة أيضا.

ناقص ہے۔[1461] ایمان کا مرتبہ ایک حیثیت سے اسلام کے مرتبہ سے عام ہے اور دوسری حیثیت سے دیکھا جائے تو خاص ہے۔[1462] ایمان اس اعتبار سے خاص ہے کہ توحید کے

1461) قال ابن تیمیةؒ في کتاب الإیمان (190): من لم یکن من المؤمنین حقًا، یقال فیه: إنه مسلم، ومعه إیمان یمنعه الخلود في النار، وهذا متفق علیه بین أهل السنة، لکن هل یطلق علیه اسم الإیمان؟ هذا هو الذي تنازعوا فیه. فقیل: یقال: مسلم، ولا یقال: مؤمن. وقیل: بل یقال: مؤمن. والتحقیق أن یقال: إنه مؤمن ناقص الإیمان، مؤمن بإیمانه، فاسق بکبیرته، ولا یعطی اسم الإیمان المطلق، فإن الکتاب والسنة نفیا عنه الاسم المطلق، واسم الإیمان یتناوله فیما أمر الله به ورسوله؛ لأن ذلک إیجاب علیه وتحریم علیه، وهو لازم له کما یلزمه غیره، وإنما الکلام في اسم المدح المطلق، وعلى هذا فالخطاب بالإیمان یدخل فیه ثلاث طوائف: یدخل فیه المؤمن حقا، ویدخل فیه المنافق بأحکامه الظاهرة،.... وهو في الباطن ینفي عنه الإسلام والإیمان، وفي الظاهر یثبت له الإسلام والإیمان الظاهر. ویدخل فیه الذین أسلموا وإن لم تدخل حقیقة الإیمان في قلوبهم، لکن معهم جزء من الإیمان والإسلام یثابون علیه۔

1462) حاشیة ثلاثة الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (60)؛ وتیسیر الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبدالمحسن القاسم (142)۔

ساتھ عمل کا ہونا ضروری ہے اور اسلام اس لحاظ سے تمام ہے کہ توحید کے ثبوت کے ساتھ ملت کفر سے نکلنا ضروری ہے۔[1463]

حاصل کلام یہ ہے کہ ایمان، اسلام اور احسان کی تعریف اس صورت میں مختلف ہے جب ایک کا دوسرے سے موازنہ کیا جائے لیکن جب ہر ایک کی الگ الگ تعریف کی جائے تو اسلام، ایمان اور احسان دونوں پر مشتمل ہوگا۔ ایمان، اسلام اور ایمان دونوں پر مشتمل ہوگا۔ بہر حال جب ایک جگہ تینوں جمع ہو جائیں جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے تو اسلام اعمال ظاہرہ کے ساتھ مخصوص خواہ قول ہو یا فعل، ایمان اعمال باطنہ کے ساتھ خاص ہے اور احسان کمال اور ان دونوں کی غایت اعمال ظاہرہ واعمال باطنہ پر مشتمل ہوگا۔[1464]

تیسرا مسئلہ: ایمان کے شعبے۔

مصنف رحمہ اللہ نے یہاں دین کے دوسرے مرتبے کو بیان کیا ہے۔ وہ ہے، ایمان کا مرتبہ۔ ایمان سے متعلق تین باتوں کو بیان کرنا فرمایا، ایمان کے شعبوں کی تعداد،

1463) ینظر: کتاب الإیمان، لابن تیمیة (249)۔

1464) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (51)۔

ایمان کے ارکان کی تعداد اور ان ارکان کے دلائل کو۔[1465] چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں۔ان میں اعلیٰ لا الہٰ الا اللہ ہے، ادنیٰ راستہ ہے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا اور حیا ایمان کا اہم ترین شعبہ ہے۔اس اعتبار سے ایمان کی عمومی تعریف اسلام میں داخل ہے۔[1466]

مصنف رحمہ اللہ نے ایمان کی توضیح نبی کریم ﷺ کے فرمان کی روشنی میں کی ہے ۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں۔[1467] یہ ایمان کی تعریف حدیث نبوی ﷺ سے ہے۔اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں اسلام، ایمان، احسان، بر و تقویٰ، صلوٰۃ اور زکوٰۃ وغیرہ کے معنی و مفہوم شریعت سے ماخوذ ہیں، نہ کہ زبان عرب سے۔[1468]

1465) ینظر: شرح الأصول الثلاثة، خالد الأنصاري (44)۔

1466) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (154)۔

1467) جاء في صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب شعب الإیمان، عن أبي هریرة، قال: قال رسول الله.. الإیمان بضع وستون شعبة والحیاء شعبة من الإیمان۔

1468) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (52)۔

''بِضْعٌ'' أسماء عدد میں ہے جس کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے۔ ''شعبہ'' کے معنی جزء اور خصلت کے ہیں۔ ایمان کی تمثیل ان درختوں سے دی گئی ہے جس کی متعدد شاخیں ہوں۔ آپ ﷺ نے اعلیٰ، ادنیٰ اور اہم شعبے کی بھی تمثیل بیان کی ہے۔[1469]

سب سے اعلیٰ شاخ ''لا الٰہ الا اللہ'' کا زبان سے اقرار ہے لیکن ظاہر ہے، اس میں تصدیق بالقلب بھی شامل ہے۔

ادنیٰ شعبہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔ یہ اعضاء و جوارح کا عمل ہے۔ اس سے ایمان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اگر اعمال کو ایمان کی حقیقت سے نکال دیا جائے تو نصوص شرعیہ کے خلاف ہوگا۔

حیا، ایمان کا اہم شعبہ ہے۔ حیا دل کا عمل ہے جس کے نتائج و ثمرات اعمال و جوارح سے ظاہر ہوتے ہیں۔

1469) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (154)؛ حاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (61)؛ الشرح الصوتي: (تعليقات على ثلاثة الأصول)، اح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1441 هجريا۔

حدیث میں ایمان کے قولی، عملی اور قلبی شعبے کو بیان کیا گیا۔[1470] حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان دل، زبان اور جوارح تینوں میں ہوتا ہے۔[1471] کلمۂ توحید کا تعلق قول سے، راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینے کا تعلق عمل سے اور حیا کا تعلق دل سے ہے۔ یہ انتہائی بلیغ تشبیہ و تمثیل ہے۔[1472]

چوتھا مسئلہ: ایمان قول و عمل کا نام ہے۔

شرعی ایمان:

قول و عمل، دل و زبان سے اقرار کرنے اور دل و زبان اور جوارح سے عمل کرنے کا نام ہے۔ اطاعت سے بڑھتا اور گناہوں سے گھٹتا ہے۔ اس پر سلف کا اتفاق ہے۔ اختلاف صرف لفظی تعبیر سے ہے لیکن انجام کے اعتبار سے قول و عمل کا نام ہے۔[1473] اس میں تمام مامورات، خواہ واجبات ہوں یا مستحبات، داخل ہیں اور اس میں تمام منہیات کا چھوڑنا شامل

1470) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (155)۔

1471) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (53)۔

1472) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (155)۔

1473) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (53)۔

ہے، خواہ مکمل طور پر اصول دین کے منافی ہو یا نہ ہو۔ جو بھی اطاعت کی صفات ہیں اور جو بھی محرمات کے قبیل کی ہیں، وہ ایمان ہے۔[1474]

ایمان چار چیزوں پر مشتمل ہے :

۱ ۔دل سے اقرار

۲ ۔زبان سے اقرار

۳ ۔دل کے اعمال (خوف، رغبت، رہبت، محبت اور رجاء)

۴ ۔اعضاء و جوارح کے اعمال جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج۔[1475]

1474) حاشیۃ ثلاثۃ الاصول، عبد الرحمن بن قاسم (60)۔

1475) شرح الاصول الثلاثۃ، عبد العزیز الراجحي (72)۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ایمان کے ارکان چھ ہیں: اللہ پر ایمان، ..."

اس سے پہلے مصنف رحمہ اللہ نے ایمان کے مرتبے کو بیان کیا ہے۔اس کے عمومی معنی کے اعتبار سے اسلام کا ذکر کیے بغیر جو قول، عمل اور اعتقاد پر مشتمل ہے۔رہا وہ ایمان جس میں اسلام بھی شامل ہے، اس کا ذکر یہاں کیا ہے۔[1476] ایمان کے وہ اصول وارکان جن سے ایمان مرتکب ہوتا ہے اور جن کے نہ ہونے سے ختم ہو جاتا ہے، وہ چھ ہیں۔جو اس کے علاوہ شعبے ہیں، ان کے زائل ہونے سے ایمان زائل نہیں ہوتا۔ایمان کا پہلا رکن، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔اللہ کے وجود پر ایمان لانا کہ وہ اپنی ربوبیت میں اکیلا ہے۔اپنی الوہیت، عبادت کے استحقاق میں تنہا ہے اور اسماء وصفات میں یکتا ہے۔اللہ پر ایمان لانا توحید کی شرح ہے۔اللہ پر ایمان، رکن اعظم اور بنیاد ہے۔باقی ارکان اس رکن عظیم میں شامل ہے۔[1477]

اس میں درج ذیل مسائل زیر بحث ہیں۔

پہلا مسئلہ: ایمان اپنے خاص معنی میں۔

(1476)شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح(53)۔

(1477) حاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (61)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (157)؛ تيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم(144)۔

یہاں ایمان سے اعتقاد مراد ہے۔ مصنف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ارکان چھ ہیں، اس حیثیت سے ہے کہ ایمان کے ساتھ اسلام بھی شامل ہے اور ارکان ایمان اور شعب ایمان میں کوئی منافات نہیں ہے، اس لیے کہ ایمان سے مقصود جب اعتقاد ہو تو چھ ارکان ہیں، لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ایمان ان اعمال، اقسام واجناس کا نام ہے تو اس کی ستر سے زائد شاخیں ہیں۔ ارکان سے مراد امور اعتقادیہ ہیں اور یہی ایمان کی بنیاد ہیں۔ ایمان کی ستر شاخیں ہیں۔اس سے مراد اعمال خیر ہیں۔[1478] شعبے ایسے احکام کا نام ہے جو قول و عمل سے ثابت ہوتے ہیں اور ارکان ایسی خبر کا نام ہے جو تصدیق سے ثابت ہوتے ہیں۔[1479]

دوسرا مسئلہ: ایمان کے ارکان چھ ہیں۔

"ارکان" رکن کی جمع ہے۔ رکن اسے کہتے ہیں جس پر کوئی چیز قائم ہوتی ہے۔ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان اوصاف میں سے اگر کوئی بھی وصف نہیں ہے تو ایمان کے وصف میں نقص و کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے کوئی اللہ، فرشتوں، آسمانی کتابوں، رسولوں اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے لیکن تقدیر پر ایمان نہیں ہے تو وہ مومن نہیں ہے اور نہ وصف

1478) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (129)۔

1479) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد الأنصاري (46)۔

ایمان کا مستحق ہے۔اس لیے کہ ارکان ایمان میں ایک رکن ختم ہو گیا جس کے بغیر ایمان ثابت نہیں ہوتا۔[1480] ارکان اسلام میں شہادتین اور نماز وغیرہ پر اکتفا کیا جائے تو اختلاف رائے ہے لیکن ارکان ایمان میں ایک رکن بھی نہ ہو تو ایمان نہیں ہو گا۔ ممکن ہے کہ بعض ارکان اسلام کی کمی کی وجہ سے مسلمان کہلائے لیکن اگر ایک رکن بھی نہیں ہے تو وہ مومن نہیں کہلائے گا۔[1481]

ان چھ ارکان پر ایمان اجمالی طور پر مکلف پر فرض عین ہے۔رہا اس کی معرفت اور اس پر تفصیلی ایمان، تو فرض کفایہ ہے، لیکن جن لوگوں کو ان تفصیلات میں سے کسی بھی چیز کا علم ہو گیا تو اس پر ایمان فرض عین ہے۔ایمان، علم کے بقدر فرض ہے۔ جتنا علم ہے،اس پر ایمان ضروری ہے، ورنہ مومن نہیں ہو گا۔ جس قدر علم نہیں ہے،اس کا تعلق علم اور دلیل کے پہنچنے سے ہے۔لہٰذا جسے علم نہیں پہنچا تو جتنا پہنچا ہے،اس کے اعتبار سے وہ مومن اور مسلم ہے۔[1482]

1480)شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح(53)۔

1481)ینظر: شرح الأربعین النوویة، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(57)۔

1482)شرح الأصول الثلاثة، عبد الرحمن بن ناصر البراک(30)۔

تیسرا مسئلہ: اللہ پر ایمان۔

اللہ پر ایمان کی تین قسمیں ہیں :

پہلی قسم:

اس اعتبار سے ایمان کہ اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت میں اکیلا ہے۔ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ ہمارے وجود کا پالنہار اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہی خالق، وہی مدبر اور وہی تصرف کرنے والا ہے۔ اس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں۔ نہ کوئی زندگی اور موت کا مالک ہے۔ نہ کوئی خالق اور نہ رازق ہے۔ یہی ہے توحید ربوبیت۔

دوسری قسم:

اللہ تعالیٰ پر ایمان اس حیثیت سے کہ وہ تنہا معبود ہے۔ عبادت کا مستحق وہی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، خواہ جو بھی عبادت ہو۔ اس لیے غیر اللہ سے دعا کرنا اور اس کی عبادت پر ایمان رکھنا باطل ہے۔[1483]

تیسری قسم:

1483) تیسیر الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (144)۔

اس طور پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء وصفات میں اکیلا ہے۔ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اسمائے حسنیٰ اور بلند صفات میں وہی تمام کمال کی صفت کا مستحق ہے۔ نہ اس کے نام جیسا کسی کا نام ہے اور نہ اس کی صفات جیسی کسی کی صفات ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود بیان کیا ہے {لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (11)}[1484]، ترجمہ: "کائنات کی کوئی چیز اس کے جیسی نہیں۔ وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے"۔

اللہ پر ایمان کے لیے اتنا ایمان ضروری ہے کہ اللہ ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے۔ وہ ہمارا رب اور معبود ہے۔ اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔ وہ بلند صفات کا مالک ہے جو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔[1485]

1484) سورۃ الشوری، الآیۃ (11)۔

1485) تعلیقات علی ثلاثۃ الاصول، صالح بن عبد اللہ العصیمی (39)، والتنبیھات السنیۃ علی العقیدۃ الواسطیۃ، عبد العزیز الناصر الرشید (20)، ناشر: دار الرشید، ط. الثانیۃ: 1416 ھجریا؛ وتوضیح مقاصد العقیدۃ الواسطیۃ، عبد الرحمن بن ناصر البراک (30)، إعداد: عبد الرحمن بن صالح السدیس، ناشر: دار التدمیرۃ، ط. الاولی: 1427 ھجریا۔

مصنف ﷫ فرماتے ہیں: اور فرشتوں پر ایمان۔

یہ ایمان کا دوسرا رکن ہے۔ فرشتوں کی صفات یہ ہیں کہ وہ معزز بندے ہیں۔ اللہ نے ان کو نور سے پیدا کیا ہے۔ حکم ہوتے ہی فوراً تعمیل کرتے ہیں۔ اللہ کی ایک مخلوق ہیں۔ ان میں ربوبیت اور الوہیت کی خصوصیات نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمے دنیا کے مختلف کام لگائے ہیں۔ کتاب وسنت میں جس طرح ان کے اوصاف بیان ہوئے ہیں، ان پر ایمان ہو۔ چنانچہ جبریل؈، میکائیل، اسرافیل، مالک اور رضوان وغیرہ پر ایمان اسی طرح ہو جس طرح ثابت ہے۔[1486]

اس ذیل میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: ملائکہ کی تعریف۔

ملک (ج) مَلَائِكَةٌ. جس کے معنی ہیں، پیغام رساں۔ اس کی اصل مألک ہے۔ الوک سے ماخوذ ہے جس کے معنی پیغام رساں ہیں۔ قلب کرکے لام کو مقدم کیا گیا اور ملاک کہا گیا ۔ پھر آسانی کی گئی اور کثرت استعمال کی وجہ سے ہمزہ کی تخفیف کی گئی اور ملک کہا گیا۔ جمع

1486) حاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (62)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (158)؛ تيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (144)۔

ملائک و ملائکہ ہے۔[1487] چونکہ ملائکہ اللہ کا حکم کائنات کے ذرہ ذرہ کو پہنچاتے ہیں اور مخلوق و خالق کے درمیان واسطہ ہیں اور ملائکہ پر نظام کائنات کا مدار ہے، مختلف خدمتیں فرشتوں ہی کے متعلق ہیں، اس لیے ان کو ملائکہ کہتے ہیں۔[1488]

فرشتے عالم غیب میں اللہ کی ایک مخلوق ہیں۔ اللہ نے ان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور اپنے حکم کے نفاذ کے لیے ان کی مختلف صنف ہیں۔ ہر صنف کا عمل ہے جسے وہ انجام دیتے ہیں۔ وہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ فرشتوں کی بے شمار تعداد ہے جسے اللہ ہی جانتا ہے۔ اس کی دلیل حدیث اسراء ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "فرفع لي البيت المعمور، فسألت جبريل، فقال هذا البيت المعمور يصلي فيه كل يوم سبعون ألف ملك، إذا خرجوا لم يعودوا إليه"[1489]، ترجمہ: "مجھے بیت

1487) ینظر: الصحاح، للجوهري (1215/2)۔

1488) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (157)۔

1489) أخرجه البخاري، كتاب: بدء الخلق، باب: ذكر الملائكة، برقم (3207)؛ وأخرجه مسلم، كتاب الإيمان، باب: الإسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم، برقم (259)۔

معمور لے جایا گیا۔ میں نے جبریلؑ سے دریافت کیا۔ انھوں نے کہا، یہ بیت معمور ہے جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔ پھر دوبارہ ان کو عبادت کا موقع نہیں ملتا۔

دوسرا مسئلہ: فرشتوں پر اجمالی بیان۔

جس قدر فرشتوں پر ایمان کافی ہے، وہ ہے اجمالی بیان کہ فرشتے ایک مخلوق ہیں۔ اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔ بعض فرشتے وہ ہیں جن کے ذریعے انبیاءؑ پر وحی نازل ہوتی ہے [1490]۔

چنانچہ جس قدر فرشتوں پر ایمان کافی ہے وہ یہ ہے کہ وہ موجود ہیں، اور وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی عبادت نہیں کی جاتی ہے۔[1491]

اس کے بعد تفصیلی ایمان کا نمبر آتا ہے۔ تفصیلی ایمان لوگوں کے علم کے اعتبار سے ہے، مثلاً فرشتوں کے ان اوصاف واحوال، مقام ومرتبہ اور اعمال (جو ان کے سپرد ہیں) کا علم۔ اگر

1490) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (158)؛ تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (43)۔

1491) شرح العقيدة الطحاوية، صالح آل الشيخ (611/2)، ناشر: دار المودة، ط:1، 1431ھ۔

کسی کو کتاب و سنت سے اس کا علم ہو گیا تو اس پر ایمان واجب ہے لیکن اصلاً اس رکن کی تحقیق اجمالی ایمان کے اعتبار سے ہے۔[1492]

تیسرا مسئلہ: فرشتوں پر تفصیلی ایمان۔

ہر اس چیز کو شامل ہے جس کی خبر اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے۔ خاص طور پر چار باتیں اس میں شامل ہیں۔[1493]

پہلی بات:

ان کے وجود پر ایمان اور اس بات پر ایمان کہ اللہ کی عبادت کرنے والی حکم کی پابند مخلوق ہے۔

دوسری بات:

جن فرشتوں کا نام معلوم ہے، اس پر ایمان اور جن کا نہیں معلوم ہے، ان پر اجمالی ایمان۔

کتاب و سنت کی عبارتوں سے بعض فرشتوں کے نام معلوم ہیں، مثلاً جبریل، میکائیل،

(1492) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (158)۔

(1493) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن صالح العثیمین (90-92)۔

اسرافیل۔[1494] منکر اور نکیر۔[1495] مالک۔[1496] یہ وہ فرشتے ہیں جن کے نام ہمیں معلوم ہیں اور ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ رہے باقی فرشتے جن کے نام ہمیں معلوم نہیں ہیں، ان پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں۔

تیسری بات:

جن ہیئت وصفت کا علم ہے، اس پر ایمان۔ جیسے جبریل ؑ کی صفت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس صفت پر دیکھا جس پر پیدا کیے گئے ہیں۔ ان

1494) عن عائشة، أنها قالت: قال رسول الله... اللَّهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيلَ، وَمِيكَائِيلَ، وَرَبَّ إِسْرَافِيلَ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ حَرِّ النَّارِ، وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، أخرجه النسائي، كتاب: الاستعاذة، برقم(7905)، وصححه الألباني في الصحيحة(1544)۔

1495) جاء في الحديث (إذا قبر الميت، اتاه ملكان أسوادان زرقاوان، يقال لأحدهما، المنكر، وللآخر: النكير). أخرجه الترمذي، باب: ماجاء في باب الجنائز، برقم(1071)، وقال (حديث حسن غريب)؛ وأخرجه ابن حبان في صحيحه، ذكر الإخبار عن اسم الملكين الذين يسلان الناس في قبورهم، برقم(3117)؛ وصححه الألباني في صحيحه(1391)۔

1496) قال تعالى (وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُم مَّاكِثُونَ) الزخرف: 77؛ وفي الحديث الصحيح أن النبي قال: رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِي قَالَا الَّذِي يُوقِدُ النَّارَ مَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ، وَأَنَا جِبْرِيلُ وَهَذَا مِيكَائِيلُ. أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب بدء الخلق، برقم(3236)"۔

کے چھ سو بازو ہیں۔[1497] کبھی فرشتہ وحی الٰہی کو انسانی شکل میں لے کر آئے ہیں جیسا کہ جبریلؑ، مریمؑ اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے۔ اسلام، ایمان، احسان، قیامت اور اس کی علامتوں سے متعلق سوال کرنے اور جواب سننے کے بعد واپس چلے گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا "یہ جبریلؑ تھے جو تم لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے۔"[1498] حدیث میں ان فرشتوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو حاملین عرش ہیں کہ ان کے کان کی لو سے لے کر ان کے کاندھے کا فاصلہ سات سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔[1499]

چوتھی بات:

ان کے اعمال و وظائف پر ایمان جن کو وہ اللہ کے حکم سے انجام دیتے ہیں، جیسے تسبیح، رات و دن تھکان کے بغیر عبادت۔ بعض وہ فرشتے ہیں جن کی مختلف ذمے داریاں ہیں، جیسے

1497) أخرجه البخاري، كتاب: بدء الخلق، باب: إذا قال أحدكم: آمين والملائكة في السماء، آمين، برقم (3232)؛ وأخرجه مسلم، كتاب: الإيمان: باب: في ذكر سدرة المنتهى، برقم (280)۔

1498) سيأتي تخريجه ص (385)۔

1499) رواه أبو داود في سننه، كتاب: السنة، برقم (4727)، وللحديث شاهد من حديث أنس، رواه الطبراني في الأوسط (425/2)؛ وصححه الحافظ في الفتح (665/8)۔

جبریلؑ کی ذمہ داری انبیاء اور رسولوں پر وحی لانے کی تھی۔ میکائیلؑ بارش برسانے اور پودے اگانے پر مامور ہیں۔ اسرافیلؑ صور پھونکیں گے۔ ملک الموت روح قبض کرنے پر مامور ہیں۔[1500] مالک جہنم کے داروغہ ہیں۔ بعض جنت کے داروغہ ہیں۔[1501] بعض پہاڑوں کے۔[1502] بعض رحم مادر میں جو بچہ ہے، اس پر مامور ہیں۔ جب بچہ چار مہینے کا

1500) قال تعالی: (قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ) سورہ السجدۃ: 11۔

1501) قال تعالی: وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ. سورۃ الزمر: 73۔

1502) جاء في حديث عائشة، أنها قالت للنبي: يارسولَ اللهِ، هل أتى عليكَ يومٌ كان أشدَّ من يومِ أُحُدٍ؟ فقال: لقد لَقِيتُ من قومِكِ وكان أشدَّ ما لقيتُ منهم يومَ العقبةِ، إذ عرضتُ نفسي على ابنِ عبدِ يالِيلَ بنِ عبدِ كُلالٍ فلم يُجبني إلى ما أردتُ، فانطلقتُ وأنا مهمومٌ على وجهي، فلم أستفِقْ إلا بقرنِ الثعالبِ، فرفعتُ رأسي فإذا أنا بسحابةٍ قد أظلَّتني فنظرتُ فإذا فيها جبريلُ، فناداني، فقال: إنَّ اللهَ عزَّ وجلَّ قد سمع قولَ قومِك لك، وما ردُّوا عليك، وقد بعث إليك ملكَ الجبالِ لتأمرَه بما شئتَ فيهم، قال: فناداني ملكُ الجبالِ وسلَّم عليَّ، ثم قال: يا محمدُ، إنَّ اللهَ قد سمع قولَ قومِك لك، وأنا ملكُ الجبالِ وقد بعثني ربُّك إليك لتأمرَني بأمرِك، فما شئتَ، إن شئتَ أن أُطبِقَ عليهم الأخشبَينِ، فقال له رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم: بل أرجو أن يُخرِجَ اللهُ من أصلابِهم من يعبدُ اللهَ وحده لا يُشركُ به شيئًا. أخرجه البخاري، كتاب: بدء الخلق، باب: إذا قال أحدكم: آمين

ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتے کو بھیجتا ہے اور اسے رزق، عمر، عمل اور نیک ہو گا کہ بد، لکھنے کا حکم دیتا ہے۔[1503] بعض فرشتے ہر شخص کے اعمال کو لکھنے پر مامور ہیں۔ ہر شخص کے کاندھے پر دو فرشتے ہوتے ہیں۔ ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب۔[1504] بعض فرشتے میت سے سوال کرنے پر مامور ہیں۔ جب میت قبر میں رکھی جاتی ہے تو دو فرشتے آتے ہیں۔ وہ رب، دین اور نبی کے بارے میں پوچھتے ہیں۔[1505] بعض فرشتے جمعہ

والملائكة في السماء، آمين، برقم (3231)؛ وأخرجه مسلم، كتاب: الجهاد والسير، باب: مالقي النبي من أذى المشركين، برقم (1795)۔

1503) أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب: بدء الخلق، باب: ذكر الملائكة، برقم (3208)؛ وأخرجه مسلم، كتاب: القدر، باب: كيفية خلق الآدمي في بطن أمه، برقم (2643)۔

1504) قال تعالى (وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ. (10) كِرَامًا كَاتِبِينَ) (سورة الانفطار: 10، 11)؛ وقال تعالى: (إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ)، سورة: ق: 17-18۔

1505) سبق تخريجه۔

کے دن خطیب کے آنے سے پہلے نام لکھنے پر مامور ہیں۔[1506] بعض فرشتے گلی کوچے میں چکر لگاتے ہیں اور ذکر کی مجلس کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔[1507] بعض فرشتے سفر و حضر ہونے اور جاگنے میں حفاظت پر مامور ہیں۔ یہ معقبات ہیں۔[1508] غرض یہ کہ جن کا ذکر اللہ اور رسول نے کیا ہے، ان پر اسی کے مطابق ایمان ضروری ہے۔[1509]

1506) جاء في صحيح مسلم، كتاب: الجمعة، باب: فضل التهجير يوم الجمعة، أن رسول الله قال: إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ كَانَ عَلَى كُلِّ بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ مَلَائِكَةٌ يَكْتُبُونَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ فَإِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ طَوَوْا الصُّحُفَ وَجَاءُوا يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ۔

1507 أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب: الدعوات، باب: فضل ذكر الله عز وجل، برقم (6408)؛ ومسلم، كتاب: الذكر والدعاء، باب: فضل مجالس الذكر، برقم (2689)۔

1508) قال تعالى: لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ. الرعد: 11۔

1509) ينظر: معارج القبول بشرح سلم الوصول إلى علم الأصول، للشيخ حافظ حكمي (658/2)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله بن صالح الفوزان (132)۔

مصنف ﷫ فرماتے ہیں اور کتابوں پر ایمان۔

ایمان کا تیسرا رکن ان آسمانی کتابوں پر ایمان ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے رسولوں پر اتارا ۔جن میں ہدایت، روشنی اور دلائل ہیں، جن سے بندوں کی اصلاح ہوتی ہے، جو انسانوں کی ہدایت ورحمت کا ذریعہ ہیں، جن کے ذریعے سعادت دارین کی رسائی ہوتی ہے۔[1510] آسمانی کتابیں تورات، انجیل، زبور، صحف ابراہیم وموسیٰ اور قرآن ہیں۔ قرآن سب سے افضل، تصدیق کرنے والی اور تمام کتابوں پر مہیمن ہے۔[1511]

یہاں دو مسئلے زیر بحث ہیں۔

پہلا مسئلہ: کتابوں پر اجمالی ایمان۔

کتابوں پر اتنا ایمان لازمی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن رسولوں پر اپنی مشیت سے کتابیں نازل کیں، وہ اللہ کا کلام ہیں۔ انھیں میں قرآن مجید ہے۔

(1510) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (132)۔

(1511) تیسیر الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم 45)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبد الرحمن بن ناصر البراک (31)۔

یہ ساری کتابیں برحق ہیں اور ان تمام کتابوں کو منسوخ کرنے والی کتاب قرآن مجید ہے ۔[1512]

اس قدر ایمان لانا دلائل وعلم کی روشنی میں واجب ہے۔اگر اتنا بھی ایمان نہ ہو تو وہ مومن نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ: کتابوں پر تفصیلی ایمان۔

تفصیلی ایمان ان چار باتوں پر مشتمل ہے۔[1513]

پہلی بات: اس بات پر ایمان کہ ان کتابوں کو یقیناً اللہ تعالیٰ نازل کیا ہے۔ یہ ساری کتابیں اللہ کا کلام ہیں، حتیٰ کہ تورات کلام الٰہی ہے لیکن آج وہ تحریف شدہ اور بدلی ہوئی ہے۔

(1512) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (159)؛ تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (39)۔

(1513) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن صالح العثیمین (94-95)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (132-133)؛ وشرح الأربعین النوویۃ، محمد بن صالح العثیمین (44)، ناشر، دار الثریا، الریاض، ط. الأولی: 1424 ھجریا۔

دوسری بات: اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کا نام بتایا اور سکھایا ہے، جیسے قرآن جس کو ہمارے نبی محمد ﷺ پر نازل کیا۔ تورات موسیٰؑ پر نازل کی گئی۔ انجیل عیسیٰؑ پر نازل کی گئی۔ زبور داؤدؑ کو دی گئی اور صحیفے ابراہیم اور موسیٰؑ پر نازل کیے گئے۔ رہی وہ کتابیں جن کا نام معلوم نہیں ہے، ان پر اجمالی ایمان لائیں۔

تیسری بات: اس پر ایمان کہ جو ان میں خبریں دی گئی ہیں، وہ سچی ہیں۔ جیسے قرآن کی خبریں اور سابقہ کتابوں کی وہ خبریں جو بدلی ہوئی اور تحریف شدہ نہیں ہیں، جیسے رجم کا حکم۔

چوتھی بات: غیر منسوخ احکام پر عمل کرنا، اس سے راضی ہونا اور اس کو قبول کرنا، خواہ ہمیں اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جن باتوں کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان پر عمل کرنا۔ جن باتوں سے منع کیا گیا ہے، ان سے رک جانا۔ سابقہ تمام کتابیں قرآن عظیم کی وجہ سے منسوخ کردی گئی ہیں کیونکہ قرآن کی حفاظت کی ذمے داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔

ارشاد باری ہے { وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ}[1514]، ترجمہ: ”پھر اے نبی! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب

(1514) سورۃ المائدۃ، الآیۃ (48)۔

بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے، اس کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی محافظ و نگراں ہے۔“

اس بنیاد پر سابقہ کتابوں کے احکام میں سے کسی حکم پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، سوائے اس حکم کے جس کو قرآن نے صحیح قرار دیا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ سابقہ کتابوں پر عمومی ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسولوں پر نازل کیا۔ پھر قرآن پر خصوصی ایمان لائیں کہ وہ اللہ کا کلام ہے، شروع سے آخر تک۔ وہ قیامت تک لوگوں کے خلاف حجت اللہ ہے۔ اس کی خبروں کی تصدیق واجب ہے۔ اس کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جس نے قرآن کے علاوہ سے فیصلہ کیا، اس نے اپنے نفس سے فیصلہ کیا اور اس چیز سے فیصلہ کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کیا۔ قرآن مجید کی وجہ سے تمام پیغامات اور تمام کتابیں منسوخ کر دی گئیں۔ قرآن ان تمام کتابوں کا محافظ ہے۔ یہ قرآن کی خصوصیات ہیں جن سے دوسری کتابیں خالی ہیں۔[1515] اگر فرض

1515) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (159)۔

کرلیا جائے کہ تورات وانجیل وغیرہ کے بعض نسخے صحیح ہیں، پھر بھی اس پر بھروسا نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ساری کتابیں اوران کے احکام قرآن کی وجہ سے منسوخ ہیں۔[1516]

1516) الشرح الصوتي، ثلاثة الأصول وأدلتها، للشیخ صالح بن عبداللہ العصیمي، 1441 ھجریہ۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور رسولوں پر ایمان۔

ایمان کا چوتھا رکن ہے کہ تمام انبیاء اور رسولوں پر ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے بے شمار رسولوں کو بھیجا، اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا حکم دینے اور شرک سے منع کرنے کے لیے۔ یہ انسان ہیں، مخلوق ہیں۔ ان میں ربوبیت و الوہیت کی خصوصیات نہیں پائی جاتیں۔ یہ سب سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر لائے ہیں اور ان پر ایمان لایا جائے جن کا نام اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔ اور ہمارے نبی محمد ﷺ خاتم الرسل والنّبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں کی جائے گی اور نہ آپ کے بعد کوئی نبی آئے گا۔ آپ ﷺ جنات وانسان دونوں کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں۔ جو آپ کی اطاعت کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو آپ کی نافرمانی کرے گا، وہ جہنم میں جائے گا۔[1517]

اس سیاق میں مصنف رحمہ اللہ کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: رسل سے مراد۔

(1517) تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبدالمحسن القاسم (145)۔

رسل، رسول کی جمع ہے۔ رسول، رِسلٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں، کسی چیز کی ادائیگی کے لیے روانہ ہونا۔ رسول وہ ہے جن کو کسی اہم کام کی ادائیگی کے لیے بھیجا جائے ۔ یارَسلٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں، ایک دوسرے کے بعد ہونا، لگاتار ہونا۔ لفظ "رسول" شرعاً دونوں اشتقاق پر دلالت کرتا ہے ۔ رسول، اللہ کی جانب سے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی طرح وحی کی خبریں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل کی جاتی ہیں، لگاتار ہوتی ہیں۔[1518]

رسول اور نبی میں فرق:

رسول ان کو کہتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کی طرف مبعوث کیا ہے، خواہ ان پر کتاب نازل کی ہو یا نہ نازل کی ہو، لیکن ان کو وحی کی ہو، کسی ایسے حکم کے سلسلے میں جو پچھلی شریعت میں نہیں تھا۔

(1518) ينظر: مفردات القرآن، للراغب الأصفهاني (352)؛ وكتاب: حقوق النبي على أمته في ضوء الكتاب والسنة، تاليف: أ.د. محمد خليفة التميمي (67)، ناشر: دار التوحيد، الرياض، ط. الثانية: 1435 هجريا۔

نبی وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پچھلی شریعت کی دعوت کا حکم دیا ہو۔ان پر کتاب نازل نہ کی ہو اور نہ کسی نئے ناسخ یا غیر ناسخ حکم کی وحی کی ہو۔[1519]

دوسرا مسئلہ: رسولوں پر اجمالی ایمان۔

رسولوں پر اس قدر ایمان کافی، ضروری اور واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے انھیں میں سے رسول بھیجا تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دے جس کا کوئی شریک وساجھی نہیں ہے، وہ اکیلا ہے۔ان رسولوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی جانب سے خبر دینے میں سچے ہیں۔ محمد ﷺ خاتم النّبیین ہیں۔آپ پر ایمان لانے کے بعد آپ کی اتباع اور پیروی ضروری ہے۔[1520] اتنا ایمان رسولوں پر کافی ہے۔ پھر علم کے بقدر واجب ہے۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو مستحب ہیں جو تفصیلی ہیں۔ رسولوں پر تفصیلی ایمان یہ ہے کہ ان کے ناموں کے ساتھ ان کے ان کی قوموں کے ساتھ

(1519) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبداللہ بن صالح الفوزان (133)۔

(1520) حاشية ثلاثة الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (62)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبدالرحمن بن ناصر البراک (31)؛ تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبداللہ العصيمي (43)۔

پیش آئے ہوئے حالات اور جن کو انھوں نے دعوت دی، اس کا علم اور اس پر ایمان ہو۔[1521]

اگر کوئی مسلمان اس پر ایمان لے آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو توحید کے ساتھ بھیجا، توحید کی طرف اپنی قوم کو بلاتے رہے، جن باتوں کا ان کو حکم دیا گیا، ان کی تبلیغ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت وتائید، معجزات، دلائل و براہین اور ان آیات کے ذریعے کی جو ان کی سچائی پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر خصوصی طور پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے کہ آپ خاتم الرسل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دین اسلام کے ساتھ مبعوث فرمایا جو خاتم الادیان اور آخری پیغام ہے۔[1522]

تیسرا مسئلہ: رسولوں پر تفصیلی ایمان۔

1521) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (159)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، عبد الرحمن بن ناصر البراک (31)۔

1522) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (159)۔

یہ ایمان چار باتوں پر مشتمل ہے۔[1523]

پہلی بات: ان تمام انبیاء پر ایمان، ان میں کسی ایک کی رسالت کا بھی کسی نے انکار کیا تو اس نے سب کا انکار کیا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے {كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ (105)} [1524]، ترجمہ: "قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا"۔ چنانچہ ان کو اللہ نے جھوٹا قرار دیا جنھوں نے تمام رسولوں کو جھٹلایا تھا، جبکہ ان کے یہاں نوحؑ کے سوا کوئی نبی نہیں تھے اور اسی بنیاد پر نصاریٰ نے ہمارے نبی محمد ﷺ کو جھٹلایا اور آپ کی پیروی نہیں کی۔ خاص طور پر محمد ﷺ سے متعلق بشارت کو جھٹلایا۔ ان انبیاء کی بشارت کا کوئی مطلب نہیں ہے کہ رسول انھیں گمراہی سے نجات دیتے ہیں اور سیدھے راستے کی ہدایت کرتے ہیں۔

دوسری بات: جن ناموں کا ہمیں علم ہے، ان پر ایمان اور ان قوموں کے بارے میں ایمان جن میں وہ مبعوث کیے گئے۔ ان کے تعلق سے کتاب وسنت میں جو تفصیلات ہیں

1523) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن صالح العثیمین (97-98)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (134)؛ وبلوغ المأمول بشرح الثلاثۃ الأصول، عصام بن أحمد مامی (274)۔

1524) سورۃ الشعراء، الآیۃ (105)۔

، متعین طور پر ان پر ایمان۔ جیسے یہ پیغمبر اولوالعزم ہیں: نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام اور محمد ﷺ۔ اللہ تعالیٰ نے ان رسولوں کا ذکر قرآن مجید میں دو مقام پر کیا ہے۔

سورۂ احزاب میں ارشاد ہے {وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ}[1525]، ترجمہ: اور (اے نبیؐ) یاد رکھو اُس عہد و پیمان کو جو ہم نے سب پیغمبروں سے لیا ہے، تم سے بھی اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم سے۔

اور سورۂ شوریٰ میں ہے {شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ}[1526]، ترجمہ: اُس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اُس نے نوحؑ کو دیا تھا، اور جسے (اے محمدؐ) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے

(1525) سورۃ الأحزاب، الآیۃ (7)۔

(1526) سورۃ الشوریٰ، الآیۃ (13)۔

بھیجا ہے، اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں، اِس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اِس دین کو اور اُس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔

ان کے علاوہ جن کا نام اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے یا رسولوں کے ذریعے بیان فرمایا ہے، ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ایسے رسول جن کا ذکر قرآن میں ہے، پچیس ہیں۔ ان میں سب سے پہلے آدمؑ ہیں۔ رہے وہ رسول جن کا ذکر قرآن میں نہیں آیا ہے، ان پر اجمالاً ایمان ضروری ہے۔ ارشاد باری ہے {وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ}[1527]، ترجمہ: اے نبیؐ، تم سے پہلے ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تم کو بتائے ہیں اور بعض کے نہیں بتائے

اور ان میں سے کسی کے درمیان ایمان میں ہم تفریق نہ کریں جیسا کہ ارشاد ہے {لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ}[1528]، ترجمہ: ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔[1529]

(1527)سورۃ غافر، الایۃ(78)۔

(1528)سورۃ البقرۃ، الایۃ(285)۔

تیسری بات: جو خبریں ان سے ثابت ہیں، ان کی تصدیق کی جائے۔ من جانب اللہ ان کی پیغمبری حق ہے۔ وہ اپنی طرف سے کچھ بیان نہیں کرتے۔ انھوں نے ان تمام باتوں کو اپنی امت میں تبلیغ کی جن کا ان کو حکم دیا گیا۔ انھوں نے پیغام الٰہی کو دوٹوک انداز میں بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی واضح دلائل اور روشنی معجزات کے ذریعے تائید و نصرت فرمائی جو ان کی صداقت کے ان کی امت پر دلائل ہیں۔

چوتھی بات: جو رسول ہماری طرف بھیجے گئے ہیں، ان کی شریعت پر عمل کرنا۔ ان میں آخری نبی محمد ﷺ ہیں جن کی بعثت تمام انسانوں کی طرف ہوئی ہے، ان کی شریعت پر عمل۔ ارشاد باری ہے{ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (65) [1530]}، ترجمہ: ”نہیں، اے محمد! تمہارے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے

(1529) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (62)؛ تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (145)۔

(1530) سورۃ النساء، الآیۃ (65)۔

باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو، اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر تسلیم خم کر لیں۔ ‘‘

چوتھا مسئلہ: رسولوں اور نبیوں پر ایمان۔

سوال یہ ہے کہ رسولوں پر ایمان کا تو تذکرہ ہے لیکن انبیاء پر ایمان کا تذکرہ نہیں کیا گیا، جبکہ نبوت رسالت سے عام ہے؟

اس کے دو جواب ہیں۔ ایمان سے مقصود چونکہ ہر اس ہستی پر ایمان ہے جو اللہ کی جانب سے مبعوث کیے گئے، خواہ نبی ہو یا رسول۔[1531] دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول، انبیاء سے اشرف ہیں۔ اس لیے ان کے تذکرے پر اکتفا کیا گیا۔[1532] نیز انبیاء پر ایمان کتابوں پر ایمان میں داخل ہے۔ اس لیے کہ کتابوں نے ہی انبیاء پر ایمان کو ثابت کیا ہے۔[1533]

1531) بلوغ المأمول بشرح الثلاثة الأصول، عصام بن أحمد مامی (272)۔

1532) شرح عقیدة أهل السنة والجماعة، المتن والشرح، للشیخ محمد بن صالح العثیمین (47)۔

1533) المصدر السابق (47)۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور آخرت پر ایمان۔

پانچواں رکن ہے، ان تمام چیزوں پر ایمان جن کی خبر اللہ تعالیٰ قیامت کے تعلق سے دی ہے، خواہ اس کا تعلق مرنے کے بعد برزخ میں عذاب قبر سے ہو اور اس کی نعمتوں سے، قبر میں دونوں فرشتوں کے سوال سے ہو۔ مرنے کے بعد زندہ ہونے، محشر، حساب اور اس میزان پر ایمان ہو جس کے ذریعے نیکیوں اور برائیوں کو وزن کیا جائے گا۔ صراط، جنت، دوزخ، جسموں کے ساتھ اٹھائے جانے پر ایمان ہو جس طرح وہ پہلے ہڈیوں اور اعصاب کے ساتھ تھا۔[1534]

اس سیاق میں مصنف رحمہ اللہ کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: یوم آخر سے مراد۔

قیامت کا دن مراد ہے۔ قیامت کو یوم آخر اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے دن بعد کوئی دن نہیں ہوگا جس میں اہل جنت و جہنم رہ سکیں۔[1535] آخرت کا دن موت سے شروع

(1534) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (62)۔

(1535) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن صالح العثیمین (100)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ بن صالح الفوزان (134)۔

ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے {وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ }[1536]، ترجمہ: پھر دیکھو، وہ موت کی جاں کنی حق لے کر آ پہنچی۔

حق کا مطلب ہے، جس کی خبر رسولوں نے دی ہے کہ موت کے بعد ثواب و عذاب ہو گا۔

یوم آخر پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں رہیں گے۔[1537]

دوسرا مسئلہ: آخرت پر اجمالی ایمان۔

آخرت پر اس قدر ایمان کافی، ضروری اور واجب ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ اٹھائے جائیں گے۔ اپنے اعمال کا حساب دیں گے۔[1538] اللہ تعالیٰ حساب کا ایک دن مقرر فرمائے گا جہاں لوٹیں گے۔ اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔ اپنے رب سے ملاقات کریں گے اور نیکوں کار نیکی کا، بروں کو برائی کا بدلہ دیا جائے گا۔[1539]

(1536) سورۃ ق، الآیۃ (19)۔

(1537) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (56)؛ تنبيه العقول إلى كنوز ثلاثة الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (770/2)۔

(1538) حاشية على رسالة ثلاثة أصول، طالب الكثيري (17)۔

(1539) ينظر: شرح العقيدة الطحاوية، صالح آل الشيخ (611/2)، ناشر: دار المودة، ط. الأولى: 1431 هجريا۔

مقصود یہ ہے کہ مخلوق کو بدلہ دینے کے لیے قیامت قائم ہو گی۔ نیکوں کو ان کی نیکی کا اور بروں کو ان کی برائی کا بدلہ دیا جائے گا۔ نیکی کا بدلہ جنت اور برائی کا بدلہ جہنم ہے۔ اب اگر اس قدر ایمان ہو تو ایمان کا پانچواں رکن ثابت ہو جائے گا۔[1540]

اجمالی ایمان تین باتوں سے مکمل ہوتا ہے۔

(۱) مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان۔

(۲) حساب اور جزا پر ایمان۔

(۳) جنت اور جہنم پر ایمان۔[1541]

آخرت پر ایمان میں سب سے اہم بات اس جسم کے موجود ہونے اور اس کے لوٹائے جانے پر ایمان ہے۔ اس لیے بعض روایات میں "وَالْبَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ" ہے کیونکہ یہ اہم ہے۔ چنانچہ آخرت پر ایمان کی حقیقت ہے۔ برزخ میں جو کچھ ہو گا، ان سب پر ایمان، عذاب قبر

1540) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (160)؛ تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (39)۔

1541) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (100)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد الله بن صالح الفوزان (134)۔

اوراس کی نعمتوں پر ایمان، اس جسم کے دوبارہ زندہ کیے جانے پر ایمان جیسا پہلے تھا، حتیٰ کہ جسم وروح کوایک ساتھ طاعت اور بندگی پر ثواب دیا جائے گااور گناہوں کی بنیاد پر عذاب دیا جائے گا۔[1542]

تیسرامسئلہ: آخرت پر تفصیلی ایمان۔

یہ ایمان، علم کے تابع ہے۔ کتاب و سنت میں قبروں کے حالات، قیامت کے احوال، حوض سے متعلق ایمان، میزان، صحیفے، صراط وغیرہ سے متعلق جو تفصیلات ہیں، ان پر ایمان، کون جنت میں پہلے داخل ہوگا، جہنم وغیرہ میں کیسے حالات ہوں گے، ان ساری تفصیلات پر ایمان ہر ایک کے لیے واجب نہیں ہے، لیکن جن کو اس کا علم ہو، ان کو ایمان لانا ضروری ہے، بغیر کسی شک وشبہ کے۔[1543] ایمان مفصل کا مطلب یہ ہے کہ ہر اس چیز پر ایمان لایا جائے جو قرآن مجید اور سنت صحیحہ میں موجود ہے۔ موت کے بعد پیش آنے والے حالات جیسے برزخی زندگی، قبر کا فتنہ، عذاب قبر اور قبر کی نعمت، حشر کی زندگی، حوض،

(1542)شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراھیم آل الشیخ(204،207)۔

(1543)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ(160)۔

حساب، میزان، شفاعت، صراط، جنت ودوزخ کی زندگی۔ قیامت اور اس کی علامتوں پر ایمان اوران خبروں کے تقاضوں پر عمل۔[1544]

1544) حاشية على رسالة ثلاثة أصول، طالب الكثيري (18)۔

مصنف ﷫ فرماتے ہیں: اور اچھی بری تقدیر پر ایمان۔

یہاں پر مصنف ﷫ فرماتے ہیں کہ چھٹا رکن دینی و دنیوی اچھی بری تقدیر پر ایمان ہے۔[1545]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: قدر کے معنی۔

قدر کے دو معنی ہیں :

پہلا معنی : اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کا اپنے علم کے متعلق فیصلہ کرنا اور اپنی حکمت کے مطابق فیصلہ کرنا۔[1546] قدر سے مراد علم الٰہی، کتاب الٰہی اور وہ چیز ہے جو مشیت الٰہی اور اللہ

1545) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراھیم آل الشیخ (207)؛ تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (147)۔

1546) المحصول من شرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ الغنیمان (158)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (135)۔

کی تخلیق کے مطابق ہو۔[1547] اس معنی میں ''قدر'' اللہ تعالیٰ کا علم ہے، کسی چیز کے ہونے سے پہلے۔ اور لوح محفوظ میں اس کا لکھنا ہے، اس کی تخلیق و ایجاد سے پہلے۔ اور اللہ کی مشیت ہر چیز کو شامل ہو۔[1548]

دوسرا معنی : وہ قسمت میں لکھی ہوئی چیزیں جن کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہو۔ مصنف کے نزدیک ''والقدر خیرہ وشرہ'' سے یہی مراد ہے۔ یعنی قسمت میں لکھی ہوئی اچھی اور بری تقدیر پر ایمان ہو۔ اس لیے وہ تمام چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے ہماری قسمت میں لکھی ہیں، وہ سب خیر و بھلائی کا ذریعہ ہیں۔[1549] بندے کی طرف خیر و شر دونوں کی نسبت کی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف صرف خیر کی نسبت کی جاتی ہے کیونکہ

1547) الخراسانية في شرح عقيدة الرازيين، تأليف: عبدالعزيز بن مرزوق الطريفي (182)، ناشر: مكتبة دار المنهاج، ط. الأولى: 1437 هجريا۔

1548) ينظر: شرح العقيدة الطحاوية، صالح آل الشيخ (362/1، 368)، ناشر: دار المودة، 1431 هجريا۔

1549) شرح عقيدة أهل السنة والجماعة، محمد بن صالح العثيمين (448)۔

اللہ تعالیٰ سے شر کا صدور نہیں ہوتا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف میں کہا "والشر لیس إلیک "[1550]، ترجمہ: اور شر کی نسبت تیری طرف نہیں ہے۔

چنانچہ شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی جاتی بلکہ شر کی نسبت اللہ کی مخلوقات اور اس کے مفعولات کی طرف کی جاتی ہے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کا فیصلہ کرنا، اس کو کرنا اور اس کو پیدا کرنا، تو اس میں شر نہیں ہے۔ شر مقضی میں ہے، نہ کہ قضا میں اور مقضی شر محض نہیں ہوتا بلکہ ایک حیثیت سے شر ہوتا ہے تو دوسری حیثیت سے خیر ہوتا ہے۔ یا وہ ایک جگہ شر ہے تو دوسری جگہ خیر ہے۔[1551] شر کی نسبت اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی جاسکتی کہ وہ شر کا خالق ہے، فاعل نہیں ہے۔ اور فعل کی نسبت فاعل کی طرف کی جاتی ہے جس نے اس فعل کو انجام دیا ہے اور شر کو بندہ ہی کرتا ہے، اس لیے اسی کی طرف نسبت کی جائے گی

1550) رواہ مسلم، کتاب: صلاۃ المسافرین، باب: الدعاء في صلاۃ اللیل، برقم (771)۔

1551) ینظر: القول المفید علی کتاب التوحید، محمد بن صالح العثیمین (2/414-416)، والتمهید لشرح کتاب التوحید، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (522)۔

۔اس بناپر شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ شر نہیں کرتا۔[1552] قدر کی دو جہتیں ہیں۔

پہلی جہت : اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کے فعل کی جہت۔ یہ اللہ تعالیٰ کی متعدد صفات سے مربوط ہے، جیسے علم، کتابت، خلق، حکمت، عدل۔ یہ ایسی جہت ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔

دوسری جہت : ایسی جہت جس کا تعلق بندے سے ہے اور وہ ہے، اللہ کے فیصلہ کا بندہ پر ہونا یا تقدیر کا حصول ہے۔اس کو مقدور اور قضا کہتے ہیں۔ جو چیزیں تقدیر میں لکھی ہوئی ہیں، وہ خیر و شر دونوں پر مشتمل ہے۔ رہی پہلی جہت تو، یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو پوری کی پوری خیر ہے۔[1553]

لہٰذا ''الایمان بالقدر خیرہ وشرہ'' کا مفہوم ہے کہ بندہ ہر خیر و شر پر ایمان لائے جو آسمان و زمین میں ہیں۔ وہ سب اللہ کے فیصلہ سے ہے۔[1554] یعنی کوئی چیز اللہ کے علم، اس

1552)الخراسانية في شرح عقيدة الرازيين،تاليف:عبدالعزيز بن مرزوق الطريفي(227)۔

1553)شرح العقيدة الطحاوية،صالح آل الشيخ(612/2)،ناشر:دارالمودة،ط.الأولى:1431ھجریا۔

1554)شرح عقيدة أهل السنة والجماعة، محمد بن صالح العثيمين(449)۔

کی کتابت، اس کی مشیت، اس کی تخلیق کے بغیر نہیں ہوتی۔[1555] بیشتر اہل علم و حکمت پہلی جہت کی طرف نہیں دیکھتے۔ وہ ہے بندوں پر مقدر کی ہوئی چیز میں اللہ کے فعل کی جہت۔ اور در حقیقت اکثر و بیشتر ان کی نگاہ اس کی طرف اضافت کی جہت سے ہوتی ہے، یعنی خیر و شر کے موافق۔ اسی لیے یہاں خیر و شر کی وضاحت کی گئی اور اسی وجہ سے اچھی بری تقدیر پر ایمان بندوں کی طرف اس چیز کی نسبت کرتے ہوئے ہوتا ہے جو اس کی قسمت میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ایمان اہم ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اکثر لوگ اللہ کے ساتھ بد گمانی کرتے ہیں۔ چنانچہ ایمان بالقدر کی جہت سے بہت سے برائی ہوتی ہے جو بندوں کو پہنچتی ہے اور یہ اللہ کے ساتھ بد گمانی کی وجہ سے ہے۔ اور ایسے کم لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ بد گمانی سے محفوظ رہتے ہیں۔ یہ بات اکثر و بیشتر بد شگونی کی وجہ سے پیش آتی ہے، اس لیے کبھی کبھی بد شگونی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن تقدیر کا لکھا ہوا ہر لمحہ ہوتا ہے۔ اسی لیے بندوں پر واجب ہے کہ اچھی بری تقدیر پر ایمان لائیں اور اللہ کے ساتھ ہمیشہ اچھا گمان رکھے اور اس بات کو تسلیم کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے ساتھ جن دنیاوی کاموں کا ارادہ کیا ہے۔[1556]

(1555)شرح العقیدۃ الطحاویۃ، صالح آل الشیخ(367/1)، ناشر: دار المودۃ، ط. الأولى: 1431 ھجریا۔

(1556)شرح العقیدۃ الطحاویۃ، صالح آل الشیخ(612/2-614)، ناشر: دار المودۃ، ط. الأولى: 1431 ھجریا۔

دوسرا مسئلہ: تقدیر پر اجمالی ایمان۔

ارکان ایمان میں ہے، تقدیر پر ایمان کیونکہ اس کے بغیر ایمان درست نہیں ہے۔

اور تقدیر کی حقیقت جس پر ایمان لانا ہمارے اوپر فرض قرار دیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے۔ بندے اپنے وجود سے پہلے نہیں جانتے ہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے پاس لکھا ہوا ہے اور بندوں کے اچھے برے اعمال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اس کی مشیت سے ہوئے ہیں۔ جس چیز کو اللہ چاہتا ہے تو وہ ہوتی ہے اور جس چیز کو نہیں چاہتا تو وہ نہیں ہوتی۔[1557] اور اس کے ساتھ بندوں کو مصیبت پر صبر کا حکم اور نعمتوں پر شکر کا حکم دیا گیا ہے اور چیز کے حصول کے اسباب اور شر کو دور کرنے کے ذرائع کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔[1558]

تقدیر پر اتنا ایمان لانا کافی ہے کہ بندہ ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے خیر و شر کو مقدر فرمایا ہے اور کوئی چیز اللہ کی مشیت، پیدا کیے اور اختیار کے بغیر نہیں ہوتی

1557) مجموع فتاوى ورسائل الشيخ العلامة عبدالله بن عبدالرحمن أبابطين مفتي البلاد النجدية (396)، تحقیق: خالد بن محمد التميمي، ناشر: مكتبة دار المنهاج، ط. الأولى: 1438 هجريا۔

1558) شرح الأصول الثلاثة، أحمد الصقعوب (82)۔

بندہ پر اس قدر ایمان واجب ہے کہ کوئی چیز اللہ کی مشیت اور قدرت سے باہر نہیں ہے۔[1559] اس کے بعد تفصیلی ایمان کا مرحلہ آتا ہے کہ کتاب و سنت کے نصوص سے جو بحثیں اس کے تحت آتی ہیں، اپنے علم کے مطابق ایمان لائے۔[1560] جب دلیل آجائے کہ یہ تقدیر کی وجہ سے ہے جو پہلے سے اللہ تعالٰی کے علم میں تھا تو اس پر ایمان لائے اور جب یہ دلیل آجائے کہ اللہ تعالٰی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے تو اس عموم پر ایمان لائے۔ پھر جب اللہ کی مشیت کے عموم کا علم ہو جائے اور اس کا علم ہو جائے کہ بندہ کی مشیت کسی چیز میں نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی مشیت ضروری ہے تو تفصیلی طور پر اس پر ایمان لائے کیونکہ اسی صورت میں ایمان لانا واجب ہے، اس لیے کہ وہ اس دلیل کو جان چکا ہے جس پر یقین کرنا واجب ہے۔[1561]

1559) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (39)۔

1560) حاشیۃ علی رسالۃ ثلاثۃ أصول، طالب الکثیري (18)؛ وینظر: شرح العقیدۃ الطحاویۃ، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (612/2)، ناشر: دار المودۃ، ط. الأولی: 1431 ھجریا۔

1561) شرح العقیدۃ الطحاویۃ، صالح آل الشیخ (367/1)، ناشر: دار المودۃ، ط. الأولی: 1431 ھجریا۔

چنانچہ اس رکن کی تحقیق یہ ہے کہ جانے، عقیدہ رکھے اور ایمان لائے کہ دنیا کی ہر چیز اللہ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے اور یہ پہلے سے تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔[1562]

تیسرا مسئلہ: تقدیر پر تفصیلی ایمان۔

ایمان مفصل یہ ہے کہ ہر اس خبر پر ایمان لائے جو تقدیر کے چاروں مراتب کے بارے میں کتاب کے نصوص اور سنت صحیحہ میں آئی ہیں۔ تقدیر کے چاروں مراتب یہ ہیں: اللہ کے علم میں ہر چیز ہے، اللہ نے پہلے سے لکھ رکھا ہے، اللہ کی مشیت سے ساری چیزیں ہوتی ہیں اور اللہ کی قدرت سے باہر کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اس چیز پر عمل کرے جس کا یہ خبر تقاضا کرتی ہے۔[1563]

چنانچہ تقدیر پر ایمان دو باتوں پر مشتمل ہے: سابقہ تقدیر پر ایمان اور سابقہ تقدیر کو نافذ کرنے کے لیے اللہ کے پیدا کرنے، اس کی قدرت اور مشیت پر ایمان۔ اور سابقہ تقدیر

(1562) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (161)۔

(1563) حاشیۃ علی رسالۃ ثلاثۃ أصول، طالب الکثیري (18)۔

پر ایمان علم وکتابت پر ایمان کو شامل ہے۔ چنانچہ تقدیر پر ایمان کے دو مرتب ہوں گے
[1564]۔

پہلا مرتبہ: قسمت میں جو چیزیں لکھی ہوئی ہیں،ان کے پیش آنے کی وجہ سے سابقہ تقدیر پر ایمان۔اور اس کے دو درجے ہیں :

پہلا درجہ: علم،اس پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے ہر چیز کا علم ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس چیز کو بھی جانتا ہے جو ہو چکا۔اسے بھی جو ہونے والا ہے۔وہ چیز کیسے ہو گی،اسے بھی اور جو چیز نہیں ہوئی،اگر ہوئی تو کیسے ہوئی،اس کو بھی۔کسی چیز کے ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو جاننا یہی پہلا علم ہے۔ہر چیز کا پہلے سے علم ہونا کلیات اور جزئیات کے علم کو شامل ہے۔اہم امور کے علم اور اس کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔تمام تفصیلات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ علم ہے۔یہ اللہ کا پہلا علم ہے،نہ کہ علم کا آغاز۔جیسا کہ ارشاد باری ہے {أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللهَّ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ}[1565]،ترجمہ:"کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔"اور ارشاد خداوندی ہے{ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

1564)شرح ثلاثۃ الأصول،صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ(161-162)۔

1565)سورۃ الحج،الآیۃ(70)۔

لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (59) }[1566]، ترجمہ: ”اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بحر و بر میں جو کچھ ہے، وہ سب سے واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتا ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ خشک وترسب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔“

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے سے ہوتا ہے۔ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اپنے علم ازلی وابدی کی وجہ سے جانتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ پہلے سے ناواقف تھا اور اب اسے نیا علم ہوا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ سے بھول ہوتی ہے۔ اللہ کے علاوہ ساری مخلوق کا علم نہ ازلی ہے نہ ابدی۔ وہ پہلے ناواقف بھی ہوتا ہے اور اس سے بھول بھی ہوتی ہے۔[1567]

(1566)سورۃ الأنعام، الآیۃ(59)۔

(1567)شرح عقیدۃ أھل السنۃ والجماعۃ، محمد بن صالح العثیمین (452)۔

دوسرا درجہ: کتابت، اس پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک ہونے والی چیزوں کو لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ہر چیز کی تقدیر کو لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے {أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (70)}[1568]، ترجمہ: ”کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے؟ سب کچھ ایک کتاب میں درج ہے۔ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔“

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ہر چیز ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ اور فرمان باری ہے {وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ (53)}[1569]، ترجمہ: ”اور ہر چھوٹی بڑی بات لکھی ہوئی موجود ہے۔“

یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "كتب الله مقادير الخلائق قبل أن يخلق السموات والأرض بخمسين ألف

1568) سورۃ الحج، الآیۃ (70)۔

1569) سورۃ القمر، الآیۃ (53)۔

سنة، قال وعرشه على الماء"[1570]، ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر کو آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دیا۔" فرمایا، اللہ کا عرش پانی پر ہے۔

صرف یہی نہیں کہ قیامت تک جو چیزیں ہونے والی ہیں، انھیں کو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے بلکہ قیامت کے بعد بہت سی چیزیں ہوں گی، وہ بھی اللہ کو معلوم ہے۔ اگرچہ اس کا تذکرہ کتاب وسنت میں نہیں ہے[1571]

پہلا مرتبہ ایمان بالقدر کے مراتب میں ہے۔ اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور قلم نے اللہ کے علم میں جو چیز ہے، اسے لکھ لیا ہے اور اللہ کے حکم سے ان تمام تقدیر کا احاطہ کر لیا ہے جو اللہ کے علم وحکمت سے صادر ہوتی ہیں۔[1572]

دوسرا مرتبہ: تقدیر میں لکھی ہوئی چیز کے ساتھ ہونا ہے۔ اس کے بھی دو درجات ہیں:

1570) أخرجه مسلم في صحيحه، کتاب: القدر، باب: حجاج آدم وموسی علیهما السلام، برقم (2653)۔

1571) القول المفید علی کتاب التوحید، محمد بن صالح العثيمين (413/2)۔

1572) بلوغ المأمول بشرح الثلاثة الأصول، عصام بن أحمد مامی (284)۔

پہلا درجہ : مشیت، اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو کرنے یا جس چیز کو وجود بخشنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔ زمین وآسمان کی کوئی حرکت وسکون اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہوتے ہیں۔[1573]

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عموم پر ایمان ہو کہ اللہ کی مشیت ہو کر رہتی ہے۔ اس پر ایمان ہو کہ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کے حکم اور اسی کی مشیت سے اور اس کی رحمت و حکمت سے ساری چیزیں ہوتی ہیں۔ اس دنیا میں کوئی بھی چیز نہ اللہ کی مشیت کے بغیر ہوئی ہے اور نہ ہو گی۔

دوسرا درجہ : خلق، اس پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمام مخلوق کو پیدا کیا اور دنیا کی ہر ایک چیز اللہ کے فیصلے اور اس کے وجود بخشنے سے ہوتی ہے۔[1574] اس پر ایمان ہو کہ جہاں اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، وہیں بندوں کے اعمال، بندوں کے احوال، آسمان وزمین، جو کچھ آسمان زمین میں ہے، ہر چیز مخلوق ہے اور اللہ اس کا خالق ہے۔ ارشاد باری ہے {اللَّهُ خَالِقُ

(1573) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (208)۔

(1574) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (208)۔

كلِ شَيْءٍ} [1575]، ترجمہ: ”اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔“اور ارشاد ہے {وَخَلَقَ كلَ شَيْءٍ فقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا(2)} [1576]، ترجمہ: ”جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔ “

چنانچہ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ: اس پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق، اس کے افعال واعمال کو پیدا کیا اور دنیا میں جو چیزیں ہیں، وہ اللہ کی تقدیر اور اس کی ایجاد سے ہے [1577]۔

تقدیر پر ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ چار چیزوں پر مشتمل ہے۔

- ہونے والی چیز کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے سے ہے۔
- ہر چیز پہلے سے لکھی ہوئی ہے۔
- کوئی چیز اللہ کی مشیت وارادہ کے بغیر نہیں ہوتی۔

(1575)سورۃ الزمر، الآیۃ(62)۔

(1576)سورۃ الفرقان، الآیۃ(2)۔

(1577)حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم(63)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، عبد الرحمن بن ناصر البراک(31)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان(135)۔

- اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو کچھ ہے، جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے، سب کو پیدا کر دیا ہے۔[1578]

یہ ایمان جس پر ایمان لانا واجب ہے، صحیح یہ ہے کہ ہم کہیں کہ یہ تفصیلی ایمان ہے ۔جو چیزیں تقدیر میں لکھی ہوئی ہیں، ان کے ہونے سے پہلے مرتب ہے اور یہ بھی پہلا ازلی علم ہے اور تقدیر کا لکھا ہوا ہونا آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے۔ پھر تقدیر میں لکھی ہوئی چیزوں کے ہونے کے ساتھ ساتھ ہونا۔اس کی صورت یہ ہے کہ بندہ کا اس وقت ارادہ اور اس کی قدرت ہوتی ہے اور جب پختہ ارادہ اور مکمل قوت اکٹھا ہو جاتی ہے تو اس سے فعل حاصل ہوتا ہے۔ پھر جب بندہ فعل کو کرنا چاہتا ہے تو اللہ کی مشیت کے بعد بندہ سے وہ چیز حاصل ہوتی ہے اور وہ فعل بندہ کی نسبت سے اللہ کے پیدا کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ پس فعل حقیقت میں بندہ کا ہوتا ہے لیکن خالق اس فعل کا اللہ ہی ہوتا ہے، اس لیے کہ فعل بندے سے مکمل ارادہ اور مکمل قدرت کے بعد ہی ہوتا ہے اور ارادہ و قدرت کو اللہ نے پیدا فرمایا ہے۔ چنانچہ جو کچھ ہونے والا ہے، اسے اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور فعل اسی وقت

1578) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراھیم آل الشیخ (208)۔

پیدا ہوتا ہے جب بندہ اس کی طرف توجہ کرے۔[1579] اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تقدیر پر ایمان کے مراتب چار ہیں: علم کا مرتبہ، کتابت کا مرتبہ، مشیت کا مرتبہ اور خلق وایجاد کا مرتبہ۔ اور یہ مراتب ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ چنانچہ اللہ کا علم کتابت کے مرتبے سے پہلے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی تقدیر کو لکھنے سے پہلے جانتا ہے۔ کتابت کا مرتبہ خلق و ایجاد کے مرتبے سے پہلے ہے اور جب ان مراتب پر بندہ ایمان لے آتا ہے تو اسے اس تفصیلی ایمان کے ذریعے سے تقدیر پر جتنا ایمان لانا واجب ہے، وہ حاصل ہو جاتا ہے۔

چوتھا مسئلہ: خلاصہ کلام۔

ایمان کے چھ ارکان ہیں: اللہ پر ایمان، فرشتوں، کتابوں، رسولوں، آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان۔ بندہ کے ایمان کی صحت کے لیے علم اور اعتقاد کا ہونا کافی ہے۔ تفصیلی ایمان علم کے اعتبار سے واجب ہے۔ اگر دلائل کا بھی علم ہو گیا تو اس کے اعتبار سے ایمان واجب ہے، ورنہ مستحب ہے۔ البتہ بنیادی معلومات کا حاصل کرنا واجب ہے۔ بندہ پر ایمان کے جن مسائل کا جاننا واجب ہے، اس کی دو قسم ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ اتنا جاننا

(1579) شرح ثلاثۃ الاصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (164)۔

واجب ہے جس کے بغیر بندہ کا دین صحیح نہیں ہو سکتا۔ دوسری قسم ہے، دلائل کی روشنی میں جاننا۔ یہ فعل کے درجے میں ہے۔[1580]

یہ انتہائی اہم مسئلہ ہے جس کے سیکھنے سکھانے پر توجہ دینا مناسب ہے۔ اس سے ایمان صحیح اور قوی ہوتا ہے اور اس سلسلے میں مزید علم کا حصول نفل ہے جس کے حصول کی بھی کوشش کرنا چاہیے۔[1581]

1580) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (38،39)۔

1581) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي (52)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا۔

مصنف ﷫ فرماتے ہیں: ارکان ستہ کے دلائل میں ارشاد باری ہے {لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ}[1582]۔ ترجمہ: نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے۔ اور قضاء و قدر پر ایمان لانے کی دلیل ارشاد باری ہے: { إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (49) }[1583]۔ ترجمہ: ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے پہلے قرآن سے دلیل ذکر کی ہے، پھر سنت سے دلیل ذکر کریں گے۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۷۷ میں پانچ ارکان کے دلائل مذکور ہیں اور قدر کی دلیل سورۂ قمر آیت ۴۹ میں بیان کی گئی ہے۔ یعنی ہر وہ چیز جسے اللہ نے پیدا کیا ہے، وہ اللہ کے علم میں

1582) سورۃ البقرۃ: 177۔

1583) سورۃ القمر: 49۔

مقدر ہے، لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور اللہ کی مشیت اور اس کے ارادے سے ہوتی ہے۔[1584]

اس میں دو مسئلے ہیں۔

پہلا مسئلہ: ایمان کے ارکان میں سے پہلے پانچ ارکان کی دلیل۔

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، پانچوں ارکان کی دلیل سورۂ بقرہ آیت ۱۷۷ ہے۔ اس میں ''اَلبِرُّ'' ایسا جامع نام ہے جو عقائد و اعمال میں سے ہر اعمال خیر کو شامل ہے۔[1585] ''بر'' خیر کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ آیت سے شاید ہے کہ مذکورہ پانچوں ارکان خیر کا مجموعہ ہیں۔[1586] اور بیشتر آیات میں یہ پانچوں ارکان شامل ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کے آخر میں ہے {آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ

1584) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (63)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، صالح بن فوزان الفوزان (221)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ بن صالح الفوزان (136)؛ المحصول من شرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ الغنیمان (158)۔

1585) حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ بن صالح الفوزان (136)۔

1586) بلوغ المأمول بشرح الثلاثۃ الأصول، عصام بن أحمد مامی (288)۔

وَرُسُلِهِ [1587]} ، ترجمہ: ”رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور جو لوگ اس رسول کے ماننے والے ہیں، انھوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کرلیا ہے۔ یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں۔“ چنانچہ چاروں ارکان کا ذکر اس آیت میں ہے۔

اور ارشاد باری ہے {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (136) [1588]}، ترجمہ:

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے۔ جس نے اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت سے کفر کیا، وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دور نکل گیا۔“

(1587)سورة البقرة، الآية(285)۔

(1588)سورة النساء، الآية(136)۔

اس جیسی اور آیات ہیں جس میں ارکان ایمان کا ذکر ہے۔ مشہور حدیث جبریل میں بھی ارکان ایمان کا کرہے جسے عنقریب بیان کیا جائے گا۔

دوسرا مسئلہ: آخری رکن ایمان بالقدر کی دلیل۔

قدر کے دلائل قرآن پاک میں عام طور پر ہیں اور قدر کے مراتب می ں سے ہر ایک مرتبے کے تفصیلی دلائل ہیں۔عام دلائل میں وہ ہے جن کو مصنف رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے ۔ارشاد خداوندی ہے "{إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (49) } ، اس آیت میں ''كُلَّ شَيْءٍ''اس بات کی دلیل ہے کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی جانب سے تقدیر کے ساتھ پیدا کی گئی ہے۔اس کلیہ سے کوئی چیز باہر نہیں ہے،اس لیے کہ لفظ''کل'' عموم کو ظاہر کرتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے {وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (2)}[1589]،اور ''کل'' قدر کے مراتب میں سے مرتبہ کے ذکر کی دلیل ہے جو قدر کی دلیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے،اس لیے کہ ہر ایک دوسرے کی دلیل ہے۔[1590]

مذکورہ دونوں آیات اپنے مجموعے کے ساتھ ارکان ایمان کی دلیل ہیں۔

(1589)سورۃ الفرقان،الآیۃ(2)۔

(1590)شرح ثلاثۃ الأصول،صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ(166-167)۔

مصنفؒ فرماتے ہیں: تیسرا مرتبہ: احسان۔ اس کا ایک رکن ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کی جائے کہ اللہ کو دیکھ رہا ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو یوں خیال کرے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

یہاں دین کے تیسرے مرتبے کا ذکر ہے۔ وہ مرتبہ احسان ہے۔ یعنی عمل، ظاہر و باطل، ہر اعتبار سے عمدہ اور بہتر ہو۔ احسان ایک رکن ہے جس کے دو درجے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے کامل ترین ہے۔ پہلا درجہ مشاہدہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح جیسے اللہ کو دیکھ رہا ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کی عبادت کی طرف اس طرح متوجہ ہو کہ ہماری حالت اس بات کی شہادت دے رہی ہو کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا مرتبہ مراقبہ ہے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ یعنی بندہ کو اس کا استحضار ہو کہ اللہ ہمارے عمل کو دیکھ رہا ہے اور ہمارے عمل سے واقف ہے۔[1591]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: احسان کے لغوی معنی۔

(1591) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (66)۔

احسان کے دو معنی ہیں: دوسرے کو فائدہ پہنچانا، اور کسی چیز کو بہتر اور اچھے انداز سے کرنا۔[1592]

اور جس احسان کا اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم دیا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم ہے احسان کی انواع (قسموں) کے ساتھ مخلوق کے ساتھ احسان کرنا۔

ارشاد خداوندی ہے { وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ[1593] }، ترجمہ: "ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتے دار سے احسان کا معاملہ رکھو۔"

دوسری قسم ہے، خالق کے ساتھ احسان کرنا۔ یعنی ظاہر و باطن ہر اعتبار سے عمل کو بہتر سے بہتر انداز میں کرنا۔ اسی لیے اس کی تفسیر اخلاص سے کی جاتی ہے اور اخلاص اس کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ جو شخص اس سے متصف ہوگا، اس کا ظاہری و باطنی عمل مکمل سمجھا جائے گا۔

(1592) ينظر: الصحاح، للجوهري (1543/2)؛ ومفردات ألفاظ القرآن، للراغب (236)؛ تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (41)۔

(1593) سورة النساء، الآية (36)۔

استحضار سے اخلاص پیدا ہوتا ہے اور ظاہر سے مکمل پیروی ہوتی ہے۔[1594] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بندہ کو استحضار ہو جاتا ہے تو ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اس کو وہ انجام دینے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: احسان کی اصطلاحی تعریف۔

شرعاً احسان کی حقیقت باطنی عقیدے کو مضبوط و پختہ کرنا اور ظاہری اعمال کو مشاہدہ یا مراقبہ کے مقام پر انجام دینا ہے۔ جب احسان کو اسلام اور ایمان کے ساتھ جوڑ دیا جائے تو اس سے یہی مقصود ہوتا ہے اور یہاں مصنف کے کلام میں یہی مراد ہے۔[1595] وہ احسان جس کا ذکر حدیث جبریل میں ہے اور جس پر مصنف کلام کر رہے ہیں، یہ وہی احسان ہے جو ایمان واسلام سے مربوط ہو۔[1596]

1594) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (211)۔

1595) تعليقات على ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (41)۔

1596) شرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد المصلح (59)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک مکمل دین پر دلالت کرتا ہے۔ ایمان باطنی عقیدے کا نام ہے اور اسلام ظاہری اعمال کا اور احسان ان دونوں میں مضبوطی بہتری قائم کرنا کا ذریعہ ہے۔[1597]

تیسرا مسئلہ: مرتبۂ احسان کی اہمیت۔

مصنف نے اسلام وایمان کے مرتبہ کو مقدم کیا اور مرتبۂ احسان کو موخر کیا، اس لیے کہ یہ تینوں مراتب میں تنگ ترین ہے۔ محسن اللہ کے خالص بندے ہیں۔ احسان اعلیٰ مرتبہ ہے اور اپنی ذات کے اعتبار سے عام ہے اور ایمان واسلام کے مقابلے میں خاص ہے، جیساکہ ایمان اپنی ذات کے اعتبار سے عام ہے اور اسلام کے مقابلے میں خاص ہے۔ چنانچہ احسان عام ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے۔ اسلام وایمان دونوں کو شامل ہے، جبکہ محسن کے اعتبار سے خاص ہے۔ اہل احسان خواص اہل ایمان ہیں، جیساکہ اہل ایمان، خواص اہل اسلام ہیں۔ اہل احسان وہ ہیں جنھوں نے مراقبہ کی حد تک اللہ کی عبادت کی تکمیل کی۔ اسی لیے ہر محسن مومن و مسلم ہیں لیکن ہر مسلم، مومن و محسن نہیں ہے۔ جب مطلق احسان بولا جائے گا تو اس میں ایمان واسلام دونوں داخل ہوں گے۔ اسلام، ایمان اور احسان مربوط ہیں

1597) المصدر السابق۔

، لیکن اسلام کا دائرہ زیادہ وسیع ہے۔ اس سے قریب ایمان کا دائرہ ہے اور اس سے تنگ احسان کا دائرہ ہے۔[1598] اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور ایمان باطنی اعمال کا اور احسان ظاہری و باطنی دونوں اعمال کے مجموعے کو کہتے ہیں۔[1599]

چوتھا مسئلہ: احسان ایک رکن ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے احسان کو ارکان نہیں کہا جیسا کہ اسلام اور ایمان کے تعلق سے ذکر کیا ہے۔ احسان، رکن واحد ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ یہ مفرد ہے، مرکب نہیں ہے۔[1600] جیسا کہ ابن قاسم نے حاشیہ میں صراحت کی ہے۔[1601] اس تفسیر سے مصنف کے کلام کی توجیہ متعین ہو جاتی ہے، اس لیے کہ رکنیت کی حقیقت اس پر صادق نہیں آتی۔ اس لیے کہ رکن متعدد ہوتا ہے، نہ کہ مفرد اور منفرد کسی چیز کی تنہا ذات ہوتی ہے

(1598) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشیخ (212-214)؛ حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (65)۔

(1599) شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد العزیز الریس (88)۔

(1600) بلوغ المأمول بشرح الثلاثۃ الأصول، عصام بن أحمد مامی (291)۔

(1601) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (66)۔

[1602] لہذا رکن متعدد ہوگا، دو یا دو سے زیادہ۔ جب ایک ہو تو اس کی ذات ہے اور جب رکن کو ایک چیز کے طور پر ذکر کیا جائے تو اس سے مراد اس کی حقیقت کا اثبات ہے۔[1603]

احسان رکن واحد ہے۔ اس میں تعدد نہیں ہے۔[1604] احسان کے دو مقامات ہیں۔ ایک، مقام مشاہدہ۔ وہ یہ ہے کہ بندہ کو اپنے رب کا استحضار ہو۔ دوسرے، مقام مراتبہ۔ وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی عبادت پورے استحضار کے ساتھ کرے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال سے واقف ہے۔ وہ ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔[1605]

1602) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (41)۔

1603) التعليقات على القول السديد فيما يجب لله تعالى على العبيد، صالح العصيمي (26)۔

1604) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (59)۔

1605) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (168)؛ الشرح الصوتي: (تعليقات على ثلاثة الأصول)، الح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم السابع بالمسجد النبوي 1437 هجريا۔

مصنف کے قول ""الاحسان رکن واحد"" سے مراد یہ ہے کہ ایک چیز کی تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو تم یہ سمجھو کہ اللہ تم کو دیکھ رہا ہے۔1606

پانچواں مسئلہ: مراتب احسان۔

مصنف نے احسان کی وہی تفسیر کی جو نبی کریم ﷺ نے حدیث جبریل میں کی ہے ۔احسان بندہ اور رب کے درمیان یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت اس طریقے پر کرے جس طریقے کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے۔ عبادت کے دوران میں اخلاص ہو، سنت کے موافق ہو، اس کا استحضار ہو کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے ۔ ہمارے حالات اور ہمارے اعمال سے واقف ہے ۔ دلوں کے وساوس کو جانتا ہے۔ ارکان وجوارح کی حرکات وسکنات سے واقف ہے۔1607

احسان کے دو مرتبے ہیں۔ ایک دوسرے سے اعلیٰ و بہتر ہے۔

پہلا مرتبہ مشاہدہ یا معائنہ ہے۔

1606) شرح الأصول الثلاثة، خالد الأنصاري (47)۔

1607) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (168)۔

اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ اس میں یقین ہو جائے اور اللہ پر اس کا ایمان ہو۔ ایسا لگے کہ اللہ تعالیٰ کو کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں، کمال یقین اور کمال اخلاص کی بنا پر۔ پھر وہ اس طرح اپنے رب کی عبادت کرے کہ اگر پردہ ہٹا دیا جائے۔ جو اس کی کیفیت پہلے تھی، اس میں اضافہ نہ ہو۔[1608] جو اس مرتبے کو پہنچ گیا، وہ احسان کی انتہا کو پہنچ گیا۔ وہ اللہ کی عبادت ایسے کر رہا ہے جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں دکھائی نہیں دیتا بلکہ اللہ کا دیدار تو آخرت میں ہوگا۔ لیکن انسان اپنے دل سے اسے دیکھتا ہے، جیسے آنکھ سے دیکھ رہا ہو۔ اس لیے اہل احسان کو آخرت میں بدلہ دیا جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں۔ جب انھوں نے اللہ کی عبادت ایسے کی جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہے ہوں، اس دنیا میں تو اللہ تعالیٰ اسے یہ بدلہ دے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو جنت میں دیکھیں۔ ارشاد باری ہے {لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ}[1609]، ترجمہ: جن لوگوں نے بھلائی کا طریقہ اختیار کیا ان کے لیے بھلائی ہے اور مزید فضل۔

1608) بلوغ المأمول بشرح الثلاثة الأصول، عصام بن أحمد مامی (293)۔

1609) سورۃ یونس، الآیۃ (26)۔

"زیادۃ": اللہ کا دیدار ہے۔ جب اس نے دنیا میں احسان کیا تو اللہ تعالیٰ ان کو حسنیٰ (جنت) عطا فرمائیں گے اور مزید ان کو اللہ کا دیدار نصیب ہو گا۔

اس مشاہدہ سے مقصود صفات کا مشاہدہ ہے، نہ کہ ذات کا مشاہدہ۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہو کہ وہ ذات کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ گمراہ ہے۔ اس لیے کہ صفات کا مشاہدہ تو ممکن ہے۔ اس سے مقصود اللہ کی مخلوق میں اللہ کی صفات کے آثار کا مشاہدہ ہے۔[1610]

دوسرا مرتبہ: مراقبہ ہے۔

اگر وہ اللہ کو نہیں دیکھ رہا ہے تو یہ خیال کرے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ اگر اس کا دل سے دیکھنا اپنے رب کو نہیں ہوا تو وہ اللہ کی عبادت ایسے کرے کہ وہ اللہ اسے کو دیکھ رہا ہے۔ یہ تصور دل میں پیدا کرے۔ یہ استحضار قائم کرنا بندہ کے لیے مناسب و بہتر ہے۔[1611] بندہ اس احساس کے ساتھ عبادت کرے کہ وہ یہ سمجھے، اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے حال سے واقف ہے۔ اس کے دل کی چھپی باتوں کو جانتا ہے۔ وہ صرف انسان کے ظاہر ہی کو نہیں جانتا، بلکہ ظاہر و باطن دونوں سے واقف ہے۔ بندہ کے لیے اس کی نافرمانی کرنا اور اس کے

(1610) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (180)۔

(1611) شرح الأصول الثلاثۃ، عبدالرحمن بن ناصر البراک (33)۔

حکم کے خلاف کرنا مناسب نہیں ہے۔اس لیے کہ وہ دیکھ رہاہے۔یہ خوف ورجاءاور مراقبہ کے طور پر عمل میں احسان ہے۔[1612] اس لیے جب بندہ کسی گناہ کاارتکاب کرتاہے تو وہ مرتبہ اُحسان سے دور ہو جاتاہے۔

چھٹامسئلہ: مراتب احسان کے درمیان تعلق۔

مقام مراقبہ، استحضار کا مرتبہ اوراحسان کی تحقیق کا ذریعہ ہے۔جب بندہ استحضار کے ساتھ عبادت کرتاہے تواس کے خشوع میں اضافہ ہوتاہے، یہاں تک کہ وہ مشاہدہ کے درجہ تک پہنچ جاتاہے۔پھراللہ کی عبادت ایسے کرتاہے جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہاہو۔[1613]

مقام مراقبہ، مقام مشاہدہ سے کم ترہے۔مشاہدہ کا مقام اس مرتبہ سے عظیم ہے جس کی طرف بندۂ مومن ہوتاہے۔ وہ یہ ہے کہ چیزیں اس کے نزدیک حق الیقین کے درجے میں ہو جاتی ہیں،اس لیے کہ جب حقیقت دل کے آئینے میں منکشف ہو جاتی ہےاور بندہ معرفت کے مقام کو کسی حد تک پہنچ جاتاہے تو گویاوہ اس صفات کمال و جلال کا مطالعہ کرتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات متصف ہےاور روح کواس قرب خاص کااحساس ہوتا

(1612)بلوغ المأمول بشرح الثلاثة الأصول، عصام بن أحمد مامی(293)۔

(1613)شرح الأصول الثلاثة، خالد الأنصاري(48)۔

ہے جو محسوس کے قرب کی طرح نہیں ہوتا، یہاں تک کہ روح ودل کے درمیان حجاب کے اٹھنے کا مشاہدہ کرتا ہے اور ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس کے رب کے درمیان سے پردہ اٹھ گیا ہو۔ روح و قلب اس وقت رب کی طرف اس طرح متوجہ وہجاتا ہے کہ گویا وہ اس کا دیدار کر رہا ہو۔[1614]

جب جب مقام مشاہدہ یا مراقبہ عظیم ہوتا ہے تو احسان عمل میں اضافہ ہوتا ہے، اس لیے کہ جب اپنے رب کا مراقبہ کرتا ہے تو اس کو اس کا علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل سے واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو احسان عمل کا اس کو جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے عمل کو بہتر سے بہتر انداز میں انجام دیتا ہے۔ اس کے اندر انابت، خشوع اور خضوع پیدا ہوتا ہے اور اس صفت کا ہونا دو چیزوں کا باعث ہوتا ہے۔

پہلی چیز یہ کہ اس کی عبادت میں اخلاص پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ریا و شہرت اور تعریف سے پاک عبادت کرتا ہے۔ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔[1615] بعض علماء مقام اخلاص کو مرتبہ مراقبہ کہتے ہیں، اس لیے کہ بندہ کو جب اپنے عمل میں اللہ

(1614) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (66)۔

(1615) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (168)۔

کے مشاہدہ کا استحضار ہوتا ہے تو اس کو غیر اللہ کی طرف توجہ کرنے سے روک دیتا ہے۔[1616] چنانچہ وہ عبادت صرف اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے۔[1617]

دوسری چیز یہ پیدا ہوتی ہے کہ عبادت میں جان اور حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ نماز ایسے پڑھتا ہے جیسے اپنے رب کا مشاہدہ کر رہا ہو اور اپنے رب کو دیکھ رہا ہو۔[1618]

ساتواں مسئلہ: احسان کا کس قدر ہونا کافی ہے:

خالق سے احسان سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو عمدگی سے انجام دے اور خالق سے جتنا احسان کا ہونا کافی ہے، اس کی دو بنیادیں ہیں۔

پہلی بنیاد یہ ہے کہ مصیبت میں، پریشانی میں صبر سے کام لے اور جو انسان کے موافق ہو، اس میں اللہ کا شکر ادا کرے۔

(1616) جامع العلوم والحکم، لابن رجب (129/1)، تحقیق: شعیب الأرنؤوط، ناشر: دار الرسالۃ، ط. الثالثۃ: 1412 ھجریۃ۔

(1617) شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد العزیز الریس (88)۔

(1618) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (168)۔

دوسری بنیاد یہ ہے کہ اس کے ساتھ احسان شرعی حکم کے اعتبار سے ہو۔ تصدیق کے ساتھ اس کی خبر کو مانے، فرائض کو انجام دے، محرمات سے بچے اور حلال کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھے۔[1619]

احسان عمل میں فرق ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کے لیے احسان کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر عمل صحیح نہیں۔[1620] اسلام کا کوئی رکن اور کوئی شعبہ نہیں جس کے ساتھ احسان نہ ملا ہو۔[1621] پھر اس میں انسان کے حالات کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔ عمل بہتر ہو، اس معنی میں کہ وہ خالص اور درست ہو، اس قدر احسان کا ہونا کافی ہے۔

مستحب یہ ہے کہ مقام مراقبہ یا مقام مشاہدہ پر فائز و قائم ہو۔[1622]

1619) الشرح الصوتي: (شرح ثلاثة الأصول وأدلتها)، الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم بالمسجد النبوي 1441 هجريا۔

1620) المصدر السابق (179)۔

1621) دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، محمد بن علي بن علان (95/5)۔

1622) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (179)۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دلیل ارشاد باری ہے {إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (128)}[1623]۔ ترجمہ: اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔ اور {وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (217) الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ (218) وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (219) إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (220)}[1624]، ترجمہ: اور اُس زبردست اور رحیم پر توکل کرو۔ جو تمہیں اس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم اٹھتے ہو۔ اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہاری نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اور {وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ}[1625]، ترجمہ: اے نبیؐ، تم جس حال میں بھی ہوتے ہو اور قرآن میں سے

1623) سورۃ النحل: 128۔

1624) سورۃ الشعراء: 217-220۔

1625) سورۃ یونس: 61۔

جو کچھ بھی سُناتے ہو، اور لوگو، تم بھی جو کچھ کرتے ہو اُس سب کے دوران میں ہم تم کو دیکھتے رہتے ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ نے مرتبہ احسان پر قرآن سے دلائل ذکر کرنے کا آغاز کیا ہے اور احسان کو ''وَالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ'' سے ثابت کیا اور یہ احسان کے دونوں مقام کو شامل ہے۔ وہ یہ ہے کہ بندہ یا تو اس تصور سے عبادت کرے کہ اللہ کو وہ دیکھ رہا ہے یا اس تصور سے کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ دوسرے مقام کی دلیل "وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (217) الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ" ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ دل سے اعتماد کرے اور اپنے سارے کاموں کو اس ذات کے حوالے کردے جو اس کو دیکھ رہا ہے، خواہ وہ کسی عبادت میں ہو یا نماز میں ہو۔ ''وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ''یعنی وہ ذات ایسی ہے جو نمازیوں کی نقل و حرکت دیکھتا، سنتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ رکوع و سجود اور قیام ہر ایک پر نگاہ رکھتا ہے۔ اس لیے اگر اللہ پر بھروسا ہو تو وہ کافی ہے۔

اور مقام ثانی کی دوسری دلیل سورۂ یونس آیت نمبر ۶۱ میں اللہ تعالیٰ کا نبی سے خطاب ہے: { وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِن قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ

تُفِيضُونَ فِيهِ} ۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندہ کے حال کا مکمل ہے جو مقامات احسان میں مقام ثانی کی دلیل ہے۔[1626]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مرتبہ: مرتبۂ احسان کی پہلی دلیل۔

مرتبۂ احسان کی پہلی دلیل "إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ" ہے۔ "ثلاثة الاصول" کے بعض نسخے میں اس دلیل کا بھی اضافہ ہے۔ارشاد باری ہے {وَمَن يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ} (سورۃ لقمان: ۲۲) "جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کردے اور عملاً وہ نیک ہو۔" دونوں آیات سے طریقۂ استدلال یہ ہے کہ ان دونوں آیات میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو صفت احسان سے متصف ہیں ۔ پہلی آیت سے استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت کا ذکر کیا ہے،ان لوگوں کے لیے جو متقی ہیں اور جو نیک ہیں۔ یہ معیت اس مقام پر دو چیزوں کا تقاضا کرتی ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے واقف اور ان کے احوال سے باخبر ہے اور یہ عام معیت ہے۔ ہر مخلوق کے لیے ہے ۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ان کو اللہ کی تائید، نصرت اور توفیق حاصل ہوتی ہے۔ اور یہی خاص

1626) شرح ثلاثة الأصول، صالح آل الشیخ(169)؛ وشرح ثلاثة الأصول، عبداللہ الفوزان(142)۔

معیت متقین و محسنین کے ساتھ ہوتی ہے۔ طریقۂ استدلال آیت سے اس طرح ہے کہ آیت اس کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص معیت ہوتی ہے۔ محسنین کے ساتھ اور وہ ہے نصرت، تائید اور توفیق کی معیت اور یہ محسنین کی فضیلت کی دلیل ہے۔[1627]

دوسرا مسئلہ: مرتبۂ احسان کی دوسری دلیل۔

مرتبۂ احسان کی دوسری دلیل { وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (217) الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ (218) وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (219) إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (220)} ہے۔ ان آیات میں اس کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی عبادت کی حالت، تمام حالات، قیام، رکوع و سجود کی حالت کو دیکھتا ہے۔ یہ احسان کے دونوں مقامات میں دوسرے مقام کی دلیل ہے۔ ارشاد نبوی ہے "اگر تم اللہ کو نہیں دیکھتے

1627) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (169)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، صالح بن فوزان الفوزان (225)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (141)۔

ہو تو اللہ تعالیٰ تو تم کو دیکھ رہا ہے۔''[1628] اس آیت کو دلیل کے طور پر پیش کرنے کا مقصود یہ ہے کہ یہ آیت اس احسان کے معنیٰ کو شامل ہے جس کی خبر نبی کریم ﷺ نے دی ہے۔

تیسرا مسئلہ: مرتبۂ احسان کی تیسری دلیل۔

مرتبۂ احسان کی تیسری دلیل سورۂ یونس آیت نمبر ۶۱ ہے: { وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ}- دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ"- اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال، احوال کو تفصیل سے دیکھتا ہے اور ان کی باتوں کو سنتا ہے۔ یہ استدلال ظاہر ہے، اس لیے کہ احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت ایسے ہو جیسے دیکھ رہے ہوں اور اگر ایسا نہ ہو تو یہ خیال کرو کہ اللہ تم کو دیکھ رہا ہے۔[1629]

چوتھا مسئلہ: مذکورہ دلائل کی روشنی میں استدلال کے اقسام۔

(1628)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ(170)۔

(1629)المصدر السابق۔

مرتبہ احسان کے دلائل میں پہلی دو آیات میں متقین و محسنین کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ "وَالَّذِيْنَ هُمْ مُحْسِنُوْنَ" اور "وَهُوَ مُحْسِنٌ" آخری دو آیات میں مقام مراقبہ کی صراحت ہے۔ "اَلَّذِيْ يَرَاكَ حِيْنَ تَقُوْمُ" اور "اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ" اور "ثلاثۃ الاُصول" کے بعض نسخے میں یہ آیت بھی ہے {وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ} (سورۃ الطلاق: 3) اس آیت سے مرتبہ احسان کی دلیل یہ ہے کہ اس میں توکل کا ذکر ہے۔ اس کی بنا پر بندہ اپنے معاملے کو اللہ کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہی احسان کی حقیقت ہے۔ اس طریقے سے یہ آیات مرتبہ احسان کی دلیل ہے۔[1630] اور مومن اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ وہ اس کو دیکھتا ہے اور اس کا مشاہدہ کرتا ہے۔ لیکن اس امر کے ساتھ ایمان اور شعور اور استحضار کے درمیان فرق ہے۔[1631]

1630) تعلیقات علی ثلاثۃ الاُصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (42)۔

1631) شرح الاُصول الثلاثۃ، عبدالرحمن بن ناصر البراک (34)۔

مصنف ﷺ فرماتے ہیں کہ سنت سے ان باتوں کی دلیل وہ حدیث ہے جو حدیث جبرئیل کے نام سے مشہور ہے۔ عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ " بينما نحن عند رسول الله صلى الله عليه وسلمذات يوم إذ طلع علينا رجل شديد بياض الثياب، شديد سواد الشعر، لا يرى عليه أثر السفر، ولا يعرفه منا أحد، حتى جلس إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فأسند ركبتيه إلى ركبتيه، ووضع كفيه على فخذيه، وقال: يا محمد أخبرني عن الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «الإسلام أن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله صلى الله عليه وسلم، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتصوم رمضان، وتحج البيت إن استطعت إليه سبيلا»، قال: صدقت، قال: فعجبنا له يسأله، ويصدقه، قال: فأخبرني عن الإيمان، قال: «أن تؤمن بالله، وملائكته، وكتبه، ورسله، واليوم الآخر، وتؤمن بالقدر خيره وشره قال صدقت قال فأخبرني عن الإحسان، قال: «أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك» قال فأخبرني عن

الساعة، قال: «ما المسئول عنها بأعلم من السائل» قال: فأخبرني عن أمارتها، قال: «أن تلد الأمة ربتها، وأن ترى الحفاة العراة العالة رعاء الشاء يتطاولون في البنيان»، قال: ثم انطلق فلبثت مليا، ثم قال لي يا عمر أتدري من السائل؟» قلت: الله ورسوله أعلم، قال: «فإنه جبريل أتاكم يعلمكم دينكم »[1632]۔

یہ حدیث جبریل ہے جس کے راوی عمر بن خطاب ﷛ ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی ہمارے پاس آئے جن کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی کالے تھے۔ان پر سفر کا اثر نہیں تھا، نہ ہم میں سے کوئی پہچانتا تھا، یہاں تک کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھ گئے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنی دونوں ران پر رکھا۔فرمایا"اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے۔" آپ ﷺ نے جواب دیا"اسلام یہ ہے کہ آپ اس کا اقرار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کریں، زکوۃ دیں، رمضان کا روزہ رکھیں اور

1632) أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب: الإيمان، باب: معرفة الإيمان والإسلام والقدر، برقم (1)۔

خانہ کعبہ آنے جانے کی صلاحیت ہو توحج کریں۔" فرمایا "آپ نے سچ کہا۔" ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ سوال بھی اور تصدیق بھی۔ فرمایا "ایمان کے بارے میں بتائیے۔" فرمایا "اللہ پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر، رسولوں پر، آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائیں۔" فرمایا "آپ نے سچ کہا۔" فرمایا "مجھے احسان کے بارے میں بتائیے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کی عبادت اس شان کے ساتھ کریں کہ آپ اللہ کو دیکھ رہے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو یہ خیال کریں کہ اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔" فرمایا "قیامت کے بارے میں بتائیے۔" فرمایا "جن سے پوچھا جارہا ہے، ان سے زیادہ پوچھنے والا جانتا ہے۔" فرمایا "اس کی علامت کے بارے میں بتائیے۔" فرمایا "باندی آقا جنے، ننگے پاؤں، ننگے بدن والے اونچی اونچی عمارتوں میں رہنے لگیں، بکریوں کے چرواہے عمارتوں پر فخر کرنے لگیں۔" فرمایا "پھر وہ چلے گئے۔ ہم لوگ کچھ دیر ٹھہرے رہے۔ پھر مجھ سے کہا، اے عمر! سائل کو جانتے ہو؟ میں نے کہا، اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا، یہ جبریلؑ تھے جو تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔"

مصنف رحمہ اللہ نے اس سے پہلے اصل ثانی (دلائل کے ذریعے دین اسلام کو معرفت) کا ذکر کیا اور مراتب دین میں سے مرتبہ اُولیٰ (مرتبہ اسلام) کے ذکر سے آغاز کیا۔ اسلام کی تعریف، اس کے ارکان کا ذکر، شہادتین کے معنی کو بیان کیا۔ شہادت توحید کو بیان

کیا۔ توحید کی تفسیر کی۔ اس کے دلائل کو ذکر کیا اور شہادت رسالت کے معنی کو بیان کیا۔ پھر باقی ارکان اسلام کے دلائل کو بیان کیا۔ پھر دوسرے مرتبہ (ایمان) کو ذکر کیا۔ ایمان کے چھ ارکان اور ان کے دلائل کو بھی بیان کیا۔ پھر تیسرے مرتبہ (احسان) کو اور قرآن سے ہر مرتبہ کے دلائل کو ذکر کیا۔ ان ساری باتوں کو مربوط وسلیقہ اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا جس سے سمجھنا اور سمجھانا آسان ہو جاتا ہے۔[1633] اس کے بعد ان تمام مراتب کے لیے سنت سے دلائل پیش کیے۔ پھر حدیث جبریل کو ذکر کیا جس میں اسلام، ایمان اور احسان وغیرہ سے متعلق پوچھا گیا ہے۔[1634] (غیر کامل) اس حدیث میں دین کے تین مراتب کا ذکر ہے اور مصنف رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ان تمام مسائل کو ختم کیا جو اصل ثانی (دین کی معرفت) سے متعلق ہیں۔[1635]

مذکورہ باتوں میں دو مسئلے ہیں۔

پہلا مسئلہ: ان مراتب پر سنت سے دلیل۔

(1633) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (182)۔

(1634) شرح الأصول الثلاثة، صالح بن فوزان الفوزان (230)۔

(1635) تیسیر الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (156)۔

مصنف نے حدیث جبریل سے استدلال کیا ہے کہ یہ حدیث تمام مراتب دین اور اس کے ارکان پر مشتمل ہے۔ یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے مختلف طرق سے مروی ہے۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ مسند احمد وغیرہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ مصنف نے اس طریق کو ذکر کیا ہے جس کی تخریج امام مسلم رحمہ اللہ نے کی ہے۔ اس کے راوی عمر رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ اس طریق میں بہت سے فوائد زوائد ہیں۔ حدیث جبریل عظیم الشان حدیث ہے۔ تمام دین کے بیان پر مشتمل ہے۔[1636] دین وعقائد کے اصول اس میں آئے ہیں۔ اس حدیث پر اہل السنۃ والجماعہ کا عقیدہ ہے۔ ان اصول دین پر مشتمل ہے جن کا عقیدہ رکھنا واجب ہے، جن کو علماء ایمان مجمل کہتے ہیں۔ شاہد نبی کریم ﷺ کا اخیر میں ارشاد ہے، درجۂ اسلام، درجۂ ایمان اور درجۂ احسان کی شرح کے بعد " تمہارے پاس جبریل ؑ تم کو دین سکھانے آئے تھے۔" آپ ﷺ نے ہر چیز کو دین قرار دیا جس میں دین کے تینوں مراتب داخل ہیں۔

دوسرا مسئلہ: قرآن میں ان مراتب کی دلیل۔

1636) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (68)۔

یہ مراتب دین کے مراتب میں ہیں جن کی دلیل کتاب اللہ ہے۔ ارشاد باری ہے { ثُمَّ أَوۡرَثۡنَا ٱلۡكِتَٰبَ ٱلَّذِينَ ٱصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَاۖ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٞ لِّنَفۡسِهِۦ }، ترجمہ: "پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنادیا اُن لوگوں کو جنہیں ہم نے (اِس وراثت کے لیے) اپنے بندوں میں سے چن لیا اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے"، (سورۃ فاطر: 32) یہ مرتبہ اسلام ہے۔ اسلام ظاہری عمل کو بجالانے کا نام ہے اور مرتبہٗ ایمان کی دلیل یہ آیات ہیں " وَمِنۡهُم مُّقۡتَصِدٞ " ، ترجمہ: "اور کوئی بیچ کی راس ہے"، اور "وَمِنۡهُمۡ سَابِقُۢ بِٱلۡخَيۡرَٰتِ بِإِذۡنِ ٱللَّهِۚ"[1637]، ترجمہ: "اور کوئی اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے"، مرتبہٗ احسان اعلیٰ مراتب میں ہے۔ ان مراتب کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ بھی کیا ہے، جیسے سورۂ واقعہ میں غور وتدبر سے انسان مزید دلیل کتاب اللہ میں پالے گا۔[1638]

(1637) سورۃ فاطر، الآیۃ (32)۔

(1638) شرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد المصلح (63)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، حمد الحمد (21)۔

تیسرا اصول: ہمارے نبی محمد ﷺ کی معرفت[1639]

آپ ﷺ کا نام مبارک محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم تھا۔ہاشم کا تعلق قریش سے تھااور قریش عرب کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ ہےاور عرب اسماعیل بن ابراہیم الخلیلؑ کی ذریت میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیم و اسماعیلؑ اور ہمارے نبی محمد ﷺ پر درود و سلامتی ہو،انہوں نے ۶۳ (ترسٹھ) سال کی عمر پائی، چالیس سال نبوت سے پہلے اور ۲۳ (تیئس) سال نبوت ملنے کے بعد بطور نبی اور رسول۔

(اقرا) کے ذریعہ انہیں نبی بنایا گیااور (المدثر) کے ذریعہ رسول بنایا گیا۔ان کا شہر مکہ مکرمہ تھااور مدینہ کی طرف انہوں نے ہجرت کی تھی۔[1640] اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو توحید کی طرف دعوت دینے اور شرک سے آگاہ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (1) قُمْ فَأَنْذِرْ (2) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ

(1639) في (ن): (معرفة نبيكم ﷺ)۔

(1640) قوله: (وهاجر إلى المدينة) هذه الزيادة ليست موجودة في (خ، ن)۔

(3) وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (4) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (5) وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (6)

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (7)}[1641]

ترجمہ: اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے۔ اٹھو اور خبردار کرو۔ اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور گندگی سے دور رہو۔ اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔

"قُمْ فَأَنْذِرْ" کا مطلب ہے کہ شرک سے آگاہ کردو اور توحید کی دعوت دو۔ "وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ" کا مطلب ہے توحید کا اقرار کرکے اس کی عظمت بیان کرو "وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" کا مطلب ہے کہ اپنے اعمال کو شرک سے پاک کردو[1642]۔ "وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ" رجز کہتے ہیں بتوں کو اور اس سے ہجر کا مطلب ہے اس کو بالکل ترک کردو، چھوڑدو، بتوں سے اور بتوں کو پوجنے والوں سے برأت کا اعلان کردو۔[1643]

(1641) سورۃ المدثر: 1-7۔

(1642) في (خ،ن): (من الشرک)۔

(1643) في (خ،ص) زيادة: (وعداوتها وأهلها وفراقها وأهلها)۔

چنانچہ وہ دس سال تک لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دیتے رہے اور دس سال کے بعد آپ ﷺ کو آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی، چنانچہ آپ ﷺ نے تین سال مکہ میں نماز ادا کی اور اس کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ملا۔[1644]

ہجرت کہتے ہیں ایسی جگہ سے جہاں شرک کا رواج ہو جہاں شرک عام ہو ایسی جگہ منتقل ہو جانے کو جہاں اسلام اور اس کا نظام قائم ہو[1645] اور ہجرت اس امت پر فرض ہے اور فریضہ قیامت کی صبح تک باقی رہے گا۔ اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے: {إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (97) إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

1644) قوله: (إلى المدينة) هذه الزيادة ليست موجودة في (ن). وفي (خ): (أُمر بالهجرة في المدينة) ولعله: تصحيف۔

1645) قوله: (والهجرة: فريضة على هذه الأمة... إلى بلد الإسلام): هذه الزيادة ليست موجودة في (خ،ن)۔

وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا (98) فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ
أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا (99)}[1646]

ترجمہ: جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے اُن کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے فرشتوں نے کہا، کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے۔ ہاں جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے۔ بعید نہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے، اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔

اور{ يَاعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ (56) }[1647]

ترجمہ: اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو، میری زمین وسیع ہے، پس تم میری بندگی بجا لاؤ۔

(1646)سورۃ النساء:97-99۔

(1647)سورۃ العنکبوت:56،57۔

بغویؒ فرماتے ہیں: "اس آیت کا سبب نزول مکہ کے وہ مسلمان تھے جنھوں نے ہجرت نہیں کی تھی چنانچہ اللہ رب العزت نے ان کو ایمان کے حوالے سے پکارا۔

سنت سے ہجرت کی دلیل آپ ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "لا تنقطع الهجرةُ حتى تنقطعَ التوبةُ، ولا تنقطعُ التوبةُ حتى تطلعَ الشمسُ من مَغرِبِها[1648]"

ترجمہ: ہجرت ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ توبہ کا سلسلہ ختم ہوجائے، اور توبہ ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج پچھم سے نکل آئے۔

اور جب آپ ﷺ کو مدینہ میں استقرار حاصل ہوگیا تو اسلام کے باقی احکامات کا حکم نازل ہوا[1649] جیسے زکوۃ ادا کرنے، روزہ رکھنے، حج کرنے، اذان دینے،[1650] اللہ کی راہ میں جہاد کرنے،[1651] نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے اور دوسرے مختلف اسلامی احکامات کا حکم

(1648) سنن أبي داؤد، رقم 2479۔

(1649) في (ص): زيادة (فيها)۔

(1650) كلمة (والأذان) هذه الزيادة ليست موجودة في (ن)۔

(1651) في (خ): (والجهاد والأذان)۔

نازل ہوا[1652] اور یہ عرصہ دس سالوں پر مشتمل رہا اور اس کے بعد[1653] آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ آپ پر ڈھیروں درود و سلام ہو۔[1654] آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا لیکن آپ جو دین لے کر آئے تھے وہ آج بھی باقی ہے اور یہ وہ دین ہے جس نے ہر قسم کے خیر اور اچھائی کی طرف لوگوں کو ابھارا اور ہر قسم کے نشہ اور برائیوں سے لوگوں کو آگاہ کیا[1655] جس خیر کی طرف اس نے ابھارا[1656] وہ اللہ کی توحید کا اقرار ہے اور ہر اس کام[1657] کو کرنے کی ترغیب ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پسند ہے اور جس شر سے لوگوں کو آگاہ کیا[1658] وہ شرک

(1652) كلمة (وغير ذلک من شرائع الإسلام) هذه الزيادة ليست موجودة في (خ، ن).

(1653) كلمة (بعدها) هذه الزيادة ليست موجودة في (خ، ن).

(1654) في (خ، ص، م، ن)، وحاشية ابن قاسم (87): (صلوات).

(1655) في (خ، ص، ن): (عنه).

(1656) في (خ، ن): (دلها).

(1657) كلمة (وجميع) هذه الزيادة ليست موجودة في (خ، ن).

(1658) في (د، ن): (حذّر عنه). وفي (ص): (حذّرها عنه). وفي (خ): (حذّر الله منه).

ہے[1659] اور ہر وہ کام جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ناپسند کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کے لئے[1660] بھیجا اور آپ ﷺ کی اطاعت تمام انسانوں اور جنوں پر فرض کی۔[1661] اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے: { قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا}[1662]

ترجمہ: اے محمدؐ، کہو دو کہ اے انسانو، میں تم سب کی طرف خدا کا پیغمبر ہوں۔

آپ ﷺ کے ذریعہ اللہ نے دین کو مکمل کر دیا۔[1663] اس بات کی دلیل فرمانِ الٰہی ہے: { الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا}[1664]

(1659) في (د): زيادة (بالله)۔

(1660) في (خ): (في)۔

(1661) في (خ، د، م، ن) وحاشية ابن قاسم (89): زيادة لفظ: (الله)۔

(1662) سورۃ الأعراف: 158۔

(1663) في (خ، ص، ن): (وأكمل الله به)۔

ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

اور اس بات کی دلیل کہ آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: { إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (30) ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ (31) }[1665]

ترجمہ: (اے نبیؐ) تمہیں بھی مرنا ہے اور اِن لوگوں کو بھی مرنا ہے۔ آخر کار قیامت کے روز تم سب اپنے رب کے حضور اپنا اپنا مقدمہ پیش کرو گے۔

1664) سورۃ المائدۃ: 3۔

1665) سورۃ الزمر: 30،31۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں "تیسری اصل تمہارے نبی محمد ﷺ کی معرفت ہے"۔

سب سے پہلے "مرسِل" اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا۔اس کے بعد رسالت، دین اسلام کا ذکر کیا۔اور یہاں "مرسَل" یارسول، محمد ﷺ کے بارے میں ذکر کیا جن کی معرفت واجب ہے۔[1666] چنانچہ مصنف نے اصل اول، بندے کا اپنے رب،اپنے معبود کی معرفت کو بیان کیا۔ پھر اصل ثانی دین اسلام کی معرفت دلائل کی روشنی میں ذکر کیا۔اور یہاں تیسری اصل نبی ﷺ کی معرفت کو ذکر کیا۔اصل ثالث دین کے ان تین اصولوں میں ہے جن کی معرفت بندہ پر واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی معرفت ہمارے درمیان اور اللہ کے درمیان واسطہ ہے۔چنانچہ اصل اول اللہ کی معرفت،اصل ثانی دین اسلام کی معرفت ممکن نہیں،اس واسطے کے بغیر جو ہمارے اور اللہ کے درمیان ہے اور وہ واسطہ رسول کا ہے ۔چنانچہ رسول کی معرفت ضروری ہےاور یہ تیسری اصل ہے۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: نبی ﷺ کی معرفت سے مراد۔

1666) شرح الأصول الثلاثة، عبدالرحمن بن ناصر البراک (37)۔

ان تین اصولوں میں پہلی دونوں اصل جن کے بارے میں انسان سے قبر میں پوچھا جائے گا اور جن کا سیکھنا اور جن پر عمل کرنا واجب ہے، ان کی وضاحت کے بعد تیسری اصل نبی کریم ﷺ کی معرفت کی توجہ کی۔ نبی ﷺ کی معرفت سے یہاں مراد اس چیز کا علم ہے جو اس سے پہلے اصل اول کے سلسلے میں کلام کیا گیا۔ نبی ﷺ کی معرفت سے مراد آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کی حالت کا علم ہے۔ یعنی آپ ﷺ کے نسب کا علم، اس کا علم کہ آپ ﷺ نبی ہیں اور رسول ہیں۔ آپ نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور شرک سے ڈرایا۔ اور جو مباحث اس سے متعلق ہیں، ان کا ذکر عنقریب کریں گے۔ اس اصل کی حقیقت نبی ﷺ کی بعض سیرت کا علم اور یہ علم متعین ہے تاکہ علم و معرفت کی بنیاد پر محمد ﷺ کی شہادت ہو جائے۔[1667]

دوسرا مسئلہ: نبی ﷺ کی معرفت کے اصول۔

مصنف کا کلام نبی ﷺ کی معرفت پر مشتمل ہے، جیسا کہ عنقریب آٹھ باتیں آئیں گی۔ پہلی بات، آپ کے نام کی معرفت۔ دوسری بات، آپ کے نسب کی معرفت۔ تیسری بات، آپ کی عمر اور آپ کے دنیا میں رہنے کی معرفت۔ چوتھی بات، نبی اور رسول کی

(1667) شرح ثلاثۃ الاصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (183)۔

معرفت۔ پانچویں بات، جس کے ذریعے آپ کو نبی بنایا گیا، اس کی معرفت۔ چھٹی بات، جس کے ذریعے آپ کو رسول بنایا گیا، اس کی معرفت۔ ساتویں بات، اس شہر کی معرفت جہاں پیدا ہوئے، جہاں ہجرت کی اور جہاں وفات پائی۔ آٹھویں اس چیز کی معرفت جس کے ساتھ آپ مبعوث کیے گئے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شرک سے ڈرانے اور توحید کی دعوت دینے کے لیے مبعوث فرمایا۔[1668]

1668) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (229)؛ وينظر: شرح الأصول الثلاثة، خالد الأنصاري (51)؛ وسبيل الوصول إلى مقاصد ثلاثة الأصول، تأليف: عبد الله الشهراني، وعلي القحطاني (25)۔

مصنف ﷫ فرماتے ہیں: آپ ﷺ کا نام مبارک محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم تھا۔ ہاشم کا تعلق قریش سے تھا اور قریش عرب کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ ہے اور عرب اسماعیل بن ابراہیم الخلیلؑ کی ذریت میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیم و اسماعیلؑ اور ہمارے نبی محمد ﷺ پر درود و سلامتی ہو۔

ہمارے نبی محمد ﷺ کے متعدد نام ہیں جن میں مشہور محمد ہے۔ محمد کے معنی ہیں، جن کی دوسروں کے مقابلے میں کثرت سے تعریف کی جائے۔آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عبد اللہ ہے۔آپ ذبیح ثانی ہیں جنھوں نے سو اونٹ کی قربانی پیش کی۔آپ کے دادا عبد المطلب ہیں۔نام شیبہ ہے۔ سخاوت کی وجہ سے شیبہ الحمد کہا جاتا ہے۔عبدالمطلب کے والد ہاشم ہیں۔ نام عمرو ہے۔ہاشم کا تعلق قبیلہ قریش سے ہے جو سب سے اشرف قبیلہ ہے۔قریش عربی قبیلہ ہے۔ عرب اسماعیلؑ کی نسل سے ہیں۔آپ کا سلسلۂ نسب ابراہیمؑ تک پہنچتا ہے اور آپ کی دعوت بھی ان کی دعوت کے موافق ہے جس کو ابراہیمؑ لے کر آئے تھے۔ [1669]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

(1669) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (76)؛ تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (166)؛ شرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد المصلح (66)۔

پہلا مسئلہ: محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب۔

نبی کریم ﷺ کا نسب نامہ بہت ہی اونچا ہے۔ نسب کے اعتبار سے آپ اشرف العرب ہیں۔ روئے زمین پر سب سے بہتر اور افضل ہیں۔ آپ کا نسب شرف و فضل کی اعلیٰ چوٹی پر ہے جس کی شہادت دشمن بھی دیتے ہیں۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے شاہ روم کے سامنے کہا، آپ کی قوم اشرف، آپ کا قبیلہ اشرف، آپ اشرف۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ یہاں تک صحت کے ساتھ معلوم ہے جس پر نسابین کا اتفاق ہے۔ اس کے بعد تصدیق ممکن نہیں ہے۔[1670]

دوسرا مسئلہ: نبی کریم ﷺ کے أسمائے گرامی۔

1670) زاد المعاد في هدي خير العباد (71/1)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (187)۔

نبی ﷺ کے متعدد نام ہیں۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "میں محمد، احمد ہوں۔ میں ماحی ہوں، میرے ذریعے اللہ کفر کو مٹاتا ہے۔ میں حاشر ہوں، میرے پاس سارے لوگ قیامت کے دن جمع ہوں گے۔ میں عاقب ہوں۔"[1671] آپ نبی التوبۃ، نبی الرحمۃ، نبی الملحمۃ ہیں۔ یہ سارے نام آپ کے ہیں لیکن ان میں مشہور محمد ہے۔آپ سے پہلے عرب میں محمد نام نہیں تھا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ دو تین نام محمد ملتے ہیں، البتہ احمد نام رکھتے تھے۔[1672]

تیسرا مسئلہ: ہاشم قریش سے ہیں اور قریش عرب سے ہیں۔

ہاشم سب سے مشہور تھے، اس لیے ان کی طرف نسبت کی گئی۔ہاشم کا تعلق قبیلۂ قریش سے ہے اور قریش عرب ہیں۔[1673] عرب اس لیے عرب کہلاتے ہیں کہ ان کے کلام فصیح و بلیغ اور سلیس ہوتے ہیں۔اس اعتبار سے محمد ﷺ ہاشمی، قرشی اور عربی ہیں۔

1671) أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب: المناقب، باب: ماجاء في أسماء رسول الله..، برقم(3532)؛ وأخرجه مسلم، كتاب: الفضائل، باب: في أسمائه..، برقم(2354)، وزاد فيه: والعاقب الذي ليس بعده نبي۔

1672) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ(184)۔

1673) التعليقات على القول السديد، صالح العصيمي(29)۔

چوتھا مسئلہ: عرب اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

عرب کے مشہور قبیلے یہ ہیں: قریش، ہذیل، بنو تمیم، بنو دوس اور یہ سب اسماعیلؑ کی نسل سے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے کنانہ کا انتخاب اسماعیلؑ کی اولاد سے کیا۔ قریش کا کنانہ سے اور بنی ہاشم سے اور میرا انتخاب بنو ہاشم سے کیا۔[1674] نبی ﷺ عبداللہ کے لخت جگر ہیں۔آپ کے جد امجد اسماعیلؑ ہیں۔ عرب، اسماعیلؑ کی نسل سے ہیں۔ عدنانی ہو یا قحطانی، سب کا تعلق اسماعیلؑ سے ہے۔ علمائے نسب کے نزدیک یہی اصح قول ہے۔ محمد بن اسحاق اور زبیر بن بکار کا بھی یہی موقف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب نسبۃ اهل الیمن الی اسماعیل" ترجمۃ الباب قائم کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ تمام عرب اسماعیلی ہیں۔[1675]

(1674) أخرجه مسلم في كتاب: الفضائل، باب: في فضل نسب النبي... قبل النبوة، برقم (2276).

(1675) التعليقات على القول السديد فيما يجب لله تعالى على العبيد، صالح العصيمي (30).

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں انہوں نے ٦٣(ترسٹھ)سال کی عمر پائی،چالیس سال نبوت سے پہلے اور ٢٣(تیئس)سال نبوت ملنے کے بعد بطور نبی اور رسول۔(اقرا)کے ذریعہ انہیں نبی بنایا گیا اور (المدثر) کے ذریعہ رسول بنایا گیا۔ان کا شہر مکہ مکرمہ تھا اور مدینہ کی طرف انہوں نے ہجرت کی تھی۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس سے پہلے نبی ﷺ کے نام و نسب کو بیان فرمایا۔ یہاں آپ کی عمر اور مدت نبوت رسالت کے سلسلے میں گفتگو کی ہے۔پیدائش سے وفات تک آپ کی مجموعی عمر ترسٹھ سال ہوئی،چالیس سال نبوت سے پہلے۔آپ جب چالیس سال کے ہوئے تو آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔یہ بھرپور جوانی کی عمر ہے۔ تیئس سال نبوت ورسالت کا زمانہ ہے ۔ تیرہ سال مکہ میں رہے اور دس سال مدینہ میں ۔ چالیس سال کے بعد وفات تک نبی و رسول کی حیثیت سے تھے۔آپ کی عمر بابرکت تھی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دین کو غلبہ عطا کیا۔شریعت کی تکمیل ہوئی اور لوگ دین میں جوق در جوق داخل ہوئے۔ ''اقراء'' کے ذریعے نبوت کی خبر دی گئی۔ سورۂ علق کی ابتدائی آیات کے نازل کرنے سے آپ نبوت سے سرفراز کردیے گئے اور ''مدثر'' کے ذریعے رسالت سے نوازے گئے،اس لیے کہ اس میں توحید کی دعوت اور شرک کی ممانعت کی صراحت ہے۔آپ کی پرورش،پرداخت،

نشو نما مکہ میں ہوئی جو محترم اور افضل شہر ہے۔آپ کا انتخاب افضل شہر اور اشرف قبائل سے ہوا۔آپ نے مدینہ ہجرت کی اور یہی نام دیگر شہروں پر غالب ہے۔[1676]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: نبی ﷺ کی زندگی اور سیرت۔

ہمارے نبی محمد ﷺ کی پیدائش مکہ میں ہوئی، عام الفیل میں۔آپ کے والد عبد اللہ کی وفات کے سلسلے میں اختلاف ہے۔کیا رسول اللہ ﷺ شکم مادر میں تھے اور آپ کے والد کا انتقال ہو گیا یا آپ کی آپ کی ولادت کے بعد انتقال ہوا؟ صحیح قول یہ ہے کہ آپ شکم مادر میں تھے۔دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کی پیدائش کے سات مہینے بعد انتقال ہوا۔اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی والدہ کا انتقال مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواء میں ہوا۔جب آپ کے ماموں کی زیارت کر کے مدینہ سے واپس آرہی تھیں۔اس وقت آپ کی عمر سات سال بھی نہیں ہوئی تھی۔آپ کی کفالت آپ کے دادا عبد المطلب نے کی۔دادا کا انتقال اس وقت

1676) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (77)؛ تیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (168)؛ وشرح الأصول الثلاثۃ، عبد الرحمن بن ناصر البراک (38)؛ تنبیہ العقول إلی کنوز ثلاثۃ الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (908/2)۔

ہوا جب آپ تقریباً آٹھ سال کے تھے۔ایک رائے کے مطابق دس سال عمر تھی۔ان کے چچا ابو طالب آپ کی کفالت کرتے رہے۔جب بارہ سال کے ہوئے تو چچا آپ کو لے کر شام گئے۔بحیریٰ راہب نے آپ کو دیکھ کر چچا سے کہا''ان کو لے کر شام نہ جائیں کیونکہ یہود سے ان کی جان کو خطرہ ہے۔'' چنانچہ چچا نے کچھ لڑکوں کے ساتھ مکہ بھیج دیا۔جب پچیس سال کے ہوئے تو شام تجارت کی غرض سے گئے۔مقام ''بصریٰ'' پہنچے۔واپسی کے بعد خدیجہ بنت خویلد سے شادی کی۔ایک رائے یہ ہے کہ آپ کی عمر تیس سال تھی۔دوسری رائے ہے کہ اکیس سال تھی اور خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔یہ پہلی خاتون ہیں جن سے آپ نے شادی کی اور آپ کی موجودگی میں کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں کی۔پھر آپ کو خلوت گزینی اور عبادت سے محبت ہو گئی۔غار حراء میں کئی کئی رات تنہائی میں عبادت کرتے رہے۔آپ کو بت اور اپنی قوم کے دین سے نفرت ہو گئی۔آپ کی نگاہ میں امن سے زیادہ نفرت کسی چیز سے نہیں تھی۔جب چالیس سال کے ہوئے تو نبوت سے نوازا گیا اور اللہ تعالیٰ نے رسالت سے اعزاز بخشا۔مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا اور آپ کو اپنے اور بندوں کے درمیان امین بنایا۔[1677]

1677)زاد المعاد في هدي خير العباد(1/76-77)۔

دوسرا مسئلہ: عمر اور بعثت۔

آپ کی عمر ترسٹھ سال ہوئی۔ چالیس سال نبوت سے پہلے اور تیئس سال نبی ورسول کی حیثیت سے۔ عائشہ فرماتی ہیں، نبی ﷺ کی وفات ترسٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔[1678] ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ تیرہ سال مکہ میں آپ پر وحی آتی رہی۔ پھر ہجرت کا حکم دیا گیا۔ سال سال مہاجر رہے۔ ترسٹھ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔[1679] یہ دلیل ہے کہ مدت نبوت ورسالت تیئس سال پر مشتمل ہے۔ وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو منتخب کرنا چاہتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وحی نبوت۔ (۲) وحی رسالت اور یہ نبوت کا اعلیٰ درجہ ہے۔[1680]

1678) أخرجه البخاري، كتاب: المناقب، باب: وفاة النبي... برقم (3536)؛ وأخرجه مسلم في كتاب الفضائل، باب: كم سن النبي... يوم قبض، برقم (2349).

1679) أخرجه البخاري، كتاب: مناقب الأنصار، باب: هجرة النبي... برقم (3902)؛ وأخرجه مسلم في كتاب: الفضائل، باب: كم أقام النبي... بمكة والمدينة، برقم (2351).

1680) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي (52)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا.

تیسرا مسئلہ: نبوت ورسالت۔

نبوت سورہ اقراء کے ذریعے حاصل ہوئی۔آپ تنہائی پسند کرنے لگے، چنانچہ غار حراء میں خلوت اختیار کرتے۔ جبریلؑ غار حراء میں آئے اور آپ سے کہا "اِقْرَءْ" پڑھو۔آپ نے فرمایا "میں پڑھنا لکھنا نہیں جانتا۔" جبریلؑ نے کہا {اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (1) خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (2) اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (3) الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (4) عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (5)} " [1681]، ترجمہ: "پڑھو (اے نبی ﷺ!) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بہت کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: مدثر کے ذریعے رسالت عطا کی گئی۔ سورۂ مدثر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اسی وصف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کیا۔ جبریلؑ کو جب رسول اللہ ﷺ نے آسمان زمین کے درمیان اس ہیئت پر دیکھا جس ہیئت پر ان کی پیدائش ہوئی ہے تو گھبراہٹ کی شدت کی بنا پر اہل خانہ سے کہا "دثرونی، دثرونی" (مجھے کمبل اوڑھادو، مجھے

(1681) سورة العلق، الآيات (1-5)۔

کمبل اوڑھادو۔) چنانچہ اس سورۃ میں جس کا مصنف نے ذکر کیا ہے، اس وصف کے ساتھ خطاب ہوا{يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (1) قُمْ فَأَنْذِرْ (2)}[1682]۔ ترجمہ: اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے۔ اٹھو اور خبر دار کرو۔

اس میں رسالت اور چوکنا رہنے، محتاط ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ "اقراء" میں نہ تبلیغ کا حکم ہے، نہ رسالت کا بلکہ آپ کو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔[1683]

(1682)سورۃ المدثر، الآیتان (1-2)۔

(1683)شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (66)۔

اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو توحید کی طرف دعوت دینے اور شرک سے آگاہ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (1) قُمْ فَأَنْذِرْ (2) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (3) وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (4) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (5) وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (6) وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (7)}[1684]، ترجمہ: اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے۔اٹھو اور خبر دار کرو۔اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور گندگی سے دور رہو۔ اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے۔اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔

"قُمْ فَأَنْذِرْ" کا مطلب ہے کہ شرک سے آگاہ کردو اور توحید کی دعوت دو۔ "وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ" کا مطلب ہے توحید کا اقرار کرکے اس کی عظمت بیان کرو "وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" کا مطلب ہے کہ اپنے اعمال کو شرک سے پاک کردو[1685]۔"وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ" رجز کہتے

(1684)سورۃ المدثر:1-7۔

(1685)في (خ،ن):(من الشرک)۔

ہیں بتوں کو اور اس سے ہجر کا مطلب ہے اس کو بالکل ترک کردو، چھوڑ دو، بتوں سے اور بتوں کو پوجنے والوں سے برأت کا اعلان کردو۔[1686]

مصنف رحمہ اللہ نے یہاں ایک اور چیز ذکر کی ہے جس سے نبی کریم ﷺ اور آپ کی بعثت کی معرفت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرک کی تمام اقسام سے ڈرانے کے لیے مبعوث فرمایا اور ان اسباب سے بھی ڈرانے کے لیے جو شرک کی طرف لے جانے والے ہیں، نیز آپ کی بعثت توحید کی دعوت کے لیے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ربوبیت، الوہیت اور اسماء و صفات میں تنہا اور اکیلا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو شرک کے انجام سے ڈرانے اور توحید کی دعوت دینے کے لیے مبعوث فرمایا۔ ارشاد باری ہے {يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (1) قُمْ فَأَنْذِرْ (2) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (3) وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (4) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (5) وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (6) وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (7)}- مدثر کے معنی ہیں، چادر یا کمبل یا لباس میں لپٹا ہوا۔ اس لیے کہ فرشتہ کے آنے کے وقت آپ اسی حالت میں تھے۔ مصنف رحمہ اللہ نے آیات کے معنی استدلال کے موقع پر بیان کیا ہے اور بقیہ آیات کے بیان سے توقف اختیار کیا ہے، اس لیے کہ چاروں آیات کے بیان کرنے سے جو مقصود ہے، وہ

1686) في (خ، ص) زيادة: (وعداوتها وأهلها وفراقها وأهلها).

حاصل ہو گیا۔ چنانچہ فرمایا: "قُمْ فَأَنذِرْ" کے معنی ہیں، شرک سے ڈرائیں اور توحید کی دعوت دیں۔ "قُمْ فَأَنذِرْ" اوڑھے ہوئے کمبل کو ہٹا کر اٹھیے اور شرک سے ان کو ڈرائیے اور ان کو توحید کی دعوت دیجیے۔ یہ پہلی آیت ہے جس کے ذریعے آپ کو رسالت دی گئی۔ چنانچہ ڈرانا آپ پر واجب ہو گیا۔[1687] ارشاد خداوندی ہے کہ توحید کی عظمت بیان کیجیے۔ اپنے اعمال کو شرک سے پاک کیجیے۔ غیر اللہ کی عبادت چھوڑیے۔ شرک اور اہل شرک سے دوری اور نفرت پیدا کیجیے۔[1688]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: نبی ﷺ کی معرفت کس قدر ضروری ہے؟

اس سے پہلے یہ بات آچکی ہے کہ "اقرأ" کے ذریعے نبوت سے سرفراز کیا گیا اور "مدثر" کے ذریعے رسالت سے نوازا گیا۔ اتنا جاننا واجب ہے۔ آپ کا شہر مکہ ہے اور مدینہ ہجرت کی اس کا جاننا مستحب ہے۔ یہاں ان معارف میں اہم ترین اور اعلیٰ ہے، نبی ﷺ کے بعثت کے مقصد کو جاننا۔ آپ کی بعثت کا مقصد شرک سے ڈرانا اور توحید کی دعوت دینا

1687) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (79)۔

1688) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن ابراھیم آل الشیخ (244)۔

ہے۔اس کا جاننا انتہائی اہم ہے، اس لیے کہ دین کے کسی اصول کی معرفت بعثت کے مقصد کو جانے بغیر نہیں ہو سکتی۔[1689]

ہر فرد پر جس کا جاننا ضروری ہے، وہ چار باتیں ہیں۔[1690]

سب سے پہلے آپ کا نام جاننا ضروری ہے کہ آپ کا نام محمد ہے۔اس لیے کہ جب تک آپ کا نام معلوم نہیں ہوگا، اس کی شخصیت بھی معلوم نہ ہو گی۔اگر کوئی انسان یہ نہ جانے کہ آپ کے والد کا نام عبد اللہ اور دادا کا نام عبد المطلب ہے اور اس نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لے آیا تو یہ نقصان دہ نہیں ہے، البتہ آپ کی مکمل معرفت کے لیے آپ کے نسب کو جاننا ضروری ہے۔ حدیث میں ہے کہ دونوں فرشتے (منکر نکیر) بندہ سے پوچھتے ہیں "یہ کون ہیں جو تمہارے درمیان تھے؟" بندہ کہتا ہے "محمد رسول اللہ۔"[1691]

1689)شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ(236)۔

1690)شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي(67)،الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي1436هجريا۔

1691)رواه أحمد في مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، برقم(25089)، قال المنذري:(195/4): "إسناده صحيح"؛ وصححه الألباني في صحيح الجامع الصغير(290/1)۔

دوسرے نمبر پر اس کا جاننا ضروری ہے کہ آپ اللہ کے بندہ، اللہ کی جانب سے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا انتخاب بشر (انسان) سے کیا ہے۔ آپ کو رسالت کے ذریعے فضیلت بخشی۔ آپ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں۔ صحیحین میں ہے، انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بندہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس چلے جاتے ہیں اور مردہ ساتھیوں کے جوتوں کی کھٹ پٹ کی آواز سن رہے ہوتے ہیں کہ دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں۔ بیٹھتے ہیں اور پوچھتے ہیں، اس آدمی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ جو مومن ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندہ اور رسول ہیں۔ ان سے کہا جاتا ہے، اپنے ٹھکانے جہنم کی طرف دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے اس کی جگہ تمہارے لیے جنت کا ٹھکانا بنایا ہے۔ چنانچہ وہ جنت و جہنم کو ایک ساتھ دیکھتے ہیں۔"[1692]

تیسرے نمبر پر اس بات کو جاننا ضروری ہے کہ آپ ہمارے لیے دلائل وبینات، ہدایت اور دین حق لے کر آئے۔ یہ اس مقصد کی معرفت ہے جس مقصد کے لیے آپ مبعوث کیے گئے اور یہ اعلیٰ اور اہم ترین معرفت ہے۔ مسند احمد میں عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ

1692) أخرجه البخاري في كتاب: الجنائز، باب: ما جاء في عذاب القبر، برقم (1374)؛ وأخرجه مسلم في كتاب: الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب: عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه، وإثبات عذاب القبر والتعوذ منه، برقم (2870).

نبی ﷺ نے فرمایا "فتنۂ دجال سے ہر نبی نے اپنی امت کو ڈرایا ہے اور میں تم لوگوں کو اس فتنے سے جس طرح ڈرارہاہوں، اس طرح کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں ڈرایا۔ وہ کانا ہے اور اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہیں۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھاہوا ہے جس کو ہر مومن پڑھ لے گا۔ رہا فتنۂ قبر کا معاملہ، تو میری وجہ سے تم لوگ آزمائش میں مبتلا ہوگے اور میرے بارے میں تم لوگوں سے پوچھا جائے گا۔ جب نیک آدمی ہوتا تو کسی خوف کے بغیر اس کو قبر میں بٹھایا جائے گا۔ پھر اس سے کہا جائے گا، تم کس چیز میں تھے؟ وہ کہے گا، اسلام میں۔ اس سے پوچھا جائے گا، یہ آدمی کون ہیں جو تم میں تھے؟ کہے گا، محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ہمارے پاس اللہ کی جانب سے دلائل لے کر آئے۔ اس کی ہم نے تصدیق کی۔ اس کو جہنم کی وسعت دکھائی جائے گی۔ وہ دیکھے گا، ایک دوسرے کو چور چور کر رہی ہے۔ اس سے کہا جائے گا، اس چیز کو دیکھو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا تھا۔ اس کے سامنے جنت کی وسعت وکشادگی دکھائی جائے گی۔ چنانچہ اس کی رونق اور خوش گوار فضا کو دیکھے گا۔ اس سے کہا جائے گا، یہ تمہارا ٹھکانا ہے۔ پھر کہا جائے گا، اسی کا تم کو یقین تھا، اسی پر انتقال ہوا اور اسی پر اٹھائے جائوگے، ان شاءاللہ۔ [1693]

(1693) رواه الإمام أحمد في مسنده (13/42)، برقم (25089)، ط. الرسالة.

چوتھے نمبر پر اس چیز کو جاننا جو آپ کی صداقت اور آپ کی رسالت کے ثبوت کی دلیل ہے، وہ قرآن ہے۔ اللہ کا کلام ہے۔ اس کی دلیل براء بن عازب کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں " فتعاد روحه في جسده، فيأتيه ملكان، فيجلسانه، فيقولان له: من ربك؟ فيقول: ربي الله، فيقولان له: ما دينك؟ فيقول: ديني الإسلام، فيقولان له: ما هذا الرجل الذي بعث فيكم؟ فيقول: هو رسول الله صلى الله عليه وسلم، فيقولان له: وما علمك؟ فيقول: قرأت كتاب الله، فآمنت به وصدقت، فينادي مناد في (1) السماء: أن صدق عبدي، فأفرشوه من الجنة، وألبسوه من الجنة، وافتحوا له بابا إلى الجنة [1694]"، ترجمہ: "انسان کے جسم میں اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر دو فرشتے آتے ہیں، ان کے پاس بیٹھتے ہیں۔ ان سے پوچھتے ہیں، تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہتے ہیں، میرا رب اللہ ہے۔ وہ دونوں ان سے کہتے ہیں، تمہارا دین کیا ہے؟ وہ کہتے ہیں، میرا دین اسلام ہے۔ وہ کہتے ہیں، یہ کون ہیں جو تم میں مبعوث کیے گئے؟ وہ کہتا ہے، رسول اللہ ﷺ

1694) رواه الإمام أحمد في مسنده (501/30)، برقم (18534)، ط. الرسالة.

ہیں۔ وہ کہتے ہیں، تمہارا علم کیا ہے؟ وہ کہتا ہے، میں نے کتاب اللہ پڑھا، اللہ پر ایمان لایا اور تصدیق کی۔ چنانچہ آسمان میں آواز لگانے والا آواز لگاتا ہے کہ میرے بندہ نے سچ کہا۔ ان کے لیے جنت میں بستر بچھا دو۔ جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھول دو۔

دوسرا مسئلہ: جس مقصد کے لیے مبعوث کیے گئے، اس کی معرفت۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرک کے نتائج سے ڈرانے اور توحید کی دعوت کے لیے مبعوث فرمایا۔ مصنف نے شرک سے ڈرانے کو توحید کی دعوت سے پہلے بیان کیا، اس لیے کہ یہ کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کا مدلول ہے اور اس لیے کہ درج ذیل آیات اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں تقدیم پر مشتمل ہے۔ ”قُمْ فَأَنْذِرْ“ یہ ہر اس چیز سے ڈرنے کا حکم ہے جس سے ڈرا اور بچا جاتا ہے اور جس چیز سے سب سے زیادہ بچا جاتا ہے، وہ شرک ہے۔ ارشاد خداوندی ”وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ“ میں اللہ کی کبریائی اور اس کی بڑائی کا حکم ہے اور سب سے عظیم چیز جس کے ذریعے اللہ کی عظمت و بڑائی بیان کی جاتی ہے، وہ توحید ہے۔ اس لیے شرک کی جانب سے آغاز کیا، اس لیے کہ عبادت منافی کے وجود کے ساتھ صحیح نہیں ہوتی۔

پھر توحید کو دوبارہ بیان کیا، اس لیے کہ اس نے واجبات کو واجب کر دیا اور کوئی عمل اس کے بغیر بلند نہیں ہوتا۔[1695]

تیسرا مسئلہ: "قُمْ فَأَنْذِرْ" کی تفسیر۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: "قُمْ فَأَنْذِرْ" کے معنی ہیں، شرک سے ڈرائیں اور توحید کی دعوت دیں۔ "انذار" کسی کو ایسی چیز سے ڈرانا جس کا تدارک ممکن ہو۔ یہاں تین الفاظ ہیں: اعلام، انذار اور اشعار۔ اعلام محض علم و خبر کو پہنچانا ہے۔ انذار ایسی چیز کی خبر دینا جس میں ڈرانا ہو اور یہاں ایک ایسا موقع ہوتا ہے جس کو درست کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اشعار ایسی چیز کی خبر دینا جس میں ڈرانا ہو لیکن اس کی تلافی کی مدت معمولی ہوتی ہے۔ انذار مشرک سے ہوتا ہے اور اس چیز سے جو عذاب کی ایک قسم ہوتا ہے، مشرک کے لیے۔ دنیا میں ہلاکت اور استئصال کے ذریعے اور آخرت میں عذاب و عبرت کے ذریعے۔[1696] ہر وہ چیز جس سے آپ نے منع فرمایا ہے، وہ یا تو شرک ہوگا، یا شرک تک پہنچنے کا ذریعہ، یا توحید میں

1695) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (238)؛ حاشية ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (79)؛ تعليقات على ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (48)۔

1696) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (194)۔

کمی کا باعث ہوگا، جیسے گناہوں کے کام۔ یہ شرک کے اسباب میں سے نہیں ہیں، البتہ توحید کی کمی کا باعث ہیں۔[1697]

شرک سے ڈرائیں اور توحید کی دعوت دیں۔ یہی لا الٰہ الا اللہ کا معنی و مفہوم ہے۔

علماء نے ذکر کیا ہے کہ شرک سے ڈرانے میں "تخلیہ" اور توحید کی دعوت میں "تحلیہ" ہے اور یہ ثابت شدہ قاعدہ ہے کہ تخلیہ، تحلیہ سے پہلے ہوتا ہے، اس لیے شرک کی ممانعت اور شرک سے ڈرانا ہر اس چیز کو نکال باہر کرتا ہے جس کا تعلق دل سے ہے۔ اس لیے کہا کہ قلب کا تعلق ان معبودوں میں سے کسی سے نہیں ہوتا۔ پھر جب قلب کسی ایک سے تعلق اختیار کرنا چاہتا ہے تو اس کو حکم دیا کہ صرف اللہ سے تعلق قائم کریں۔[1698]

چوتھا مسئلہ: "وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ" کی تفسیر۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: "وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ" یعنی توحید کی عظمت بیان کیجیے۔ اصل کلام ہے: كَبِّرْ رَبَّكَ. مفعول کو عامل پر مقدم کیا جو اختصاص کی دلیل ہے۔ یعنی خاص طور پر

(1697) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (66)۔

(1698) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (196)۔

اپنے رب کی بڑائی، توحید کی عظمت بیان کیجیے اور دین کو اس کے لیے خالص کیجیے۔[1699] اللہ رب العزت ذوالجلال اس سے کہیں بڑا ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو۔[1700] اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بڑا ہے۔ ذات، قدر، معنی، عزت اور جلالت، ہر اعتبار سے۔ وہ ہر چیز سے بڑا ہے، ذات وصفاوافعال میں، جیسا کہ ہر چیز سے بلند ہے۔ ہر چیز سے عظیم اور ہر چیز سے معزز ہے، ذات وصفات میں۔[1701] اور تکبر کا لفظ قرآن میں پانچ مقامات پر آیا ہے۔

ا ۔اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کے اعتبار سے بڑا ہے۔ یعنی یہ عقیدہ کہ وہ ہر چیز سے بڑا، خواہ دیکھی جانے والی چیز ہو یا وہم وخیال میں ہو یا تصور میں موجود ہو، اپنی ملکیت میں، مخلوق کے معاملات میں، رزق میں، زندہ کرنے اور مارنے میں، غرض یہ کہ ہر ایک چیز سے بڑا ہے ۔اس کی ربوبیت کی بڑائی میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے "وَرَبَّكَ

1699) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (195)۔

1700) حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (163)۔

1701) الصواعق المرسلة في الرد على الجهمية والمعطلة، لابن القیم (1379/4)، تحقیق: علي بن محمد الدخیل اللہ، ناشر: دار العاصمة، الریاض، ط. الأولى: 1408 ھجریا۔

فَكَبِّرْ''اس میں سب سے پہلے یہ عقیدہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کے تقاضے میں ہر چیز سے بڑا ہے۔

۲ ۔ اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت میں بھی سب سے بڑا ہے۔ یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بڑا ہے۔ عبادت کا حق صرف اس کا ہے۔ ہر قسم کی عبادت کا مستحق صرف وہی ہے۔

۳ ۔ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء وصفات میں ہر چیز سے بڑا ہے۔ اللہ کا نام ہر چیز کے نام سے بڑا ہے کیونکہ اللہ کے ناموں سے حسن وخوب صورتی، عظمت وبزرگی اور جلال وجمال ہے ۔اسی طرح صفات کا معاملہ ہے۔ اللہ کی صفات سب سے بلند ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے {وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَى فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ[1702]} ، ترجمہ: ''یعنی زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ کے بلند نام اور بلند صفات ہیں۔'' اور ارشاد باری ہے {وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (4) [1703]} ، ترجمہ: ''اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔'' نیز فرمان الٰہی ہے {هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا (65) [1704]} ، ترجمہ: ''کیا ہے کوئی ہستی تمہارے علم میں اس کی ہم پایہ؟ ''

1702) سورۃ الروم، الآیۃ (27)۔

1703) سورۃ الإخلاص، الآیۃ (4)۔

1704) سورۃ مریم، الآیۃ (65)۔

۴ ۔اللہ تعالیٰ قضاء و قدر اور تکوینی فیصلہ میں سب سے بڑا ہے کیونکہ اس میں حکمت بالغہ ہے۔اس کے بر عکس بندہ کا فیصلہ نقص و کمی سے خالی نہیں ہے۔

۵ ۔اللہ تعالیٰ اپنی شریعت اور اپنے حکم میں سب سے بڑا ہے۔ یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے اور جس چیز سے منع کیا ہے، ہر اس چیز سے بڑا ہے جس کا بندہ فیصلہ کرتا ہے یا بندہ حکم دیتا یا منع کرتا ہے۔

اس لیے کلمہ ”اللہ اکبر“ مسلمانوں کے عظیم شعائر میں ہے جس کے ذریعے نماز میں داخل ہوتے ہیں اور جس کو بار بار نماز میں دہراتے ہیں۔اور یہ ان ابتدائی اوامر میں ہے جو نبی کریم ﷺ کے لیے آیا ہے۔فرمان باری ہے ”وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ“ ان پانچوں معنی کے ایک جگہ ذکر کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ ”وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ“ کی تفسیر توحید کے ساتھ اللہ کی عظمت و بڑائی بیان کیجیے۔ یہ اہم ترین اور بہترین تفسیر و توضیح ہے،اس لیے کہ تکبیر کے معنی تعظیم کے ہیں اور یہ توحید کی تمام اقسام کو شامل ہے۔ بہر حال مصنف کی یہاں تکبیر کی تفسیر مناسب اور واضح ہے۔[1705]

(1705) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (196-198)؛ تنبیہ العقول إلی کنوز ثلاثۃ الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (914/2)۔

پانچواں مسئلہ: ”وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ“ کی تفسیر۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ“ اپنے اعمال کو شرک سے پاک کیجیے۔

اس آیت کی دو مشہور تفسیر ہے۔

(۱) پہنے ہوئے کپڑے کو ناپاکیوں سے پاک کرنا۔ یہ بعض سلف سے منقول ہے۔

(۲) نفس اور عمل کو پاک کرنا مراد ہے۔ یہ جمہور مفسرین کا قول ہے، اس لیے کہ ”ثیاب“ سے یہاں مراد قلب ہے اور ”طہارۃ“ سے مراد اعمال واخلاق کی اصلاح ہے۔[1706] آیت میں ”ثیاب“ سے مراد پہنے ہوئے اعمال مراد ہیں، نہ کہ پہنے ہوئے کپڑے۔[1707] مصنف رحمہ اللہ نے ایات کے سیاق سے اسی معنیٰ کو اختیار کیا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعظیم کو مقدم کیا ہے۔ ”وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ“ پھر فرمایا ”وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ“ اس کے بعد فرمایا ”وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ“ دونوں آیتوں کے درمیان مناسب یہ ہے کہ ”وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ“ کا معنیٰ ہو۔ اپنے اعمال

1706) إغاثة اللهفان من مصائد الشيطان، لابن القيم (86/1)، ط. مجمع الفقه الإسلامي۔ قال ابن جرير الطبري في تفسيره (45/23): الذي عليه أكثر السلف أنه عني به: جسمك فطهر من الذنوب، والله أعلم بمراده من ذلك۔

1707) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي (71)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا۔

کو شرک سے پاک کیجیے، اس لیے کہ سیاق وسباق کے مناسب ہے، اس لیے کہ اس سے پہلے "انذار" اور توحید کے ساتھ اللہ کی تعظیم ہے اور اس کے بعد بتوں سے بے زاری اور کنارہ کشی ہے۔ شرک کی تمام اقسام سے براءت و ممانعت ہے اور توحید کی دعوت اور اس کا التزام واہتمام ہے۔[1708] آیت میں اعمال کو پاک کرنا مراد ہے۔ رہا لباس کا پاک کرنا، تو اس آیت میں مراد نہیں ہے، اس لیے کہ نماز اس وقت فرض نہیں کی گئی تھی۔[1709] تیسرا قول جس کی طرف مفسرین کی ایک جماعت گئی ہے اور جس کو علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے کہ آیت اعمال اور لباس دونوں کو عام ہے، لہٰذا مامور کپڑا، بدن اور نفس تینوں کو پاک کرنا ہے۔[1710]

1708) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (199)؛ تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (48)۔

1709) المحصول في شرح الأصول الثلاثة، عبد الله بن محمد الجهني (47)۔

1710) اختيارات ابن تيمية في التفسير، د. إبراهيم بن صالح الحميضي (645/2)؛ وينظر: إغاثة اللهفان من مصائد الشيطان، لابن القيم (92/1). قال السعدي في تفسيره (895): يحتمل أن المراد بثيابه، أعماله كلها، وبتطهيرها تخليصها والنصح بها، وإيقاعها على أكمل الوجوه، وتنقيتها عن المبطلات والمفسدات، والمنقصات من شر ورياء، [ونفاق]، وعجب، وتكبر،

چھٹا مسئلہ: ''وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ'' کی تفسیر۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''رجز'' کے معنی بت اور ''ہجر'' کے معنی چھوڑنا، بے زاری اختیار کرنا ہے، بت اور بت پرستوں سے۔

''رجز'' کے معنی بت کے ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر سلف سے منقول ہے کہ وہ ''اوثان'' ہے۔[1711] اوثان وہ ہے جس کی اللہ کے سوا پوجا کی جائے، خواہ وہ ڈھانچے کی شکل میں ہو یا نہ ہو۔

''ہجر'' کے اصل معنی چھوڑنے اور جدائی اختیار کرنے کے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کو چھوڑنے اور اس سے جدائی اختیار کرنے کا حکم دیا اور یہ چھوڑنے کا حکم بتوں کی عبادت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ عام ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو معبود بنانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ

وغفلة، وغير ذلك، مما يؤمر العبد باجتنابه في عباداته. ويدخل في ذلك تطهير الثياب من النجاسة، فإن ذلك من تمام التطهير للأعمال خصوصا في الصلاة، التي قال كثير من العلماء: إن إزالة النجاسة عنها شرط من شروط الصلاة. ويحتمل أن المراد بثيابه، الثياب المعروفة، وأنه مأمور بتطهيرها عن [جميع] النجاسات، في جميع الأوقات، خصوصا في الدخول في الصلوات، وإذا كان مأمورا بتطهير الظاهر، فإن طهارة الظاهر من تمام طهارة الباطن۔

(1711) ينظر: تفسير ابن كثير (264/8)؛ وزاد المسير، لابن الجوزي (360/4)۔

دونوں صورتوں میں علت ایک ہی ہے۔ وہ ہے غیر اللہ کی عبادت۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بت اور بت پرستوں سے دوری اختیار کرنا ضروری ہے۔[1712]

اللہ کے سوا معبودوں سے دوری چار بنیادوں پر ثابت ہوتی ہے :

۱ ۔ غیر اللہ اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والے سے دوری اختیار کرنا۔

۲ ۔ غیر اللہ اور اس کی عبادت کرنے والے سے ترک تعلق کے ساتھ جدائی اختیار کرنا کیونکہ کبھی چھوڑنا پایا تو جاتا ہے لیکن جدائی نہیں ہوتی۔

۳ ۔ غیر اللہ اور اس کی عبادت کرنے والے سے بے زاری اختیار کرنا۔

۴ ۔ غیر اللہ اور اس کی عبادت کرنے والے سے عداوت و دشمنی رکھنا۔ اس لفظ میں ایک زائد معنی ہے جو اس سے پہلے والے الفاظ میں نہیں ہے۔[1713]

(1712) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (200-201)؛ تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (49)۔

(1713) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (49)؛ الشرح الصوتي: (ثلاثة الأصول وأدلتها)، صالح بن عبد الله العصيمي، برنامج مهمات العلم بالمسجد النبوي 1441 هجريا۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ دس سال تک لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دیتے رہے اور دس سال کے بعد آپ ﷺ کو آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی، چنانچہ آپ ﷺ نے تین سال مکہ میں نماز ادا کی اور اس کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ملا۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس سے پہلے ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو شرک سے ڈرانے اور توحید کی دعوت کے لیے مبعوث فرمایا اور یہاں اس معنی کی تاکید کا ارادہ کیا۔ چنانچہ کہتے ہیں، نبی ﷺ اسی نہج پر شرک سے ڈراتے اور توحید کی دعوت دس سال تک دیتے رہے۔ اپنی قوم اور قریبی رشتے دار جو مکہ میں تھے، ان کو شرک سے ڈراتے رہے۔ نماز، زکوۃ اور حج کے فرض ہونے سے پہلے اخلاق، پاک دامنی اور صلہ رحمی کی دعوت دیتے رہے۔ یہ سب کا سب توحید کے بیان اور اس کے حکم میں ہے۔ شرک اور اس سے ڈرانے کے بیان میں ہے۔ مکہ میں رسالت و نبوت کے دس سال گزرنے کے بعد معراج کا سفر ہوا۔ معراج ایک خاص قسم کی سیڑھی ہے جس سے فرشتے چڑھتے ہیں۔ آپ کا سفر ساتوں آسمانوں کا ہوا جہاں مقربین بارگاہ فرشتوں سے ملاقات ہوئی۔ آپ سدرۃ المنتہی اور اس سے آگے کتنی بلندی پر اللہ ہی جانتا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے قریب ہوئے اور کسی واسطے کے بغیر بات کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو وحی کرنا تھی، وہ کی۔ زمین پر واپس ہونے سے پہلے آسمان پر پانچ وقت کی نماز

فرض کی گئی۔ سفر معراج کے بعد تین سال تک جمعہ کے بغیر پانچوں فرض نمازیں مکہ میں پڑھیں۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کا حکم دیا گیا۔ بعثت کے دسویں، گیارھویں اور بارھویں سال مکہ میں نماز پڑھی۔ جب اہل مکہ نے آپ کو دعوت دینے سے روک دیا تو مدینہ ہجرت کا حکم ہوا۔ انصار نے آپ کا استقبال کیا۔ مدد کی اور ٹھکانا دیا۔ آپ نے اپنے رب کے دین کی تبلیغ کی، چنانچہ پوری دنیا میں اللہ کا دین پھیل گیا۔[1714]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: اسی نہج پر دس سال توحید کی دعوت دیتے رہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس سے اس کو بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے کہ دعوت کی اساس اور بنیاد اور مشرکین سے اختلاف کی وجہ نبی کریم ﷺ کی اللہ کی عبادت کی دعوت دینا ہے

1714) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ (246)؛ تيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (174)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبد الرحمن بن ناصر البراك (39)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (204)۔

۔اس طرح آپ مکہ میں تیرہ سال تک توحید کی دعوت دیتے رہے۔اس لیے کہ شریعت کی تفصیلات وجزئیات اکثر مدینہ میں ہوئیں اور یہ دو باتوں کی دلیل ہے۔[1715]

۱ ۔ نبی ورسول کی بعثت کا اہم ترین مقصد شرک سے ڈرانا اور توحید کی دعوت ہے۔

۲ ۔ توحید کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے عمر عزیز کا بیشتر حصہ بقیہ شرائع کا حکم دیا جانے سے پہلے دعوت میں لگایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ توحید اہم ترین واجبات میں ہے۔اس کو دوسری چیزوں سے پہلے شروع کیا جائے گا۔ معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجنے کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا" سب سے پہلے ان کو اللہ کی عبادت کی دعوت دینا۔ "[1716]

1715) حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (81)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (165)؛ وسبیل الوصول إلی مقاصد ثلاثۃ الأصول (45)۔

1716) أخرجه البخاري في كتاب: الزكاة، باب: لاتؤخذ كرائم أموال الناس في الصدقة، برقم (1458)؛ وأخرجه مسلم في كتاب: الإيمان، باب: الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، برقم (31)۔

مصنف رحمہ اللہ نے دس سال کا ذکر کیا، حالانکہ حقیقت میں تیرہ سال ہے۔ اس لیے کہ شروع کے تین سال خفیہ اور چھپ کر پوشیدہ دعوت دیتے رہے۔ رہا علی الاعلان شرک کے نتائج سے ڈرانا تو وہ دس سال ہی رہا۔

دوسرا مسئلہ: دس سال کے بعد معراج کا سفر ہوا۔

یہاں دس سال سے مراد ان تین سالوں کے بعد ان تین سالوں کے بعد جو خفیہ دعوت کا دور ہے، مراد نہیں ہے۔ اس لیے کہ معراج کا واقعہ جمہور مورخین اور اہل سیر کے نزدیک دسویں سال ہوا اور آپ معراج کے بعد کئی سال رہے۔ مجموعی طور پر آپ مکہ میں تیرہ سال رہے۔

معراج کا سفر روح و جسم کے ساتھ بیداری کی حالت میں ہوا۔ اسراء رات کے سفر کو کہتے ہیں۔ [1717]

"اِلَی السَّمَاءِ" سے مقصود جنس آسمان ہے۔ یعنی تمام آسمان کی سیر کرائی گئی۔ آپ اتنی بلندی پر گئے جہاں قلم کی آواز سن رہے تھے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہو گئے۔ کسی واسطے کے بغیر ہم کلام ہوئے۔ آپ نے اس رات میں اس حجاب کو دیکھا جس کے ذریعے اللہ

(1717) شرح ثلاثۃ الاصول، محمد بن ابراھیم آل الشیخ (249)۔

تعالیٰ مخلوق سے پردہ کیے ہوئے ہے۔ حدیث صحیح ہے ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا" معراج کی رات کیاآپ نے اپنے رب کو دیکھا؟"آپ نے فرمایا"میں نے ایک نور دیکھا۔" دوسری روایت میں ہے کہ میں نے ایسانور دیکھا جس پر میری نگاہ ٹھہر نہیں سکتی تھی۔[1718]

یہ نبی ﷺ کی اہم ترین فضیلت ہے کہ آپ کو زمین سے ساتوں آسمان سے آگے لے جایا گیا۔ آپ نے جنت و جہنم کو دیکھا۔ ایک آسمان کی مسافت پانچ سو سال میں طے کی جاسکتی ہے۔ اس کو ایک رات کے کچھ حصے میں آپ نے طے کیا۔ چنانچہ معراج اللہ کے نزدیک آپ کی عظمت کی دلیل ہے،اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا {سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى[1719]} ،ترجمہ:"پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔"

1718)أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب:الإيمان، باب: في قوله عليه السلام: (نور أنى أراه)، وفي قوله: (رأيت نورا)، برقم (291)و(292)۔

1719)سورة الإسراء، الآية(1)۔

پھر وہاں سے ساتوں آسمان تک۔ پھر بیت المقدس واپس آئے۔ اس کے بعد مکہ آئے اور ابھی آپ کا بستر گرم ہی تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ ان نوازشات میں سے ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اعزاز بخشا۔[1720]

تیسرا مسئلہ: آپ پر پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی۔

یہ نماز کے شرف اور اس کے اہم مقام میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس فریضے کو دوسرے فریضے کے برعکس خصوصیت عطا کی کہ براہ راست اس فریضے کو اپنے نبی کو عطا کیا ، کسی فرشتے کے واسطے کے بغیر۔ پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی تھی لیکن تخفیف ہوتے ہوئے پانچ ہو گئی۔ معراج سے پہلے دس سالوں میں صرف دو وقت کی نماز فرض تھی، صبح میں فجر اور شام میں مغرب۔ پانچ نمازیں معراج کے موقع پر فرض کی گئیں۔[1721] پانچوں نماز کی فرضیت کے بعد مکہ میں وہ نمازیں جو چار چار ہیں، دو دو رکعت پڑھی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ نبی ﷺ نے مدینہ ہجرت کی۔ چنانچہ سفر کی نماز برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز میں اضافہ کیا گیا۔ اس کی دلیل عائشہ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنۡهَا کی روایت ہے۔ فرماتی ہیں، نمازیں

(1720) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (204-205)۔

(1721) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (203)۔

دو دو رکعت فرض کی گئیں۔ ہجرت کے بعد چار فرض کی گئیں اور سفر کی نماز کو پہلی حالت پر رکھا گیا۔[1722]

چوتھا مسئلہ: مکہ میں نماز اور ہجرت کا حکم۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: مکہ میں تین سال نماز پڑھی۔ اس کے بعد مدینہ ہجرت کا حکم دیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پانچوں نماز کی فرضیت کے بعد مکہ میں تین سال نماز پڑھی۔[1723] اور بعثت کے تیرھویں سال بعد مکہ سے مدینہ ہجرت کا حکم دیا گیا۔ اس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت چالیس سال کی

1722) أخرجه البخاري في كتاب: مناقب الأنصار، باب: التاريخ، من أين أرخوا التاريخ، برقم (3935)؛ وأخرجه مسلم في صحيحه، كتاب: صلاة المسافرين وقصرها، ولفظه: (فرضت الصلاة ركعتين ركعتين في الحضر والسفر، فأقرت صلاة السفر، وزيد في صلاة الحضر)۔

1723) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (206)۔

عمر میں ہوئی۔ مکہ میں تیرہ سال آپ پر وحی آتی رہی۔ پھر ہجرت کا حکم دیا گیا اور ترسٹھ سال میں رحلت ہوئی۔[1724]

1724) أخرجه البخاري: كتاب: مناقب الأنصار، باب: هجرة النبي..، برقم (3902)؛ وأخرجه مسلم في كتاب: الفضائل، باب: كم أقام النبي بمكة والمدينة، برقم (2351)۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں ہجرت کہتے ہیں ایسی جگہ سے جہاں شرک کا رواج ہو جہاں شرک عام ہوایسی جگہ منتقل ہو جانے کو جہاں اسلام اور اس کا نظام قائم ہو،اور ہجرت اس امت پر فرض ہے اور فریضہ قیامت کی صبح تک باقی رہے گا۔

جب مصنف رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ نبی کریم ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو ہجرت کے متعلق گفتگو مناسب ہے۔ ہجرت سے متعلق تین باتوں کو ذکر کیا ہے: تعریف، حکم اور بقائے حکم۔[1725] ہجرت کی تعریف ہے، دین کو زوال و نقصان سے بچانے کی خاطر ملک شرک سے ملک اسلام کی طرف جانے کا نام ہجرت ہے۔ جس شخص کے لیے ملک کفر میں دین کا غلبہ مشکل ہو، وہ اس پر قادر نہ ہو اور وہ ہجرت کر سکتا ہو تو ہجرت فرض ہے۔ ہجرت کا وجوب اس وقت تک باقی ہے، جب تک قیامت کی بڑی علامتوں کا آغاز نہ ہو جائے۔ پس اس وقت نہ ہجرت مفید ہو گی نہ توبہ۔[1726]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

(1725) شرح الأصول الثلاثة، خالد الأنصاري (53)۔

(1726) تيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (176)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (208)۔

پہلا مسئلہ: ہجرت کا معنی۔

ہجرت، هَجْرٌ سے مشتق ہے۔ وصل کی ضد ہے۔ جس کے معنی چھوڑنا اور ترک تعلق اختیار کرنا ہے۔[1727]

شریعت کی نگاہ میں اس چیز کو چھوڑ دینے کا نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے اور اس کو اختیار کرنے کا نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور جس سے وہ راضی اور خوش ہوتا ہے۔[1728]

اس کی تین قسمیں ہیں :

۱ ۔ بدعملی، کفر اور گناہ کے کاموں کو چھوڑنا۔

۲ ۔ برے لوگوں سے ترک تعلق جو کفر بدعت اور فسق وغیرہ کا حکم کرتا ہو۔

۳ ۔ برے ملک سے منتقلی۔[1729]

(1727) ینظر: معجم مقاییس اللغة، لابن فارس (1023)؛ والصحاح، للجوهري (682/1)۔

(1728) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (208)؛ تعلیقات علی ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصیمي (51)۔

(1729) تعلیقات علی ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصیمي (51)۔

جس ملک سے منتقلی کا حکم ہے، وہ ہے ملک شرک سے ملک اسلام کی طرف ہجرت کرنا۔ جس کی تعریف مصنف نے یہاں کی ہے۔ اصول ثلاثہ کے ساتھ ہجرت کے ذکر کی مناسبت یہ ہے کہ ہجرت ولایت و براءت کی تکالیف کا اظہار ہے۔[1730]

دوسرا مسئلہ: ملک کفر اور ملک اسلام کی تحدید۔

ہجرت ممالک کفار سے ممالک اسلام کی طرف مشروع ہے کیونکہ اس میں دین کی حفاظت، مشرکین سے جدائی اور جماعت مسلمین کی کثرت ہے۔[1731] اس اعتبار سے ملک کی دو قسمیں ہیں: ملک شرک اور ملک اسلام، جن کو فقہاء کی زبان میں دار الکفر اور دار الاسلام کہتے ہیں۔

علماء کا ان دونوں کی تحدید و تعریف میں اختلاف ہے۔

۱۔ **پہلا قول** یہ ہے کہ دار الاسلام وہ ہے جس کے باشندے اکثر مسلمان ہوں اور حاکم اس کے ساتھ چشم پوشی کا معاملہ کرتے ہوں۔

(1730) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (168)۔

(1731) شرح الأصول الثلاثة، أحمد الصقعوب (97)۔

۲ ۔دوسرا قول یہ ہے کہ دار الاسلام وہ ہے جس کے حاکم مسلمان ہوں، اگرچہ ملک کے باشندوں کی اکثریت کافر ہو۔[1732]

۳ ۔تیسرا قول یہ جمہور کا موقف ہے کہ دار الاسلام اس ملک کو کہتے ہیں جہاں احکام اسلام کا غلبہ ہو اور مسلمانوں کے احکام غالب ہوں۔ دار الکفر وہ ہے جس میں کفر کے احکام اور کفار کے احکام غالب ہوں۔[1733] یہ عمدہ اور بہترین تعریف ہے، دار الکفر اور دار الاسلام کی۔

چنانچہ بلد شرک وہ ہے:

جس میں شرک اور احکام شرک کا غلبہ ہو۔[1734]

ملک اسلام وہ ہے:

(1732)الشرح الممتع علی زاد المستقنع، لابن عثیمین (325/10)۔

(1733) ینظر: المبسوط، للسرخسي (144/10)؛ وبدائع الصنائع، للكاساني (130/7)؛ والمحلى، لابن حزم (300/11)؛ والآداب الشرعیة، لابن مفلح (213/1)۔

(1734)ینظر: فتاوی الشیخ محمد بن إبراهیم (188/6)؛ شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (208-213)۔

جس میں اسلامی احکام غالب ہوں ، مثلاً اذان ، جماعت ، روزہ اور شعائر اسلام کا غلبہ ہو ، اگرچہ کچھ لوگ مسلمان نہ ہوں۔

اگر احکام اسلام کا غلبہ نہ ہو تو وہ دار الکفر ہے، خواہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو۔ ظاہر کا اعتبار کیا گیا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ جب غزوہ کرتے تو طلوع فجر کا انتظار کرتے۔ اگر اذان وہ لوگ دیتے تو ان سے جنگ سے رک جاتے اور اگر اذان نہیں دیتے تو جنگ کرتے اور ان شہروں سے نکل جاتے جن شہروں میں یہ شعائر محدود طور پر قائم کیے جاتے، جیسے کفار کے وہ شہر جہاں مسلمان اقلیت میں ہوتے،اس لیے کہ یہ شہر اسلام نہیں ہیں جہاں مسلمان اقلیت کی حالت میں شعائر اسلام کو قائم کرتے ہیں۔ شہر اسلام وہ ہے جہاں مسلمان عام طور پر شعائر اسلام کو قائم کرتے ہیں اور شہر کفر وہ ہے جہاں عام طور پر کفر کے شعائر قائم کیے جاتے ہیں۔[1735] کسی دار کے ہونے سے دار شرک یا دار اسلام لازم نہیں آتا ہے کہ یہ حکم ان افراد پر ہو جو دار میں داخل ہیں بلکہ اس کا حکم دار الکفر کا ہوگا یا دار

1735) الشرح الممتع على زاد المستقنع، لابن عثيمين (325/10)؛ وينظر: شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (129)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبدالله بن صالح الفوزان (168)؛ وشرح الشيخ د. عبدالله العنقري على ثلاثة الأصول وأدلتها (79)؛ شرح الأصول الثلاثة، أحمد الصقعوب (96)۔

الشرک کا کیونکہ وہاں شرک وکفر کا غلبہ ہے۔ وہاں کے رہنے والوں پر اسی اعتبار سے معاملہ کیا جائے گا، خاص طور پر اس زمانے میں، اس لیے کہ کفر وشرک کا غلبہ بیشتر ممالک میں ہے جو اس ملک کے باشندوں کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ حکومت کے زیر تسلط ہے۔[1736] اور کچھ ایسے بھی ملک ہیں جن کو کفر یا اسلام کے ساتھ متصف کرنا مشکل ہے۔ یہ وہ ممالک ہیں جہاں مسلمان کفار سے ملے جلے ہیں اور ان ممالک میں مسلمان اور کفار اپنے اپنے حقوق کے اعتبار سے معاملہ کرتے ہیں۔[1737]

تیسرا مسئلہ: ہجرت کی فرضیت۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس امت پر ملک شرک سے ملک اسلام کی طرف ہجرت فرض ہے۔ ہجرت ملک شرک سے ملک اسلام کی طرف دو قید کے ساتھ فرض ہے۔

۱۔ دین اسلام کے اظہار کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

۲۔ ملک کفر سے نکلنے اور ہجرت کرنے پر قادر ہو۔

(1736)شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ(210)۔

(1737)ينظر: مجموع الفتاوى(241/28)۔

ہجرت ہر اس شخص پر واجب ہے جو ملک کفر میں دین کے اظہار کی طاقت نہ رکھتا ہو اور ہجرت پر قادر ہو۔ ہجرت کے واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مومن پر دین کا اظہار واجب ہے، دین کے اعزاز کے لیے، لوگوں پر اس حقیقت کو واضح کرنے اور اس بات کی خبر دینے کے لیے کہ وہ حق کی شہادت دیتا ہے۔ چنانچہ دین کا اظہار ان پر واجب ہے اور مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے دین کا اظہار کریں۔ اس کو پوشیدہ اور چھپا کر نہ رکھیں۔ اگر دین کا اظہار کسی ملک میں ناممکن ہو تو اس کو چھوڑنا اور اس سے ہجرت کرنا واجب ہے۔ چنانچہ اللہ کے لیے توحید کی شہادت دینا اور نبی کے لیے رسالت کی شہادت قول و عمل کے ساتھ اظہار دین کے ذریعے ہو۔ اسی لیے ملک شرک سے ملک کفر سے ملک اسلام کی طرف ہجرت اس مسلمان پر واجب ہے جو دین کے اظہار کی طاقت نہ رکھتا ہو۔[1738]

ملک شرک سے ملک اسلام کی طرف ہجرت دو شرطوں کے ساتھ واجب ہے :

ا ۔ اظہار دین کی قدرت نہ ہو، یعنی ان دینی شعائر کو ظاہر کرنے کی طاقت نہ ہو جس پر دین قائم ہے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد محمول ہے {إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي

(1738) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (208،213)۔

الْأَرْضِ[1739]} ، ترجمہ: ”جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کررہے تھے، ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم زمین پر کمزور اور مجبور تھے۔“

یعنی ہم اظہار دین کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ فرشتوں نے جواب دیا، کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟“ {قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً} یہ دلیل ہے کہ ہجرت واجب ہے، اس لیے کہ جہنم کی وعید ہے۔ لہٰذا جو شخص اظہار دین پر قادر نہ ہو اور اس نے ہجرت نہیں کی تو وہ گنہگار ہے کیونکہ ہجرت اس کے اوپر واجب تھی۔[1740]

۲ ۔ دوسری قید ہجرت کے لیے یہ ہے کہ ملک کفر سے نکلنے پر قادر ہو۔ جو شخص قادر نہیں ہے تو وہ بے بسی کی بناپر معذور سمجھا جائے گا۔ وہ لوگ جو ملک کفر میں اظہار دین پر قادر ہیں، ان کے حق میں ہجرت مستحب ہے۔[1741]

(1739) سورۃ النساء، الآیۃ (97)۔

(1740) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (212)۔

(1741) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (212)؛ تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (55)۔

چوتھا مسئلہ: ہجرت کی اقسام۔

اہل علم کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک کفر سے ہجرت کی تین قسمیں ہیں اور اس سلسلے میں لوگ تین قسم کے ہیں۔[1742]

۱۔پہلی قسم:

جن پر ہجرت واجب ہے، وہ ہجرت پر قادر ہو اور دین کا اظہار نا ممکن ہو۔

۲۔دوسری قسم:

جن پر ہجرت نہیں ہے، وہ ہجرت سے عاجز ہو یا تو بیماری کی وجہ سے یا نکلنے پر قادر نہ ہو یا فطری کمزوری ہو جیسے عورتیں اور بچے وغیرہ۔ایسے لوگ کفار کی ایذار سانی پر صبر سے کام لیں۔

۳۔تیسری قسم:

جن پر ہجرت مستحب ہے ، جو ہجرت پر قادر ہو ، لیکن ان کے لیے دین کا اظہار ممکن ہو۔[1743]

(1742)حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبداللہ بن صالح الفوزان(171)۔

(1743)فتاوی ورسائل سماحۃ الشیخ محمد بن إبراھیم بن عبداللطیف آل الشیخ(91/1)۔

پانچواں مسئلہ: اظہار دین۔

اظہار دین کا مطلب ہے، دین کا اعلان کرنا، اس کو پوشیدہ نہ رکھنا، وہ مظلوم نہ ہو بلکہ دین کے اعلان پر قادر ہو۔ ''الدین'' میں الف لام عموم کے لیے ہے، لہٰذا دین ان تینوں مراتب (اسلام، ایمان اور احسان) کو شامل ہے۔ جب انسان ان امور کے اظہار پر قادر ہوتا ہے تو وہ کسی چیز کو چھپاتا نہیں بلکہ اپنے دین کا اظہار کرنے والا ہوتا ہے اور جب اس کے اظہار سے عاجز ہوتا ہے یا کسی چیز کے اظہار سے عاجز ہوتا ہے تو وہ اپنے دین کے اظہار سے عاجز ہوتا ہے۔ اگر وہ نماز و روزہ پر قادر ہو لیکن توحید، ایمان اور عقیدہ کے اظہار پر قادر نہ ہو تو وہ اپنے دین کے اظہار سے عاجز ہے۔[1744]

اظہار دین کے حصول کے سلسلے میں علما کے دو اقوال ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ اظہار دین ظاہری شعائر کے ادا کرنے میں منحصر نہیں ہے، جیسے اذان، نماز، روزہ اور پردہ وغیرہ، بلکہ مشرکین کے دین کو باطل کرنے کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ ان کے دین کو باطل ہونے کی صراحت کرے۔ جو شخص اس صفت سے متصف ہوگا، وہ اپنے دین کو ظاہر کرنے والا ہوگا۔ وہ شخص جو مشرکین کے دین کے بارے میں خاموش ہو

1744) الفتاوی السعدية، عبدالرحمن بن ناصر السعدي (106)۔

،ان کے درمیان مقیم ہو اور اس کے باطل ہونے کو ظاہر نہ کرتا ہو تو وہ اظہار دین پر قادر نہیں ہے۔[1745] اس وقت اپنے دین کو ظاہر کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا جب تک وہ ان کافروں سے اظہار براءت نہ کرے جو ان کے درمیان ہے اور ان کی صراحت نہ کرے کہ وہ کافر ہے اور ان کا دشمن ہے۔[1746] اس بنا پر اظہار دین دو باتوں سے ثابت ہوگا :

۱ ۔اپنے ظاہری شعائر کا اعلان، جیسے اذان، نماز، روزہ۔

۲ ۔دین مشرکین کو باطل قرار دینا، اس کی گمراہی کو واضح کرنا، اس کی دشمنی کی صراحت کرنا اور اس سے اظہار براءت کرنا، اس چیز پر زور دینا جو اس کے کفر کا سبب ہے۔ وہ لوگ جو بت پرست ممالک میں رہتے ہیں، ان کے لیے اتنا کافی نہیں کہ وہ دین نصاریٰ کو عیب لگائے بلکہ بتوں کو بھی عیب لگائے۔[1747] اس لیے کہ کفر کی کئی قسمیں ہیں۔ ہر وہ طبقہ

1745) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (51)؛ وينظر: الدرر السنية في الأجوبة النجدية (295/8)،و(418-398/12)۔

1746) سبيل النجاة والفكاك، حمد بن علي بن عتيق (95)، تحقيق: الوليد بن عبد الرحمن الفريان، ناشر: دار طيبة، الرياض،ط.1409ھجریا۔

1747)تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (51)۔

جو کفر میں مشہور ہے، ان سب کی مخالفت کرنا، ان سے دشمنی کی صراحت کرنا اور اظہار براءت کرنا ضروری ہے جس کا کفر شرک کے ساتھ ہو۔ اس کے نزدیک اظہار دین توحید کا اعلان ہے یا شرک سے منع کرنا یا اس سے احتیاط کرنا ہے۔ جس شخص کا کفر، رسالت کا انکار ہو تو اظہار دین محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو ظاہر کرنا اور آپ کے اتباع کی دعوت دینا ہے۔ جس کا کفر مشرکین سے دوستی ہو تو دشمنی کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو بھی ان کے آس پاس رہتا ہو، ان سے اظہار براءت ضروری ہے۔[1748]

اس قول کی تائید میں اہل علم کی ایک جماعت کی آراء:

شیخ محمد ابراہیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اظہار دین محض نماز پڑھ لینے کا نام نہیں ہے بلکہ دین کی تمام جزئیات پر عمل کرنا اور محرمات ربا اور زنا وغیرہ سے بچنا ہے۔ توحید کا اعلان کرنا اور مشرکین جن جن شرک میں مبتلا ہیں، ان سے براءت کا اظہار کرنا اور کفر و گمراہی کی تمام اقسام سے اجتناب کرنا ہے۔[1749] شیخ اسحاق بن عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں: دل سے ان سے نفرت کافی نہیں ہے بلکہ عداوت و نفرت کا اظہار ضروری ہے۔ ارشاد

(1748) سبيل النجاة والفكاك، حمد بن علي بن عتيق (92،93)۔

(1749) فتاوى ورسائل سماحة الشيخ محمد بن إبراهيم بن عبد اللطيف آل الشيخ (91/1)۔

باری ہے {قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ}[1750]، ترجمہ: ”تم لوگوں کے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا، ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو ، قطعی بے زار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے تمہارے درمیان کے لیے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔“

لہٰذا اس بیان کی طرف دیکھو جس کے بعد کوئی بیان نہیں ہو سکتا۔ یہاں کہا "وَبَدَا بَيْنَنَا "، یعنی ظاہر ہو گیا۔ یہی ہے اظہار دین۔ چنانچہ دشمنی کا اظہار، ان کی تکفیر کا اعلان اور بدن سے جدائی ضروری ہے۔ اور اگر ایسے شخص کا دعویٰ ہو جس کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے اندھا کر دیا ہو اور وہ یہ خیال کرتا ہو کہ یہ اظہار دین ہے تو ان کا دعویٰ باطل ہے اور اس کا خیال عقلاً

(1750) سورۃ الممتحنۃ، الآیۃ (4)۔

وشر عاًمر دود ہے۔[1751] شیخ محمد بن عبد اللطیف بن عبد الرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں: تم نے اظہار دین میں غلطی کی اور تم نے یہ گمان کیا کہ محض پانچوں وقت کی نماز پڑھنا، اذان دینا اور روزہ وغیرہ رکھنا اظہار دین ہے۔ تم جب کسی خاص مجلس میں بیٹھتے ہو تو تم کہتے ہو، یہ کافر ہیں، یہ مشرک ہیں۔ حالانکہ ان میں کچھ بھی دین نہیں ہے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ ہم ان سے نفرت کرتے ہیں اور وہابی طریقے پر ہیں۔ اور تم یہ خیال کرتے ہو کہ یہی اظہار دین ہے تو تم نے اس کے ذریعے ہجرت کے وجوب کو باطل کر دیا، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم نے خیال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دین کے اظہار کی مراد کو ذکر کیا ہے اور وہ ویسا نہیں ہے جیسا کہ تمہارے وہم و گمان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی سے کہا {قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ (1) لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (2)}، (کہہ دیجیے، اے کافرو! میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔) اخیر سورۃ تک یہی مضمون ہے۔

آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ تم کافر ہو اور وہ ان کے معبود سے بے زار ہیں ۔جب وہ اللہ کی عبادت سے بے زار ہیں۔ {وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ} (اور نہ تم اس

1751) الدرر السنية في الأجوبة النجدية (305/8)۔

کی عبادت کرتے ہو جس کی میں کرتا ہوں۔){لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ}(تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔)ان کے دین شرک سے براءت کی صراحت ہے اور دین اسلام کو مضبوطی سے تھامنے کی وضاحت ہے۔ جس نے یہ بات علانیہ مشرکین سے ان کی مجلسوں، محفلوں میں کہا تو اس نے دین کا اظہار کیا۔ جس نے ان کے سامنے صاف صاف کہا، اس نے دین کا اظہار کیا اور دشمنی کا اعلان کیا، یہی اظہار دین ہے، نہ کہ وہ جیسا کہ جاہل خیال کرتے ہیں جس نے کفار کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ انھوں نے اس سے تنہائی اختیار کی، نماز و قرآن پڑھنے کے لیے اور نوافل میں مشغول ہونے کے لیے یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ دین کا اظہار کر رہا ہے تو وہ کھلی غلطی میں مبتلا ہے۔ اگر کوئی شخص مشرکین سے دشمنی کا اعلان کرتا ہے اور ان سے بے زاری اختیار کرتا ہے لیکن وہ لوگ اس کو اپنے سامنے نہیں چھوڑتا ہے۔ یا تو اس کو قتل کر دیتا ہے یا اس کو موقع پاتے ہی نکال دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ان کی رسول اور ان کی قوم سے دشمنی سخت ہو گئی ہے، ان کے دین کو برا بھلا کہنے اور ان کے معبودوں کا عین بیان کرنے کے بعد، تو یہ اظہار دین ہے۔

شیخ الاسلام علامہ عبد الوہاب نجدی رحمہ اللہ نے ''سیرت نبوی'' کے چھ مقامات پر کہا کہ اس شخص کا اسلام صحیح نہیں ہو سکتا جب تک توحید کا اقرار کرنے اور شرک کو

چھوڑنے کے ساتھ مشرکین سے دشمنی نہ کرے اور دشمنی کا اعلان نہ کرے جیسا کہ ارشاد باری ہے {لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ }[1752]، ترجمہ: ''تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں، وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے۔''

شیخ نے صراحت کی ہے کہ اسلام مشرکین سے عداوت و نفرت کا اظہار کیے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ غور کرنے والا اگر اس استدلال پر غور و تدبر سے کام لے گا تو اللہ کے شکر سے معاملہ بالکل کھلا پائے گا[1753]۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اظہار دین، دین کا اعلان کسی پر ظلم ڈھائے بغیر ہو اور یہ شعائر دین کو قائم کرنے، ظلم کے بغیر اصول دین اور شرائع دین کا اظہار کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ جب مسلمان اپنی عبادتوں کو انجام دیتا ہے، اپنے عقیدہ کا اعلان کرتا ہے اور اس کی دعوت دیتا ہے تو وہ دین کا اظہار کرنے والا ہے۔ اس کے لیے کفار کو بے وقوف بنانا اور ان سے کھلم

(1752)سورة المجادلة، الآية (22)۔

(1753)الدرر السنية في الأجوبة النجدية (8/433-435)۔

کھلا دشمنی کا اعلان کرنا ضروری نہیں ہے۔[1754] ان کا استدلال یہ ہے کہ صحابہ ﷭ جب حبشہ گئے پہلی ہجرت کے موقع پر تو اہل حبشہ کو اس کا علم نہیں ہوا کہ وہ دین نصاریٰ کو غلط قرار دیتے ہیں۔ اس کا علم اس وقت ہوا جب کفار قریش ان کی تلاش میں آئے۔[1755] اور انھوں نے کہا، دین کے اظہار اور اس کی اقامت کا ضابطہ یہ ہے کہ انسان اپنے دین کے سلسلے میں آزمائش میں نہ ڈالا جائے۔[1756] جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ اس کی دلیل ہے کہ ہجرت اس پر فرض ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو اور وہ اپنے دین کے سلسلے میں اس ملک میں جہاں اسلام قبول کیا ہے، آزمائش میں ڈالا جائے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ ہی میں رہنے کی اجازت دی۔ انھیں میں عباس بن عبد المطلب ﷜ وغیرہ ہیں۔ شرط یہ ہے کہ فتنہ کا

1754) ینظر: الاستعانة بغیر المسلمین في الفقه الإسلامي، د. عبد الله بن إبراهيم الطريقي (79)، ناشر: مؤسسة الرسالة، ط. الثانية: 1414 ھجریا؛ وقواعد ومسائل في توحيد الألوهية، عبد العزيز الريس (94)۔

1755) ینظر: الفتاوى السعدية، عبد الرحمن بن ناصر السعدي (107)؛ وشرح ثلاثة الأصول، د. عبد العزيز الريس (99)۔

1756) شرح ثلاثة الأصول، عبد العزيز الريس (99)۔

اندیشہ نہ ہو اور وہ اپنے لشکر کو حکم دیتے تھے کہ وہ ان سے کہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا ہے کہ اگر تم لوگوں نے ہجرت کی تو تمہارے لیے وہی ہے جو مہاجرین کے لیے ہے۔ اگر تم یہیں مقیم رہے تو تمہاری حیثیت اعراب سی ہے۔ اور ان کو انھیں چیزوں کا اختیار دیتے جو ان کے لیے حلال ہوتی۔[1757] چنانچہ صحابہ آغاز اسلام میں مکہ ہی میں تھے۔ وہ دین مشرکین کی دشمنی کا اعلان ضرورت کے وقت ہی کرتے تھے بلکہ ان میں بعض اسلام قبول کرنے کے بعد انھیں کے ساتھ رہتے سہتے اور بہت سے لوگ ان کے اسلام کو نہیں جانتے تھے۔ کبھی بظاہر ان سے خوشی خوشی ملتے، جبکہ جانتے کہ وہ جس مذہب پر ہیں، وہ نہ حق ہے نہ جائز۔[1758]

چھٹا مسئلہ: ہجرت قیامت تک باقی ہے۔

ہجرت قیامت تک باقی رہے گی۔ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا، اس وقت تک ہجرت باقی رہے گی۔ اس کی دلیل عنقریب ذکر کی جائے گی۔ مصنف نے یہاں کلام کیا ہے، دار الکفر والشرک سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کے بارے میں، اور یہاں ایک

1757) کتاب: الأم، لمحمد بن إدريس الشافعي (169/4)، ناشر: دار المعرفة، بيوت، ط. 1410 هجريا۔

1758) المحصول في شرح الأصول الثلاثة، عبد الله بن محمد الجهني (51)۔

دوسری ہجرت ہے۔ ایسے ملک سے جہاں گناہوں اور بدعات کی کثرت ہو، ایسے ملک کی طرف جہاں گناہ اور بدعات نہ ہو یا معاصی اور بدعات کم ہو۔ یہ ہجرت مستحب ہے۔ چنانچہ ایسا ملک جہاں کبائر و معاصی ہو، وہاں سے ایسے ملک کی طرف منتقل ہونا مستحب ہے جہاں یہ برائیاں نہ ہو یا کم ہو۔ بہت سے اہل علم نے بغداد سے ہجرت کی جب اہل بدعت کا آوازہ بلند ہوا اور معاصی کی کثرت ہو گئی، لیکن بعض اہل علم وہیں رہے تاکہ حقوق اللہ کو دعوت، علمی بیان اور اس کا انکار وغیرہ کرکے انجام دیں۔ اور بہت سے علماء نے مصر سے ہجرت کی جب حکومت عبیدیہ کا غلبہ ہوا۔ یہ اس بات پر محمول ہے کہ زمانہ کے حالات کے اعتبار سے ہجرت مستحب ہے یا واجب۔[1759]

(1759) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (213)۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: دلیل ارشاد باری ہے {إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (97) إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا (98) فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا (99)}[1760]، ترجمہ: جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے اُن کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے فرشتوں نے کہا، کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے۔ ہاں جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے۔ بعید نہیں کہ اللہ انہیں معاف کردے، اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔

(1760) سورۃ النساء: 97-99۔

اور{ يَاعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ (56) }[1761]،

ترجمہ: اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو، میری زمین وسیع ہے، پس تم میری بندگی بجا لاؤ۔

بغویؒ فرماتے ہیں: "اس آیت کا سبب نزول مکہ کے وہ مسلمان تھے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی چنانچہ اللہ رب العزت نے ان کو ایمان کے حوالے سے پکارا۔

سنت سے ہجرت کی دلیل آپ ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "لا تنقطع الهجرةُ حتى تنقطعَ التوبةُ، ولا تنقطعُ التوبةُ حتى تطلعَ الشمسُ من مَغربِها[1762]"، ترجمہ: ہجرت ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ توبہ کا سلسلہ ختم ہو جائے، اور توبہ ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج پچھم سے نکل آئے۔

1761) سورۃ العنکبوت: 56، 57۔

1762) سنن أبي داؤد، رقم 2479۔

مصنف رحمہ اللہ نے قرآن مجید سے دو دلیل کی روشنی میں ہجرت کے وجوب پر استدلال کیا ہے جس طرح سنت سے دلیل کی بناپر استدلال کیا کہ ہجرت قیامت تک باقی ہے۔

"فِيمَ كُنتُمْ"، یعنی تن کس فریق میں تھے، مسلمانوں کے ساتھ یا مشرکین کے ساتھ۔ یہ استفہام انکاری، توبیخ و تقریع کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے عذر کو قبول کرلیا جو کسی مجبوری سے ہجرت نہیں کرسکے "أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا"، یہ استفہام تقریری ہے۔ یعنی ہر ایک کے نزدیک یہ ثابت ہے کہ اللہ کی زمین وسیع ہے، تو پھر کیوں مدینہ ہجرت نہیں کی اور مشرکین سے درمیان سے کیوں نہیں نکلے؟ وہ ہجرت نہ کرنے پر معذور نہیں ہیں بلکہ ایسے لوگوں کے لیے جہنم کی وعید اللہ تعالیٰ نے سنائی ہے "فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا"، اس آیت میں وعید ہے، ان لوگوں کے لیے جو ہجرت کرنے پر قادر تھے اور ہجرت نہیں کی کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس سے مستثنیٰ وہی لوگ ہیں جو معذور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کو معاف

فرمائے گا۔[1763] جو لوگ ہجرت کرنے پر قادر ہیں۔اس کے وجوب کی قرآن سے دوسری دلیل سورۂ عنکبوت آیت ۵۶ ہے۔اس آیت کے شان نزول کے متعلق علامہ بغوی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ یہ ان مسلمانوں پر نازل ہوئی جو مکہ میں تھے اور ہجرت نہ کر سکے تھے، اللہ نے ان کو ایمان کے مسمہ سے پکارا، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہجرت واجب ہونے کے بعد بھی نہ کرنے والا کافر نہیں ہو گا، لیکن وہ گناہگار ہو گا۔ پھر سنت سے مصنف نے دلیل پیش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ توبہ کا دروازہ بند ہونے تک ہجرت باقی رہے گی ۔[1764]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: ہجرت کے وجوب پر قرآن سے دلیل۔

1763)ینظر: مختصر تفسیر البغوي (192/1)، اختصره: د. عبد اللہ الزید؛ تیسیر الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (178)۔

1764)ینظر: جامع البیان في تأویل القرآن، لابن جریر الطبري، تحقیق: أحمد شاکر (100/9)؛ حاشیة ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (84)۔

{إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (97) إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا (98) فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا (99)}، یہ ہجرت کے وجوب پر قرآن سے پہلی دلیل ہے۔ جب مسلمان مکہ میں اپنے دین کا اظہار کرنے پر قادر نہیں ہوئے تو شہر اسلام مدینہ میں قائم ہوا۔ ہجرت مکہ سے مدینہ فرض اور متعین ہوگئی۔ یہ آیت دلیل ہے کہ جن لوگوں نے قدرت کے باوجود ہجرت کو ترک کردیا، وہ ظالم ہیں، اپنی ذات کے لیے۔ اللہ کی پناہ! ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ آیت میں ان کمزور مردوں اور عورتوں کا استثناء ہے جو ہجرت نہیں کرسکتے تھے۔ جو نہ حیلہ پر قادر تھے، نہ نفقہ پر اور نہ نکلنے پر، اور نہ وہ نکلنے اور ہجرت کرنے کا راستہ جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کا معاملہ فرمائے گا۔ قرآن سے ہجرت کے وجوب پر شاہد یہ آیت ہے "أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ

وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا"، کیونکہ اس آیت میں ہجرت نہ کرنے پر وعید ہے۔[1765]

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: یہ آیت کریمہ ہر اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو مشرکین کے درمیان تھے لیکن وہ ہجرت پر قدرت رکھتے ہوئے ہجرت نہ کرسکے اور وہ دین کو قائم کرنے پر قادر نہیں تھے تو وہ ظالم ہیں، اپنی ذات کے لیے اور بالاجماع حرام کا مرتکب ہے اور اس کی صراحت اس آیت سے صاف ہوتی ہے۔[1766] روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو قبیلۂ بنی لیث کے ایک بیمار بوڑھے شخص جن کا نام جندع بن ضمرۃ تھا، سنتے ہی کہا کہ آج کی رات مکہ میں نہیں گزار سکتا۔ مجھے نکالو۔ چنانچہ ان کو تخت ہی پر نکالا گیا، یہاں تک کہ مقام تنعیم پہنچ کر جاں بحق ہوگئے۔ انھوں نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کہا "اے اللہ! یہ تیرے لیے اور یہ تیرے رسول کے لیے۔ میں اس چیز پر آپ سے بیعت کرتا ہوں جس چیز پر تجھ سے تیرے رسول نے بیعت کی۔" اس کے بعد انتقال ہو گیا۔ یہ خبر صحابۂ کرام کو پہنچی تو انھوں نے کہا "اگر مدینہ پہنچ جاتے تو اجر و ثواب مکمل ہو جاتا۔" یہ سن کر مشرکین ہنسے اور کہا "اس کو کیا ملا؟" اس پر یہ آیت

1765) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (52)۔

1766) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر، تحقیق: سامی سلامۃ (389/2)۔

نازل ہوئی {وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ}[1767]، ترجمہ: "اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلے، پھر راستہ ہی میں اسے موت آجائے، اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا۔"[1768]

دوسرا مسئلہ: ہجرت کے وجوب پر قرآن سے دوسری دلیل۔

ہجرت کے وجوب پر قرآن سے دوسری دلیل { يَاعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ (56) }ہے۔اس میں زمین کی وسعت کا ذکر ہے۔ اس کے معاً بعد عبادت کا ذکر ہے۔اس آیت میں اس ملک سے ہجرت کا حکم ہے جس ملک میں اقامت دین پر قادر نہ ہو، اللہ کی وسیع زمین کی طرف۔ جب انسان ایسی زمین میں ہو

(1767)سورة النساء، الآية(100)۔

(1768)معالم التنزيل في تفسير القرآن، للبغوي(274/2)۔

جہاں اظہار دین پر قادر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے عبادت کے لیے وسیع زمین بنائی ہے جس میں اللہ کی وحدانیت کا کھلے طور پر اظہار کر سکے۔[1769]

پھر مصنف نے کہا: علامہ بغوی رحمہ اللہ نے اس آیت کا شان نزول بیان کیا ہے۔

یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مکہ میں رہ گئے تھے اور انھوں نے ہجرت نہیں کی تو اللہ تعالیٰ ان کو ایمانی نام کے ساتھ پکارا۔ مصنف نے بغوی رحمہ اللہ کے کلام کو سابقہ آیت کے نزول کے سبب کے طور پر بیان کیا۔ بغوی کا کلام سلف کی ایک جماعت کے قول کا خلاصہ ہے، اس لیے کہ بغوی نے اپنی تفسیر میں جو ذکر کیا ہے، بعینہٖ وہی مفہوم ہے جو سلف نے ذکر کیا ہے، لیکن انھوں نے اس لفظ کی وضاحت نہیں کی۔[1770] بہر حال آیت کی تفسیر ان مسلمانوں سے متعلق ہے جو مکہ میں رہ گئے تھے اور انھوں نے ہجرت نہیں کی تو ان کو ایمان کے نام کے ساتھ پکارا۔[1771] بعض اہل علم و فضل کا گمان ہے کہ مصنف کو نقل

1769) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (52)۔

1770) جاء في تفسير البغوي (251/6): (قال مقاتل والكلبي: نزلت في ضعفاء مسلمي مكة، يقول: إن كنتم في ضيق بمكة من إظهار الإيمان فاخرجوا منها إلى أرض المدينة، إن أرضي —يعني المدينة— واسعة آمنة)۔

1771) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (52)۔

کرنے میں وہم ہو گیا، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ انھوں نے بغوی کے کلام کے ایک جزو کو ذکر کیا جو آیت کے نزول کا سبب ہے۔ پھر اس پر کلام کیا کہ انھوں نے کہا، اللہ تعالیٰ نے ایمان کے نام کے ساتھ پکارا، اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا { يَاعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ (56) }[1772] اس آیت میں مقصود یہ ہے کہ انھوں نے ہجرت نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کے نام کے ساتھ پکارا۔ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ ہجرت نہ کرنے سے ایمان ختم نہیں ہوتا ہے اور سابقہ آیت میں ہے { فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا} ، یہ وعید اس لیے ہے کہ انھوں نے ایک واجب کو چھوڑ دیا۔ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔ لیکن دار الکفر سے دار الاسلام ہجرت نہ کرنے کی بنا پر ایمان ختم نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت نہ کرنا کفر نہیں بلکہ گناہ کا کام ہے، اس لیے جنھوں نے ہجرت نہیں کی، انھیں ایمان کے نام کے ساتھ پکارا۔[1773]

تیسرا مسئلہ: ہجرت کے وجوب پر سنت سے دلیل۔

(1772) شرح الشیخ د. عبداللہ بن عبدالعزیز العنزي علی ثلاثة الأصول وادلتها (88)۔

(1773) شرح ثلاثة الاصول صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (216)۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: سنت سے ہجرت کی دلیل یہ حدیث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا"ہجرت، توبہ کا دروازہ بند ہونے تک رہے گی اور توبہ کا دروازہ اس وقت بند ہوگا جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔" یہ حدیث مصنف کے قول کی شاہد ہے۔ ہجرت فرض ہے، قیامت تک رہے گی، اس لیے کہ ہجرت کے ختم ہونے کو توبہ کے ختم ہونے پر معلق کیا گیا ہے اور توبہ کے ختم ہونے کو سورج کے مغرب سے طلوع ہونے پر۔ یہ اس وقت ہوگا جب قیامت قائم ہوگی۔[1774] اس حدیث میں اس کا بیان ہے کہ توبہ اس وقت ختم ہوگا جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اس وقت توبہ مفید نہیں ہوگی، نہ کوئی عمل بندے کے لیے مفید ہوگا۔[1775]

حدیث اس کی دلیل ہے کہ جب تک توبہ مقبول ہے، اس وقت تک ہجرت ہے۔

رہا نبی ﷺ کا ارشاد " لا هجرة بعد الفتح ، ولكن جهاد ونية ،واذا

(1774) تعلیقات علی ثلاثة الأصول صالح بن عبداللہ العصيمي (52)۔

(1775) شرح ثلاثة الاصول صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (216)۔

استنفرکم فانفروا ''[1776]، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد مکہ سے مدینہ ہجرت نہیں ہے، اس لیے کہ مکہ فتح کے بعد شہر اسلام ہو گیا۔ مکہ سے ہجرت کا حکم اس وقت تھا جب وہ شہر کفر تھا اور جب وہ شہر اسلام ہو گیا تو ہجرت کا وجوب واستحباب ختم ہو گیا۔ رہا ملک شرک سے ملک اسلام کی طرف ہجرت، تو یہ اب بھی باقی ہے۔ جس ہجرت کی نفی حدیث میں ہے، وہ متعین ہجرت ہے جو آپ کے زمانے میں تھی۔ وہ کم سے مکہ سے مدینہ کی ہجرت ہے، اس لیے کہ مکہ فتح ہونے کے بعد دارالاسلام ہو گیا۔[1777]

سابقہ بحثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ:

مصنف رحمہ اللہ نے ہجرت کے تین دلائل ذکر کیے ہیں۔

پہلی دلیل اس کے وجوب پر ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی خبر دی جنھوں نے ہجرت نہیں کی کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

1776) أخرجه البخاري في كتاب: الجهاد والسير, باب: فضل الجهاد والسير، برقم (2783)؛ وأخرجه مسلم في كتاب: الامارة, باب: المبايعة بعد فتح مكة على الاسلام، برقم (86)۔

1777) شرح الاصول الثلاثة دكتور خالد المصلح (75)؛ حاشيه ثلاثة الاصول عبدالرحمن بن قاسم (86)۔

دوسری دلیل کہ ہجرت نہ کرنے والا کافر نہیں ہے جیسا کہ پہلی آیت سے سمجھ میں آتا ہے، اس لیے مسلمان کے نام سے خطاب فرمایا گیا۔

تیسری دلیل، ہجرت کا حکم قیامت تک باقی ہے۔[1778]

1778) المحصول في شرح الاصول الثلاثة عبدالله بن محمد الجهني (50)۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور جب آپ ﷺ کو مدینہ میں استقرار حاصل ہو گیا تو اسلام کے باقی احکامات کا حکم نازل ہوا جیسے زکوۃ ادا کرنے، روزہ رکھنے، حج کرنے، اذان دینے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے اور دوسرے مختلف اسلامی احکامات کا حکم نازل ہوا۔

جب مصنف رحمہ اللہ ہجرت کے احکام اور اس کے دلائل سے فارغ ہوئے تو انھوں نے سیرت النبی ﷺ کے بارے میں کلام کو مکمل کرنا شروع کیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے مدینہ میں قیام سے لے کر وفات تک جن شرائع کی تکمیل ہوئی، انھیں بیان کیا۔ چنانچہ جب مصطفی ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی اور مدینہ میں مقیم ہوئے تو توحید عام ہوئی۔ آپ کے متبعین کی کثرت ہوئی اور نماز قائم کی۔ بقیہ شرائع اسلام کا حکم دیا گیا، جیسے زکوۃ، روزہ، حج، اذان، جہاد، معروف کا حکم اور منکر سے منع وغیرہ۔ اور جیسے عیدین کی نماز، کسوف اور استسقاء کی نماز، والدین کی فرماں برداری، صلہ رحمی، امانتوں کی ادائیگی، تمام مکارم اخلاق، محاسن اعمال اور ان تمام چیزوں کا حکم جو امت کے لیے ضروری ہے۔[1779]

اس میں درج ذیل مسائل ہیں۔

(1779) حاشیۃ ثلاثۃ الاصول عبدالرحمن بن قاسم (87)۔

پہلا مسئلہ: جب مدینہ میں قیام پذیر ہوئے تو بقیہ شرائع اسلام کا حکم دیا گیا۔

یہ دلیل ہے کہ اسلام کے ظاہری شرائع مدینہ میں فرض کیے گئے۔ رہا مکہ کے قیام کا معاملہ، تو توحید کی دعوت دیتے رہے اور دس سال تک شرک سے روکتے رہے۔ پھر دسویں سال نماز فرض کی گئی۔ رہا اسلام کے بقیہ ظاہری شعائر، تو یہ مدینہ میں ہوئے، حتیٰ کہ زنا، شراب اور سود وغیرہ کی حرمت۔ یہ دلیل ہے اس دین میں توحید کی شان وعظمت کی۔ توحید مستقل ایک حکم ہے۔ وہ ہے اللہ کی توحید کی دعوت اور شرک سے ڈرانا اور منع کرنا۔ آپ اس مشن میں دس سال لگے رہے۔ یہ اس دین میں شان توحید کی اہم ترین دلیل ہے۔ اس کے علاوہ اسلام کے بہت سے ظاہری اعمال میں جن کا اس شریعت میں اہتمام ہے۔ چنانچہ دعوت توحید ہی کے ساتھ ہوتی ہے، اس لیے کہ جب دل اللہ کو ایک قرار دے گا تو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہو گی۔ اس کے بعد اللہ اور اس کے رسول کی فرض کے طور پر اطاعت کرے گا اور شرک کو چھوڑ کر اس سے نفرت کرے گا۔ اسی طرح ہر اس چیز کو ناپسند کرے گا جسے اللہ پسند نہیں کرتا اور جس سے اللہ راضی نہیں ہے۔ یہ توحید کے مقتضیات میں سے ہے۔[1780] لیکن اس بات کو سمجھنا مناسب ہے کہ نبی کریم ﷺ کی

(1780) شرح ثلاثۃ الاصول صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (220)۔

دعوت توحید کی زندگی کی آخری سانس تک جاری رہی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے یہود و نصاریٰ پر اپنی وفات سے چند روز پہلے فرمایا" اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔"[1781] توحید کے بہت سارے احکام ہیں جو آپ نے مدینہ میں دیے۔ بالخصوص توحید کے تکملات سے متعلق۔اس کے ساتھ آپ کی دعوت اصلی توحید کی طرف جاری رہی اور عبادت میں اخلاص کی طرف، لیکن آپ نے شرائع اسلام کا حکم مدینہ میں دیا،اس لیے کہ جن لوگوں نے توحید کو تسلیم کرلیا،انھیں عمل صالح کے ذریعے توحید کی تکمیل کی ضرورت کا احساس ہوا۔[1782] چنانچہ شرائع کا حکم تعمیر عقیدہ کے بعد آیا،اس لیے کہ توحید اعمال کی بنیاد ہے،اس لیے کہ مکہ میں عقیدے کی بنیاد کے موضوع پر آپ کی دعوت جاری رہی۔ شرائع اور تکالیف شرعیہ ہجرت مدینہ کے بعد آئے،

1781) أخرجه البخاري في كتاب: الصلاة، باب: الصلاة في البيعة؛ برقم(435) واخرجه مسلم في كتاب: المساجد ومواضع الصلاة. باب: النهي عن بناء المساجد على القبور واتخاذ الصور فيها والنهي عن اتخاذ القبور مساجد برقم(22)۔

1782) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح(76)۔

لیکن نماز کی عظمت کی بنا مکہ ہی میں مشروع کی گئی جیسا کہ مصنف نے ذکر کیا کہ نبی ﷺ نے ہجرت سے تین سال پہلے نماز پڑھی۔[1783]

مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت و رسالت اول سے آخر تک مکی و مدنی، حضر و سفر، صلح و جنگ، سب توحید پر مشتمل ہے۔ جب سے سورۂ مدثر میں آپ کو مطلق ڈرانے کا حکم دیا گیا، اس وقت سے ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا جس میں توحید اور اس کے شواہد کا اعلان، شرک اور اس کے ظواہر سے بحث نہ کی ہو۔ اب ایسا لگتا ہے کہ آپ کی بعثت کا یہی مقصد تھا، اس لیے تنہا توحید کے اثبات میں لگے رہے۔ شعب ابی طالب میں محصور ہوئے۔ پھر توحید کی دعوت اوجھل نہیں ہوئی۔ ہجرت کی راہ میں بھی اس سے نہیں پھرے، جبکہ دشمن آپ کی سخت تلاش میں تھے۔ آپ نے توحید کا سلسلہ مدینہ میں جب اپنے انصار اور اعوان کے درمیان تھے، تب ختم نہیں کیا۔ بلکہ فتح مکہ کے بعد اس میں غور و فکر کا دروازہ بند نہیں کیا، نہ قتال پر بیعت طلب کرنے پر اکتفا کیا بلکہ بیعت میں بھی توحید پر زور دیا اور شرک کو کھرچ کر نکال پھینکنے کی تاکید کی۔ یہی وجہ ہے کہ توحید کو اولیت کا مقام حاصل رہا اور یہ لازمی ہے کہ توحید کا اولیت کا مقام حاصل رہے ہر زمانہ اور ہر شہر میں۔ اور اسلام کے

1783) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبداللہ بن صالح الفوزان (179)۔

پانچوں ارکان اعلان توحید، اس کے اثبات وتاکید، تذکیر و تطبیق اور اقرار و عمل ہی کے لیے مشروع کیے گئے۔[1784]

دوسرا مسئلہ: زکوۃ، روزہ، حج، اذان اور جہاد کی فرضیت۔

مصنف رحمہ اللہ کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زکوۃ کی فرضیت اصلاً وتفصیلاً مدینہ میں ہوئی، لیکن اہل علم کے اقوال کی روشنی میں صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ زکوۃ اولاً مکہ میں فرض ہوئی اور انھیں میں سے ہے معمولی ضرورت کی چیز میں خرچ نہ کرنے کی ممانعت ۔ارشاد خداوندی ہے {وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ (7)}[1785]، ترجمہ: ”اور معمولی ضرورت کی چیزیں لوگوں کو دینے سے گریز کرتے ہیں۔“

انھیں میں صدقہ ہے اور فقیر کو دینا وغیرہ ہے۔ یہ زکوۃ مقدار اور وصف کے ساتھ محدود نہیں ہے بلکہ ان پر زکوۃ کا نام صادق آتا ہے۔ رہی اس کا طریقہ پر زکوۃ جو متعین مقدار میں ہے، تو مدینہ میں فرض کی گئی۔ تو زکوۃ سے یہاں مراد وہ زکوۃ ہے جو سنہ ۲ ہجری میں اس

(1784) مقدمہ د. صالح بن عبد اللہ بن حمید علی شرح کتاب التوحید، لسماحۃ الشیخ العلامۃ عبد اللہ بن محمد بن حمید (8) عنایۃ: خالد بن ماجد العمرو، ناشر: دار ابن الجوزي ط. الاولی: 1438 ھجریا۔

(1785) سورۃ الماعون: الآیۃ (7)۔

طریقے پر فرض کی گئی جس میں مقدار، شرائط، نصاب، مستحقین زکٰوۃ کے برتن وغیرہ کو ذکر کیا گیا۔ رہی جنس زکٰوۃ، تو مکہ میں فرض کی گئی۔ جنس زکٰوۃ اسی طرح متعین نہیں تھی جیسے مکہ میں نماز تھی اور یہ سورۂ مزمل کے اخیر میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اخیر میں فرماتے ہیں ، حالانکہ یہ سورۃ مکی ہے{ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (20) }[1786]، ترجمہ: ”نماز قائم کرو، زکٰوۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو۔ جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے، اسے اللہ کے یہاں موجود پاؤ گے۔ وہی زیادہ بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہے۔ اللہ سے مغفرت مانگتے رہو۔ بے شک اللہ بڑا غفور رحیم ہے۔“ چنانچہ اس تربیت میں زکٰوۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔[1787]

(1786)سورۃ المزمل، الآیۃ(20)۔

(1787)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح آل الشیخ(218)؛ وینظر: شرح ثلاثۃ الأصول، للعثیمین(139)۔

روزہ سنہ ۲ ہجری میں فرض کیا گیا۔ حج بعض اہل علم کے مطابق سنہ ٦ ہجری میں فرض کیا گیا۔ یہ وہ سال ہے جس میں یہ آیت نازل کی گئی: { وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ }[1788]، ترجمہ: اللہ کی خوشنودی کے لیے جب حج اور عمرے کی نیت کرو، تو اُسے پورا کرو۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ ۹ ہجری میں فرض کیا گیا اور یہی صحیح ہے۔ حج فتح مکہ کے بعد فرض کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کو سورۂ آل عمران میں حج کا حکم دیا گیا اور یہ عام الوفود کے سال نازل ہوئی، سنہ ۹ ہجری میں، لیکن نبی کریم ﷺ نے اس سال حج نہیں کیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے ساتھ حج کا حکم دیا۔ آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ آپ نے سنہ ۱۰ ہجری میں ایک ہی حج کیا۔ اس کے بعد حج نہیں کیا۔[1789] اور جہاد ہجرت کے بعد فرض کیا گیا جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے ذکر کیا۔ اس سے پہلے مکہ میں مسلمانوں کو نہ جہاد کرنے کا حکم دیا، نہ فرض کیا۔ اس لیے کہ کمزور تھے۔ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ قتال کرتے۔ جب مدینہ مسلمانوں نے ہجرت کی اور اسلامی سلطنت قائم ہو گئی تو انھیں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔

1788) سورۃ البقرۃ، الآیۃ (196)۔

1789) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (219)؛ شرح ثلاثۃ الأصول: محمد بن صالح العثیمین (139)۔

[1790]راجح قول کے مطابق اذان ا ہجری میں مدینہ میں مشروع کی گئی۔ کچھ ایسی دلیل بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان مکہ میں ہجرت سے پہلے مشروع کی گئی لیکن یہ احادیث ضعیف ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔[1791] ابن منذر رحمہ اللہ نے پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ جب نماز فرض کی گئی تو مدینہ ہجرت تک آپ ﷺ مکہ میں اذان واقامت کے بغیر نماز پڑھتے تھے۔ مدینہ تشریف لانے کے بعد بھی شروع میں اسی طرح نماز پڑھتے تھے، حتیٰ کہ حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اذان خواب میں دیکھا ۔[1792]

تیسرا مسئلہ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ سب سے اہم معروف امر بالمعروف اور سب سے سنگین منکر شرک ہے۔اس کے بعد نہی عن المنکر میں دیگر محرمات ومشروعات داخل ہیں جو توحید کے علاوہ ہیں۔

1790) حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (182)۔

1791) ينظر: فتح الباري (78/2)؛ حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد اللہ بن صالح الفوزان (182)۔

1792) الأوسط من السنن والاجماع والاختلاف (142/3)۔

چنانچہ معروف و منکر سے عام معروف و منکر مراد ہیں، اس لیے کہ مستقل جنس ہے۔ بعض حضرات امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ارکان اسلام میں اس طرح شامل کرتے ہیں جیسے جہاد کو۔ اور مصنف رحمہ اللہ نے ان چیزوں کو ذکر کیا جو اہم ہیں۔ ان میں بعض ارکان اسلام ہیں، جیسے زکٰوۃ اور روزہ۔ اور بعض مہمات دین میں اگرچہ ارکان میں نہیں ہے جیسے جہاد اسلام کی بلند ترین چوٹی کے مانند ہے۔[1793]

(1793) شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن ابراھیم آل الشیخ (264)۔

مصنف کہتے ہیں اور یہ عرصہ دس سالوں پر مشتمل رہا اور اس کے بعد آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ آپ پر ڈھیروں درود و سلام ہو۔ آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا لیکن آپ جو دین لے کر آئے تھے وہ آج بھی باقی ہے اور یہ وہ دین ہے جس نے ہر قسم کے خیر اور اچھائی کی طرف لوگوں کو ابھارا اور ہر قسم کے نشہ اور برائیوں سے لوگوں کو آگاہ کیا جس خیر کی طرف اس نے ابھارا وہ اللہ کی توحید کا اقرار ہے اور ہر اس کام کو کرنے کی ترغیب ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پسند ہے اور جس شر سے لوگوں کو آگاہ کیا وہ شرک ہے اور ہر وہ کام جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ناپسند کرتے ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس سے پہلے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ میں مقیم ہوئے تو بقیہ شرائع کی طرف دعوت دینا شروع کی۔ اور آپ اس مشن میں دس سال لگے رہے جن میں آپ پر شرائع کی وحی کی جاتی رہی۔ آپ کی رحلت ۱۱ ہجری میں بارہ ربیع الاول کو سوموار کے دن ہوئی۔ آپ کا دین کتاب وسنت کا مجموعہ ہے جو موجود، تائید شدہ، قیامت تک محفوظ ہے۔ یہ دین ان کے لیے کافی ہے جس نے اسے مضبوطی سے تھام لیا۔ آپ کا لایا ہوا دین وہی ہے جس کی وضاحت اس سے پہلے اس رسالے میں کی گئی۔ بندے کا اپنے رب کو جاننا، دین اسلام کو دلائل کے ساتھ جاننا اور بندے کا اپنے نبی کو جاننا اور نبی کریم ﷺ کی صفات میں سے ہے کہ آپ نے اپنی امت کو ہر ایسے خیر کی رہنمائی کی جو اللہ تعالیٰ سے قریب

کردے اور ہر اس شر سے بچایا جو اس زمانے میں تھے یا قیامت تک ہوں گے۔ سب سے اہم ترین خیر توحید ہے جس کی آپ نے رہنمائی کی اور بدترین شر شرک ہے جس سے آپ ﷺ نے امت کو ڈرایا۔[1794]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: بقائے دین۔

جب مصنف رحمہ اللہ سیرت النبی ﷺ پر کلام سے فارغ ہوئے تو انھوں نے مناسب سمجھا کہ اس دین کے بارے میں گفتگو کریں جس کی آپ ﷺ نے دعوت دی اور جن چیزوں پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سارے انسانوں کے لیے مبعوث فرمایا اور آپ کے ذریعے دین کی تکمیل کی۔[1795] آپ کی رحلت کے بعد بھی دین باقی ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دین کی بقا کا تعلق صرف آپ ﷺ کی زندگی سے نہیں ہے اور اس میں یہ پہلو بھی ہے کہ آپ کا انتقال ہو گیا جس پر اجماع ہے جس کی دلیل کتاب و

(1794) ینظر: حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (87)؛ وتیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (184)؛ وتعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (53)۔

(1795) ینظر: شرح الأصول الثلاثۃ، خالد الأنصاري (55)۔

سنت ہے جیسا کہ عنقریب مصنف رحمہ اللہ غالی صوفیہ کے خلاف دلائل ذکر کریں گے جو یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا انتقال نہیں ہوا۔ یہ سراسر بہتان اور جھوٹ ہے کیونکہ کتاب و سنت میں قطعی ثبوت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی رحلت ہو گئی ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

"یہ دین باقی ہے۔" کیونکہ آپ ﷺ کی رسال تمام رسالتوں کو ختم کرنے والی ہے۔آپ کی رسالت کسی خاص قوم یا خاص زمانے کے لیے نہیں تھی،اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآن کے ذریعے اس کی حفاظت کی ذمے داری لی ہے۔ارشاد باری ہے { إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (9)}[1796]،ترجمہ: رہا یہ ذکر،تو اِس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اِس کے نگہبان ہیں۔

یہ حفاظت،اس قرآن کریم کی تفسیر،سنت مطہرہ کے لیے لازم ہے،جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے {إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ (17) فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ (18) ثُمَّ إِنَّ

(1796)سورۃ الحجر،الآیۃ(9)۔

عَلَيْنَا بَيَانَهُ (19) }[1797]، ترجمہ: "اسے یاد کرادینا اور پڑھوادینا ہمارے ذمے ہے، لہٰذا جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں، اس وقت تم اس کی قراءت کو غور سے سنتے رہو۔ پھر اس کا مطلب سمجھادینا بھی ہمارے ہی ذمے ہے۔"

دین کی حفاظت حافظ دین کے بغیر ممکن نہیں ہے، اس لیے یہ حفاظت حاملین کتاب وسنت پر جو امت کو اس کی تبلیغ کرتے ہیں، لازمی ہے۔ چنانچہ یہ دین باقی رہے گا، محفوظ رہے گا۔ اس کی حفاظت کرنے والے کی بقا کے ساتھ قیامت تک۔[1798] حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا۔ انھیں مخالفین اور ان کا ساتھ نہ دینے والے قیامت تک نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔"[1799]

دوسرا مسئلہ: اپنی امت پر آپ ﷺ کی شفقت ورحمت۔

(1797) سورة القيامة، الآيات (17-19)۔

(1798) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (76)۔

(1799) أخرجه أحمد في مسنده برقم (16881)؛ والترمذي في الفتن برقم (2229)؛ وابن ماجة في كتاب: المقدمة, باب: اتباع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم برقم (7) وصححه الالباني في صحيحه (110/4)۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں ''خیر وہی ہے جسے آپ ﷺ نے امت کو رہنمائی کی اور شر وہ ہے جس سے امت کو ڈرایا اور اس سے بچایا۔ ''

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس حالت میں ہم سے رخصت ہوئے کہ کوئی پرندہ ایسا نہیں ہے جو اپنے دو بازوئوں سے اڑتا ہو اور ہمیں اس کا علم نہ ہو۔[1800] ایک مشرک نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا ''تم لوگوں کو تمہارے نبی نے ہر چیز سکھلائی، حتیٰ کہ پیشاب و پاخانہ کا طریقہ بھی؟'' آپ ﷺ نے جواباً فرمایا'' ہاں، آپ ﷺ نے ہمیں منع کیا کہ پیشاب و پاخانہ کرتے وقت خانہ کعبہ کی طرف منہ کریں یا ہم دائیں ہاتھ سے استنجا کریں یا تین پتھر سے کم میں استنجا کریں یا لید یا ہڈی سے استعمال کریں ۔''[1801]

(1800) اخرجه احمد برقم (21361)؛ واخرجه ابن حبان في صحيحه، كتاب: العلم، برقم (65) وصححه الالباني، ينظر التعليقات الحسان على صحيح ابن حبان للالباني (192/1)۔

(1801) أخرجه مسلم في كتاب: الطهارة، باب: الاستطابة، برقم (57)۔

اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ہر خیر و شر کی متعین طور پر رہنمائی کی بلکہ اس کے اوصاف کو بیان فرمایا، اس لیے کہ شارع عام احکام بیان کرتا ہے اور اس کے تحت سی جزئیات داخل ہوتی ہیں۔ 1802

تیسرا مسئلہ: توحید ہر خیر کا سرچشمہ اور شرک ہر شر کی جڑ ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں خیر وہی ہے جس کی آپ نے رہنمائی کی۔ وہ توحید اور وہ تمام باتیں ہیں جنھیں اللہ پسند کرتا ہے اور جن سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ اور شر وہ ہے جس سے آپ ﷺ نے ڈرایا اور وہ شرک اور وہ تمام باتیں ہیں جنھیں اللہ ناپسند کرتا ہے۔

پھر مصنف رحمہ اللہ نے یہاں بیان کیا، خیر کے ان متعین کلمات کے ساتھ جن کی نبی ﷺ نے اپنی امت کو رہنمائی کی، دین کے سرچشمہ توحید کو جس کے بغیر دین کا تصور صحیح نہیں ہے، پھر بقیہ مامورات کو بیان کیا، اپنے اس قول کے ذریعے کہ خیر وہ تمام باتیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور جس سے راضی ہوتا ہے۔ اور یہ ان تمام مامورات کو جو واجب اور مستحب ہیں، شامل ہے۔ اس کے بعد دین کے دوسرے جز منہیات و محرمات کو بیان کیا اور ان میں سب سے سنگین شرک کو بیان کیا اور وہ تمام گناہ کے کام ہیں جنھیں اللہ

1802) شرح الأصول الثلاثة وادلتها، محمد بن مبارک الشرافي (140)۔

تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔[1803] بہر حال توحید خیر کا سرچشمہ اور شرک شر کا مجموعہ ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے دونوں جزوں کو ان دونوں کے مقام کی اہمیت کے پیش نظر الگ الگ ذکر کیا ہے۔[1804]

1803) ینظر: تنبیه العقول إلى کنوز ثلاثة الأصول، د. عبدالرحمن الشمسان (993/2)۔

1804) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضیلة الشیخ صالح بن عبد الله العصیمي (77)، الکتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجریا۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام انسانیت کے لئے بھیجا اور آپ ﷺ کی اطاعت تمام انسانوں اور جنوں پر فرض کی۔ اس بات کی دلیل ارشاد باری ہے: { قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا }[1805]، ترجمہ: اے محمدؐ، کہو دو کہ اے انسانو، میں تم سب کی طرف خدا کا پیغمبر ہوں۔

آپ ﷺ کے ذریعہ اللہ نے دین کو مکمل کر دیا۔ اس بات کی دلیل فرمانِ الٰہی ہے: { الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا }[1806]، ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

اور اس بات کی دلیل کہ آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: { إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (30) ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ (31)

(1805) سورۃ الأعراف: 158۔

(1806) سورۃ المائدۃ: 3۔

}[1807]، ترجمہ: (اے نبیؐ) تمہیں بھی مرنا ہے اوران لوگوں کو بھی مرنا ہے۔آخرکار قیامت کے روز تم سب اپنے رب کے حضور اپنا اپنا مقدمہ پیش کروگے۔

مصنف رحمہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کی معرفت کے بارے میں کلام سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ کی وفات کا ذکر کیا اور کلام کو نبی کریم ﷺ کی رسالت کے عموم کو بیان کرنے پر ختم کیا، اس طور پر کہ سارے انبیاءؑ کی بعثت خاص قوم کے لیے تھی لیکن ہمارے نبی محمد ﷺ کی بعثت سارے انسانوں کے لیے ہوئی۔ کسی کو بھی آپ کی شریعت سے باہر ہونا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو جن وانس دونوں پر فرض قرار دیا۔ اس کی دلیل کہ آپ سارے انسانوں کے لیے مبعوث کیے گئے، سورۂ اعراف آیت ۱۵۸ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کے ذریعے دین کی تکمیل کی۔ اب جو بھی اللہ کے دین میں اضافہ کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افتراپردازی کرے گا۔ اس بات کی دلیل کہ یہ دین اپنی شریعت اور اپنے احکام میں مکمل ہے، سورۂ مائدہ آیت ۳ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے، اس امت پر کہ اس کے لیے اس کے دین کی تکمیل کی۔ وہ کسی دوسرے دین اور کسی دوسرے نبی کے محتاج نہیں ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے دین کو نبی ﷺ کے لیے

(1807)سورۃ الزمر: 30،31۔

مکمل کر دیا تو پھر آپ کی رحلت ہو گئی۔آپ کی وفات کی دلیل سورۂ زمر آیت ۳۰، ۳۱ ہے۔ آپ کی وفات ہو چکی۔آپ کو غسل دیا گیا۔آپ کو کفن دیا گیا۔آپ کی نماز جنازہ ہوئی اور آپ ﷺ کو ۱۱ ھ میں مدینہ میں دفن کیا گیا اور آپ ﷺ کی طرح تمام مخلوق کی بھی موت ہو گی۔[1808]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: آپ ﷺ کی بعثت کا عموم۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے سارے انسان کی طرف آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو تمام جنات وانسان پر فرض قرار دیا، لہٰذا ہر انسان پر نبی ﷺ پر ایمان لانا واجب ہے، خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا کوئی اور۔اور ہر اس شخص پر ایمان لانا واجب ہے جنھوں نے نبی ﷺ کے بارے میں سنا، اس کے لیے اب گنجائش کا کوئی راستہ نہیں ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے! اس امت میں سے جس نے بھی میرے بارے میں سنا، خواہ وہ یہودی ہو

(1808)ینظر: حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (89)؛ وتیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (188)۔

یا نصرانی، پھر وہ اس حالت میں مرا کہ جس چیز کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، اس پر ایمان نہیں لایا تو وہ جہنمی ہے۔'[1809]

پھر منصف رحمہ اللہ نے اس کی دلیل ذکر کی کہ رسول اللہ ﷺ سارے انسانوں کے لیے مبعوث کیے گئے۔ سورۃ اعراف آیت نمبر ۱۵۸۔ یہ ظاہری عموم ہے، آپ ﷺ کی بعثت کے سلسلے میں تمام انسانوں کی طرف۔ اور ''جمیعاً'' کا لفظ تمام انسانوں کی طرف بعثت کی تاکید کے لیے ہے۔

''ناس''، ''نَوس'' سے مشتق ہے جس کے معنی حرکت واضطراب کے ہیں، لہٰذا لفظ ''ناس'' میں تمام جنات وانسان داخل ہو جائیں گے۔[1810] اور اس بات کی خاص دلیل بھی آیت احقاف میں موجود ہے کہ آپ ﷺ جنات کی طرف مبعوث کیے گئے {یاقَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ

1809) أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب: الايمان، باب: وجوب ايمان أهل الكتاب برسالة الاسلام، رقم(240)۔

1810) ينظر: لسان العرب، لابن منظور، مادة(نوس)؛ وتعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالله العصيمي(54)۔

أَلِيمٍ (31)}[1811]، ترجمہ: "اے ہماری قوم کے لوگو! اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کرلو اور اس پر ایمان لے آئو۔ اللہ تمہارے گناہوں سے در گزر فرمائے گا اور تمھیں عذاب الیم سے بچادے گا۔"

یہ جن نبی ﷺ کے سامنے نہیں آئے تھے، نہ آپ ﷺ نے ان کی آمد کو محسوس فرمایا تھا بلکہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو ان کے آنے اور قرآن سننے کی خبر دی تو معلوم ہوا کہ یہ بھی اس رسالت کے مخاطب ہیں۔

دوسرا مسئلہ: کمال دین۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کے ذریعے دین کی تکمیل کی ۔ دلیل {الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا[1812]} ہے، ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

(1811)سورۃ الأحقاف، الآیۃ(31)۔

(1812)سورۃ المائدۃ، الآیۃ(3)۔

یہ آیت وحی الٰہی اور تبلیغ رسالت کے ذریعے دین کے کمال کے دلیل ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا ہے کہ اس نے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اس چیز کے ذریعے مکمل ہو گیا جس کی آپ ﷺ نے تبلیغ کی کیونکہ دین کا علم رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ کے ذریعے ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان تمام دین کی تبلیغ کی جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع کیا۔[1813] یہ آیت کریمہ عرفہ کے دن نازل کی گئی جب نبی ﷺ حجۃ الوداع میں خطبہ دے رہے تھے۔ اس آیت کا نزول آپ ﷺ کی وفات سے اکیاسی دن پہلے ہوا۔ یہ شہادت ہے، اپنے نبی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تبلیغ پر کہ جس چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا، وہ مکمل اور کامل تبلیغ ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النّبیین بنایا، اس لیے مخلوق اس کے بعد کسی ایسے نبی کی محتاج نہیں ہے جو ان کے لیے دین کی تکمیل کرے۔ جس طرح وہ دوسرے دین کے محتاج نہیں ہیں۔ یہ ان کے دین کے کمال کے لیے ہے۔[1814]

(1813) ینظر: مجموع الفتاوی، لابن تیمیة (155/5، 156)۔

(1814) حقوق النبي صلی اللہ علیہ وسلم علی امتہ محمد بن خلیفہ التمیمي (111)۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو اپنے نبی ﷺ کے ذریعے مکمل کیا۔آپ کے بعد امت کو عقل و نقل، رائے، خواب اور کشف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔[1815] اور دین کو مکمل کرنے کے دلائل میں حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا"میں نے تم لوگوں کو ایسے اجالے میں چھوڑا ہے جس کی رات دن کے مانند ہے۔ اس سے میرے بعد ہلاک ہونے والا ہی کجی اختیار کرے گا۔"[1816] اس دین کے کمال میں سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا"جس نے اس چیز کو کیا جس کا حکم نہیں ہے اور اللہ کے دین میں ایسی چیز کا اضافہ کیا جو شریعت میں نہیں ہے تو اس کا عمل باطل اور مردود ہے۔"اور اس دین کے کمال میں سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"

1815) الصواعق المرسلة في الرد على الجهمية والمعطلة، (826/3)، تحقيق: علي بن محمد الدخيل الله۔

1816) أخرجه-حمد في مسنده برقم (17142) واخرجه الحاكم في المستدرك (96/1)؛ وقال الالباني: هذا اسناد صحيح رجاله كلهم ثقات معروفون غير عبد الرحمن بن عمرو وقد ذكره ابن حبان في الثقات، وروى عن جماعة من الثقات، وصححه الترمذي وابن حبان والحاكم في "التهذيب الصحيحه" رقم (937)۔

جس نے ہمارے اس دین میں نئ بات پیدا کی جس کا تعلق اس دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"[1817]

تیسرا مسئلہ: آپ ﷺ کی وفات۔

مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ آپ کی وفات کی دلیل یہ آیت ہے

"إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ" یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی وفات کی دلیل ہے۔ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی ﷺ زندہ ہیں، مرے نہیں ہیں، ان کی روح موجود ہوتی ہے، آپ ﷺ موجود ہوتے ہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں وغیرہ، یہ لوگ قرآن کو جھٹلانے والے ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے کہا کہ عنقریب آپ کی وفات ہو گی اور یہ لوگ بھی عنقریب مریں گے۔ دوسری آیت میں فرمایا {وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ

1817) اخرجه البخاري في كتاب: الصلح، باب: اذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، برقم (2697)؛ وأخرجه مسلم في كتاب الأقضية، باب: نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، برقم (17)۔

}[1818] ، ترجمہ: ”محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پائوں پھر جائوگے ؟ “

لیکن آپ ﷺ اپنی وفات کے بعد برزخی زندگی میں ہیں ۔ یہ برزخی زندگی کی اقسام میں سب سے زیادہ مکمل ہے۔آپ ﷺ کی زندگی شہدا کی زندگی سے زیادہ مکمل ہے ۔رہی جسمانی زندگی، تو اس میں شک نہیں کہ آپ وفات پا چکے۔یعنی آپ کی روح آپ کے جسم سے جدا ہو گئی ۔آپ کی موت ، حیات کے ختم ہونے کی وجہ ہے ۔اور آپ ﷺ کو غسل دیا گیا۔کفن دیا گیا۔جنازے کی نماز پڑھی گئی۔آپ ﷺ اپنی قبر مدینہ میں دفن کیے گئے۔آپ جنت میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہیں جو اعلیٰ مقامات میں سے ہے۔آپ کے جسم کو زمین نہیں کھاتی ہے۔آپ کا جسم تازہ اور باقی ہے۔ باقی سارے انسانوں کا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے۔صرف اس کی ریڑھ کی ہڈی رہ جاتی ہے۔[1819] رہے شہدا تو ان کے بارے میں شہادت

(1818)سورة آل عمران،الآية(144)۔

(1819)ينظر: حاشية ثلاثة الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (90)؛ وشرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبدالعزيز آل الشيخ (226)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبدالعزيز بن عبدالله الراجحي (101)۔

موجود ہے کہ دفن کے ایک مدت کے بعد ان کا جسم ویسے ہی تھا، اس میں تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ احتمال ہے کہ وہ اسی طرح محشر کے دن تک رہیں گے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ لمبی مدت کے بعد ان کا جسم بوسیدہ ہو جائے۔ واللہ اعلم۔ گویا آپ ﷺ تمام شہدا میں افضل و اکمل ہیں اور آپ کا جسم عرصۂ دراز تک محفوظ و باقی ہے۔[1820]

چنانچہ انبیاء وہ ہیں جن کے جسم کے کھانے کو زمین پر حرام قرار دیا ہے۔ رہے بقیہ لوگ، تو ان کا جسم مٹی ہو جاتا ہے۔ ایک چھوٹی سی ہڈی رہ جاتی ہے جسے زمین نہیں کھاتی۔ نہ وہ بوسیدہ ہوتی ہے۔ اس سے انسان پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے دوبارہ پیدا کیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے۔[1821]

1820) شرح العقيدة الطحاوية لابن ابي عز الحنفي (401)، تحقيق: أحمد شاكر، ط. الأولى: 1418 هجريا۔

1821) الإعانة على تقريب الشرح والإبانة، لابن بطة العكبري، تاليف: عبد العزيز بن عبد الله الراجحي (575/2)، ط. الثانية: 1437 هجريا۔

خاتمہ

تمام لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا فرمان ہے: {مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى (55)}[1822]

ترجمہ: اِسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے، اِسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔

اور { وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا (17) ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا (18)}[1823]

ترجمہ: اور اللہ نے تم کو زمین سے عجیب طرح اگایا۔ پھر وہ تمہیں اِسی زمین میں واپس لے جائے گا اور اِس سے یکایک تم کو نکال کھڑا کرے گا۔

(1822)سورۃ طہ:55۔

(1823)سورۃ نوح:17،18۔

دوبارہ پیدا کرنے کے بعد لوگوں کا حساب کتاب ہوگا اور ان کو ان کے اعمال کا صلہ دیا جائے گا۔[1824] اس بات کی دلیل فرمان الٰہی ہے: { وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى (31)}[1825]

ترجمہ: اور زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا مالک اللہ ہی ہے تاکہ اللہ برائی کرنے والوں کو ان کے عمل کا بدلہ دے اور اُن لوگوں کو اچھی جزا سے نوازے جنہوں نے نیک رویہ اختیار کیا ہے۔

اور جس نے دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کیا اور اس کو جھٹلایا وہ کافر ہوگا۔ اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (7)}[1826]

(1824) في (د): زيادة: (إن خيراً فخير، وإن شراً فشر)۔

(1825) سورة النجم: 31۔

(1826) سورة التغابن: 7۔

ترجمہ: منکرین نے بڑے دعوے سے کہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد ہر گز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے ان سے کہو "نہیں، میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر ضرور تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے (دنیا میں) کیا کچھ کیا ہے، اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے"۔

تمام رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا تھا کہ تاکہ وہ لوگوں کو خوشخبریاں بھی سنادیں اور آگاہ بھی کردیں۔ اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ}[1827]---[1828]

ترجمہ: یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ اُن کو مبعوث کردینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے۔

ان میں سب سے پہلے حضرت نوحؑ آئے اور آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آئے۔ آپ ﷺ خاتم النبین ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس بات کی دلیل

(1827) سورۃ النساء: 165۔

(1828) قولہ: (والدلیل: قولہ تعالیٰ: رسلاً مبشرین ومنذرین) ھذہ الزیادۃ لیست موجودۃ في (ن)۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: { مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ }[1829]

ترجمہ: (لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

اور اس بات کی دلیل کے ان میں سب سے پہلے نوح آئے[1830] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: { إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ }[1831]

ترجمہ: اے محمدؐ! ہم نے تمہاری طرف اُسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔

نوحؑ سے محمد ﷺ تک ہر امت کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے رسول بھیجے[1832] تاکہ وہ لوگوں کو صرف اور صرف اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیں[1833] اور طاغوت کی عبادت

(1829) سورۃ الأحزاب: 40۔

(1830) في (ص، ن) (والدليل على أن نوحًا أول الرسل)۔

(1831) سورۃ النساء: 163۔

سے منع کریں۔ اس بات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾[1834]

ترجمہ: ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اُس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ "اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

چنانچہ تمام بندوں میں اللہ تعالیٰ نے طاغوت سے کفر کرنے اور اللہ پر ایمان لانے کو فرض قرار کر دیا۔[1835]

ابن القیمؒ فرماتے ہیں: [1836]طاغوت کا مطلب ہے کہ بندہ اپنی حدود سے تجاوز کر جائے، ایک معبود کی حیثیت سے یا متبوع یا مطاع کی حیثیت سے۔

(1832)في (ن): (بعث الله إليها)۔

(1833)في (ن): زيادة: (لا شريك له)۔

(1834)سورة النحل: 36۔

(1835)في (خ): (أن يكفروا بالطاغوت، ويؤمنوا بالله تعالى)۔

(1836)في (ن) زيادة: (العلامة)۔

طاغوت بہت سارے ہیں[1837] جن میں پانچ سب سے بڑے طاغوت ہیں۔ پہلا ابلیس اللہ کی لعنت ہو اس پر، وہ شخص جس کی عبادت کی جائے اور وہ اس سے راضی ہو۔ وہ شخص جو لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کی دعوت دینے پر ابھارے۔ وہ شخص جو غیبی امور میں سے کسی چیز کو جاننے اور علم رکھنے کا دعویٰ کرے[1838] اور وہ شخص جو اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلہ نہ کرے۔ اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا فرمان ہے: {لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (256)}[1839]

ترجمہ: دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اُس نے

(1837) في (ص): (كثيرون)۔

(1838) في (خ، ن): (ومن ادعى شيئاً من علم الغيب، ومن دعا الناس إلى عبادة نفسه)۔

(1839) سورة البقرة: 256۔

ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

اور یہی[1840] معنی ہے لاالہ الا اللہ کا۔

حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " رأس الأمر الإسلام، وعموده الصلاة، وذروة سنامه الجهاد في سبيل الله "[1841]

ترجمہ: دین کی اصل اسلام ہے، اور اس کا ستون (عمود) نماز ہے، اور اس کی چوٹی اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔

والله أعلم وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم۔[1842]

(1840) في (خ،ن): زيادة: (هو).

(1841) سنن الترمذي، رقم: 2616.

(1842) في (خ،ن): زيادة: (تمت ثلاثة الأصول)، وفي (خ): (والحمد لله رب العالمين، وسلم تسليماً كثيراً).

مصنف ﷫ فرماتے ہیں: تمام لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا فرمان ہے: {مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى (55)}[1843]، ترجمہ: اِسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے، اِسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔

اور { وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا (17) ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا (18)}[1844]۔ ترجمہ: اور اللہ نے تم کو زمین سے عجیب طرح اگایا۔ پھر وہ تمہیں اِسی زمین میں واپس لے جائے گا اور اِس سے یکایک تم کو نکال کھڑا کرے گا۔

جب مصنف رحمہ اللہ ان اصولوں میں سے تیسری اصل پر کلام سے فارغ ہوئے جن کا سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے، وہ بندے کا اپنے نبی ﷺ کی معرفت حاصل کرنا، تو اس رسالے کو اہم مسائل کے ذکر پر ختم کیا۔ وہ ہے، دوبارہ زندہ کیا جانا۔ رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مسئلہ اور طاغوت کا انکار کرنے اور اس کی تعریف کا مسئلہ۔

(1843)سورۃ طہ:55۔

(1844)سورۃ نوح:17،18۔

چنانچہ نبی ﷺ کی موت کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جب سارے لوگ مر جائیں گے تو انھیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا تاکہ ان میں سے ہر ایک کو ان کے عمل کا بدلہ دیں۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کی دلیل سورۂ طٰہٰ آیت ۱۵۵ اور سورۂ نوح آیت ۱۸،۱۷ ہے ۔ زمین سے دوبارہ اسی طرح زندہ کر کے اٹھایا جائے گا جس طرح پہلی مرتبہ کیا تھا۔[1845]

اس میں دو مسئلے ہیں۔

پہلا مسئلہ: لوگ جب مر جائیں گے تو انھیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان، آخرت پر من جملہ ایمان میں سے ہے۔

ایمان بالآخرت، ایمان بالبعث کو شامل ہے۔ بلکہ ایان بالبعث ایمان بالآخرت میں اہمیت کا حامل ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جس کا اہل جاہلیت انکار کرتے تھے، اسی لیے بعض احادیث میں آیا ہے، جب ایمان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ پر، فرشتوں پر ، کتابوں پر، اللہ سے ملاقات پر، رسولوں پر ایمان لانا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر

(1845) ینظر: حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، لابن قاسم (91)؛ وتیسیر الوصول، د. عبدالمحسن القاسم (194)۔

ایمان لانااور ہر قسم کی تقدیر پر ایمان لانا۔"[1846] مصنف نے مرنے کے بعد زندہ ہونے کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا،اس مناسبت سے کہ یہ ذکر آخرت میں ہے۔اور یہ ان سابقہ تینوں اصولوں میں سے دوسری اصل کا دوسرا مرتبہ ہے۔اس بنا پر مصنف نے "بعث کا انکاراور اس کی تکذیب پر زیادہ وقت لگایااور اس لیے صراحت کے ساتھ الگ سے ذکر کیااور اس کی دلیل بیان کی۔اس کے بعد اس کا حکم ذکر کیا جس نے دوبارہ زندہ کیے جانے کو جھٹلایا ۔پھر مسئلہ کے اہتمام کی وجہ سے نص بیان کیااور اس کو مناسب مقام پر لکھا،اس لیے کہ انھوں نے نبی ﷺ کی وفات کو ذکر کیااور اس آیت کو ذکر کیا{ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ (31) }[1847]،ترجمہ: آخرکار قیامت کے روز تم سب اپنے رب کے حضور اپنا اپنا مقدمہ پیش کروگے۔

1846) أخرجه البخاري في كتاب: الإيمان، باب: سؤال جبريل النبي صلى الله عليه وسلم عن الايمان، والاسلام، والاحسان، برقم(50)؛وأخرجه مسلم في كتاب:الايمان، باب:الاسلام ماهو وبيان خصاله، برقم(7)۔

1847)سورة الزمر،الآية(31)۔

چنانچہ یہ مناسب ہوا کہ "مرنے کے بعد زندہ کیے جانے" کو تمام انسانوں کے لیے ثابت کردیں۔ 1848

"بعث": اللہ تعالیٰ کا مردوں کو زندہ کرنا اور حضرت اسرافیلؑ کے صور پھونکنے کے وقت روحوں کو جسموں میں لوٹانا ہے۔ چنانچہ لوگ رب العالمین کے سامنے ننگے پائوں ، ننگے بدن اور بغیر ختنہ کے اٹھیں گے۔ 1849

مرنے کے بعد زندہ ہونے کا عقیدہ ایسا عقیدہ ہے جس پر رسول ایمان لائے۔ اپنی قوم کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ وہ ہے روح و جسم کا ایک ساتھ مرنے کے بعد اٹھنا۔ فلاسفہ اس کے خلاف کہتے ہیں کہ بعث صرف روح کے لیے ہے لیکن یہ قول اس عقیدے کا انکار ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل کیا کہ بعث روح و جسم دونوں کے لیے ہوگا۔ 1850

دوسرا مسئلہ: دونوں آیتوں سے استدلال کی وجہ ۔

1848) ینظر: شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (228)۔

1849) شرح عقیدة أهل السنة والجماعة، محمد بن صالح العثیمین (395)۔

1850) شرح الأصول الثلاثة، خالد بن عبد الله المصلح (80)۔

مصنف نے کہا، دلیل ارشاد خداوندی ہے "مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى" اور ارشاد باری تعالیٰ ہے " وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا (17) ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا (18)" ، چنانچہ مصنف رحمہ اللہ نے ان دونوں آیتوں سے ایمان بالبعث پر استدلال کیا۔اس استدلال کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں آیات میں زمین سے نکالنے یعنی مرنے کے بعد زندہ کرنے کا ذکر ہے 1851۔

1851)تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (54)۔

مصنف ﷫ فرماتے ہیں: دوبارہ پیدا کرنے کے بعد لوگوں کا حساب کتاب ہوگا اور ان کو ان کے اعمال کا صلہ دیا جائے گا۔ اس بات کی دلیل فرمان الٰہی ہے: { وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى (31)}[1852]۔ ترجمہ: اور زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا مالک اللہ ہی ہے تاکہ اللہ برائی کرنے والوں کو ان کے عمل کا بدلہ دے اور اُن لوگوں کو اچھی جزا سے نوازے جنھوں نے نیک رویہ اختیار کیا ہے۔

مصنف لکھتے ہیں: عقیدۂ آخرت سے جن عقائد کا تعلق ہے، ان میں دوسرا عقیدہ جس پر ایمان لانا واجب ہے، وہ ہے حساب و جزا پر ایمان لانا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ سارے انسان اپنی قبروں سے اٹھنے کے بعد چھوٹے بڑے اعمال کا حساب دیں گے۔ اس حساب کے بعد تمام مخلوق کو ان کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ قبروں سے اٹھنے کے بعد ساری مخلوق اپنے اعمال کا حساب دے گی۔ اس کی دلیل سورۂ نجم آیت ۳۱ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے شرک وغیرہ کیا ہے، ان کو ان برے اعمال کا اور جنھوں نے نیکی ہے، ان کو ان کی نیکیوں کا بدلہ دیا جائے گا۔ نیکی کا بدلہ جنت اور شرک وغیرہ کا بدلہ جہنم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم

(1852) سورۃ النجم: 31۔

ترین حکمت ہے کہ اگر وہاں حساب و جزا نہ ہوتے تو لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرتے۔ ایک دوسرے کے بال کو چھینتے اور زندگی میں انتشار پھیل جاتا۔[1853]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: قبروں سے اٹھنے کے بعد حساب لیا جائے گا اور اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

قبروں سے اٹھائے جانے کا مقصد، حساب و جزا ہے، اس لیے کہ ایمان بالبعث کا مطلب ہے، ایسے دن پر ایمان لانا جس میں سارے لوگ اللہ کے حضور حاضر ہوں گے اور ان سے حساب لیا جائے گا۔ ایمان بالبعث کی حقیقت، ایمان بالحساب ہے اور ایمان بالآخرت سے مقود حساب ہی ہے۔[1854]

شریعت میں حساب: قیامت کے دن بندوں کے اعمال کا شمار کیا جانا، اللہ تعالیٰ کا بندوں کو ان کے ان اعمال پر اٹھانا جن کو انھوں نے کیا اور جن پر دنیا میں تھے۔ رہا ''جزاء'' تو اس کا مطلب ہے، بندوں کے اعمال کو ثابت کیے جانے اور حساب لیے جانے کے بعد نیکو

1853) ینظر: حاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (92)؛ وتيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (195)۔

1854) ینظر: شرح العقيدة الواسطية، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ، تحقيق وعناية: عادل رفاعي (242/2)۔

کاروں کو نیکی کا اجر جنت کی شکل میں دیا جائے گا اور بروں کو ان کی برائی کا بدلہ اللہ کی پناہ درد ناک عذاب اور جہنم کی شکل میں دیا جائے گا۔[1855]

دوسرا مسئلہ: قبروں سے اٹھنے کے بعد حساب لیا جائے گا۔

حساب کے عموم کا ظاہر یہ ہے کہ ہر ایک سے حساب لیا جائے گا لیکن دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنھیں حساب سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ ان میں ستر ہزار وہ لوگ ہیں جو بعد حساب و عذاب داخل ہوں گے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے سامنے امتیں پیش کی گئیں۔ میں نے بعض نبی کو دیکھا اور ان کے ساتھ چھوٹی سی جماعت کو دیکھا۔ بعض نبی کو دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک یا دو آدمی ہیں۔ بعض نبی کو تنہا دیکھا۔ ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ اچانک میرے سامنے ایک بڑی جماعت پیش کی گئی۔ میرا خیال ہوا کہ میری امت کے لوگ ہیں۔ مجھ سے کہا گیا کہ یہ موسیٰؑ اور ان کی قوم ہیں۔ آپ افق کی طرف دیکھیے۔ مجھے ایک بڑی جماعت نظر آئی۔ مجھ سے کہا گیا، آخری افق کی طرف دیکھیے۔ دیکھا کہ ایک بڑی جماعت ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ یہ

(1855) ینظر: تعلیقات علی ثلاثة الأصول، صالح بن عبد اللہ العصیمي (54)؛ وحصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد اللہ الفوزان (190)۔

آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار لوگ ایسے ہیں جو بلا حساب و عذاب جنت میں داخل ہوں گے۔"[1856] انبیائے کرام علیہم السلام کا حساب نہیں ہوگا، اس لیے کہ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ انبیاء کے متبعین میں سے ایک گروہ بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے، وہ حساب سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح مومنین کے بچے اور عشرۂ مبشرہ بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے اور یہ تفصیل مناقشہ کے حساب کے سلسلے میں ہے۔[1857] چنانچہ حساب کے دو درجات ہیں۔[1858]

۱۔آسان حساب:

اس کی صورت یہ ہوگی، اعمال عمل کرنے والوں پر پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس بندے سے تنہائی اختیار فرمائیں گے اور اس کے گناہ کو ثابت کریں گے، لیکن اس کے گناہ کو اللہ تعالیٰ

1856) أخرجه البخاري في كتاب: الطب، باب: من لم يرق، برقم (5752)؛ واخرجه مسلم في كتاب: الإيمان، باب: الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة بغير حساب ولا عذاب، برقم (374)۔

1857) لوامع الأنوار البهية، محمد بن أحمد السفاريني (60/3)۔

1858) ينظر: مجموع الفتاوى (305/4)۔

معاف کردیں گے ۔ یہ معاملہ ہر انسان کے ساتھ نہیں بلکہ مومنین کے ساتھ ہوگا اور مومنین میں بھی جنھیں اللہ تعالیٰ معاف کرنا چاہیں گے تو اس سے درگزر سے کام لیں گے۔

۲۔ سخت حساب:

اس سے مراد یہ ہے کہ نیکیوں اور برائیوں کا موازنہ کیا جائے گا۔اس سے بندے میں مناقشہ ہوگا۔اس کے سارے اعمال کا احاطہ کیا جائے گا جس سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مناقشہ کریں، وہ مصیبت میں پھنس جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ''جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا، وہ عذاب میں مبتلا کیا گیا۔'' میں نے کہا'' کیا اللہ تعالیٰ نہیں فرماتا؟ ''فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيرًا'' آپ ﷺ نے فرمایا'' یہ عمل کا پیش کیا جانا ہے۔''[1859] علامہ قرطبیؒ رحمہ اللہ نے حساب کے اعتبار سے ان اقسام کے جواب کا اجمال پیش کیا ہے اور ان کو تین گروہ میں تقسیم کیا ہے۔لکھتے ہیں کہ ایک گروہ وہ ہوگا جن سے بالکل حساب نہیں لیا جائے گا۔دوسرا گروہ جن سے آسان حساب لیا جائے گا۔

1859) أخرجه البخاري في كتاب: الرقاق، باب: من نوقش الحساب عذب، برقم (6536) وأخرجه مسلم في كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب: إثبات الحساب، برقم (79) والآية الانشقاق: 8۔

یہ دونوں گروہ مومنین ہوں گے۔اور تیسرا گروہ وہ ہے جن سے سخت حساب لیا جائے گا۔ ان میں سے بعض مسلمان ہوں گے اور بعض کافر ہوں گے۔[1860]

تیسرا مسئلہ: حساب پر استدلال۔

مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں: دلیل ارشاد باری ہے "وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى "، یہ آیت حساب کے ہونے کی دلیل ہے۔آیت کا منطوق جزاء کی دلیل ہے اور اس کا مفہوم حساب کی دلیل ہے۔اس پر جزاء ثابت ہونے کی وجہ سے۔[1861]اور اللہ تعالیٰ ایک ہی وقت میں ساری مخلوق سے حساب لیں گے۔کسی کے حساب سے اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہوں گے۔[1862]کتاب وسنت میں اس سے متعلق بہت سے دلائل ہیں۔

چوتھا مسئلہ: کفار کا حساب۔

1860)التذکرة بأحوال الموتی وأمور الآخرة،(676/1).ناشر:مکتبة:دار المنهاج للنشر والتوزیع،الریاض۔

1861)التعلیقات علی ثلاثة الأصول،صالح بن عبد اللہ العصیمي(55)۔

1862)ینظر: تعارض العقل والنقل، لابن تیمیه،(129/4) تحقیق: الدکتور محمد رشاد سالم،ط. جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامیة۔

اہل سنت کا اختلاف ہے، کفار سے حساب کے سلسلے میں۔ان سے حساب لیا جائے گا یا نہیں ؟ فیصلہ کن بات یہ ہے کہ حساب ہوگا۔اس معنی میں کہ ان کے اعمال کو گنا جائے گا ۔ان کے اعمال ان پر پیش کیے جائیں گے۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی نیکیاں ثابت کی جائی گی۔ وہ ان کے لیے مفید ہو گی۔ قیامت کے دن کے ثواب میں۔ یہ نیکیاں ان کی برائیوں کے مقابل ہو گی۔ایسا نہیں ہو گا۔[1863] کفار کے حساب سے ایک سے زیادہ مفہوم مراد ہے۔

1. اعمال کا احاطہ اور صحیفے میں اس کی کتابت، اعمال کو کفار کے سامنے پیش کرنا، ان کے کیے پر ان کی توبیخ کرنا اور کفر کی کمی زیادتی کے ساتھ عذاب میں کمی زیادتی کا ہونا۔یہ حساب کی قسم بالاتفاق ثابت ہے۔
2. حساب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بات کریں گے۔ چنانچہ قرآن و حدیث کے دلائل اس پر موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے زجر و توبیخ، ڈانٹ ڈپٹ اور غصے کے انداز میں بات کریں گے، نہ کہ تقریب، تکریم اور رحمت کے طور پر۔[1864]

1863) المصدر السابق؛ و مجموع الفتاوی (305/4)۔

1864) ینظر: مجموع الفتاوی (487/6)۔

3. حساب سے مراد یہ ہے کہ ان کی نیکیوں کا ان کی برائیوں سے موازنہ کیا جائے گا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ ان میں کون وزنی ہے۔ کفار کی نیکیاں ہی نہیں ہوں گی جن کو برائیوں کے مقابلے میں وزن کیا جائے گا کیونکہ ان کے سارے اعمال اکارت ہیں۔ وزن اس لیے کیا جائے گا کہ ان کی نیکیوں کا وزن ہلکا ظاہر ہو جائے، نہ کہ اس لیے کہ ان کی نیکیوں کا وزن بڑھ جائے گا اور ان کے حساب میں مفید ہو گا۔ البتہ اس حساب کا اتنا فائدہ ہو گا کہ جن کا گناہ کم ہو گا، ان کا عذاب کم ہو گا اور جن کے پاس نیکیاں ہوں گی، ان کا عذاب ہلکا ہو گا۔ جیسے حضرت ابو طالب کو ابو لہب کے مقابلے میں ہلکا عذاب دیا جائے گا۔ ارشاد خداوندی ہے {الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ}[1865]، ترجمہ: ”جن لوگوں نے خود کفر کی راہ اختیار کی اور دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکا، انھیں ہم عذاب پر عذاب دیں گے۔“ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا {إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي

1865) سورۃ النحل، الآیۃ (88)۔

الْكُفْرِ}[1866]، ترجمہ: ''مہینے کو آگے پیچھے کرنا کفر میں زیادتی ہے۔'' اور جہنم کے کئی طبقات ہیں جو ایک دوسرے کے نیچے ہیں۔ بعض کفار کا عذاب بعض سے سخت ہوگا، ان کے گناہوں کی زیادتی اور نیکیوں کی کمی کی وجہ سے۔ بہر حال حساب عذاب کے مراتب کو بیان کرنے کے لیے ہے، نہ کہ جنت میں داخل ہونے کی وجہ سے۔[1867]

(1866)سورۃ النحل، الآیۃ(37)۔

(1867)ینظر: مجموع الفتاوی(4/306)۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں اور جس نے دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کیا اور اس کو جھٹلایا وہ کافر ہوگا۔ اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (7)}[1868]، ترجمہ: منکرین نے بڑے دعوے سے کہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد ہرگز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے ان سے کہو "نہیں، میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر ضرور تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے (دنیا میں) کیا کچھ کیا ہے، اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے"۔

جب مصنف رحمہ اللہ نے ""بعث"" کے ثبوت کو ثابت کیا، اس شخص کے حکم کو ذکر کیا جس نے انکار کیا۔ چنانچہ کہا، جس نے دوبارہ زندہ کیے جانے کو جھٹلایا، اس نے کفر کیا کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا۔ دلیل سورۃ تغابن آیت نمبر ۷ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے

(1868) سورۃ التغابن: 7۔

کہ اللہ تعالیٰ پر مرنے کے بعد زندہ کرنا آسان ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جس طرح پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے، دوسری مرتبہ پیدا کرنے پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہے۔[1869]

اس میں مندرجہ ذیل چند مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ: جس نے بعث کو جھٹلایا، اس نے کفر کیا۔

مصنف رحمہ اللہ نے یہاں اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ''جس نے بعث کو جھٹلایا، اس نے کفر کیا۔'' اس لیے کہ وہ اللہ کو جھٹلانے والا ہے، اس لیے کہ قرآن کی بہت سی آیات بعث کے ثبوت کی دلیل ہیں۔ چنانچہ جو بعث کو جھٹلاتا ہے، وہ قرآن کو جھٹلاتا ہے اور جو قرآن کو جھٹلاتا ہے، وہ اللہ کو جھٹلاتا ہے، لہٰذا اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔[1870]

دوسرا مسئلہ: اس شخص کے کافر ہونے کی دلیل جس نے بعث کو جھٹلایا۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دلیل ارشاد باری ہے "زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ

(1869) ینظر: حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (92)؛ وتیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، د. عبد المحسن القاسم (197)۔

(1870) حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبد اللہ الفوزان (192)۔

يَسِيرٌ"، بعث کا انکار کفار کے ان دعوئوں میں سے ہے جس نے انھیں کافر بنادیا جس نے وہ دعویٰ کیا، جو انھوں نے کیا تو اس نے بعث کا انکار کیا اور وہ انھیں جیسا کافر ہے۔[1871] آیت سے شاہد "زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا" ہے۔ ان لوگوں کی صفت بیان کی گئی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے۔ وہ انھیں لوگوں میں ہیں جنھوں نے کفر کیا ۔[1872] بعث کا انکار کرنے کا ایک سبب اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان کا کمزور ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ بعث کو ثابت کرے گا، کمال قدرت، کمال علم اور کمال حکمت کو ظاہر کرنے کے لیے۔ اس لیے بعث کے انکار کا دل میں ہونا ممکن نہیں ہے۔ "وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ" کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔[1873]

تیسرا مسئلہ: بعث کے وقوع کے دلائل

قرآن مجید میں بہت سے دلائل آئے ہیں جو بعث کے وقوع پر دلالت کرتے ہیں۔

(1871) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (55)۔

(1872) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (229)۔

(1873) شرح ثلاثة الأصول، د. خالد بن عبد الله المصلح (81)۔

ان میں پہلی دلیل علیم وخبیر کا قیامت کے وقوع کی خبر دینا ہے۔ قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں، دوبارہ اٹھائے گا۔ یہ خبریں قرآن کریم میں مختلف پیرائے میں بیان کی گئی ہیں تاکہ دلوں میں بیٹھ جائے اور قبول کرنا آسان ہو جائے۔

دوسری دلیل: اللہ تعالیٰ جس طرح پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ دوسری مرتبہ بھی قادر ہے۔ لوگوں کے ذہن ودماغ اور ان کے تصور میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ کسی چیز کا دوبارہ کرنا شروع کرنے کے مقابلے میں آسان ہے اور اللہ کے نزدیک شروع کرنا اور دوبارہ کرنا دونوں برابر ہے۔

تیسری دلیل: اللہ تعالیٰ جب بڑی چیز کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو چھوٹی چیز کو پیدا کرنے پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہے۔ جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تو اس سے کم تر کو پیدا کرنے پر یقیناً قادر ہے۔

چوتھی دلیل: اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت حاصل ہے کہ مخلوق کو ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کر دے۔ چنانچہ وہی مارتا اور زندہ کر سکتا ہے۔ وہی پیدا کرتا اور فنا کرتا ہے۔ یہ زمین جب بوسیدہ ہو جاتی ہے جس میں پودے نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے تو وہ زمین ہری بھری لہلہانے لگتی ہے۔ اس معنی کی طرف قرآن میں بہت سی

آیات میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنے پر قادر ہے تو وہ لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔[1874]

1874) ینظر: حصول المأمول بشرح ثلاثة الأصول، عبد اللہ الفوزان (193)۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: تمام رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا تھا کہ تا کہ وہ لوگوں کو خوشخبریاں بھی سنادیں اور آگاہ بھی کردیں۔ اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ}[1875]۔ ترجمہ: یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ اُن کو مبعوث کردینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے۔

ان میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام آئے اور آخر میں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبین ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: { مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ}[1876]، ترجمہ: (لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

1875) سورۃ النساء: 165۔

1876) سورۃ الأحزاب: 40۔

اور اس بات کی دلیل کے ان میں سب سے پہلے نوحؑ آئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ}[1877]، ترجمہ: اے محمدؐ! ہم نے تمہاری طرف اُسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔

نوحؑ سے محمد ﷺ تک ہر امت کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو صرف اور صرف اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیں اور طاغوت کی عبادت سے منع کریں۔

اس بات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے {وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ}[1878]، ترجمہ: ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اُس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کردیا کہ "اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس سے پہلے بعض اصول ایمان، ایمان بالبعث اور حساب و جزا کو ذکر کیا ہے۔ پھر یہاں اصول ایمان میں دوسری اصل تمام رسولوں پر ایمان کو ذکر کیا کیونکہ اس

1877) سورۃ النساء: 163۔

1878) سورۃ النحل: 36۔

کا تعلق تیسری اصل سے ہے، اس لیے کسی ایک رسول پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا تقاضا کرتا ہے کہ تمام رسولوں پر ایمان لایا جائے اور اس کی تصدیق کی جائے۔[1879] اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو اول سے آخر تک بشارت دینے کے لیے بھیجا کہ جس نے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا، اس کا بدلہ جنت ہے۔ اور ڈرانے کے لیے بھیجا۔ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا، وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اس کی دلیل کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا، فرمان خداوندی ہے: ''ہم نے ان کو سارے انسانوں کی طرف بھیجا۔''، ''ترغیب و ترہیب کے لیے۔'' تاکہ رسولوں کو بھیجنے کے سلسلے میں اور کتابوں کے نازل کرنے کے سلسلے میں اللہ پر مخلوق کی حجت ختم ہو جائے اور عذر چاہنے والوں کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ ان رسولوں میں اہل زمین کی طرف جو رسول بنا کر بھیجے گئے، وہ نوحؑ ہیں اور رسالت و نبوت کے اعتبار سے آخری محمد ﷺ ہیں جو سب سے افضل ہیں جن کے پیروکار سب سے زیادہ ہیں۔ آپ کی رسالت تمام رسالتوں کو ختم کرنے والی ہے۔ آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ رسالت کا مقام، مقام نبوت سے زیادہ خاص ہے۔ قرآن سے اس بات کی دلیل کہ محمد ﷺ آخری نبی ہیں، یہ آیت ہے "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ

(1879) شرح الأصول الثلاثة، عبدالرحمن البراک (46)۔

وَلَكِنْ رَسُولَ اللهِّ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ" محمد ﷺ پر نبوت کے ختم ہونے کی واضح اور صریح دلیل ہے۔ سارے نبی کی دعوت ایک ہی تھی کہ اللہ کی عبادت کریں۔ کسی اور کی عبادت نہ کریں اور طاغوت سے بچیں۔ اس کا انکار کریں۔[1880]

اس سیاق میں مصنف رحمہ اللہ کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

جب مصنف رحمہ اللہ اس چیز کو بیان کرکے فارغ ہوئے جس کا تعلق ہمارے رسول کی بعثت سے ہے تو رسول کی بعثت کے سلسلے میں ایک قاعدۂ کلیہ ذکر کیا۔[1881] چنانچہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا جس کی دلیل فرمان باری ہے "رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِّ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ"۔

1880) ينظر: حاشية ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (93)؛ وتيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (198)؛ وحقوق النبي على أمته، أ.د. محمد بن خليفة التميمي (99)۔

1881) شرح ثلاثة الأصول وادلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي (81)؛ الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا۔

چنانچہ رسولوں کی بعثت دو باتوں پر مشتمل ہے :

۱ ۔ان لوگوں کے لیے دنیا وآخرت میں کامیابی کی خوش خبری ہے جنھوں نے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کی۔

۲ ۔ان لوگوں کے لیے دنیا وآخرت میں نقصان کی تنبیہ ہے جنھوں نے ان کی نافرمانی کی۔

اور اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا، حجت قائم کرنے اور عذر قائم کرنے کے لیے۔

چنانچہ جو رسول ہیں، انھوں نے اطاعت کرنے والوں کو اللہ کے وعدے، ثواب اور عزت و کرامت کی خوش خبری دی اور جنھوں نے نافرمانی کی، انھیں عذاب سے ڈرایا۔[1882]

دوسرا مسئلہ: پہلے اور آخری رسول۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان میں پہلے نوحؑ ہیں اور ان میں آخری محمد ﷺ خاتم النّبیین ہیں۔ چنانچہ یہاں دو مسئلے ذکر کیے :

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ پہلے رسول نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

1882)ینظر: شرح الأصول الثلاثة، عبد الرحمن البراک(46)؛ وتعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (56).

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آخری نبی محمد ﷺ خاتم النّبیین ہیں۔آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

پھر دوسرے مسئلے کی دلیل اس کی عظمت کے پیش نظر پہلے بیان کی۔ارشاد باری ہے "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ"۔

اس کے بعد پہلے مسئلے کی دلیل ذکر کی۔چنانچہ کہا،اس بات کی دلیل کہ ان میں پہلے نوحؑ ہیں۔ارشاد باری ہے "إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ"۔

یہ وحی خاص، وحی رسالت ہے۔ یہاں "نبیین" سے مراد "مرسلون" ہیں۔[1883] نوحؑ کی رسالت کی اولیت پر استدلال کی وجہ یہ ہے کہ سب سے پہلے نوحؑ پر وحی کی گئی جیسا کہ اس آیت میں دیگر انبیاء پر نوحؑ کو مقدم کیا گیا۔اگر نوحؑ سے پہلے کوئی رسول ہوتے تو ان کا ذکر کیا جاتا۔اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نوحؑ سے کوئی رسول نہیں تھے۔یہاں

1883)شرح ثلاثۃ الاصول،صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ(230)۔

وحی سے وحی رسالت مراد ہے کیونکہ وحی نبوت بالاتفاق حضرت آدمؑ پر حضرت نوحؑ سے پہلے کی گئی۔[1884] اس لیے صحیح یہ ہے کہ حضرت آدمؑ نبی ہیں، رسول نہیں، نہ کسی کی طرف رسول بناکر بھیجے گئے۔آپ نے اپنی اولاد کو توحید سکھایا۔وہ فطرت اسلام پر تھے اور رسول کی آمد اس وقت ہوئی جب شرک ہوا۔جیساکہ حضرت ابن عباس ﷛ فرماتے ہیں "آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس صدیاں گزریں۔ یہ سب شریعت حقہ پر تھے۔ جب اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول بھیجا، اپنی کتاب نازل کی۔ چنانچہ وہ سب کے سب ایک امت تھے۔"[1885] اس بات کی کہ دلیل پہلے رسول نوحؑ ہیں، یہ آیت کریمہ ہے {وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ}[1886]،

ترجمہ: ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو بھیجا اور اُن دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔

1884) ينظر: تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (56)؛ وحصول المأمول شرح ثلاثة الأصول، عبد الله الفوزان (197)۔

1885) اخرجه الحاكم في المستدرك على الصحيحين، كتاب: التفسير، تفسير سوره حم عسق برقم (3654)، وقال "هذا حديث صحيح على شرط البخاري ولم يخرجاه" ووافقه الذهبي۔

1886) سورة الحديد، الآية (26)۔

اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا کہ نوحؑ اور ابراہیمؑ کو رسول بنا کر بھیجا اور نبوت و کتاب، ان کی اولاد میں تھی۔ یہ دلیل ہے کہ نوحؑ سے پہلے کوئی رسول نہیں ہیں اور سنت کے دلائل میں ''حدیث شفاعت'' ہے۔ مومنین قیامت کے دن اکٹھا ہوں گے اور کہیں گے، ہے کوئی جو ہمارے رب سے ہماری سفارش کرے۔ آدمؑ کے پاس آکر کہیں گے، آپ انسانوں کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔ آپ کی تعظیم میں فرشتوں نے سجدہ کیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا علم سکھایا۔ آپ ہمارے رب سے ہماری سفارش کیجیے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس جگہ سے آرام پہنچائیں۔ حضرت آدمؑ کہیں گے، میں تم لوگوں کی سفارش کا حق نہیں رکھتا ہوں۔ وہ اپنی کوتاہی کا ذکر کر کے شرمندہ ہوں گے۔ تم لوگ نوحؑ کے پاس جائو، اس لیے کہ وہ پہلے رسول ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا۔[1887] یہ نوحؑ کے پہلے رسول ہونے کی صریح اور صاف دلیل ہے کیونکہ حضرت آدمؑ نے آپ کو اس صفت سے متصف کیا کہ حضرت نوحؑ زمین پر پہلے رسول ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مورخین نے غلطی کی ہے جنھوں نے کہا کہ نوحؑ سے پہلے ادریسؑ ہیں اور ظاہر یہ کرتے

1887) اخرجه البخاري في كتاب: تفسير القرآن، باب: قوله تعالى وعلم ادم الاسماء كلها برقم (4476)۔

ہیں کہ ادریسؑ انبیائے بنی اسرائیل میں ہیں۔[1888] یہ قول باطل ہے،اس لیے کہ اس سے یہ لازم آتاہے کہ نوحؑ سے پہلے رسول ہیں اور یہ قرآن کے خلاف ہے۔[1889]

تیسرا مسئلہ: ہرامت کی طرف اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجا۔

جب مصنف رحمہ اللہ نے ثابت کیا کہ تمام رسول خوش خبری سنانے اور ڈرانے کے لیے آئے تو یہاں امت میں ان کی بعثت کے عموم کو بیان کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں ''ہر امت کی طرف اللہ تعالیٰ نے رسول کو بھیجا۔ نوحؑ سے لے کر محمد ﷺ تک وہ لوگوں کو ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیتے رہے اور طاغوت کی عبادت سے انھیں روکتے رہے۔ دلیل فرمان باری ہے "وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ"۔ ہرامت کی طرف اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجا جس کی شروعات نوحؑ سے ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ پہلے رسول ہیں اور آپ کی امت پہلی امت ہے جو شرک میں مبتلا ہوئی۔ اور رسالت کے سلسلے کو محمد ﷺ کے ذریعے ختم کیا، اس لیے کہ آپ آخری رسول ہیں اور

(1888)حصول المأمول شرح ثلاثة الأصول، عبد اللہ الفوزان(197)۔

(1889)شرح عقيدة أهل السنة والجماعة، المتن والشرح للشيخ محمد بن صالح العثيمين(346)۔

آپ کی امت آخری امت ہے۔[1890] پھر مصنف رحمہ اللہ نے رسولوں کے بھیجنے کے سبب کو بیان کیا۔ وہ ہے، اللہ واحد کی عبادت اور طاغوت کا انکار۔

اس کے بعد مصنف رحمہ اللہ نے کہا، اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے "وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ"۔ یہ آیت دو باتوں کی دلیل ہے جنھیں مصنف رحمہ اللہ نے ذکر کیا۔

پہلی بات یہ ہے کہ امت میں رسولوں کی بعثت کے عموم کو بیان کیا گیا ہے کہ کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء نے طاغوت سے بچنے اور اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔[1891]

ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے انبیاء کی دعوت توحید اور شرک سے ڈرانا تھا۔ چنانچہ نبیوں اور رسولوں کی دعوت دو اہم اصول کا مجموعہ ہے۔

(1890) تنبیہ العقول إلی کنوز ثلاثة الأصول، د. عبد الرحمن الشمسان (1092/2)۔

(1891) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي (83)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا۔

پہلا اصول یہ ہے کہ اللہ واحد کی عبادت کا حکم دیا جس میں شرک سے دور رہنے کی بات ہے جو اس قول میں مذکور ہے کہ "أن اعبدالله"۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ طاغوت سے بچنے اور اس کا انکار کرنے کا حکم دیا جس میں طاغوت کی عبادت سے دور رہنے کو کہا گیا ہے، جو اس قول میں مذکور ہے "واجتنبوا الطاغوت"۔[1892]

چوتھا مسئلہ: رسولوں پر ایمان۔

بندے کے لیے اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا اور اس کی کئی وجوہات ہیں۔

۱۔ **پہلی وجہ** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں رسول اس لیے بھیجا کہ وہ ان کے خلاف حجت ہو جائیں اور لوگوں کے لیے رسولوں کی آمد کے بعد اللہ پر حجت نہ ہو۔

۲۔ **دوسری وجہ** یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کو خوش خبری سنائیں، اللہ کی رضا اور اس کی عزت افزائی کی ان لوگوں کو جنھوں نے انبیاء کی دعوت اللہ واحد کی عبادت کو قبول کیا۔ اور ان لوگوں کو اللہ کے غضب اور اس کی ناراضی سے ڈرائیں جنھوں نے ان کی بات نہیں مانی۔

(1892) تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (62)۔

۳ ۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ سب سے پہلے رسول نوحؑ ہیں اور آخری رسول محمد ﷺ ہیں۔

۴ ۔ چوتھی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بھیجا تمام انسانوں کی طرف ایک اللہ کی عبادت کرنے اور طاغوت کا انکار کرنے کے لیے۔[1893]

(1893) شرح ثلاثة الأصول، عبداللہ بن سعد أبا حسين (283)۔

مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں "چنانچہ تمام بندوں پر اللہ تعالیٰ نے طاغوت سے کفر کرنے اور اللہ پر ایمان لانے کو فرض قرار کر دیا۔ابن القیمؒ فرماتے ہیں: طاغوت کا مطلب ہے کہ بندہ اپنی حدود سے تجاوز کر جائے،ایک معبود کی حیثیت سے یا متبوع یا مطاع کی حیثیت سے[1894]۔

یہی آخری حصہ ہے امام، مصلح، مجدد محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کے اس مبارک رسالے کا۔اللہ تعالیٰ انھیں خوب خوب اجر ورحمت سے نوازے۔یہاں انھوں نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر طاغوت کا انکار کرنے اور اللہ پر ایمان لانے کو فرض قرار دیا۔اس کے بعد طاغوت کے معنیٰ کی وضاحت کے لیے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی تعریف کو پیش کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ طغیان، تعدی یا تجاوز معبود سے ہو کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرے یا متبوع سے ہو کہ اللہ کی نافرمانی کرے یا مطاع سے ہو کہ حلال و حرام میں اللہ کے سوا کسی اور کی پیروی کرے۔اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہے،اسے حرام قرار دے اور جسے حرام قرار دیا ہے،اسے حلال قرار دے۔[1895]

اس سیاق میں مصنف رحمہ اللہ کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

(1894)أعلام الموقعين عن رب العالمين(103/1)۔

(1895)ينظر:حاشية ثلاثة الأصول،لابن قاسم(98)؛وتيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول،القاسم(103)۔

پہلا مسئلہ: طاغوت کا انکار اور اللہ پر ایمان۔

مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر طاغوت کے انکار اور اللہ پر ایمان کو فرض قرار دیا۔" جنات وانسان میں سے ہر بندے پر یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائیں اور طاغوت کا انکار کریں۔ اس سے مصنف رحمہ اللہ کا مقصود اس بات کی وضاحت ہے کہ توحید اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت اور طاغوت سے اجتناب کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔[1896]

مصنف رحمہ اللہ نے کلام الٰہی کی اتباع میں طاغوت سے انکار کو ایمان باللہ سے پہلے ذکر کیا۔ ارشاد باری ہے {لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (256) }[1897]، ترجمہ: دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے اب جو کوئی

(1896)شرح ثلاثۃ الاصول، محمد بن صالح العثیمین (150)۔

(1897)سورۃ البقرۃ، الآیۃ (256)۔

طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

اس لیے کہ طاغوت سے انکار دل کو خالی کرنا، خالص کرنا اور ہر شرک سے پاک کرنا ہے اور ایمان باللہ اس صورت میں درست ہو سکتا ہے جب دل ہر شائبہ اور کفر سے خالص اور پاک ہو۔ جب دل خالص اور پاک صاف ہو جائے گا تو اس کی طاقت و ہمت اللہ پر ایمان کی بھرپور ہو جائے گی۔

چنانچہ بندے پر واجب ہے کہ ان دونوں معنی کی خواہش کرے۔ طاغوت کا انکار یعنی ہر شرک کے شائبہ سے خواہ شرک اصغر ہو یا شرک اکبر، اپنے دل کو پاک صاف کرے۔ پھر اللہ پر ایمان لائے کہ اس کا دل معمور ہو، ہر اس چیز سے جو زینت بخشے، آراستہ کرے اور اس کی عبودیت کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرے۔ اور اس میں سلامتی وانابت کا وصف ثابت کرے، اس لیے کہ سلامتی اور انابت پر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن نجات کو معلق کیا ہے۔ لہٰذا جو قلب سلیم و منیب کے ساتھ آئے گا، اسے دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل ہو گی۔
1898

(1898) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (85)۔

دوسرا مسئلہ: طاغوت کا انکار، اللہ پر ایمان۔

طاغوت کا انکار یہ ہے کہ ہر اس چیز سے بے زاری اختیار کی جائے جس کی عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کی جاتی ہے۔

ایمان باللہ یہ ہے کہ اللہ کے وجود، اس کی ربوبیت و الوہیت اور اس کے اسماء و صفات پر ایمان لایا جائے۔[1899]

طاغوت کا انکار اور اللہ پر ایمان کی صفت یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کے باطل ہونے، اسے چھوڑنے، اس سے نفرت کرنے اور اہل طاغوت کی تکفیر کرنے اور ان سے دشمنی رکھنے کا عقیدہ رکھے۔ اور یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا معبود ہے۔ اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں ہے۔ اللہ کے لیے تمام عبادتوں کو خالص کرے۔ اللہ کے سوا ہر معبود کا انکار کرے۔ مخلصین سے محبت کرے اور مشرکین سے نفرت و دشمنی رکھے۔[1900]

مصنف رحمہ اللہ نے اپنے بعض رسالے میں لکھا ہے "طاغوت کا انکار کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا جن جن چیزوں کا عقیدہ ہے، ان سے بے زاری اختیار کرے،

(1899)ینظر: شرح الأصول الثلاثة، عبدالرحمن البراک(48)؛ ومقاصد التوحید، د. ولید الحمدان(90)۔

(1900)الدررالسنیة(161/1)۔

خواہ جنات ہو یا انسان، درخت ہو یا پتھر یا کوئی اور چیز۔ اس کے خلاف کفر و ضلالت کی شہادت دے، اس سے نفرت کرے، خواہ باپ ہو یا بھائی۔ لہٰذا اگر کوئی یہ کہتا ہو کہ میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں لیکن میں سرداروں سے اور قبروں پر گنبد بنانے سے نہیں بچتا ہوں تو وہ ''لاالٰہ الااللہ'' کے اقرار میں جھوٹا ہے۔ اس کا ایمان اللہ پر نہیں ہے اور نہ اس نے طاغوت کا انکار کیا۔[1901] طاغوت، شیطان ہے اور وہ چیز ہے جو بتوں کی عبادت کو مزین کرکے پیش کرتا ہے۔ شیطان کا انکار حاصل ہوتا ہے، اس سے بے زاری اختیار کرنے اور ہر اس چیز میں اس کی نافرمانی کرکے جس کا اس نے حکم دیا ہے اور جس سے منع کیا۔ اسی طرح ''اوثان'' ہے جس کا مومن انکار کرتا ہے۔ اس کے وجود کے ساتھ اس کی عبادت سے بے زاری اختیار کرتا ہے اور مشرکین کی اس کی عبادت سے بے زاری اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ اوثان کے انکار پر کلمہ اخلاص دلالت کرتا ہے۔ یہ حاصل ہوتا ہے، اسے چھوڑنے، اس سے اعراض کرنے، اس سے بے زاری اختیار کرنے اور اس کا انکار کرنے سے۔ اور جو اس کی عبادت کرتا ہے، اس سے دوری، نفرت اور عداوت و دشمنی سے۔[1902]

(1901) المصدر السابق (121/2)۔

(1902) المصدر السابق (269/11)۔

تیسرا مسئلہ: ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک طاغوت کی تعریف۔

مصنف رحمہ اللہ نے ایمان باللہ کے معنی کو بیان نہیں کیا، اس لیے کہ ایمان باللہ کا معنی انتہائی واضح انداز میں دلائل کے ساتھ گزر چکا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے طاغوت کے انکار کو بندوں پر فرض قرار دیا تو اس کے بیان کی ضرورت محسوس ہوئی، اس لیے مصنف رحمہ اللہ نے اس کی مکمل وضاحت کی ہے۔[1903]

جب مصنف رحمہ اللہ نے یہاں طاغوت کو ذکر کیا تو اس کی اہمیت کے پیش نظر مناسب ہوا کہ طاغوت کے اصطلاحی معنی کو ذکر کریں۔[1904] چنانچہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: طاغوت کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنی حد سے تجاوز کر جائے، خواہ معبود ہونے کی حیثیت سے یا متبوع یا مطاع ہونے کے اعتبار سے۔ حدہ میں ضمیر "عبد" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ بندے کی حد یہ ہے کہ وہ بندہ رہے۔ اس کے لیے اس حد سے نکلنا جائز نہیں۔ وہ رب نہ بنے اور اس چیز کا حکم نہ دے جس کا اللہ حکم دیتا ہے۔[1905] اور اس کا بھی امکان ہے

(1903) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (85)۔

(1904) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (232)۔

(1905) المحصول من شرح ثلاثة الأصول، عبد الله بن محمد الغنيمان (216)۔

کہ ”حدہ“ کی ضمیر لوٹ رہی ہو، حد شرعی کی طرف۔ اس لیے کہ شریعت نے چیزوں کی حد کو متعین کیا ہے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کو بیان کیا ہے۔ لہٰذا جب بندہ اس چیز سے تجاوز کرے گا جس کی شریعت نے حد متعین کی ہے تو وہ چیز طاغوت ہو گی۔ طاغوت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کی حد سے بندہ تجاوز کر جائے۔[1906] طاغیہ ہر وہ شخص ہے جس نے دین کے معاملے میں حد سے تجاوز کیا اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں تھی، وہ اس نے کی۔[1907]

فرمایا ”من معبود، او متبوع، او مطاع“ علامہ رحمہ اللہ نے تجاوز کو تین امور میں قرار دیا ہے: عبادت میں، اتباع میں اور طاعت میں۔[1908] ”مِنْ“ بیانیہ ہے۔ یعنی خواہ یہ تجاوز عبادت میں ہو کہ اللہ کے علاوہ کی عبادت کرے یا متبوع میں ہو کہ غیر اللہ کی اتباع گمراہی پر کرے یا مطاع میں ہو کہ اس چیز میں غیر اللہ کی اطاعت کرے جس چیز میں اس کی

1906) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (232)۔

1907) التمهيد لشرح كتاب التوحيد، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (274)۔

1908) المحصول من شرح ثلاثۃ الأصول، عبد العزیز بن عبد اللہ الراجحي (106)۔

اطاعت جائز نہیں ہے۔[1909] جس نے بھی عبادت کے اقسام میں سے کسی چیز کو غیر اللہ کے لیے کیا اور وہ اس کا اقرار کرتا ہو اور اس پر قناعت کرتا ہو تو وہ طاغوت ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنی حد سے تجاوز کیا۔ شریعت میں اس کی حد یہ ہے کہ وہ اللہ کا بندہ بن کر رہے، نہ کہ معبود۔ جب وہ معبود ہونے پر راضی ہو گیا تو اس نے اپنی حد سے تجاوز کیا۔ اب اگر کسی نے غیر اللہ کی عبادت کی یا اتباع کی یا اطاعت کی اور اس حد سے تجاوز کیا جس کی شریعت نے اجازت دی ہے تو وہ غیر طاغوت ہو گا۔ عابد یا متبع یا مطیع کی نسبت سے، نہ کہ مطلقاً طاغوت ہو گا۔ مگر اس صورت میں جبکہ وہ معبود ہو یا متبوع یا مطاع ہو، اس پر راضی ہو، اس لیے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو محمد ﷺ کی عبادت کرتے ہیں یا علی رضی اللہ عنہ کی عبادت کرتے ہیں یا کسی نیک آدمی کی عبادت کرتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ اس پر راضی نہیں بلکہ اس سے منع کرتے تھے اور اس سے براءت کا اظہار کرتے تھے اور جو براءت کا اظہار کرتا ہو، وہ اس میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا جو لوگ اپنی عبادت سے خوش نہیں ہوتے، وہ قابل مذمت نہیں ہیں۔

(1909) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد الله المصلح (86)۔

[1910]معبود، متبوع اور مطاع سے مراد وہ ہے جو نیک نہیں ہیں۔ رہے نیک لوگ، تو وہ طاغوت نہیں ہیں، اگرچہ ان کی عبادت کی جائے یا اتباع کی جائے یا اطاعت کی جائے۔[1911]

''ما تجاوز به العبد حده من معبود '' بندہ اپنی حد سے تجاوز کر جائے، اس طرح کہ اس حد سے تجاوز کر جائے جس چیز کی طرف رخ کرنے پر وہ حد ہے جس کی شریعت نے اجازت نہ ہو۔ اس کی طرف اس نے عبادت کے ذریعے رخ کیا یا معبود کی بعض خصوصیات کا اس نے اعتقاد رکھا۔ ''او متبوع'' یا متبوع کے اعتبار سے حد سے تجاوز کیا۔ مثلاً علما اور دین کے رہنما ہیں کہ ان کی لوگ ہر اس چیز میں اتباع کرنے لگے جو انھوں نے کہا اور انھوں نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا، حالانکہ وہ اصل دین کو جانتے ہیں۔ متبوع فی الدین یہ ہے کہ وہ اس چیز کا حکم دینے والا ہو جس کا شریعت نے حکم دیا ہے اور اس چیز سے منع کرنے والا ہو جس سے شریعت نے منع کیا ہو۔ اگر اس نے حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دیا تو وہ طاغوت شمار ہوگا اور جو ایسے لوگوں کی اتباع کرے، وہ بھی طاغوت ہوگا۔

(1910)شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (232)۔

(1911)شرح ثلاثۃ الصول، محمد بن صالح العثیمین (151)۔

"او مطاع" یہ امراء، بادشاہ، حکمران اور ان سردار کو شامل ہے جو حرام کا حکم دیتے ہیں، پھر ان کی اطاعت کی جاتی ہے اور حلال کو حرام کرنے کا حکم دیتے ہیں، پھر وہ ان کی اطاعت کرتے ہیں، جبکہ اطاعت کرنے والے کو اللہ کا حکم معلوم ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس نے انھیں طاغوت بنادیا، اس لیے کہ انھوں نے اپنی حد سے تجاوز کیا۔[1912]

امراء کی شرعاً یا تعظیماً اطاعت کی جاتی ہے۔ ان کی شرعاً اس وقت اطاعت کی جاتی ہے جب وہ ایسا حکم دیں جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف نہ ہو۔ اس حالت میں ان پر یہ صادق نہیں آتا کہ وہ طاغوت ہیں بلکہ ایسی صورت میں ان کی بات کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا رعیت پر واجب ہے۔ رعیت کا اس صورت میں امراء کی اطاعت کرنا اللہ کے لیے اطاعت ہے۔ ارشاد باری ہے {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَّ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ}[1913]، ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہوئے، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔

(1912) التمهيد لشرح كتاب التوحيد، صالح بن عبد العزيز آل الشيخ (274-275)۔

(1913) سورة النساء، الآية (59)۔

رہا امراء کی قدراًو تعظیماً اطاعت کرنا، توامراء جب اپنی سلطنت میں طاقتور ہوتے ہیں تو لوگ ان کی اطاعت بادشاہ کی قوت وطاقت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اگر ایمان کے منافی نہیں تو۔ اس لیے کبھی ان کی اطاعت ایمان کے منافی ہوتی ہے اور کبھی بادشاہ کے رعب ودبدبے کی وجہ سے ہوتی ہے، اس طور پر کہ وہ طاقتور ہوتا ہے، لوگ اس سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں اور اس لیے کہ جو اس کے حکم کے خلاف کرتا ہے، اسے وہ سزا دیتا ہے۔[1914] لیکن کسی بادشاہ کے سلسلے میں لوگ غلو سے کام لیں، حتیٰ کہ اس کی اطاعت کو ایسے ہی ضروری سمجھیں جیسے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ضروری ہے تو انسان نے اس مطاع کی حد سے تجاوز کیا۔[1915]

کسی بھی مخلوق کی حد یہ ہے کہ اس کا ایمان اللہ پر ہو۔ وہ اللہ کا فرماں بردار ہو۔ وہ اللہ کا عبادت گزار ہو اور اس کے دین کا پیروکار ہو۔ جب بندہ اپنی حد سے تجاوز کرے گا اور اس بات پر قناعت کرے گا کہ اس کی عبادت کی جائے تو وہ طاغوت ہوگا۔ اس طرح متبوع جب راضی ہو، اس بات پر کہ باطل کے ساتھ اس کی اتباع کی جائے تو وہ طاغوت ہوگا۔ اسی طرح

(1914) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (151)۔

(1915) شرح الأصول الثلاثة، عبدالرحمن البراک (48)۔

جب وہ راضی ہو کہ اللہ کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے تو وہ طاغوت ہو گا۔[1916] ہر قوم کا طاغوت وہ ہے جس کی طرف لوگ فیصلہ لے جائیں، اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ، یا اللہ کے علاوہ اس کی عبادت کریں، یا بصیرت الٰہی کے بغیر اس کی اتباع کریں، یا اس چیز میں اس کی اطاعت کریں جس کے بارے میں جانتے نہیں ہوں کہ یہ اللہ کے لیے اطاعت ہے۔ یہ دنیا کے طاغوت ہیں۔ جب تم ان کے سلسلے میں غور سے کام لوگے اور تم لوگوں کے حالات پر غور کروگے تو تمھیں معلوم ہو گا کہ ان میں اکثر ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کی عبادت سے اعراض کر کے طاغوت کی عبادت کی۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف فیصلہ لے جانے کے بجائے طاغوت کی طرف فیصلہ لے گئے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بجائے طاغوت کی اطاعت کی اور ان کی پیروی کی۔[1917] خلاصہ یہ ہے کہ طاغوت کی تین قسمیں ہیں: طاغوت حکم، طاغوت عبادت اور طاغوت طاعت ومتابعت۔[1918]

چوتھا مسئلہ: طاغوت کے معنی۔

(1916) شرح الأصول الثلاثة، عبداللہ بن محمد الغنيمان (216)۔

(1917) أعلام الموقعين عن رب العالمين (1/103-104)۔

(1918) الدرر السنية (10/503)۔

"طاغوت" دراصل طغیان سے مشتق ہے۔ کسی بھی چیز میں حد سے بڑھ جانا ۔[1919] وہ ظلم وبغاوت ہے۔

اصطلاح میں طاغوت کے دو معنی ہیں۔

خاص: شیطان۔ قرآن میں جب طاغوت مطلق آئے تو یہی مراد ہے۔

عام : جب فعل کا ذکر جمع کے صیغے کے ساتھ ہو۔ ارشاد ربانی ہے {وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ}[1920]،

ترجمہ: ورجو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں، اُن کے حامی و مددگار طاغوت ہیں اور وہ انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔[1921]

طاغوت کی تفسیر سلف کے کلام میں متعدد معنی میں ہے۔ کتاب اللہ میں جہاں بھی آیا، مذمت کے طور پر آیا ہے اور اس کے انکار کا حکم ہے۔ ان تمام تفاسیر کو علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی تعریف میں جمع کر دیا ہے۔ اور علماء کی ایک جماعت نے طاغوت کی دوسری

(1919) تاج اللغة وصحاح العربية، للجوهري (1753/2)۔

(1920) سورة البقرة، الآية (257)۔

(1921) تعليقات على ثلاثة الأصول، صالح بن عبد الله العصيمي (58)۔

تعریف کی ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلامؒ نے اپنی تعریف میں کہا، طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی عبادت اللہ کے علاوہ کی جائے۔[1922] طاغوت ہر وہ اہم چیز ہے جو اللہ اور رسول کی اطاعت کے علاوہ ہو، خواہ وہ انسان ہو یا شیطان یا اوثان میں سے کوئی چیز۔[1923] دوسرے مقام پر یوں تعریف کرتے ہیں، طاغوت اسم جنس ہے جس میں شیطان، وثن، کاہن اور درہم ودینار وغیرہ داخل ہیں۔[1924] اور وہاں دوسری تعریف ہے۔[1925] سلف کے سارے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ طاغوت کا لفظ شامل ہے، ہر اس معبود کو جو اللہ کے علاوہ ہیں۔ ہر سردار کو جو گمراہی میں ہیں، باطل کی دعوت دیتے ہیں، اسے خوب صورت بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ہر وہ صاحب منصب ہے جسے لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف فیصلے کا منصب سپرد کیا ہو۔ یہ لفظ کاہن، جادوگر اور بتوں کے پجاریوں کو بھی شامل ہے جو قبروں وغیرہ کی عبادت

1922) مختصر منهاج السنة النبوية، للشيخ عبد الله بن محمد الغنيمان (119/1)۔

1923) جامع الرسائل، المحقق: د. محمد رشاد سالم (373/2)۔

1924) مجموع الفتاوى (565/16)۔

1925) الدرر السنية (300/2)۔

کی دعوت دیتے ہیں۔ان ساری اقسام کی اصل شیطان ہے۔یہی طاغوت اکبر ہے۔[1926]

طاغوت عام ہے، ہر اس چیز میں جس کی عبادت اللہ کے علاوہ کی جائے اور عبادت پر راضی ہو، خواہ معبود کی حیثیت سے یا متبوع یا مطاع کے اعتبار سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے علاوہ ہیں تو وہ طاغوت ہے۔[1927]

1926) الدرر السنية (301/2)۔

1927) المصدر السابق (161/1)۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں : طاغوت بہت سارے ہیں ، جن میں پانچ سب سے بڑے طاغوت ہیں۔ پہلا ابلیس اللہ کی لعنت ہو اس پر، وہ شخص جس کی عبادت کی جائے اور وہ اس سے راضی ہو۔ وہ شخص جو لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کی دعوت دینے پر ابھارے۔ وہ شخص جو غیبی امور میں سے کسی چیز کو جاننے اور علم رکھنے کا دعویٰ کرے، اور وہ شخص جو اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلہ نہ کرے۔

جب مصنف رحمہ اللہ نے طاغوت کی تعریف کا ذکر کیا تو انھوں نے طاغوت کی اقسام کو بیان کیا۔ چنانچہ کہا، مخلوق میں طاغوت بہت ہیں۔ غور و تدبر اور تلاش و جستجو سے معلوم ہوتا ہے کہ سردار پانچ ہیں۔ ان میں پہلا ابلیس مردود ہے۔ اللہ کی اس پر لعنت ہو۔ رحمت الٰہی سے دور ہو۔ دوسرا وہ جس کی عبادت کی جائے اور وہ خوش ہو۔ تیسرا جو لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دے۔ چوتھا جو علم غیب کا دعویٰ کرے جیسا کہ جادو گر، کاہن، نجومی وغیرہ کا حال ہے۔ اور پانچواں جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف فیصلہ دے۔[1928]

اس سیاق میں مصنف کے کلام سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں۔

1928)ینظر: حاشیة ثلاثة الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (98)؛ وتيسير الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبد المحسن القاسم (204)؛ وشرح ثلاثة الأصول، محمد بن صالح العثيمين (151)۔

پہلا مسئلہ: "طاغوت بہت ہیں" اس کی وضاحت۔

طواغیت، طاغوت کی جمع ہے۔ طاغوت کا اطلاق جمع واحد دونوں پر ہوتا ہے۔ اس کی جمع یہاں اجناس کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ اجناس بہت ہیں جن سے سرکشی حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایک قسم کے نہیں ہیں جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے بیان کیا۔ طاغوت کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو شریعت سے تجاوز کرنے والا ہو، اگرچہ اس کا تجاوز کرنا کفر نہ ہو۔ چنانچہ جس سے سرکشی حاصل ہوتی ہے وہ ایک درجے کے نہیں ہیں۔ بعض کفر ہیں، بعض شرک ہیں، بعض معصیت ہیں، بعض بدعت ہیں۔[1929]

دوسرا مسئلہ: ان کے سردار پانچ ہیں۔ پہلا ابلیس ہے، اللہ کی اس پر لعنت ہو۔

رؤوس، رأس کی جمع ہے۔ ہر بلند چیز کو کہتے ہیں۔ رؤوس وہ ہیں جو شر کے اعتبار سے ان میں بڑا ہو اور خطرے کے اعتبار سے ان میں سخت ہو۔ اور ان کے سردار پانچ ہیں۔ یعنی جن سے اعلیٰ درجے کی سرکشی حاصل ہوتی ہے اور جن پر طاغوت کا وصف صادق آتا ہو، پانچ ہیں۔ مصنف رحمہ اللہ نے بیان کیا، ان پانچوں سرداروں میں سب سے پہلا ابلیس لعنۃ اللہ ہے۔ مناسب ہے کہ لعین کہا جائے، نہ کہ لعنۃ اللہ۔ اس لیے کہ ہم اس پر بددعا کر کے

(1929) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد المصلح (86)۔

عبادت نہیں کرتے بلکہ اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ کر بہت سے مقامات پر عبادت کرتے ہیں۔ نماز شروع کرنے میں، تلاوت قرآن سے پہلے، بیت الخلا میں داخل ہوتے وقت، سجدے میں داخل ہوتے اور نکلتے ہوئے، اور بہت سی جگہوں پر جن کا ذکر قرآن وسنت میں ہے۔[1930]

ابلیس لعین، سب سے بڑا طاغوت ہے۔ یہ تمام طواغیت اور شرور کی جڑ ہے۔ یہ پہلے درجے کا طاغوت ہے، اس لیے کہ اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ متبوع، مطاع ہے اور اس پر راضی ہے۔ طاغوت کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر سلف سے منقول یہ ہے کہ وہ شیطان ہے۔[1931]

تیسرا مسئلہ: جس کی عبادت کی جائے اور وہ راضی ہو۔

مصنف رحمہ اللہ نے دوسرا طاغوت اسے کہا ہے جس کی عبادت کی جائے اور وہ راضی ہو۔ انبیاء اور فرشتوں سے احتراز کے لیے، اس لیے کہ بعض مشرکین ان کی عبادت کرتے ہیں اور وہ ان سے راضی نہیں ہیں بلکہ ان کی عبادت کرنے والے جو لوگ ہیں، ان

(1930) شرح الأصول الثلاثة، عبد الرحمن البراک (49)۔

(1931) شرح ثلاثة الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (234)۔

سے بے زار ہیں۔[1932] چنانچہ ہر وہ مخلوق جس کی عبادت کی جائے، اس کے چاہے یا نہ چاہے اور وہ اس پر راضی ہو تو وہ طاغوت ہے۔ اس لیے کہ یہ فعل بندے کی حد سے تجاوز کرنا ہے اور اس کے مقام سے تجاوز کرنا ہے جو اس کے مناسب ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں، اللہ کے علاوہ جو معبود ہے، اگر وہ اس فعل کو ناپسند کرتا ہو تو طاغوت ہے۔ اس لیے نبی ﷺ نے صحیح احادیث میں اصنام کو طاغوت کہا۔ " ويتبع من يعبد الطواغيت الطواغيت " اللہ کی معصیت میں مطاع ہو۔ ہدیات اور دین حق کی اتباع میں مطاع ہو۔ یہ طاغوت ہیں۔ اسی لیے انھیں بھی طاغوت کہا جس نے کتاب اللہ کے بغیر کسی حاکم کی طرف فیصلہ لے گیا، طاغوت ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرعون وعاد کو طغاۃ کہا۔[1933]

چوتھا مسئلہ: جس نے لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دی۔

مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں " تیسرا طاغوت وہ ہے جس نے لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دی، خواہ اس نے اس کی اطاعت کی ہو یا نہ کی ہو۔ وہ طاغوت ہے، اس لیے کہ اس نے اپنی حد سے تجاوز کیا۔ یہ اس سے بڑھ کر ہے جس کی عبادت کی جائے اور وہ خاموش ہو

(1932) شرح الأصول الثلاثة، عبدالرحمن البراک (49)۔

(1933) مجموع الفتاوی (200/28)۔

لیکن اس نے اپنی عبادت کی دعوت نہ دی ہو اور اس سے راضی ہو۔ وہ طاغوت ہے۔ اس سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اپنی عبادت کی دعوت دیتا ہو۔"[1934]

پانچواں مسئلہ: جس نے علم غیب کا دعویٰ کیا۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں : چوتھا طاغوت وہ ہے جس نے علم غیب کا دعویٰ کیا۔

جس غیب کا مدعی طاغوت کہلاتا ہے، وہ غیب مطلق ہے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔اس کی کنجیاں پانچ ہیں ۔ارشاد خداوندی ہے{إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (34) }[1935]، ترجمہ: اُس گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا پرورش پا رہا ہے، کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرنے والا ہے اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ کس سرزمین میں اس کی موت آنی ہے، اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

(1934) شرح ثلاثة الأصول، صالح آل الشيخ (234)؛ وينظر: شرح ثلاثة الأصول، عبد الله الغنيمان (217)۔

(1935) سورة لقمان، الآية (34)۔

چنانچہ جس نے ان باتوں میں سے کسی کے علم کا دعویٰ کیا، وہ قرآن عظیم کا انکار کرنے والا ہے۔ ہر وہ شخص جس نے علم غیب کا دعویٰ کیا، اس نے اپنی حد سے تجاوز کیا اور وہ طاغوت ہے۔ اسی لیے سلف کی ایک جماعت نے اس آیت میں طاغوت کی تفسیر کاہن سے کی ہے {يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ}[1936]، ترجمہ: مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں۔

کاہن وہ ہے جو مستقبل میں غیب کی خبر دیتا ہے۔ جس نے مستقبل میں غیب کی خبر دی، وہ سلف کی تفسیر کی روشنی میں طاغوت ہوگا۔[1937]

غیب نسبی:

وہ قسم ہے جس سے ایک شخص واقف ہوتا ہے اور دوسرا اس کو نہیں جانتا۔ اس طرح غیب کا علم بعض لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اور دوسروں کو اس کے مقابلے

(1936)سورۃ النساء، الآیۃ(60)۔

(1937)شرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد بن عبداللہ المصلح(86)۔

میں حاصل نہیں ہوتا۔ تو یہ نسبت کے اعتبار سے ہے اور یہ مصنف کے قول کا مقصود نہیں ہے کہ ” جس نے غیب کا دعویٰ کیا، وہ طاغوت ہے۔“[1938]

چھٹا مسئلہ: جس نے قانون الٰہی کے خلاف فیصلہ کیا۔

پانچواں اور آخری طاغوت جسے مصنف نے ذکر کیا، وہ ہے جس نے قانون الٰہی کے خلاف فیصلہ کیا۔ اس لیے کہ اس فیصلے سے اس نے اپنی حد سے تجاوز کیا اور جس نے اس کی اطاعت کی، اس سلسلے میں اور اس کی اس سلسلے میں موافقت کی تو اس نے غلو کیا اور اپنی حد سے تجاوز کیا۔[1939] جس نے اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ اپنے مقدمے کا فیصل بنایا تو اس نے طاغوت کو فیصل بنایا، جبکہ اس کے انکار کا اسے حکم دیا گیا ہے اور بندہ طاغوت کا انکار نہیں کرتا، یہاں تک کہ اللہ واحد کو فیصل بنا لے جیسا کہ وہ حقیقت میں ہے۔[1940] شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں ذکر کیا جنھوں نے احبار و رحبان کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا۔ ایسے لوگ دو طرح کے ہیں۔

1938) ینظر: تعلیقات علی ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبداللہ العصیمي (58)۔

1939) شرح الأصول الثلاثۃ، عبدالرحمن بن ناصر البراک (49)۔

1940) طریق الهجرتین وباب السعادتین، لابن الیم، فصل: في الغنی العالي (37)۔

ان میں ایک وہ ہیں جو یہ جانتے ہوں کہ انھوں نے اللہ کے دین کو بدل دیا ہے، پھر بھی ان کی اتباع کرتے ہوں اور اس چیز کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو جسے اللہ نے حرام قرار دیا اور اس چیز کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو جسے اللہ نے حلال کیا۔ علم کے باوجود اپنے سرداروں کی اتباع میں کہ انھوں نے دین رسول کے خلاف کیا ہے تو یہ کفر ہے اور اللہ اور اس کے رسول نے اسے شرک قرار دیا ہے۔

دوسرے وہ ہیں جن کا عقیدہ، ایمان حرام کے حرام ہونے اور حلال کے حلال ہونے کا ہو لیکن انھوں نے ان کی اطاعت اللہ کی معصیت میں کی جیسا کہ بہت سے مسلمان معاصی کا اعتقاد رکھتے ہوئے معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ تو ان جیسے لوگوں کا حکم یہ ہے کہ وہ گنہگار ہیں۔ 1941

1941) مجموع الفتاوى (7/70، 71)؛ وفي الأصل: (بتحريم الحلال وتحليل الحرام)، ولا يستقيم مع السياق فلعله خطأ من الناسخ، ولعل الصواب ما أثبت. والله أعلم ينظر: صيانة مجموع الفتاوى من السقط والتحريف، ناصر الفهد (59)، ناشر: أضواء السلف۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اس بات کی دلیل اللہ رب العزت کا فرمان ہے: {لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (256)}[1942] ترجمہ: دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے اب جو کوئی طاغوت کا انکار کرکے اللہ پر ایمان لے آیا، اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

اور یہی معنی ہے لاالہ الااللہ کا۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس بات کی دلیل ذکر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر طاغوت کے انکار اور اللہ واحد پر ایمان کو فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ کہا، دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ "۔"الرُّشْدُ "کے معنی دین کے ہیں اور" الْغَيِّ "کے معنی کفر کے۔ یعنی ایمان کو کفر سے واضح کردیا" فَمَنْ يَكْفُرْ

(1942)سورۃالبقرۃ:256۔

بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ"، جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اس نے توحید کے دوسرے رکن کو ثابت کردیا۔ اور جس نے ان دونوں کو ثابت کردیا " فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا"، اس نے اس مضبوط گرہ کلمہٗ توحید کو مضبوطی سے تھام لیا۔ اس لیے کہا، یہ لا الٰہ الا اللہ کا معنی ہے۔ چنانچہ طاغوت کا انکار اور اللہ پر ایمان یہ لا الٰہ الا اللہ کا معنی ہے جو نفی واثبات پر مشتمل ہے۔ نفی طاغوت کا انکار ہے اور اثبات اللہ پر ایمان ہے۔[1943]

اس میں دو مسئلے ہیں۔

پہلا مسئلہ: آیت سے استدلال کی وجہ

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: دلیل ارشاد ربانی ہے {لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (256) }۔

1943) ینظر: حاشیة ثلاثة الأصول، عبدالرحمن بن قاسم (100)؛ وتیسیر الوصول شرح ثلاثة الأصول، د. عبدالمحسن القاسم (206)؛ وشرح الأصول الثلاثة، عبدالعزیز الراجحي (107)۔

یعنی اسلام میں داخل کرنے پر کسی کو مجبور مت کرو، اس لیے کہ اس کے دلائل و براہین نالکل صاف اور واضح ہیں۔ اسلام میں داخل کرنے پر کسی کو مجبور کرنے کا محتاج نہیں ہے۔ جسے اللہ نے اسلام کی ہدایت دی، اس کے سینے کو کھول دیا اور اسے بصیرت کی روشنی دی، وہ دلائل کی بنیاد پر اسلام میں داخل ہو گیا اور جس کے دل کو اللہ تعالیٰ اندھا کر دیا اور اس کے کان و آنکھ پر مہر لگا دی، اس کے لیے دین میں داخل ہونا اور زبردستی سے مفید نہیں ہے ۔[1944]

اور آیت کی دلالت اس پر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر طاغوت کا انکار کرنے اور اللہ پر ایمان کو فرض قرار دیا ہے اور مصنف رحمہ اللہ نے یہاں دلیل اس بات کی ذکر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر طاغوت کے انکار کو اور اللہ پر ایمان کو فرض قرار دیا ہے ۔ رہا طاغوت کی تعریف اور طواغیت کے اقسام کا ذکر، تو مصنف رحمہ اللہ نے اس کی دلیل یہاں ذکر نہیں کی ہے۔[1945] بلکہ اس پر دوسرے رسالے میں دلیل دی ہے۔[1946]

1944)حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبدالرحمن بن قاسم(99)۔

1945)حصول المأمول بشرح ثلاثۃ الأصول، عبداللہ الفوزان(204)۔

1946)ینظر: الدرر السنیۃ(162/1)۔

دوسرا مسئلہ: مصنف کے قول "یہ لاالٰہ الا اللہ کا معنی ومفہوم ہے" کی وضاحت۔

یعنی یہ آیت نفی اور اثبات پر مشتمل ہے۔لا الٰہ کے معنی ہیں، طاغوت کا انکار۔اس لیے کہ اس میں ہر معبود کی عبادت کی نفی ہے اور ''الا اللہ'' تمام قسم کی عبادت اللہ کے لیے ہے،اس کا اثبات ہے۔اور یہی اللہ رب العزت ذوالجلال پر ایمان ہے۔[1947] تو یہ آیت لا الٰہ الا اللہ کی تفسیر اور اس کے معنی کا بیان ہے۔اور جب اس مضبوط کڑے کو تھام لیا تو دلیل ہے ،اس بات کی کہ اس نے تمام فرائض کو فرض قرار دے دیا،اس لیے کہ کلمۂ توحید سے زیادہ عظیم اور اس سے زیادہ ضروری کوئی چیز نہیں ہے۔[1948]

(1947)ینظر: شرح الصول الثلاثة،د.خالد المصلح(91)؛وشرح الأصول الثلاثة،حمد الحمد(26)۔

(1948)شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراهيم آل الشيخ(309)۔

مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں: حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:" رأس الأمر الإسلام، وعموده الصلاة، وذروة سنامه الجهاد في سبيل الله "[1949]، ترجمہ: دین کی اصل اسلام ہے،اور اس کا ستون (عمود) نماز ہے،اور اس کی چوٹی اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔والله أعلم وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم۔

مصنف رحمہ اللہ اس مبارک رسالے کے اخیر میں لکھتے ہیں، حدیث میں ہے جس کے راوی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا" دین کی جڑ اسلام ہے۔ جو لا الٰہ الا اللہ کا معنی ہے۔طاغوت کے انکار اور اللہ پر ایمان کو شامل ہے۔اس دین کا ستون نماز ہے جو توحید کے بعد اوجب الواجبات ہے۔اور اس کی بلند چوٹی اللہ کے راستے میں جہاد ہے۔"اس کے بعد مصنف رحمہ اللہ نے اس عظیم رسالے کو ختم کیا۔علم کو اس ذات کی

1949) أخرجه ابن ماجه في كتاب: الفتن، برقم (3973) والترمذي في كتاب: الايمان برقم (2616)، وقال "هذا حديث حسن صحيح" وأخرجه الحاكم في المستدرك على الصحيحين برقم (2408) وقال "هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه" ووافقه الذهبي۔

طرف کرتے ہوئے جس نے ہر چیز کے علم کا احاطہ کیا ہے۔ چنانچہ کہا" واللہ اعلم"، پھر درود بھیجا بہترین مخلوق پر اپنے قول وصلی اللہ علی محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کے ذریعے۔ اللہ تعالیٰ انھیں آفات، شرور اور ناخوش گوار حالات سے محفوظ رکھے۔[1950]

مذکورہ بالا باتوں میں درج ذیل مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ: رأس الأمر اسلام ہے۔

اسلام کا اصل ہونا کسی کے لیے اسی وقت مفید ہوگا جب وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ اسی پر قائم ہے جس کے ساتھ نبی ﷺ مبعوث کیے گئے، حالانکہ اس میں اسلام کی حقیقت موجود نہیں ہے۔ تو اس نے اس چیز کو جھٹلا دیا جسے لے کر اسلام آیا ہے جیسا کہ مجنون ہے۔ اس کے لیے اصل نہیں ہے کیونکہ اس نے زندگی کو کھو دیا۔ اسی طرح اسلام کی حقیقت کو کھو دیا۔ چنانچہ جس نے اپنی نسبت اس چیز کی طرف کی جسے لے کر رسول اللہ ﷺ آئے ہیں اور اس نے دعویٰ کیا کہ وہ امت اجابت میں ہے، حالانکہ اس سے اسلام کا اصل اور اس کی حقیقت مفقود ہے تو وہ جھوٹا افترا پرداز ہے۔ لہٰذا جس میں توحید ایک اللہ کی عبادت کرنا

1950) ینظر حاشیۃ ثلاثۃ الأصول، عبد الرحمن بن قاسم (100) وتیسیر الوصول شرح ثلاثۃ الأصول، عبد المحسن القاسم (208)۔

اوراسلام کی بنیاداوراس کا قلعہ موجود نہ ہو تو اس کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔اس کے انتساب کی حقیقت کو کھونے کی وجہ سے۔[1951]

دوسرا مسئلہ: رسالے کے خاتمے میں اس حدیث کو لانے کی وجہ۔

شارحین کا اختلاف ہے، مصنف رحمہ اللہ کے اس حدیث کے ذریعے اپنی کتاب کو ختم کرنے کی وجہ کے بارے میں چند اقوال ملاحظہ ہو۔

پہلا احتمال یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ پر ایمان لانے اور طاغوت کا انکار کرنے پر استدلال ہو۔ چنانچہ اسلام سے یہاں مراد شہادتین ہے۔ جس نے شہادتین کا اقرار باطناً و ظاہراً نہیں کیا، اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔[1952] اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسری روایت میں اس کی تفسیر شہادتین کے ساتھ آئی ہے۔[1953]

(1951)شرح ثلاثۃ الأصول، محمد بن إبراھیم آل الشیخ(310)۔

(1952)جامع العلوم والحکم، لابن رجب(145/2)، شرح الحدیث: رقم(29)۔

(1953)وجاء في رواية عند أحمد في المسند برقم(22122) أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن رأس هذا الأمر أن تشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأن محمداً عبده ورسوله وإن قوام هذا الأمر إقام الصلاة وإيتاء الزكاة وإن ذروة السنام منه الجهاد في سبيل الله۔

تو اسلام سے مراد یہاں توحید ہے، نہ کہ دین کا عموم۔[1954] اس میں اس بات کی دلیل ہے جو اس سے پہلے گزری کہ "اللہ نے تمام بندوں پر طاغوت کے انکار اور اللہ پر ایمان کو فرض قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت اللہ پر ایمان اور طاغوت سے انکار ہے۔ تو ہو سکتا ہے، مصنف رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہو کہ ہر چیز کی جڑ ہوتی ہے اور دین کی جڑ جسے لے کر محمد ﷺ آئے، اسلام ہے۔ تو دین کی جڑ بندے کا اپنے کو اللہ کے حوالے کر دینا ہے۔ اس پر ایمان لانا اور طاغوت کا انکار کرنا ہے۔[1955] چنانچہ جس نے اس چیز کی طرف نسبت کی جسے لے کر نبی ﷺ آئے اور دعویٰ کیا کہ امت اجابت میں ہے، حالانکہ اسلام کا دوسرا سرا، اس کی بنیاد اور اس کی حقیقت موجود نہیں ہے جو ایمان باللہ اور طاغوت کا انکار کرنے پر مشتمل ہے تو اس کے دعوے کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ

1954) المصدر السابق؛ وينظر: التعليق المأمول على ثلاثة الأصول، أ.د. عبد الرحمن السديس (460)۔

1955) شرح ثلاثة الأصول وأدلتها، أملاه فضيلة الشيخ صالح بن عبد الله العصيمي (85)، الكتاب الثاني: برنامج مهمات العلم السادس بالمسجد النبوي 1436 هجريا۔

توحید کی اہمیت کی تاکید کے طور پر ہے اور مصنف رحمہ اللہ نے مجموعی طور پر اس رسالے سے یہی ارادہ کیا ہے۔[1956]

دوسرا احتمال یہ ہے کہ مصنف رحمہ اللہ کا مقصود اس حدیث کے ذریعے رسالے کو ختم کرنا، اس لیے کہ یہ حدیث معانی کو اپنے اندر لیے ہوئے ہوتی ہے۔[1957] وہ دین کی بنیاد، اساس اور جڑ کے بیان پر مشتمل ہے۔اس چیز کا بیان ہے جس کی بنا پر دین کو انجام دیا جاتا ہے اور اس چیز کا بیان ہے جس کے ذریعے مقصد تک پہنچا جاتا ہے۔اور یہ دلیل ہونے کے ساتھ عمدہ اختتام ہے کیونکہ محض قول ان اصول کی کامیابی اور توحید کی تحقیق میں کافی نہیں ہے بلکہ عمل کا ہونا پہلے ضروری ہے اور حصول عمل کے ساتھ اس کا مقصد ضروری ہے۔چنانچہ شہادتین اقرار ہے ، اللہ کی الوہیت اور نبی کی رسالت کا۔ اس لیے ان دونوں کی طرف انتساب کے لیے اعمال صالحہ کی پابندی ضروری ہے۔اوران میں اعلیٰ واشرف نماز کو ذکر کیا کیونکہ نماز ستون ہے جس پر عمارت کھڑی ہوتی ہے اور نماز کے ذریعے دین کی عمارت

1956) شرح الأصول الثلاثة، د. خالد بن عبد اللہ المصلح (92)؛ وینظر: إفادۃ المسؤول عن ثلاثة الأصول، صالح بن عبد اللہ القصیر (137)۔

1957) شرح ثلاثة الأصول، محمد بن إبراھیم آل الشیخ (315)۔

کھڑی ہوتی ہے، اس لیے کہ نماز عملی ایمان کا رکن ہے جس کے ذریعے عملی ایمان کے تقاضے کی فرماں برداری حاصل ہوتی ہے۔ ایمان قول، اعتقاد اور عمل کا نام ہے۔ عمل کا ستون نماز ہے۔ جب نماز ہی نہیں رہی تو عمل بھی قائم نہیں رہے گا۔[1958] چنانچہ اس رسالے کو اس چیز کے بیان سے ختم کیا جس سے دین ثابت ہوتا ہے۔ جس پر دین قائم ہوتا ہے اور جس سے دین محفوظ ہوتا ہے۔ دین شہادتین سے ثابت ہوتا ہے۔ نماز سے قائم ہوتا ہے اور جہاد سے محفوظ ہوتا ہے۔[1959]

تیسرا احتمال یہ ہے کہ مصنف رحمہ اللہ اس کے ذریعے ان تین امور کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس کا ذکر پہلے مقدمہ میں کیا ہے۔

پہلی بات: علم ہے، اس لیے کہ دین کی بنیاد اسلام ہے۔ یعنی انسان کا اہم ترین معاملہ ہے، لہٰذا اس کے لیے اس پر توجہ دینا تمام امور پر مقدم ہے اور اسے مقدم کرنے کی علامت اسلامی تعلیمات پر توجہ دینا ہے۔

1958) شرح ثلاثۃ الأصول، صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (238)۔

1959) شرح الأصول الثلاثۃ، د. خالد بن عبد اللہ المصلح (94)۔

دوسری بات: عمل ہے۔ عمل کی اہم ترین علامت اور دلیل نماز کی پابندی ہے، اس لیے کہ نماز اسلام کا ستون ہے۔

تیسری بات: دعوت ہے اور اس کے ذرائع و وسائل میں جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ جس کے ذریعے اسلام دوسرے دین پر بلند ہوتا ہے اور اس کے ذریعے دین دشمنوں سے محفوظ اور باقی رہتا ہے۔[1960]

تیسرا مسئلہ: رسالہ کا خاتمہ۔

مصنف رحمہ اللہ نے رسالہ کے خاتمہ میں "واللہ اعلم، وصلی اللہ علی محمد و علیٰ آلہ وصحبہ وسلم" کہا۔ مصنف رحمہ اللہ نے اس عظیم رسالے کو اس ذات کے حوالے علم کو کر کے کیا جو ذات ہر چیز کے علم کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس ذات سے درخواست کی کہ نبی ﷺ، ان کی اولاد اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر رحمت نازل فرمائے۔ "آل" کا لفظ واحد ذکر کیا جاتا ہے اور دوسروں کے ساتھ بھی۔ جب واحد ذکر کیا جاتا ہے تو آپ کے دین کے تمام پیروکار، آپ کے رشتے دار اور صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہم مراد ہوتے ہیں اور جب اصحاب کے ساتھ

1960) شرح الصول الثلاثة، خالد بن عبد الله الأنصاري (63)۔

ذکر کیا جاتا ہے تو آل سے مراد دین کے پیروکار اور صحابہ کرام ﷺ مراد ہوتے ہیں۔ تو ان کا "آل" پر عطف، عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہوگا۔[1961]

اہم مسائل کو بیان کرنے کے بعد مصنف رحمہ اللہ نے اس اہم رسالہ کو ختم کیا۔ (اللہ تعالیٰ انھیں خوب خوب اجر و ثواب عطا فرمائے)۔

اس رسالے کا اہم ترین مقصد اس اہم ترین علم کو ثابت کرنا ہے جس پر مسلمان کو عملاً و علماً و دعوتاً و تبلیغاً و صبراً توجہ دینا ضروری ہے۔ وہ اصول تین ہیں: رب کی معرفت، نبی ﷺ کی معرفت اور دین کی معرفت۔ چنانچہ اس چیز کو دلیل سے واضح کیا اور جس چیز کی معرفت ضروری ہے، اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ نیز اس میں ایسے تین مسائل کو ثابت کیا جس کی معرفت اور جس پر عمل ضروری ہے۔[1962] اس طرح یہ تینوں اصول مکمل ہوگئے جن پر امام، مجدد، شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کا یہ مبارک رسالہ مشتمل ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ انھیں خوب اور پورا پورا بدلہ دے، آمین۔

(1961) شرح عقیدۃ أهل السنة والجماعة، المتن والشرح، للشیخ محمد بن صالح العثیمین (31)۔

(1962) شرح الأصول الثلاثة، أحمد الصقعوب (109)۔

خاتمہ

یہ رسالہ تکمیل کی منزل سے ہمکنار ہوا، محض اللہ کی توفیق، اس کے احسان اور اس کی مدد سے۔ اسی نے اس مبارک اور اہم رسالہ کی شرح کی توفیق بخشی۔ اول سے آخر ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ ظاہری، باطنی، ہر تعریف کا مستحق وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل اور اس کی عظیم نوازش کی درخواست ہے کہ مولف اور شارح کے نامہ اعمال کو اجر و ثواب سے بھر دے۔ ہمیں زندگی اور موت خالص توحید پر دے۔ ہمیں، ہمارے والدین، ہماری بیویوں، ہماری اولاد اور ہمارے مسلمان بھائیوں کو صغیرہ، کبیرہ، چھوٹے، بڑے، ظاہر، پوشیدہ، شرک سے حفاظت فرمادے۔ تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جس کی نعمت سے اور جس کے فضل سے نیکیاں مکمل ہوتی ہیں۔ اللہ کی رحمت اور سلامتی اور برکت ہو اس کے بندے، اس کے رسول، ہمارے نبی محمد ﷺ پر اور ان کی اولاد اور ان کے تمام صحابہ پر۔

اے اللہ! تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ ہم تیری تعریف بجالاتے ہیں۔ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم تجھ سے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں اور تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔

☆☆☆